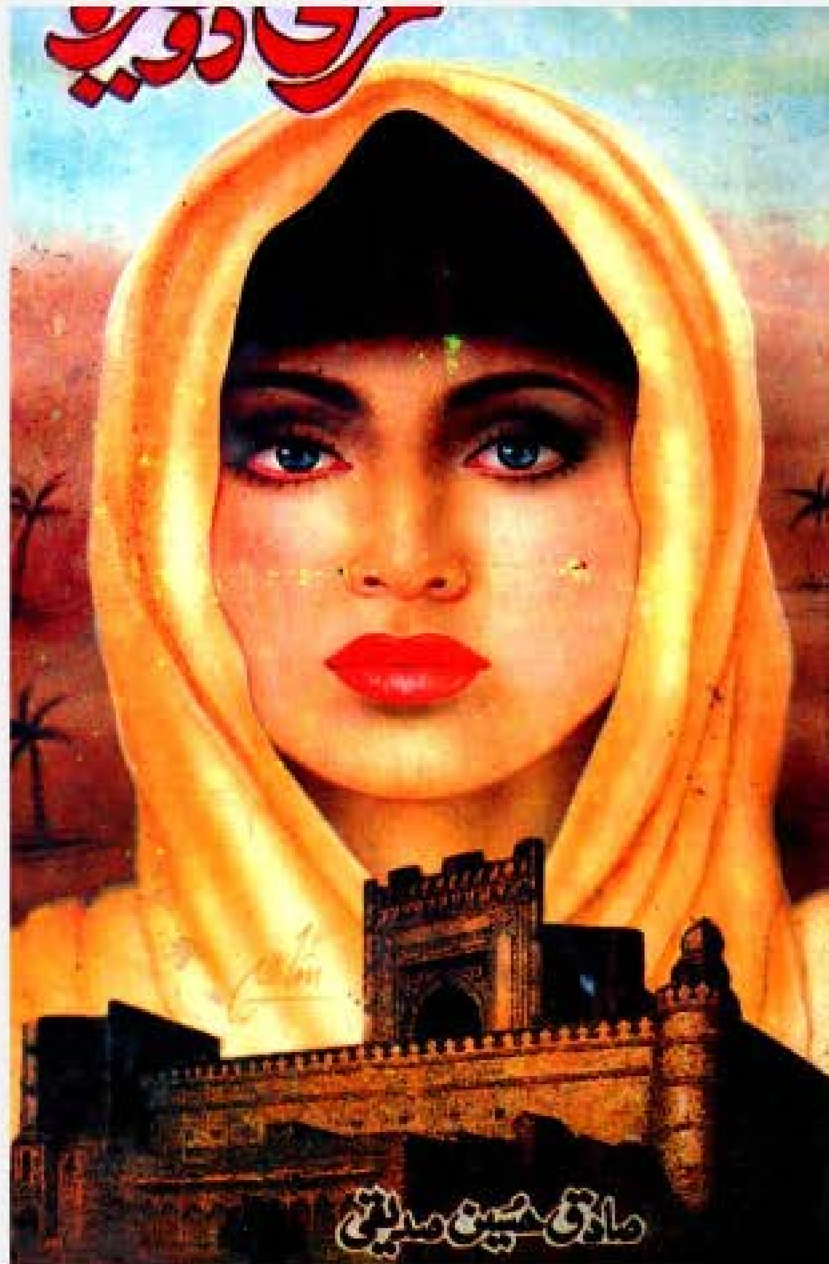

سرخ دوپٹہ
صادق حسین صدیقی

عربی دوشیزہ

عربی دوشیزہ

صادق حسین صدیقی

شاہد بکڈپو
اُردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

ناشر	اے ایچ قریشی
با اہتمام	ایم اے قریشی
مطبع	F.A.S PRINTERS LAHORE
تعداد	600
سن اشاعت	1993
قیمت	100/-

شاہد بکڈپو

اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

پہلا باب

دوشیزگان عرب

صبح کا وقت تھا' آفتاب طلوع ہو کر کسی قدر اونچا ہو گیا تھا۔ اور اس کی بنفشی شعاعیں سبزہ زار پر لوٹ کر طرح طرح کے رنگ پیدا کر رہی تھیں ان شعاعوں کی حدت ہی گرمی سے رات کی گری ہوئی منجمد انجرات بن بن کر اڑنے لگی تھی اس وقت پہاڑی دامن میں ایک چشمہ کے خوشنما کنارہ پر چند عربی دوشیزہ بیٹھی ہوئی خاموشی سے بہنے والے پانی کو دیکھ رہی تھیں۔

چشمہ پہاڑی کی سب سے اونچی چٹان سے بہہ کر پتھروں پر گرتا۔ بل کھاتا شور مچاتا چلا آرہا تھا۔ اور دامن کوہ میں آکر سبزہ زار میدان میں زمین کو چیرتا بہتا چلا جا رہا تھا۔

چشمہ کا صاف و شفاف پانی دھوپ میں جگمگاتا۔ کناروں کے ساتھ خوش فعلیاں کرتا کسی قدر شور کے ساتھ ابھر رہا تھا اور اپنے ساتھ گھاس اور لکڑیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بہائے لیے جا رہا تھا۔

یہ دامن کوہ جس میں یہ چشمہ رواں تھا نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ پہاڑ کے سامنے حد نگاہ تک پھیلا افق سے ملتا نظر آتا تھا۔

اس کھلے ہوئے میدان میں چشمہ سے مشرق کی طرف کچھ ہٹ کر خیمے نصب تھے جو قطار در قطار دور تک پھیلتے چلے گئے تھے' اور دھوپ میں سفید چمک رہے تھے۔

یہ خیمے اس اسلامی لشکر کے تھے جو ملک آرمینیا کو فتح کر کے جزیرہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ غازیان اسلام نے قلعہ ماردین فتح کر لیا تھا۔ اور حران کے مشہور شہروں پر قبضہ کر لیا تھا اور اب قلعہ راس العین کی طرف بڑھ رہے تھے۔

اس لشکر کے سپہ سالار عیاض بن غنم الاشعری نہایت بہادر اور پرجوش مجاہد تھے ہمارے اس ناول کا تعلق ۱۹ھ سے ہے یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ تھے آپ کے ہیبت و دبدبہ سے دنیا بھر کے بادشاہ کانپتے تھے اور خلافت پر سر نیاز جھکانا باعث عزت و فخر سمجھتے تھے۔

اسلام سے پہلے عرب کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اعرابی مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے قبیلے خاندانوں میں منقسم تھے۔ ہر قبیلہ اور ہر خاندان کا خدا جدا تھا۔ تمام عرب میں ۳۶۰

بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ بربری اور وحشی اس قدر تھے

کہ بات بات پر آپس میں لڑ پڑتے تھے۔ اور معمولی معمولی باتوں کی لڑائی برسوں تک جاری رہتی تھی۔ بے مہر اور سنگدل ایسے تھے کہ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔

لیکن جب فاران کی چوٹیوں سے آفتاب اسلام طلوع ہوا تو ایک دم ان کی حالت بدل گئی۔ بے مہری۔ مہر سے۔ سنگدلی۔ رحم سے اور بت پرستی خدا پرستی سے بدل گئی۔ وہ انسان بن گئے۔ اور دنیا بھر کو انسان بنانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

جب دنیا کو ان کی یہ کیفیت معلوم ہوئی۔ تو سب حیران رہ گئے۔ ان کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ عربوں کی کایا پلٹ کیسے ہو گئی۔ کیسے وہ مہذب اور خدا رسیدہ بن گئے۔

تحقیق و تفتیش کرنے پر دنیا جہان کو معلوم ہو گیا کہ صرف ایک ہستی نے سالہا سال کی رنجشیں اور نااتفاقیاں مٹا کر انہیں اخوت و محبت کی زنجیر میں منسلک کر دیا۔

عرب نے توحید سے سرشار ہو کر۔ اسلامی تعلیم حاصل کر کے نئے جوش اور نئی امنگ سے اٹھے اور باوجود بے سرو سامان اور تھوڑے ہونے کے بہت تھوڑی مدت میں دنیا کے کثیر حصے پر قابض ہو گئے۔

ملک شام اور ملک مصر میں عیسائیوں کی زبردست حکومتیں تھیں۔ ہرقل اعظم یہاں کا شہنشاہ تھا۔ اس کے ہیبت و دبدبہ سے دنیا لرزتی تھی۔

مسلمانوں کی سب سے پہلی ٹکر اس عظیم الشان اور باجبروت بادشاہ ہی سے ہوئی' باوجودیکہ ہرقل اعظم نے اپنی طاقت صرف کر دی۔ مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن شیران اسلام نے شکستوں پر شکستیں دے دے کر اس پرہیبت سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے اور تمام ملک شام اور سارے ملک مصر پر قابض ہو گئے۔ ہرقل اعظم بھاگ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔

اس عظیم الشان فتح نے عربوں کو دنیا بھر میں مشہور کر دیا۔ ہر حکمران پر ان کی ہیبت چھا گئی۔ ہر قوم ڈرنے لگی۔

حضرت عمر فاروقؓ مدینہ منورہ میں رہتے تھے' وہی اسلامی دارالخلافہ تھا' اور آپ وہیں بیٹھے بیٹھے اسلامی ممالک پر حکومت کر رہے تھے۔

اس زمانہ میں مجاہدین اسلام ملک شام۔ مصر۔ عراق' عراق عرب' ایران۔ آرمینیہ اور جزیرہ وغیرہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان سب کی نقل و حرکت امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے عمل میں آتی تھی۔ ہر وقت ان کے سامنے ہر ملک کا نقشہ رہتا تھا' اور وہ

سینکڑوں میل کے فاصلہ پر بیٹھے لشکروں کے بڑھنے' ٹھہرنے' اور دوسری ہدایات کرتے رہتے تھے' اور ہر لشکر کا سپہ سالار ان ہدایتوں پر عمل کرتا تھا۔ ناممکن تھا کہ کوئی اپنی طرف سے ذرا بھی ترمیم کر سکے۔

آرمینیہ کے عیسائیوں کی چیرہ دستیاں دیکھ کر خلیفۃ المسلمین نے آٹھ ہزار لشکر پر عیاض بن غنم الاشعری کو سپہ سالار بنا کر اہل آرمینیہ اور جزیرہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تھا۔

یہ وہی لشکر تھا جو اس میدان میں فروکش تھا۔ اور چشمہ کے کنارے پر جو عربی دوشیزہ لڑکیاں بیٹھی تھیں وہ اسی لشکر کے ساتھ اپنے عزیزوں کے ہمراہ آئی تھیں۔

یہ تمام لڑکیاں خوبرو اور حسین تھیں۔ عربی وضع کی نہایت خوشنما قمیض اور شلواروں نما پائجامے پہنے تھیں۔ ان کے گیسوئے دراز گندھی ہوئی تھیں دونوں شانوں کے اوپر سے آکر ان کے گداز سینوں پر دونوں طرف اس طرح پڑی تھیں جیسے دو سیاہ سانپ لٹک رہے ہوں۔

تمام لڑکیاں آہو چشم اور فتنہ روزگار تھیں۔ ان کی بڑی بڑی آنکھیں غزال ختن کی آنکھوں سے زیادہ بڑی اور حسین تھیں۔ چہرے گول اور بھرے ہوئے تھے رخسارے گلابی اور ہونٹ پتلے تھے۔ ان کے حسین چہروں سے معصومیت کا جلال ٹپک رہا تھا۔

یوں تو وہ سب ہی حسین تھیں۔ لیکن ان میں ایک لڑکی غضب کی پرجمال تھی۔ اس کا چہرہ گول آنکھیں بڑی بڑی اور نیلی۔ رنگ کھلتا ہوا گندمی قد بوٹا سا۔ اور زلفوں میں بکھرا پن تھا۔ نہایت شرمیلی اور بڑی معصوم معلوم ہوتی تھی۔

اس کی آنکھوں میں جادو تھا جب وہ اپنی دلفریب نگاہیں اٹھا کر کسی کو دیکھتی تھی تو وہ مسحور ہو کر اسے دیکھتا رہ جاتا تھا۔

یہ مہ جبین لڑکی بیچ میں بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا اور اس کے تابش حسن سے اس تمام وادی میں روشنی پھیل رہی تھی۔

ان لڑکیوں نے کچھ باتیں شروع کیں۔ ایک نے اپنے قریب والی سے مخاطب ہو کر کہا۔ لبنیٰ تمہیں معلوم ہے کہ اب اسلامی لشکر کس طرف بڑھے گا لبنیٰ نے جواب دیا۔ ہاں معلوم ہے راس العین کی طرف بڑھے گا۔

وہی لڑکی: نہ معلوم ان عیسائیوں کو کیا ہو گیا ہے یہ مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے ہی نہیں دیتے۔

تیسری لڑکی نے کہا۔ سنا ہے۔ اس مرتبہ عیسائی بادشاہ نے زبردست لشکر جمع کیا ہے۔ اب اس کا ارادہ فیصلہ کن جنگ کرنے کا ہے۔

چوتھی لڑکی: میں نے بھی ایسا ہی سنا ہے بھائی جان کہتے تھے کہ راس العین کے بادشاہ کا نام شہریاض ہے اس کے بہت سے ماتحت بادشاہ ہیں۔ اس نے تمام بادشاہوں کو لکھا ہے کہ وہ امدادی لشکر لے کر آجائیں۔

راس العین میں عیسائیوں کی حکومت تھی۔ عیسائی بادشاہ تھا وہ رومی النسل تھا آرمینہ۔ دیار بکر۔ ارض ربیعہ اور راس العین میں اس کی حکومت تھی۔ وہ جزیرہ کا شہنشاہ کہلاتا تھا۔ کئی بادشاہ اس کے باجگزار تھے۔

اس نے تمام ماتحت بادشاہوں کو خطوط لکھے تھے۔ اور انہیں اپنی مدد کے لئے بلایا تھا۔

چونکہ تمام جزیرہ میں پادریوں نے گھوم پھر کر تقریریں کر کر کے عیسائیوں کے ذہن میں یہ بات بٹھادی تھی۔ کہ مسلمان عیسائیت کو مٹانے اور اسلام کو پھیلانے کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کے خلاف تمام جزیرہ میں جوش و غضب کا طوفان امنڈ آیا تھا۔ اور ہر بادشاہ اور ہر عیسائی مسلمانوں سے لڑنے اور انہیں جزیرہ سے نکالنے کے لئے مستعد ہو گیا تھا۔ چنانچہ بہت سے بادشاہوں نے شہریاض کی مدد کے لئے لشکر بھیج دیئے تھے اور بہت سے بھیج رہے تھے۔۔

غازیان اسلام نے ارض ربیعہ میں داخل ہو کر قرقیسیہ۔ ماکسین۔ سماوین اور کئی مشہور قلعے فتح کر لئے تھے۔۔

ان لڑکیوں کو یہ تمام واقعات معلوم تھے۔ اور وہ ان کے ہی متعلق گفتگو کر رہی تھیں --

پانچویں لڑکی نے کہا۔ تو گویا اس مرتبہ عیسائی اپنی پوری جمعیت اور پوری طاقت اور پورے سازو سامان کے ساتھ حملہ کرنے والے ہیں۔۔

لیلٰی کی بات ہے اگرچہ مسلمانوں کی تعداد عیسائیوں کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے۔ لیکن شیران اسلام کو پھر بھی کوئی خوف نہیں ہے۔ روزانہ متوحش خبریں سنتے ہیں لیکن ان کا ان پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔

دوسری نے ہنس کر کہا۔ اثر کی بھی ایک ہی کہی۔ کیا مسلمان ڈرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی شان ہی یہ ہے۔ کہ وہ سوائے اللہ کے کسی سے ڈرتے ہی نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک انہوں نے عیسائیوں کے مقابلہ میں ایک بھی شکست نہیں کھائی --

تیسری۔ مسلمانوں کا خدا پر بھروسہ ہے اور جو خدا پر بھروسہ کیا کرتے ہیں۔ خدا ان کی مدد کرتا ہے چنانچہ مسلمانوں کی وہی مدد کرتا ہے اور اس لئے مسلمان فتحیاب ہوتے ہیں --

پانچویں۔ یہی بات ہے۔ ہم خدا کے ہیں۔ خدا ہمارا ہے۔ پھر ہمیں شکست کیوں ہو۔۔

چوتھی۔ میں نے سنا ہے کہ انطاط کا جو عیسائی بادشاہ ہے اس کے ایک لڑکی ہے جس کا نام طاریون ہے اور وہ اس قدر بہادر ہے کہ کسی مرد کو اس سے لڑنے کی جرات نہیں ہوتی --

یہ سن کر تمام لڑکیاں بیساختہ ہنس پڑیں۔ ان کے ہنسنے سے ان کے چہرے اور بھی چمکنے لگے --

پہلی لڑکی نے کہا۔ خوب بات کہی۔ تم نے یہ عیسائیوں کے مرد تو بہادر ہیں ہی نہیں لڑکیاں کیا بہادر ہوں گی --

چوتھی۔ لڑکی نے سنجیدگی سے کہا۔ مرد بہادر ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ طاریون بہادر ہے۔ کسی عیسائی مرد کو اس سے لڑنے کی جرات ہی نہیں ہوتی۔ اس کے باپ نے اعلان کیا ہوا ہے کہ جو نوجوان طاریون کو مغلوب کر لے گا اسی کے ساتھ اس کی شادی کر دی جائے گی۔ لیکن آج تک بھی کوئی اسے مغلوب نہ کر سکا۔

پہلی لڑکی نے متعجب ہو کر کہا۔ یہ تو اور بھی تعجب کی بات ہے۔

دوسری لڑکی نے کہا۔ تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ لڑکی اس قدر حسین ہے کہ اسے دیکھنے والا اس کے حسن کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ اور اس کی ساری بہادری اس کا رخ زیبا دیکھتے ہی کوچ کر جاتی ہے۔

تیسری لڑکی۔ یہ بات قرین قیاس نہیں ہے۔

لیلٰی نے مسکرا کر اپنی حسین و جمیل سہیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کیا وہ عیسائی لڑکی ہماری طاہرہ سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔

اس پر جمال کا نام جو ان میں سب سے زیادہ حسین تھی طاہرہ تھا۔ اس نے اپنی ہوشربا آنکھیں اٹھا کر لیلٰی کو دیکھا۔۔

اس کی آنکھوں میں جادو بھرا ہوا تھا۔ لیلٰی اس کی جادو نگار نظریں دیکھ کر کچھ کھوئی سی گئی --

پہلی لڑکی نے کہا۔ واہ واہ۔ خوب مقابلہ کیا ہے۔ تم نے طاریون بھی طاہرہ سے کیا مقابلہ کر سکتی ہے۔

لبنیٰ۔ خدا کی قسم تم سچ کہہ رہی ہو۔ طاریوں اگر حسین ہو۔ لیکن طاہرہ سے بڑھ کر حسین نہیں ہو سکتی۔

طاہرہ نے مصنوعی غصہ کے انداز میں کہا۔ یہ کیا ذکر شروع کر دیا ہے تم نے۔

لبنیٰ۔ کیوں۔ کیا تم خوبصورت نہیں ہو۔

پہلی لڑکی نے ہنستے ہوئے کہا۔ یہ اس قدر خوبصورت ہیں کہ دن کو سورج اور رات کو چاند محض ان کی دلکشی اور پیاری صورت دیکھنے کے لئے نکلتے ہیں۔

طاہرہ: ایسی بات کہنا بھی داخل ہے۔

دوسری لڑکی: لبنیٰ! تم غلط کہہ رہی ہو۔ طاہرہ حسین نہیں ہے۔

تیسری: بے شک اس سے زیادہ حسین تو خود لبنیٰ ہی ہے۔

لبنیٰ۔ اگر تم چاند کی برائی کرو۔ اسے بدصورت اور تاریک بتاؤ۔ تو اس کی دلکشی میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔

دوسری لڑکی: گویا تم طاہرہ کو چاند سمجھتی ہو۔

لبنیٰ: چاند سے زیادہ حسین۔

طاہرہ مسکرا رہی تھی۔ اس کا تبسم بجلیاں گرا رہا تھا۔ حقیقت میں وہ بہت زیادہ حسین تھی ایسی حسین کہ حسن کو خود اس پر ناز تھا۔ مسکرانے سے اس کا چہرہ اور بھی روشن ہو گیا تھا۔ اس کی حسین آنکھوں میں سحر خیز چمک پیدا ہو گئی تھی۔

دفعۃً طاہرہ کی نگاہ پہاڑ کے اوپر اٹھ گئی۔ اس نے سب سے اونچی چٹان کے پیچھے چند عیسائیوں کو کھڑے دیکھا جو پتھروں کے پیچھے چھپے ہو کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اس کے حسین چہرہ سے کچھ گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے۔ تمام لڑکیوں نے اسے گھبراتے دیکھا۔ لبنیٰ نے دریافت کیا۔ کیوں گھبرا گئیں تم طاہرہ۔

طاہرہ نے چٹان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس طرف دیکھو شاید وہاں کچھ عیسائی چھپے ہوئے ہیں۔

فوراً ہی سب نے نگاہیں اٹھا اٹھا کر دیکھا انہیں عیسائی چٹان سے پیچھے ہٹتے نظر آئے۔ لبنیٰ نے کہا ہاں عیسائی ہیں۔ کاش ہمارے پاس اس وقت ہتھیار ہوتے۔

پہلی لڑکی نے جوش میں آ کر کہا افسوس ہم نہتی ہیں ورنہ پہاڑی پر چڑھ کر ان کا مقابلہ کرتیں۔

جس جگہ یہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس سے قریب ہی پہاڑ بتدریج بلند ہوتا چلا گیا تھا۔ اور ایک اونچی چٹان آسمان سے باتیں کرتی اٹھتی چلی گئی تھی۔ اس چٹان کے پیچھے عیسائی چھپے ہوئے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ابھی تمام عربی دوشیزہ لڑکیاں نظر اٹھائے دیکھ رہی تھیں۔ انہیں عیسائیوں کے درمیان میں ایک حسین کسی لڑکی کا چہرہ نظر آیا۔ جو فوراً ہی پیچھے ہٹ گئی۔ لڑکیاں اسے دیکھ کر حیران ہوئیں۔ لبنیٰ نے کہا۔ خوف ہے کہیں یہ عیسائی تیر نہ برسانے لگیں۔ اب یہاں بیٹھنا مناسب نہیں ہے آؤ لشکرگاہ میں چلیں۔ سب نے کہا ہاں چلو۔

فوراً ہی سب لڑکیاں اٹھ اٹھ کر لشکرگاہ کی طرف چل پڑیں۔

ایک اور کافرادا حسینہ

وہ پہاڑ جس پر عربی دوشیزہ لڑکیوں نے عیسائیوں کو دیکھا تھا نہایت بلند تھا۔ جس وقت یہ لڑکیاں چشمہ کے کنارہ پر آ کر بیٹھی تھیں۔ ٹھیک اسی وقت عیسائی چٹان کے پیچھے آ کر چھپ گئے تھے۔ اور نہایت غور سے لڑکیوں کو دیکھنے لگے تھے۔

جوں ہی طاہرہ کی نظر ان پر پڑی۔ اور اس نے اور لڑکیوں کو انہیں دکھایا فوراً ہی وہ وہاں سے ہٹ گئے۔ ان کے ساتھ ایک ماہ وش دوشیزہ لڑکی بھی تھی۔

یہ چار عیسائی تھے۔ ان سے ایک نہایت فوق العوزت ۔۔۔ لباس پہنے ہوئے تھے۔ خود خالص چاندی کا تھا اس کی پوشاک اور تمام ۔۔۔ شان بتا رہے تھے کہ وہ کوئی ذی شان شخص ہے۔

لڑکی نہایت ہی ہلکے گلابی رنگ کے کپڑے پہنے تھی جس سے اور بھی حسین معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے کپڑوں میں سنہری رنگ کی بیل لگی ہوئی تھی اور سونے اور جواہرات کے زیورات پہنے تھی۔ بقیہ تین آدمی معمولی قسم کا لباس پہنے تھے۔ جو عیسائی بیش قیمت لباس پہنے تھا۔ اس کا نام قیاقوس تھا وہی حکومت انطاکیہ کا وزیراعظم تھا۔ اس کے ساتھی اس کے فوجی افسر تھے اور لڑکی اس کی چھوٹی ہمشیرہ تھی۔ اس کا نام یوحنا تھا جس قدر حسین تھی اسی قدر شوخ و طرار تھی۔

قیاقوس چٹان کے پیچھے ہٹ کر ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گیا اس کے ساتھی اس کے پاس

ادب سے کھڑے ہو گئے۔ پروینہ اس کے شانہ سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔

قزا قوس نے کہا۔ پروینہ تو نے اس آفت جان عربی دوشیزہ کو دیکھا۔ پروینہ اس کے شانہ کا سہارا چھوڑ کر سیدھی کھڑی ہو گئی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ نہ معلوم کس عربی دوشیزہ کو کہہ رہے ہو بھائی جان! وہاں تو کئی لڑکیاں تھیں۔

قزا قوس نے شوخ و شریر پروینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اس لڑکی کا ذکر کر رہا ہوں جو سب سے زیادہ حسین تھی۔

پروینہ شرارت بھری نظروں سے قزا قوس کو دیکھ رہی تھی اس نے ہلکے تبسم کے ساتھ کہا وہ تو سب ہی حسین تھیں۔

قزا قوس نے اس کی شرارت بھری چتون کو دیکھتے ہوئے کہا سب ہی حسین تھیں ...... اہا میں سمجھا تو مجھے بنا رہی ہے شوخ پروینہ   نے سنجیدگی سے کہا۔ اچھا وہ کہاں بیٹھی تھی۔

قزا قوس: وہ لڑکیوں کے درمیان میں تھی اور بالکل ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں چاند۔

پروینہ بیساختہ ہنس پڑی ہنسنے سے اس کا چہرہ روشن ہو گیا۔ نیلی آنکھوں میں ہو شربا چمک پیدا ہو گئی۔ عارض تاباں ہلکے گلابی رنگ میں ڈوب گئے اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ چاند تھی وہ ... خوب کہا یہ آپ نے بھائی جان ..... اچھا یہ تو فرمایئے۔ چاند زمین پر کیسے اتر آیا۔

قزا قوس اس آفت صبر و شکیب کو ہنستے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی شوخی چلبلا ہٹ اور شگفتہ چہرہ دیکھ کر کچھ حیران سا ہو رہا تھا اس نے کہا۔ پروینہ! تو میرا مذاق اڑا رہی ہے۔ اچھا کچھ حرج نہیں خوب مذاق اڑا۔ جب تو ہنستی ہے خوش ہوتی ہے۔ مجھے ایک خاص لطف حاصل ہوتا ہے ..... رہا اس عرب کے چاند کا ذکر ..... پروینہ برابر ہنسے جا رہی تھی۔ اس نے دوہری ہوتے ہوئے کہا معاف کیجئے بھائی جان! کیا آپ مجھے ہنسا ہنسا کر ہی مار ڈالیں گے۔ پہلے آپ نے اس کو عربی دوشیزہ کہا۔ اب چاند کہہ رہے ہو کیا انسان چاند ہو سکتا ہے۔

قزا قوس نے اس پر جمال کے رخ روشن پر نظریں جما کر کہا انسان چاند نہیں ہوتا ..... مگر پروینہ تو تو لوہ رشک قمر ہے۔

یا تو پروینہ شوخی سے ہنس رہی تھی۔ یا اپنی تعریف سن کر شرما گئی اس کے شرمانے کی

ادا ایمان شکن تھی۔ وہ شرمیلی نظروں سے قزا قوس کو دیکھنے لگی۔

قزا قوس نے کہا۔ واہ وا تو شرما گئی بھلا عیسائیوں میں کوئی لڑکی ایسی بھی ہوگی جو اپنے باپ یا بھائی کی زبان سے تعریف سن کر شرما جائے مگر پروینہ تیری شوخی بھی دلفریب ہے اور شرمیلی ادا بھی دلکش ہے۔

پروینہ نے ایسی نظروں سے جن میں شرم شوخی اور ادب کی ملی جلی جھلک تھی قزا قوس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مگر بھائی جان! وہ عربی دوشیزہ قزا قوس نے کہا۔ وہ بھی بیحد حسین ہے تو شوخ و شریر ہے اور وہ حسین و سنجیدہ ہے۔

پروینہ۔ مگر زیادہ حسین کون ہے۔

قزا قوس فوراً ہی اس کا جواب نہ دے سکا۔ اگر وہ عربی دوشیزہ کو زیادہ حسین بتاتا تو خیال تھا کہ پروینہ کی دل شکنی ہوگی۔ اور پروینہ کو حسین کہتا تو یہ بات اس کے ضمیر کے خلاف تھی وہ خاموش ہو کر سوچنے لگا۔

پروینہ نے بچپن کے شرارت کے لہجہ میں کہا۔ کیا سوچنے لگے ہیں آپ! قزا قوس نے اپنا سر اٹھا کر شریر پروینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا پوچھتی ہو تم۔

پروینہ نے شوخی سے کہا۔ گویا آپ نے سنا ہی نہیں۔

قزا قوس میرا خیال اس وقت کہیں اور ..... پروینہ پھر ہنس پڑی اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ خیال کہیں اور چلا گیا تھا ..... بھلا کہاں۔

قزا قوس۔ اچھا بتاؤ۔

پروینہ اس عربی دوشیزہ کے پاس تھے آپ چاند کیا کہہ رہے ہیں۔

قزا قوس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ تو نے ٹھیک کہا پروینہ وہ غارت گر دین و ایمان ہر وقت میرے دل میں رہتی ہے اور میں سر جھکائے اس کی پیاری پیاری صورت دیکھتا اور شوق دید میں کچھ کھویا سا رہتا ہوں۔

پروینہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔ بڑی اچھی بات ہے یہ تو

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

قزا قوس۔ اگرچہ یہ سچ ہے مگر ......

پروینہ نے حیا افگن نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا "مگر کیا؟"

قزا قوس جب تک وہ سامنے نہ ہو اس وقت تک تسلی تو نہیں ہو سکتی۔

پریونہ۔ تو آپ اسے بلانا چاہتے ہیں۔

قریاقوس۔ ہاں۔

پریونہ۔ مگر وہ آئے گی کیوں۔

قریاقوس۔ وہ خود تو شاید عمر بھر بھی نہ آئے گی۔

پریونہ۔ پھر کون لائے گا اسے۔

قریاقوس۔ تو لا سکتی ہے۔

پریونہ۔ میں۔

اس کے چہرہ پر حیرت طاری ہو گئی۔

قریاقوس نے کہا۔ ہاں تو۔

پریونہ۔ میں کیسے لا سکتی ہوں اسے۔

پریونہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ عربی لشکر میں چلی جاؤں میں۔ اس کے حسین چہرے سے کمال حیرت کے آثار ظاہر ہونے لگے

قریاقوس نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ ہاں تو عربی لشکر میں چلی جا۔

پریونہ! میں تجھے بتا چکا ہوں کہ مجھے اس حور لقا سے بے حد محبت ہے ایسی محبت کہ میں اسے حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے تیار ہوں۔ میں نے ایک مرتبہ اسے قریب سے بھی دیکھا ہے اس کی نگاہ ہوشربا نے میرے صبر و قرار لوٹ لئے ہیں۔

پریونہ۔ مگر آپ نے اسے قریب سے کیسے دیکھ لیا تھا۔

قریاقوس۔ میں حران گیا تھا۔ شام کے وقت واپس لوٹ رہا تھا۔ یہ لڑکی کئی لڑکیوں کے ساتھ ایک سبزہ زار پر کھڑی تھی۔ اسلامی لشکر وہاں سے ذرا فاصلہ پر تھا جب اس کے قریب سے گزرا تو اس کی ایک نگاہ ناز نے میرے دل کو زخمی کر دیا۔ اسی روز سے میرے سینہ میں اس کی محبت کی آگ دہک رہی ہے۔

پریونہ۔ خوب اچھا پہلے یہ بتائیے کہ میں زیادہ حسین ہوں یا عربی دوشیزہ۔

قریاقوس۔ پھر کشمکش میں پھنس گیا۔

پریونہ نے کہا۔ آپ اس کے جواب میں پس و پیش کیوں کرنے لگے ہیں۔

قریاقوس۔ تیرا سوال ہی ایسا ہے حیران ہوں کہ میں اس کا جواب کیا دوں پریونہ۔ وہی جو آپ کا دل کہتا ہو۔

قریاقوس: مگر دل تو عربی دوشیزہ کا طرفدار ہے۔

پریونہ۔ میں اس بات کو پہلے ہی سے جانتی تھی۔

پریونہ کچھ افسردہ خاطر ہو گئی قریاقوس نے اس کی افسردگی دیکھ کر کہا مگر......

پریونہ نے اپنی صراحی دار گردن کو خفیف سا جھٹکا دیکر کہا مگر کیا   قریاقوس تو بے حد حسین ہے ایسی حسین کہ چودھویں رات کا چاند تیری روشن صورت کے سامنے ماند پڑ جاتا ہے مگر جب کسی شخص کو کسی حسینہ سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کی نگاہوں میں اس کی محبوب سے بڑھ کر کسی کا حسن نہیں بچا کرتا۔ اس لئے......

پریونہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اس لئے آپ عربی دوشیزہ کو ترجیح دیتے ہیں۔

قریاقوس۔ ہاں اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ عربی دوشیزہ حقیقتاً تجھ سے زیادہ حسین ہے۔

پریونہ نے شوخی کے لہجہ میں کہا۔ آپ کا شکریہ۔

قریاقوس۔ تو بڑی شریر ہے پریونہ۔ اچھا اب بتا کیا تو میرے لئے کچھ تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہے۔

پریونہ۔ میں آپ کے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں لیکن......

قریاقوس۔ لیکن کیا۔

پریونہ۔ آپ مجھے ترغیب دے رہے ہیں کہ میں اسلامی لشکر میں چلی جاؤں۔

قریاقوس۔ ہاں اور اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

پریونہ۔ کیا مسلمان مجھے ایک عیسائی عورت سمجھ کر گرفتار کر کے اذیتیں نہ دیں گے۔

قریاقوس۔ کبھی نہیں۔ مسلمانوں میں یہ بات بڑی خوبی کی ہے کہ وہ کسی بیمار کو۔ کسی بڈھے کو کسی راہب کو۔ کسی بچے کو اور کسی عورت کو نہ گرفتار کرنے میں تکلیف دیتے ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ نہایت عزت اور...... رحمدلی سے پیش آتے ہیں۔

پریونہ۔ گویا میرے لئے وہاں جانے میں کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

قریاقوس۔ بالکل بھی نہیں۔

قریاقوس۔ میں نے خوب سوچ لیا ہے۔

اس وقت پریونہ کی نظر اٹھ گئی۔ اس نے سامنے سے ایک پادری کو آتے ہوئے دیکھا۔ وہ فوراً نہایت سنجیدہ بن گئی اور اس نے آہستہ لہجہ میں کہا۔ مقدس باپ تشریف لا رہے ہیں۔

قریاقوس نے بھی نگاہ اٹھائی۔ پادری آہستہ آہستہ جریب ٹیکتا آرہا تھا وہ اس کے استقبال کے لئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے پیچھے باقی لوگ کھڑے ہو گئے اور یہ سب پادری کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

دوسرا باب

پادری کا فتویٰ

پادری ضعیف العمر تھا۔ اس کی داڑھی گاؤدم اور اس قدر لمبی تھی کہ ناف تک پھیلی ہوئی تھی اور برف کی طرح سفید تھی وہ ایک لمبا اونی چوغہ پہنے تھا جو ٹخنوں تک لمبا تھا سرخ رنگ کے اون کی اونچی ٹوپی اوڑھے تھا سرخ ریشم کی صلیب سینہ پر لٹکائے تھا۔ چپل پہنے تھا ایک لمبا عاصا ہاتھ میں لئے قدم قدم چلا آرہا تھا۔ اس کے چہرہ سے تقدس کی شان ظاہر ہو رہی تھی۔

اس پادری کا نام کیلوس تھا۔ اور یہ اس پہاڑ کے اوپر ایک مختصر سے گرجہ میں رہتا تھا۔ اس کی بزرگی کی بڑی شہرت تھی۔

قریاقوس وزیر اعظم کو انطاط کے بادشاہ نے پادری کی خدمت میں اس لئے بھیجا تھا۔ کہ وہ اس سے اپنے ملک کے لئے خیر و برکت کی فتح و کامرانی کی ملک و وقار کی عزت کی دعا کرائے۔

پادری آہستہ آہستہ آکر جب ان لوگوں کے پاس پہنچا تو سب سے پہلے قریاقوس نے جھک کر اس کے جبہ کے دامن کو بوسہ دیا۔ اور پھر حسین و جمیل پریونہ نے بصد ناز دوزانوں کھڑی ہو کر اس کی عبا کو چوما۔ پادری نے اس کے خوبصورت سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور کہا۔ میری خوبصورت بچی! خدا! تیری عمر دراز کرے۔

شوخ و شریر پریونہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اب بقیہ تینوں عیسائیوں نے بڑھ کر اس کے دامن کو بوسے دیے۔

پادری نے قریاقوس سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہئے آپ یہاں کیا کر رہے تھے۔ قریاقوس — بزرگ باپ۔ میں ان دوشیزہ لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا۔

— متعجب ہو کر دریافت کیا کہاں تھیں۔ وہ۔

— اس پہاڑ کے نیچے چشمہ کے کنارہ پر۔

کیلوس۔ اور انہوں نے تو تمہیں نہیں دیکھا۔

قریاقوس۔ دیکھ لیا ہے۔

کیلوس۔ یہ برا ہوا۔ تمہارے ساتھ اس قدر لشکر نہیں ہے۔ نہ مسلمانوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔

قریاقوس۔ مگر آپ کا گرجہ۔

کیلوس۔ ہاں گرجہ میں چھپنے کی جگہ کافی ہے اور اتنی وسیع ہے کہ اس میں تمہارا لشکر پوشیدہ رہ سکتا ہے۔

قریاقوس۔ اور وہ جگہ ایسی ہے کہ مسلمان ڈھونڈنے پر بھی ہمیں نہ پا سکیں۔

کیلوس۔ ہاں ایسی ہی ہے۔ اگر سارا پہاڑ اور سارے گرجہ کو بھی چھان مارا جائے تو وہ تمہیں نہیں پا سکتے۔

قریاقوس۔ پھر ہمیں کیا خوف ہے۔

کیلوس۔ کچھ نہیں۔ مگر یہ وحشی مسلمان گرجہ میں ضرور آئیں گے اور تمہاری تلاش میں سرگرداں رہ کر میری ریاضت کے اوقات میں خلل ڈالیں گے۔

قریاقوس۔ کچھ زیادہ خلل واقع نہ ہوگا۔

کیلوس۔ کتنی لڑکیاں تھیں وہ۔

قریاقوس۔ چھ سات ہوں گی۔

کیلوس۔ مگر تم نے انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کیوں نہ کی۔

قریاقوس۔ اس لئے کہ اس کا حوصلہ نہ ہوا۔

کیلوس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ اس پست ہمتی نے ہی عیسائیوں کو بزدل بنا رکھا ہے۔ اگر کاش وہ لڑکیاں ہاتھ آجاتیں تو مسلمانوں کو عافیت معلوم ہو جاتی۔

کیلوس نے قریاقوس سے دریافت کیا۔ کیا آپ رومی لڑکیوں سے زیادہ انہیں حسین سمجھتے ہیں۔

قریاقوس۔ مقدس باپ! وہ لڑکیاں نہایت حسین تھیں......

پریونہ نے قطع کلام کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ خصوصاً ایک لڑکی تو گویا چاند کا ٹکڑا تھی۔

یہ کہہ کر اس نے اپنے بھائی قریاقوس کی طرف دیکھا اور ہنس پڑی کیلوس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ واہیات بات مسلم لڑکیاں بھی کہیں خوبصورت ہوتی ہیں۔

پرپونہ کن انکھوں سے قریاقوس کو دیکھتے ہوئے کیلوس سے مخاطب ہو کر کہا۔ مگر بھائی جان کہتے ہیں کہ رومی لڑکیوں میں ایک بھی ان کے مقابلہ کی نہیں۔

کیلوس نے پرپونہ کے پھول سے گالوں پر اپنی نظریں جما کر کہا کس قدر غلط خیال ہے ان کا۔ اگر وہ چاند کا ٹکڑا ہیں پرپونہ تو چاند ہے۔

پرپونہ۔ پھر شرما گئی۔ شرمانے سے اس کی رعنائی بڑھ گئی اور رعنائی بڑھ جانے کی وجہ سے وہ اور بھی حسین نظر آنے لگی۔ اس نے کہا آپ کی اس صاف گوئی کا شکریہ۔

قریاقوس نے جواب دیا۔ مقدس بزرگ! یہ ممکن ہے کہ وہ سب زیادہ حسین نہ ہوں لیکن ان میں سے ایک غضب کی حسینہ ہے۔

پرپونہ نے بھی اسے دیکھا ہے اس کے روشن چہرہ میں بجلیاں تڑپ رہی تھیں چاند اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

کیلوس:۔ کیوں بیٹی پرپونہ۔

پرپونہ:۔ نے شوخی بھری چتون سے قریاقوس کو دیکھ کر کیلوس سے کہا نہیں تلیہ وہ اس قدر حسین نہیں تھی۔ جیسی خوبصورت ہماری قوم کی معمولی لڑکیاں ہوتی ہیں ایسی وہ بھی تھی۔

کیلوس:۔ ضرور ایسی ہی ہوگی۔ بلکہ ممکن ہے کہ کچھ سے فام ہو۔

پرپونہ نے مسکرا کر کہا۔ جی ہاں کالی کالی تھی۔ ہاں البتہ ذرا ناک نقشہ اچھا تھا قریاقوس کو ان دونوں کی گفتگو بڑی ناگوار گزری تھی۔ اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔ وہ کالی نہیں تھی۔ نہ سانولی تھی اور وہی کیا کوئی مسلم لڑکی بھی سانولی نہ تھی اور وہ .... وہ تو حقیقت میں رشک حور تھی۔

کیلوس کیا تم نے اسے قریب سے دیکھا تھا۔

قریاقوس جی ہاں میں اسے قریب سے بھی دیکھ چکا ہوں۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آج تک اس سے زیادہ تو کیا اس جیسی حسین لڑکی بھی نہیں دیکھی۔

کیلوس تعجب ہے۔

قریاقوس مجھے خود تعجب ہے آپ کے گرجہ میں جو نن ہیں اگرچہ وہ سب کی سب خوبصورت ہیں لیکن اس کے مقابلہ کی ایک بھی نہیں۔

کیلوس کمال حیرت کی بات ہے۔

قریاقوس جی ہاں۔ اگر وہ آپ کے گرجہ میں آجائے تو گرجہ کی شان ہی بڑھ جائے۔

کیلوس نے قریاقوس کو غور سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کیا وہ گرجہ میں آنے کے لئے تیار ہے۔

قریاقوس شاید وہ اپنی خوشی سے تو تیار نہ ہو۔

کیلوس پھر کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟

قریاقوس اگر کوئی فریب کیا جائے تو ممکن ہے۔

کیلوس نے چونک کر کہا۔ فریب ....

قریاقوس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ جی ہاں فریب کیوں کیا ایسے معاملہ میں فریب جائز نہیں ہے۔

کیلوس یہ بھی ایک قسم کا جہاد ہے اور اس لئے جائز ہے۔

قریاقوس ہو گیا۔ اس نے کہا۔ جب تو کوشش کرنی چاہئے ہمیں۔

کیلوس ہاں ضرور کوشش کرنی چاہئے ہمیں ....

قریاقوس لیکن کیا۔

کیلوس کوشش کس طرح اور کیا کی جائے۔

قریاقوس آپ کوئی تدبیر سوچئے

کیلوس میں کیا تدبیر سوچوں۔ جو وقت اور موقع تھا اسے تم نے کھو دیا۔

قریاقوس اس موقع کے ہاتھوں سے نکل جانے کا اس وقت مجھے بھی افسوس ہو رہا ہے۔

کیلوس اگر تم پہاڑ سے اتر کر اچانک ان پر جا پڑتے تو قبل اس کے مسلمان خبردار ہو کر ان کی مدد کو دوڑتے تم انہیں یہاں لے آتے اور پھر ناممکن تھا کہ مسلمان انہیں پا سکتے۔

قریاقوس یہ سچ ہے مگر اب کیا کرنا چاہئے۔

کیلوس میرے خیال میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی سوائے اس کے پھر کوئی ایسا ہی موقع آجائے۔

قریاقوس مگر معلوم ہوا ہے کہ دو ہی چار روز میں اسلامی لشکر یہاں سے کوچ کر

جائے گا۔ اور اس لئے اب ایسا موقع آنا ناممکن ہے۔

کیلوس پھر کیا ہو۔

قریاقوس شاید کوئی ہوشیار لڑکی اس کام کو انجام دے سکے۔

کیلوس چونک پڑا اس نے کہا۔ ہاں یہ ممکن ہے اگر ننوں میں سے کوئی اس کام کو انجام دینے کے لئے تیار ہو جائے تو یقین ہے۔ کہ ہم کامیاب ہو جائیں گے۔

قریاقوس کیا ننوں میں کوئی ایسی آفت کی پرکالہ ہے۔

کیلوس کئی نوخیز نن ایسی ہیں۔

قریاقوس مگر میری تجویز اور تھی۔

کیلوس وہ کیا۔

قریاقوس پریونہ اس کام کو انجام دیتی۔

کیلوس پریونہ۔ بیشک۔ اگر یہ تیار ہو جائے تو پھر کامیابی میں کوئی شک ہی نہیں رہتا۔

پریونہ نے کیلوس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کس وجہ سے یہ خیال ہے آپ کا۔

کیلوس تو حسین ہے شوخ ہے۔ تیز و طرار ہے۔ ہوشیار ہے تیرے فریب کے جال سے کوئی نکل ہی نہیں سکتا۔

پریونہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ گویا میں فریبی ہوں۔ مکار ہوں۔

کیلوس نہیں نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے بیٹی۔

پریونہ اور کیا مطلب ہے آپ کا۔

کیلوس میرا یہ مطلب ہے کہ تو اس قدر حسین ہے کہ تجھے جو ایک دفعہ دیکھ لے گا تیرا مطیع ہو جائے گا۔ اس لئے تو یہ اندیشہ نہ کر کہ تجھے کوئی مسلمان نقصان پہنچا سکے۔ اور تو اس قدر ہوشیار ہے کہ جس مہم پر تجھے بھیجا جائے گا۔ تو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے گی۔

قریاقوس تو آپ بھی پریونہ کو مناسب سمجھتے ہیں۔

کیلوس نہایت مناسب۔

پریونہ لیکن مذہبی طور پر آپ کیا کہتے ہیں۔

کیلوس سنو۔ پریونہ! ہمارا مقصد یہ ہے کہ مسلم لڑکیوں کو عیسائی بنا کر انہیں گرجہ میں داخل کر لیں۔ یہ ایک خاص مذہبی کام ہے ہماری شفیقیں نیک ہیں اس لئے مذہباً صرف جائز ہے بلکہ اس میں کوشش کرنے والوں کو بڑا ثواب ملے گا۔

پریونہ بس تو میں تیار ہوں۔

کیلوس شاباش۔ میری عزیز بیٹی شاباش۔

قریاقوس لیکن تم کب جاؤ گی۔

پریونہ آج کسی وقت چلی جاؤنگی۔

قریاقوس میں بھی یہی چاہتا تھا۔

کیلوس تجھے بیٹی! کچھ سمجھانا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے مگر اتنا ضرور کہتا ہے کہ یہ مسلمان ان کی عورتیں اور بچے جادوگر ہیں کہیں ان کے جادو کے اثر میں نہ آجانا۔

پریونہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اطمینان رکھئے مقدس باپ وہ مجھ پر کیا جادو کریں گے۔ میں ہی ان پر جادو کروں گی۔

کیلوس اچھا بیٹی آؤ اور چلنے کی تیاری کرو۔

پریونہ چلئے۔

کیلوس چلا۔ اس کے ساتھ ہی سب چل پڑے اور تھوڑی دور چل کر چٹانوں کے پیچھے غائب ہو گئے۔

عربی دوشیزہ لڑکیاں چشمہ کے کنارہ سے اٹھ کر لشکر گاہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ سامنے ہی مسلمانوں کا لشکر خیمہ زن تھا۔

اس وقت آفتاب عالمتاب کسی قدر بلند ہو گیا تھا تمام میدان میں خیموں کی چوٹیوں پر اور درختوں کے پتوں پر دھوپ لوٹ رہی تھی۔

ان لڑکیوں کے حسین چہرے دھوپ پڑنے کی وجہ سے جگمگا رہے تھے وہ نہایت اطمینان سے آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھیں۔ اگرچہ انہوں نے عیسائیوں کو پہاڑ کے اوپر دیکھ لیا تھا ان کا انہیں خوف معلوم نہ ہوتا تھا۔

کچھ دیر میں وہ لشکر گاہ میں داخل ہو کر جس طرف بڑھنے لگیں اس طرف عورتوں کے لئے خیمے نصب کئے گئے تھے۔

یہ خیمے اس طرح نصب کئے گئے تھے۔ کہ درمیان میں کشادہ میدان آگیا تھا اور اس کے چاروں طرف خیموں کا حصار ہو گیا تھا یہ حصار سراپردہ کہلاتا تھا۔

یہ خیمے ان لوگوں کے تھے۔ جن کے ساتھ عورتیں اور لڑکیاں تھیں یہ دوشیزہ لڑکیاں

سراپردہ میں داخل ہو کر اپنے اپنے خیمہ میں داخل ہو گئیں۔

خورشی طاہرہ بھی اپنے خیمہ میں پہنچی وہ خیمہ کے دروازہ پر کھڑی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

یہ میدان خیموں سے گھرا ہوا تھا اس میں بہت سے درخت کھڑے تھے اور سبز سبز گھاس لہلہا رہی تھی۔ بعض درختوں کے سایہ میں عرب خواتین بیٹھی باتیں کر رہی تھیں

طاہرہ نے خیمہ پر پڑا ہوا پردہ اٹھایا اور اندر داخل ہوئی لیکن جوں ہی اس نے خیمہ کے اندر قدم رکھا وہ جھجک کر کھڑی کی کھڑی رہ گئی اور کچھ عجیب نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

اس کمرہ میں اس وقت ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ جو طاہرہ کے اچانک خیمہ میں داخل ہونے سے اسی طرح حیران رہ گیا جیسی خود طاہرہ حیران رہ گئی تھی۔

اس نوجوان کا نام منذر تھا۔ نہایت خوبرو۔ بہادر اور پر جوش تھا وہ طاہرہ کے بھائی کا دوست تھا۔

طاہرہ اپنے بھائی کے ساتھ آئی تھی اس کے بھائی کا نام حارث تھا۔ وہ بھی نوجوان۔ دلیر اور جوشیلا تھا۔

منذر کچھ حارث کا دوست ہی نہ تھا۔ بلکہ ان دونوں میں بچپن ہی سے محبت اور دوستی تھی۔ ساتھ ہی کھیلتے تھے ساتھ ہی پڑھتے تھے ساتھ ہی فنون حرب سیکھتے تھے اور اکثرو بیشتر دونوں ساتھ ہی ساتھ رہتے تھے۔ بچپنے میں طاہرہ بھی منذر کے ساتھ کھیلتی تھی اور اس لئے وہ اس سے پردہ نہ کرتی تھی۔

لیکن جوں جوں دونوں بڑھتے اور جوان ہوتے گئے قدرتی طور پر حیا غالب آ گئی اور دونوں کو آپس میں باتیں کرتے شرم معلوم ہونے لگی۔ اس لئے طاہرہ نے منذر کے سامنے آنا بند کر دیا تھا اور اب انہیں ایک عرصہ آپس میں ملے ہوئے ہو گیا تھا۔ آج اتفاقیہ دونوں کا سامنا ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔

اس حیرت کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ جب سے طاہرہ حارث اور منذر میدان جنگ میں جہاد کرنے کے لئے آئے تھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ منذر حارث کے خیمے میں آیا ہو۔ منذر نے طاہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا معاف کرنا اس وقت خلاف توقع یہاں موجود ہوں۔

طاہرہ ایک قدم اور بڑھی اس نے بھولے پن کے انداز میں دریافت کیا بھائی جان کہاں چلے گئے۔

منذر یا تو بیٹھا تھا یا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا وہ ابھی کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئے ہیں۔

طاہرہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور آپ کیسے۔

وہ بڑھی ہوئی شرم کی وجہ سے فقرا پورا نہ کر سکی۔

منذر برابر اس کے رخ روشن پر نظریں جمائے ہوئے تھا اس نے کہا میں ان سے ملنے کے لئے آیا تھا۔

طاہرہ لیکن وہ آپ کے آنے سے پہلے ہی کہیں چلے گئے تھے۔

منذر نہیں میرے آنے کے بعد گئے۔

طاہرہ اور آپ ان کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔

منذر نہیں۔

طاہرہ نے حیرت سے منذر کو دیکھا کچھ وقفہ تک دیکھتی رہی پھر دریافت کیا اور کس کا انتظار کر رہے تھے آپ؟

منذر نے افسردگی کے لہجہ میں کہا کیا بتاؤں کاش میں یہاں نہ آتا۔

اسے آزار دیکھ کر طاہرہ کچھ گھبرائی۔ اس نے کہا خیریت تو ہے کیا بات ہو گئی ہے ایسی۔

منذر بات کچھ نہیں ہوئی۔

طاہرہ کیا بھائی جان آپ سے خفا ہو گئے۔

منذر وہ ایک ایسا نیک شخص ہے کہ اس سے ایسی توقع ہی نہیں ہو سکتی۔

طاہرہ پھر کیوں آزردہ خاطر ہو رہے ہیں آپ۔

منذر کیا بتاؤں طاہرہ۔

جب سے طاہرہ نے منذر سے پردہ کرنا شروع کیا تھا اس وقت سے اس نے کبھی اسے اپنا نام لیتے نہ سنا تھا۔ آج پہلا موقع تھا کہ اس نے طاہرہ کا نام لیا۔

طاہرہ چونک پڑی اور اس نے کمال حیرت سے منذر کو دیکھا۔ منذر اس کی حیرت بھری مخصوص نگاہیں دیکھ کر شرما گیا اس نے دوسرے دروازہ سے باہر جانے کے ارادہ سے قدم بڑھاتے ہوئے کہا معصوم دوشیزہ مجھے معاف کرنا۔

منذر کی آواز گلوگیر ہو گئی وہ کچھ زیادہ نہ کہہ سکا اس کی آنکھیں چشم پرنم ہو گئیں۔

طاہرہ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر کمال متاثر ہوئی اس کے دل میں رحم و ہمدردی کا دریا

اٹھ آیا۔ وہ ایک قدم اور بڑھی اور اس نے بیساختگی کے انداز میں کہا ٹھہر جاؤ منذر۔

منذر ٹھہر گیا وہ طاہرہ کی طرف پلٹا اور حسرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

طاہرہ اب اس کے پاس آگئی تھی اس نے کہا آخر تم آزردہ خاطر کیوں ہو گئے ہو منذر نے کہا مشکل یہ ہے کہ میں اپنی آزردگی کی وجہ بیان نہیں کر سکتا۔

طاہرہ نے معصوم نگاہوں سے دیکھ کر بھولے پن کے لہجہ میں کہا کیوں بیان نہیں کر سکتے۔

منذر اس لئے کہ اس کی جرات ہی نہیں ہوتی۔

طاہرہ عجیب بات ہے یہ تو۔

منذر معصوم طاہرہ عجیب بات کچھ نہیں ہے۔

طاہرہ کیوں جرات نہیں ہوتی ہے آپ کو؟

منذر تمہاری خفگی کا خوف ہے۔

طاہرہ معلوم نہیں آج آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں میں کیوں خفا ہو جاؤں گی۔

منذر بھولی طاہرہ تم معصوم ہو اس لئے نہیں سمجھتی ہو میں گنہگار ہوں بڑا گنہگار اس وقت مجھے جانے ہی دو۔

طاہرہ نے شہزادی کی سی شان سے کہا ابھی نہیں جا سکتے آپ پہلے بات بتایئے اور پھر تشریف لیجایئے۔

منذر کی نگاہیں جھک گئیں اور وہ کچھ سوچنے لگا۔

طاہرہ برابر اسے دیکھ رہی تھی جب وہ دیر تک نہ بولا تو طاہرہ نے کہا کیا سوچ رہے ہیں آپ۔

منذر نے آہستہ آہستہ اپنا سر اٹھا کر مہوش طاہرہ کو دیکھا محبت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ طاہرہ کی نگاہیں اسے گرم نظروں کو دیکھ کر جھک گئیں۔

منذر نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا میں بتا دوں گا طاہرہ مگر ایک اقرار کرو۔

طاہرہ کیا۔

منذر تم مجھ سے خفا تو نہیں ہو جاؤ گی۔

طاہرہ اطمینان رکھو میں خفا نہ ہوں گی۔

منذر آج میں تمہیں صرف دیکھنے کے لئے آیا تھا۔

طاہرہ نے حیرت سے منذر کو دیکھا نہایت حیرت سے کچھ وقت تک دیکھتی رہی جب ذرا اس کی حیرت کم ہوئی تب اس نے استعجاب کے لہجے میں کہا مجھے......

منذر نے شرم افزا لہجہ میں کہا ہاں تمہیں طاہرہ سنو ایک عرصہ سے میرا دل تمہیں دیکھنے کے لئے مچل رہا تھا بے چین ہو رہا تھا میں جبر کر رہا تھا سمجھا رہا تھا مگر کہاں جب زیادہ بے چینی بڑھ گئی اور کسی پہلو قرار ہی نہ آیا تب مجبور ہو کر آیا۔

جوں جوں منذر اظہار خیال کرتا جاتا تھا اس کی آنکھوں سے عجیب قسم کا جوش ظاہر ہوتا تھا اور طاہرہ شرما جاتی تھی جب وہ خاموش ہوا تو طاہرہ کا نازک سر جھک گیا اس کے پھول سے زیادہ تر و تازہ گلابی عارض عرق آگیں ہو گئے۔

منذر اس کے دلفریب چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا وہ اسے خاموش دیکھ کر گھبرا گیا اسے خوف ہوا کہ شائید وہ اس سے کچھ خفا ہو گئی ہے۔

اس نے کہا تو کیا تم مجھ سے خفا ہو گئی ہو طاہرہ۔

طاہرہ نے اپنا خوبصورت سر اٹھایا اور حسین نگاہوں سے منذر کی طرف دیکھا اس کی نگاہوں میں محبت و شرم کی جھلک تھی اس کی نگاہیں ہوشربا تھیں منذر اس کی سحرکار نگاہیں دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

طاہرہ نے نرم اور شریں لہجہ میں کہا۔ ایک عرصہ کے بعد تمہارے دل میں یہ آرزو کیوں پیدا ہوئی۔

منذر سنبھلا۔ اس نے کہا۔ اس لیے کہ مجھے تم سے محبت ہے میں اس......

طاہرہ نے حیران ہو کر کہا۔ محبت ہے۔

منذر:۔ آہ طاہرہ میں نے برسوں اس راز کو چھپایا۔ لیکن آج نہ چھپا سکا حقیقت یہ ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

طاہرہ:۔ لیکن کیا یہ اچھی بات ہے۔

منذر:۔ اچھی ہوئی ہو یا بری لیکن ہے۔ ہاں ایک بات ضرور ہے جس کا مجھے اعتراف ہے۔

طاہرہ نے منذر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ کیا؟

منذر:۔ اظہار محبت کرنا میری کم عقلی ہے۔ میں عرق ندامت میں غرق ہوا جا رہا ہوں اور اس لیے حسین طاہرہ ...... اب میں تمہیں اپنی صورت نہ دکھاؤں گا۔ محبت کی آگ میرے سینہ میں اقرار کرتا ہوں کہ کبھی مرتے دم تک ....

طاہرہ نہایت توجہ سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ نہایت غور سے اس کی طرف دیکھ

رہی تھی۔ اس کا چہرہ کہہ رہا تھا۔ کہ وہ متاثر ہوتی جا رہی ہے اس نے کہا۔ ٹھہرو منذر۔ ابھی کوئی اقرار نہ کرو۔

منذر بھی اس کے روئے انور کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا کیا تم میری گستاخانہ جرات کو معاف کر دو گی طاہرہ۔

طاہرہ نے کہا۔ تم نے پرانی باتیں یاد دلا کر میرے دل کو متاثر کر دیا ہے شریف نوجوان! تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ میں تم سے ناخوش ہوں۔

منذر برابر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ پاکباز دوشیزہ۔ کیا میری محبت نے تمہارے دل پر بھی اپنا عکس ڈال دیا ہے۔

طاہرہ نے شرم آگیں نگاہوں سے منذر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ تم شاید مجھے بے حیا خیال کرو گے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ۔

وہ اس قدر شرما گئی کہ اس کا نازک سر جھک گیا۔ آنکھیں فرش پر گڑ گئیں۔ شرم نے اس کی رعنائی کو اور بھی بڑھا دیا۔ اور وہ رشک حور معلوم ہونے لگی۔

منذر نے اسے دیکھا۔ وہ ہزار جان سے اس کا گرویدہ ہو گیا۔ اس شرم و حیا کی پتلی کو دیکھتا رہ گیا۔

دیر تک دونوں خاموش رہے کچھ عرصہ کے بعد منذر ہوش میں آیا۔ اس نے کہا کیا حقیقت ہے طاہرہ

طاہرہ نے شرمیلی نگاہوں سے منذر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ شرم اجازت نہیں دیتی کہ میں اس کا اظہار کروں۔

منذر نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے۔

طاہرہ کچھ مسحور سی ہو گئی۔ اس نے از خود رفتگی کے انداز میں کہا۔ ہاں۔

جوش مسرت سے منذر کا چہرہ چمک اٹھا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی کے قدموں کی چاپ معلوم ہوئی۔ اس آواز کو سن کر دونوں ناآزمودہ کاران محبت کچھ گھبرا گئے۔ اور گھبرائی ہوئی نظروں سے اس طرف دیکھنے لگے جس طرف سے چاپ کی آواز آ رہی تھی۔

تیسرا باب

تعجب خیز

دونوں گھبرا رہے تھے۔ اور گھبرا گھبرا کر دروازہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہ آواز اس طرف سے آ رہی تھی۔ جس طرف منذر جانے کے لیے تیار ہوا تھا۔

طاہرہ نے آہستہ لہجہ میں کہا۔ شاید بھائی جان تشریف لا رہے ہیں منذر نے بھی آہستگی سے کہا۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ افسوس میں کیا جواب دونگا۔ کاش اس وقت زمین پھٹ جائے۔ اور میں اس میں سما جاؤں۔

ابھی طاہرہ کچھ کہنے نہ پائی تھی کہ خیمہ کے دروازہ پر پڑا ہوا پردہ اٹھا اور حارث خیمہ کے اندر داخل ہوا۔

منذر اور طاہرہ دونوں حارث کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے۔ دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

حارث بڑھ کر ان کے قریب آ گیا۔ اس نے کہا اچھا طاہرہ تم واپس آ گئی ہو۔

طاہرہ پر خوف اور شرم کا غلبہ تھا۔ اس نے پست لہجہ میں کہا۔ جی ہاں آ گئی ہوں......

حارث:۔ آج خلاف معمول کیسے جلد واپس آ گئی ہو۔

طاہرہ:۔ ایک لڑکی نے اوپر چند عیسائیوں کو ایک چٹان کے پیچھے چھپا ہوا دیکھ کر ہم سب لڑکیوں کو خوف ہوا کہ کہیں وہ کسی طرف سے اچانک آ کر ہم پر حملہ نہ کریں اس لیے ہم جلد واپس لوٹ آئیں۔

حارث:۔ یہ تم نے بہت ہی اچھا کیا۔ ابھی معلوم ہوا ہے کہ عیسائیوں کا لشکر اطرابلس کے وزیر اعظم قریاقوس کے ہمراہ پہاڑ پر آ کر فروکش ہوا ہے۔

طاہرہ نے حارث کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور یہ وزیر اعظم یہاں کس لیے آیا ہے۔

حارث:۔ یہ معلوم نہیں ہوا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس کی نیت بخیر نہیں ہو سکتی..... یہ تم دونوں کھڑے کیوں ہو۔

طاہرہ:۔ میں ابھی واپس آئی ہوں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ خیمہ میں کوئی اور بھی ہے۔ میں بے دھڑک چلی آئی۔ یہاں آ کر منذر کو دیکھا میں جھجک کر واپس لوٹنے لگی۔ یہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور معافی مانگ کر واپس جا رہے تھے کہ آپ آ گئے۔

اب منذر نے حارث سے نہایت عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ میرے دوست! مجھ سے سخت غلطی ہوئی۔ کہ میں آپ کے چلے جانے کے بعد بھی بیٹھا رہ گیا۔ میرا خیال تھا کہ آپ

بہت جلد واپس آ جائیں گے۔ لیکن آپ کے آنے سے پہلے یہ (طاہرہ) آگئیں میں نہایت نادم ہوں۔ ان سے بھی میں نے عذر خواہی کی ہے اور اب آپ سے بھی معافی چاہتا ہوں کہ آپ میری اس حماقت آفرین غلطی کو معاف کر دیں گے۔

حارث نے منذر کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ اس میں غلطی ہی کیا ہوگئی ہے۔ کہ تم نے کبھی پہلے طاہرہ کو نہیں دیکھا ہے۔ تم دونوں تو ساتھ کھیلے۔ ساتھ پڑھے۔ ساتھ بڑھ کر پروان چڑھے ہو تم فضول ندامت کا احساس کر رہے ہو۔

منذر:۔ میرے صاف باطن دوست! حقیقت یہ ہے کہ میں اس قابل ہی نہیں ہوں کہ کسی شریف شخص کے پاس بیٹھوں۔ میں ریاکار ہوں۔ اوباش ہوں۔ عزیز دوست میری خطا معاف کر دو اور مجھ ہمیشہ کے لیے ......

منذر کو کچھ جوش سا آگیا تھا۔ حارث حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ میرے دوست! میں تمہارا ہوں۔ طاہرہ تمہاری ہے تم نے غلطی کیا کی۔ خطا کیا ہوگئی۔ فضول تم شرمندہ ہو کر تکلیف اٹھا رہے ہو۔ آؤ بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں ایک عجیب خبر سناؤں گا طاہرہ آؤ تم بھی بیٹھو۔

یہ کہہ کر وہ بڑھا۔ اس کے پیچھے منذر اور طاہرہ بھی چلے۔ انہیں اس عجیب خبر کے سننے کا اشتیاق ہوا۔ جس کی بابت حارث نے کہا تھا۔ تمام خیمہ میں کمبلوں کا فرش تھا۔ حارث بیٹھ گیا۔ اس کے داہنے ہاتھ کی طرف طاہرہ بیٹھ گئی اور سامنے منذر بیٹھ گیا حارث نے منذر کو دیکھ کر کہا بھائی تم تو اب تک شرمندہ سے معلوم ہوتے ہو منذر نے کہا میرے شریف دوست حقیقت میں میں بے حد شرمندہ ہوں بار ندامت سے میرا سر نہیں اٹھتا ہے

:۔ حارث شرمندہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے

:۔ منذر آپ میری اس غلطی کو معاف کر دیجئے

:۔ حارث میں کبھی معاف نہیں کروں گا

منذر ڈر گیا اس نے خوفزدہ نگاہوں سے حارث کو دیکھا حارث ہنس پڑا۔ اس نے کہا بھلے آدمی جب میں کہہ چکا ...... کہ طاہرہ کو دیکھ لینا اس کے سامنے آجانا۔ اس سے باتیں کر لینا کوئی غلطی نہیں ہے اوف پھر تم غلطی ہی سمجھ رہے ہو۔ کیا تم طاہرہ سے نفرت کرتے ہو

منذر نے سوچے سمجھے جلدی سے بیساختگی کے ساتھ کہا حاشا میں نفرت نہیں کرتا بلکہ محبت کرتا ......

دفعتہً وہ کچھ سمجھ کر رک گیا۔ اس نے اپنی زبان دانتوں میں دبالی۔ اور جو فقرہ بدحواسی میں اس کی زبان سے نکل گیا تھا اس پر افسوس کرنے

حارث نے کہا یہ قدرتی بات ہے جو بچے بچپن سے اکٹھے رہتے ہیں ان میں محبت ہوا ہی کرتی ہے اب میں تمہیں ایک شرط سے معاف کر سکتا ہوں

:۔ منذر کس شرط پر

:۔ حارث تم بغیر کسی جھجک کے طاہرہ کے سامنے آؤ

منذر:۔ میں خوشی سے اس شرط کو منظور کر سکتا ہوں لیکن اگر خود طاہرہ کو یہ بات منظور نہ ہو تب

حارث:۔ تم ٹھیک کہتے ہو مگر اس سے میرا یہ مطلب ہے کہ اگر طاہرہ یہاں موجود ہو اور اتفاق سے تم آجاؤ تو چوروں کی طرح سے بھاگ نہ جاؤ بلکہ انسانوں کی طرح سے بیٹھو۔ باتیں کرو

منذر:۔ بہتر ہے مجھے منظور ہے لیکن پہلے معاف...... حارث نے ہنس کر کہا بغیر معافی کے تمہیں چین تھوڑا ہی آئے گا اچھا معاف کر دیا۔

منذر نے اطمینان کا سانس لیا۔ حارث نے کہا آج یدیس کا بادشاہ جس کا نام ریغون ہے آیا ہے

منذر:۔ یدیس کوئی شہر ہے یا قلعہ

حارث:۔ قلعہ ہے نہایت مضبوط اور وسیع قلعہ ہے

منذر:۔ شائید مصالحت کرنے کو آیا ہے

حارث:۔ آیا تو اسی لیے ہے مگر مصالحت کے لئے ایک عجیب شرط پیش کرتا ہے

منذر:۔ وہ کیا

حارث:۔ میں اس سے ملا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ انطاط کا بادشاہ اس کا چچا ہے اس بادشاہ کے ایک لڑکی ہے اس لڑکی کا نام طاریون ہے یہ وہی لڑکی ہے جس کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے

منذر:۔ شاید یہ وہی ہے جس کی بابت ہمارے عیسائی جاسوسوں نے کچھ لاطائل سی باتیں بیان کی تھیں

حارث:۔ ہاں وہی لڑکی ہے پہلے میں نے بھی جاسوسوں کی باتوں پر یقین نہیں کیا تھا۔ لیکن آج معلوم ہوا۔ کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے وہ سب سچ ہے۔

منذر:۔ اچھا ریغون نے آپ کو کیا بتایا

ا۔ طاریون جس قدر حسین تھی اسی قدر بہادر تھی۔ اس کے باپ [illegible] جائے گا [illegible] اس لڑکی کی شادی کر دی جائے گی [illegible]

حارث:۔ وہ کہتا ہے کہ طاریون نہایت حسین و جمیل لڑکی ہے ایسی خوبصورت ہے کہ ہر وقت چہرہ پر نقاب ڈالے رہتی ہے پھر بھی اس کے حسن کی شعاعیں نقاب میں سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتی رہتی ہیں جس کسی نے بھی اسے بے نقاب دیکھا ہے وہی اپنے ہوش و حواس کھو کر دیوانہ اور خبطی ہو گیا۔

منذر:۔ تعجب ہے۔

حارث:۔ یہ کچھ تعجب نہیں ہے۔ بلکہ تعجب کی بات یہ ہے۔ کہ اس قدر حسین اور نازآفرین ہوتے ہوئے وہ بہادر بھی ہے۔

منذر:۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

حارث:۔ میرا بھی ایسا ہی خیال ہے لیکن رغون کی باتوں سے پتا چلتا ہے یہ حقیقت ہے۔

منذر:۔ چونکہ وہ عیسائی ہے اس لیے عیسائی دوشیزہ کی تعریف کرتا ہے۔

حارث:۔ یہ بات نہیں ہے۔

منذر:۔ گویا آپ نے اس کی بات کا یقین کر لیا ہے۔

حارث:۔ یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

منذر:۔ اور یقین کرنے ہی کی کیا وجہ ہے۔

حارث:۔ وہ کہتا ہے کہ اس لڑکی کے اوپر سینکڑوں رئیس نواب شہزادے اور بادشاہ عاشق ہیں۔ لیکن اس کے باپ نے اعلان کیا ہوا ہے کہ جو شخص اس سے جنگ کر کے اس پر فتحیاب ہو گا اس کے ساتھ اس کی شادی کی جائے گی۔

منذر:۔ پھر اس کا حاصل کرنا کیا مشکل ہے۔

حارث:۔ لیکن آج تک بھی کوئی اسے حاصل نہیں کر سکا ہے۔

منذر:۔ گویا کسی کو اس سے لڑنے کی جرات ہی نہیں ہوئی ہے۔

حارث یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ لوگ اس سے لڑے لیکن جو بھی لڑا وہی مغلوب ہوا۔

منذر جب تو حیرت کی بات ہے۔

حارث ہاں مجھے بھی حیرت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کی محبت کے پروانوں نے بہت کچھ کوشش کی لیکن کوئی بھی اس پر غالب نہ آسکا۔ سب کو اس نے مغلوب کر لیا۔

منذر غالباً لوگ اس وجہ سے اس کا لحاظ کر جاتے ہیں۔ کہ وہ حسین ہے۔ اور ان کی محبوبہ ہے۔

حارث یہ بات نہیں ہے بلکہ ہر لڑنے والا بڑے جوش و خروش سے اس لئے لڑتا ہے کہ اس پر غالب آنے ہی سے وہ اس کی ہو سکتی ہے۔ لیکن آج تک بھی کوئی اسے مغلوب نہیں کر سکا اب اس کا نیا فدائی پیدا ہوا ہے۔ اس کا نام سوئی ہے وہ مقسور کا بیٹا ہے مقسور جبل اسنانہ کا بادشاہ ہے۔ یہ لڑکا خوبصورت بھی ہے اور بہادر بھی وہ اس سے لڑنے کے لئے آنے والا ہے۔ غالباً کوئی تاریخ بھی مقرر ہو چکی ہے۔ رغون کو خوف ہے کہ سوئی شاید اسے مغلوب کر لے۔

منذر معلوم ہوتا ہے کہ رغون بھی اسے چاہتا ہے۔

حارث یہی بات ہے۔

منذر پھر یہ کیوں اس سے نہیں لڑتا۔

حارث اس سے ڈرتا ہے وہ سمجھتا ہے اسے مغلوب نہ کر سکے گا۔

منذر تو وہ مسلمانوں سے مدد لینا چاہتا ہے۔

حارث ہاں وہ اسی لئے آیا ہے۔

منذر پھر سپہ سالار نے اسے کیا جواب دیا۔

حارث ابھی وہ اس کے حضور میں نہیں پہنچا۔

منذر جب تو ہمیں سپہ سالار کے خیمہ پر چلنا چاہئے۔ تاکہ سنیں کہ کیا باتیں ہوتی ہیں۔

حارث ہاں ضرور چلنا چاہئے لیکن معلوم ہوا ہے کہ ظہر کی نماز کے بعد سپہ سالار اعظم اسے طلب کر کے اس سے باتیں کریں گے۔

منذر بس تو ظہر کی نماز پڑھتے ہی وہاں پہنچ جائیں گے۔

حارث اچھا تو اب مجھے اجازت دیجئے۔ انشاء اللہ میں ظہر کی نماز پڑھ کر سالار اعظم کے خیمہ پر آپ سے ملوں گا۔

منذر بہت اچھا۔

اب منذر اٹھا۔ اور حارث کو سلام کر کے طاہرہ پر ایک الوداعی نگاہ محبت ڈال کر چلا۔ اور خیمہ سے باہر نکل کر اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

طاہرہ کو خوف ہو گیا تھا کہ حارث اسے منذر کے سامنے کھڑا ہوا دیکھ کر غالباً خفا ہو جائے گا۔ لیکن جب حارث نے کچھ نہ کہا اور منذر کے معافی مانگنے پر اسے اس شرط پر

معافی دی کہ اگر اس کا یعنی طاہرہ کا سامنا ہو جائے تو بھاگنے کی ضرورت نہیں بلکہ بے خوفی سے بیٹھے۔ اور چہرہ کا اڑا ہوا رنگ واپس آگیا اور اس نے طاریون اور یرغون کا تمام حال دلچسپی کے ساتھ سنا۔

اسے حیرت ہوئی۔ کہ شہزادی طاریون اس قدر خوبصورت ہے کہ ایک دو نہیں سینکڑوں اس کے فدائی ہیں۔

جب منذر اٹھ کر چلا گیا۔ تو حارث نے کہا۔ طاہرہ تمہیں معلوم ہے کہ منذر میرا دوست ہے شریف خاندان سے ہے تم دونوں ایک دوسرے سے خوب واقف ہو۔ اس وقت چونکہ اس کا اور تمہارا اچانک سامنا ہو گیا۔ اس کے سامنے سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔

طاہرہ نے کہا۔ بھائی جان حقیقت یہ ہے کہ میں خود انہیں دیکھ کر شرما گئی تھی اور آپ کے اچانک آنے سے گھبرا گئی تھی۔ میں خود خوب جانتی ہوں کہ وہ شریف انسان ہے۔

حارث طاہرہ! یہ تجھے معلوم ہے کہ ہمارے مذہب نے یہ اجازت دی ہوئی ہے کہ جب لڑکا یا لڑکی کی شادی کرو۔ تو ان کی مرضی لے لو۔ اسی لئے نکاح کے وقت لڑکی سے اگر وہ بالغ ہے تو اجازت لی جاتی ہے۔ ماشاء اللہ اب نوجوان ہو گئی ہے میں تیرے عقد کی فکر میں ہوں میں چاہتا ہوں کہ منذر کے ساتھ تیرا نکاح کر دوں۔ اگر تجھے منظور نہ ہو تو صاف انکار کر دے۔

حارث طاہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ طاہرہ شرما رہی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا آنکھیں فرش پر لوٹ رہی تھیں۔

حارث نے کہا۔ شرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ طاہرہ صاف صاف بتاؤ۔

طاہرہ نے سر اٹھا کر شرمیلی نگاہوں سے اپنے بھائی کو دیکھ کر کہا آپ کے حکم کی اطاعت کرنا میرا اولین فرض ہے۔

حارث: مگر میں حکم دینا نہیں چاہتا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر تجھے کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔

حارث اور طاہرہ کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ خاندان بھر میں لے دے کے صرف یہی دونوں زندہ اور باقی تھے اور دونوں ناکتخدا تھے۔

حارث نے کہا۔ طاہرہ! میری عرصہ سے یہی آرزو تھی۔ لیکن تجھ سے تیری مرضی دریافت کرتے شرم آتی تھی۔ آج خدا نے غیب سے ایسا موقع دے دیا جس سے میری

زبان کھل گئی اور یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ اچھا اب تو جو تجھے کام کرنا ہو کر۔ میں آج ہتھیاروں کو صیقل کرنا چاہتا ہوں۔

طاہرہ نے کہا۔ مجھے کچھ سینا ہے۔ آپ کے پاس ہی بیٹھ کر سیتی رہوں گی۔

حارث تیری مرضی میں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہوں کہ تجھے مجھ سے اسی قدر محبت ہے جس قدر مجھے تجھ سے ہے۔

حارث نے اٹھ کر ہتھیار لئے اور انہیں صاف کرنا شروع کر دیا۔ طاہرہ نے کپڑے نکالے اور اپنے بھائی کے پاس بیٹھ کر سینے لگی۔

ان دونوں بھائی بہن میں بے حد محبت تھی۔ ایسی محبت کہ جس کی نظیر دی جایا کرتی تھی۔ اگر بھائی کا کان گرم ہو جاتا تھا تو بہن بے چین ہو جایا کرتی تھی۔ اور بہن کو تکلیف ہو جایا کرتی تھی۔ تو بھائی بے کل ہو جایا کرتا تھا۔

دوپہر تک دونوں بیٹھے اپنا اپنا کام کرتے رہے۔ دوپہر کو کھانا کھایا۔ اور پھر کاموں میں مصروف ہو گئے جب دوپہر ڈھل گئی اور ظہر کی اذان ہوئی تو فوراً ہی حارث نماز پڑھنے کے لئے چلا گیا اور طاہرہ اس میدان میں چلی گئی جو خیموں سے گھرا ہوا تھا۔

اس میدان میں عورتیں نماز پڑھا کرتی تھیں چنانچہ تمام عورتیں لڑکیاں اور بچے اپنے اپنے خیموں سے باہر نکل آئے تھے۔ اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگے تھے۔

طاہرہ نے بھی وضو کیا اور نماز پڑھنے لگی۔

حارث اس میدان میں پہنچا جس میں تمام مسلمان نماز پڑھنے کے لئے جمع ہو رہے تھے۔ یہ میدان لشکر گاہ سے باہر چشمہ کے کنارہ پر تھا۔

چشمہ پر دور تک مسلمان بیٹھے وضو کر رہے تھے جو وضو کرتے جاتے تھے وہ میدان میں پھیلتے جاتے تھے تمام میدان میں ہلچل ہو رہی تھی۔

جب سب مسلمان وضو کر کے سنتیں پڑھ چکے تب جماعت کے لئے صفیں باندھ کر کھڑے ہوئے دور تک صفیں قائم ہو گئیں انہوں نے بڑھ بڑھ کر صفیں سیدھی کیں اور عیاض بن غنم الاشعریؓ نے نماز پڑھائی۔

نماز پڑھ کر مجاہدین منتشر ہو گئے۔ عیاض اپنے خیمہ پر پہنچے۔ ان کا خیمہ اگرچہ عالیشان تھا لیکن اس میں بھی کملیوں کا فرش ہو رہا تھا اور خیمہ کے سامنے بھی چند کمبل بچھائے تھے۔ اور خیمہ کی چوٹی پر اسلامی علم لہرا رہا تھا۔

عیاض اس لشکر کے سپہ سالار اعظم تھے اور انہوں نے اس وقت تک علاوہ معمولی

قصبوں اور شہروں کے۔ قرقیا۔ ماکسین۔ شاتیہ۔ ماردین رہا اور حیران وغیرہ مشہور شہر قلعے فتح کر لئے تھے۔ ان کے پاس کافی دولت اور کافی سامان تھا۔ لیکن اس زمانہ کے مسلمان نہایت سادہ طریقہ پر رہتے تھے تمام صحابہ خود حضرت عمر فاروق جو امیرالمومنین اور خلیفۃ المسلمین تھے۔ معمولی لباس پہنتے تھے۔ زمین یا فرش پر بیٹھتے تھے۔ زمین پر سوتے تھے اس لیے انکی معاشرت بھی سادہ تھی۔

حضرت عمر فاروق کی عبا میں کئی کئی پیوند لگے ہوئے تھے اور یہ پیوند اونی کمبلوں اور چمڑہ کے ٹکڑوں کے ہوتے تھے۔

یہ بات نہ تھی۔ کہ وہ مفلس تھے۔ نہیں وہ متمول تھے اور اس قابل تھے کہ اعلیٰ قسم کا لباس پہن سکیں۔ لیکن آپ کو تکلفات سے نفرت تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جوں جوں مسلمانوں میں تکلفات بڑھتے جائیں گے۔ آرام طلبی آتی جائے گی۔ اور آرام طلب ہوتے ہی وہ بزدل بن جائیں گے۔

دیکھئے آپ کا قول کس قدر پورا ہو رہا ہے۔ ایک زمانہ تھا جبکہ مسلمان معدودے چند تھے لیکن اس قدر جفاکش اور بہادر تھے کہ جس طرف اٹھ جاتے تھے جس ملک پر حملہ کرتے تھے اسے فتح کئے بغیر نہ چھوڑتے تھے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کو انہوں نے زیر کر لیا تھا۔ زمانہ بھر پر ان کی دھاک بیٹھ گئی تھی اور آج ۸۰ کروڑ کے قریب مسلمان ہیں لیکن آرام طلبی نے انہیں بزدل بنا دیا ہے۔

اور وہ قوم جس سے دنیا ڈرتی تھی۔ آج خود دنیا بھر سے ڈرتی ہے۔ کس قدر افسوسناک اور قابل رحم حالت ہے مسلمانوں کی۔

اگر آج مسلمان آرام طلبی چھوڑ کر جفاکش بن جائیں۔ اور صرف ہندوستان ہی کے مسلمان ایسا کریں تو دنیا اس سے تھرا اٹھے۔

حضرت عیاض معمولی قسم کا لباس پہنے اپنے خیمہ کے سامنے کمبل کے فرش پر بیٹھے تھے۔ حضرت خالد۔ حضرت ضرار۔ نعمان ... عمرو۔ حکم۔ علی۔ عامر۔ مقداد اور سہیل۔ وغیرہ جیسے بہادر۔ نڈر۔ جفاکش۔ اور مدبر ان کے پاس بیٹھے تھے یہ سب لوگ مجاہدین کے افسر تھے۔

منذر اور حارث بھی آکر بیٹھ گئے تھے۔ تھوڑی دیر میں چند عیسائی آئے اور نہایت ادب سے سلام کر کے عیاض کے قریب بیٹھ گئے۔

یوں تو یہ تمام عیسائی فوق البھڑک ریشمی لباس اور سونے کے زیورات پہنے ہوئے تھے۔ لیکن ان میں سے ایک نوجوان تھا نہایت بیش قیمت لباس اور نہایت قیمتی سونے اور جواہرات کے زیور پہنے ہوئے تھے اس کے سر پر سونے کا تاج تھا۔ اسی نوجوان کا نام یرغون تھا۔

یرغون نہایت مشہور بادشاہ تھا۔ اس کے زیر حکومت معدن۔ ابرون وقف۔ انطر۔ ارزن۔ اور یولیس جیسے مشہور شہر اور قلعے تھے۔ اس کے پاس بہت کافی فوج تھی۔

عیاض نے کہا۔ یرغون اس وقت یہاں وہ تمام مسلمان بیٹھے ہیں جن کے مشورہ سے میں کام کیا کرتا ہوں۔ اب بتاؤ تم کن شرائط پر مصالحت کرنا چاہتے ہو۔

یرغون نے کہا۔ میں آپ کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ میری حکومت نہایت مستحکم ہے میرے پاس کافی لشکر ہے مجھ سے میرے قریب کے بادشاہ ڈرتے رہتے ہیں۔ میری طاقت بہت بڑھی ہوئی ہے اس وقت آپ راس العین کو فتح کرنا چاہتے ہیں۔ میں ذمہ لیتا ہوں کہ اسے فتح کر دونگا خود آپ کا باجگزار بن جاؤنگا اور اپنے قریب کی تمام عیسائی سلطنتوں کو آپ کا محکوم بنا دونگا۔ آپ کا ہوا خواہ رہونگا اور ہمیشہ آپ کی مدد کرونگا۔ میری شرائط بھی زیادہ نہیں ہیں صرف دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ میری رعایا کو اور مجھے امن دیا جائے اور دوسری یہ کہ اخلاط کے بادشاہ کی بیٹی طاریون سے میری شادی کرا دی جائے۔

عیاض نے کہا۔ پہلی شرط تو ہمیں منظور ہے۔ لیکن دوسری شرط کا ہم وعدہ نہیں کر سکتے۔

حضرت خالد نے کہا۔ اور یہ وعدہ اس لیے نہیں کیا جاسکتا۔ کہ ہم عورتوں کے معاملہ میں کبھی دخل اندازی نہیں کرتے ہیں۔

ضرار:۔ لیکن ایک بات کا ہم اقرار کر سکتے ہیں اور وہ یہ کہ اخلاط کے بادشاہ کے پاس اپنی طرف سے تمہارے لیے پیام بھیجیں گے۔

عیاض:۔ ہاں یہ ممکن ہے۔

مقداد:۔ لیکن آپ نے خود اپنے طور پر کوشش کیوں نہیں کی۔

یرغون:۔ اس لیے اس کے باپ نے اسے اس کی شادی کا اختیار دیا ہوا ہے اور اس نے یعنی طاریون نے یہ اعلان کیا ہوا ہے۔ کہ جو شخص میدان جنگ میں اس پر غالب آئیگا۔ وہ اسی کے ساتھ شادی کرے گی۔

علی:۔ پھر کیا قباحت ہے آپ تو آپ وجیہہ ہیں جنگجو ہیں۔ فنون جنگ سے ماہر ہیں کیوں آپ نے کوشش نہیں کی۔

یرغون :- اس لیے کہ طاریون اول تو خود بھی بہادر ہے دوسرے وہ اس قدر حسین ہے کہ جب کسی شخص کو اپنے اوپر غالب آتے دیکھتی ہے تو اپنے روئے انور سے نقاب اٹھا دیتی ہے اور جوں ہی اس کے حسین چہرہ پر لڑنے والے کی نظر جا پڑتی ہے۔ اس کے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں رہتے اور اس طرح وہ فوراً ہی مغلوب ہو جاتا ہے۔ چونکہ میری بہادری کا اطراف و جوانب میں شہرہ ہے اس لیے میں نے اس سے لڑنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ مجھے بھی یہی اندیشہ ہے کہ وہ مجھے بھی مسحور کر کے زیر کر لے گی۔

عیاض :- بس تو یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اس کے باپ کے پاس تمہارا پیغام بھیجدیں اور اسے سمجھا دیں کہ اس میں اس کی بھلائی ہے۔

یرغون :- لیکن یہ کوشش بیکار رہے گی۔

عیاض :- کس وجہ سے۔

یرغون :- وجہ وہی ہے جو میں عرض کر چکا ہوں۔ یعنی اس نے اپنی بیٹی کو پورا اختیار دیا ہوا ہے اور اس کی بیٹی نے مقابلہ کا اعلان کیا ہوا ہے۔

عیاض :- مگر ممکن ہے۔ کہ وہ مان لے۔

یرغون :- میرے خیال میں وہ کبھی نہ مانے گا۔

عیاض :- اور ہم کیا مدد کر سکتے ہیں۔

یرغون :- آپ اس کے اوپر لشکر کشی کریں۔ یہ تو ضروری ہے کہ وہ آپ سے لڑے گا۔ لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ اسے شکست ہوگی۔ وہ مارا جائے گا۔ یا بھاگ جائے گا۔ اس وقت آپ طاریون کو گرفتار کر کے میرے حوالہ کر دیں۔

عیاض :- ہم ایسا ظلم نہیں کر سکتے۔

یرغون :- یہ ظلم تو نہیں ہے۔

عیاض :- اس سے زیادہ اور کیا ظلم ہوگا۔ کہ ایک لڑکی کے لیے جنگ کی جائے اور اسے اس کی مرضی کے خلاف زبردستی تمہارے حوالہ کر دیا جائے۔

یرغون :- سنیے اگر آپ اسے میرے حوالہ کر دیں گے تو میں اس صلہ میں مسلمان ہو جاؤں گا۔

عیاض :- چونکہ آپ ایک غرض لیکر مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس طرح مسلمان ہونے سے کوئی فائدہ نہیں۔

یرغون :- لیکن میرے مسلمان ہونے سے اسلام اور مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچ سکتی ہے۔

عیاض :- اسلام اور مسلمان سوائے خدا کے محتاج نہیں ہیں۔

یرغون :- تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ میری عرضداشت منظور نہ ہوگی۔

عیاض :- یہ صرف اسی قدر منظور ہو سکتا ہے کہ آپکو آپکی رعایا کو امن دیا جائے اور طاریون کے باپ کے پاس پیغام بھیج دیا جائے۔

یرغون :- اچھا میں سوچ لوں۔ شاید کوئی تدبیر نکل سکے۔

عیاض :- سوچ لیجئے۔

یرغون :- اس وقت مجھے اجازت دیجئے۔ میں پھر کسی روز حاضر ہونگا۔

عیاض :- بہتر ہے۔

حضرت خالد نے کہا یہ شخص طاریون پر مٹا ہوا ہے۔ اس کی خود غرضی اسے یہاں لائی تھی۔ اب ناامید ہو کر واپس گیا ہے۔ آئندہ اس کے آنے کی توقع نہیں ہے۔

ضرار نے کہا۔ اپنے خیال میں وہ ہمیں دھوکہ دیکر گیا ہے لیکن یہ عیسائی نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ چونکہ وہ اپنی خوشی سے آیا تھا۔ اس لیے ہم نے اسے جانے دیا۔

عیاض کچھ کہنا چاہتے تھے۔ کہ کچھ لوگوں کے زور زور سے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ وہ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ چند مسلمان ایک نہایت حسین عیسائی لڑکی کو لئے چلے آ رہے ہیں۔

عیاض اور ان کے پاس بیٹھنے والے حیرت سے آنے والی لڑکی کو دیکھنے لگے۔

چوتھا باب

آغاز فریب

لڑکی نہایت حسین تھی۔ بیش قیمت کپڑے اور قیمتی زیورات پہنے تھی۔ تمام زیورات جواہرات کے تھے۔ جواہرات کی ضو سے اس کے گورے رخسار اور بھی چمک رہے تھے آنکھوں میں غضب کی روشنی تھی۔ جو مسلمان اسے لیے ہوئے آ رہے تھے۔ انہوں نے اسے حضرت عیاض کے سامنے لا کھڑا کیا۔

لڑکی نے نہایت ادب سے ادائے دلبرانہ کے ساتھ سلام کیا عیاض نے مسلمانوں سے دریافت کیا۔ یہ لڑکی کون ہے؟

ایک مسلمان نے جواب دیا۔ نہ ہم نے ابھی اس سے یہ دریافت کیا نہ اس نے بتایا۔

عیاض :- تم اسے کہاں سے لائے ہو۔

وہی مسلمان :- ہم لوگ بھی اسے دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔

عیاض :- تم نے اس سے دریافت نہیں کیا۔ کہ یہ کیوں اسلامی لشکر کی طرف آ رہی تھی۔

وہی مسلمان :- دریافت کیا تھا۔ یہ کچھ خوفزدہ تھی۔ اس نے بتایا بھی مگر ہم نے سمجھا ہی نہیں۔

یہ تمام گفتگو عربی زبان میں ہوئی تھی۔ لڑکی حیران ہوئی کھڑی تھی۔ اس کی شان سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ ان کی گفتگو کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھی ہے۔

عیاض نے اس سے دریافت کیا۔ لڑکی! تو کون ہے۔ اس نے رومی زبان میں کچھ کہا جسے عیاض نہیں سمجھے انہوں نے فوراً ایک مترجم کو طلب کیا۔ جب وہ آگیا تو اس کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔

عیاض :- لڑکی تمہارا کیا نام ہے۔

لڑکی :- میرا نام پریونہ ہے۔

غالباً ناظرین سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ یہ پریزاد لڑکی قیاقوس کی بہن پریونہ تھی۔

عیاض :- تم کون ہو۔

پریونہ :- میں اخلاط کے وزیر اعظم کی بیٹی ہوں۔

عیاض :- یہاں کیسے آئی ہو۔

پریونہ :- میں اس پہاڑ پر (اشارہ سے بتا کر) اپنے بھائی قیاقوس کے ہمراہ آئی تھی۔ کل میرا بھائی اخلاط واپس چلا گیا۔ مجھے گرجا کے پادری نے روک لیا تھا۔ آج میں صبح ہوا خوری کے لیے گرجا سے نکل کر دور تک نکل چلی گئی۔ ایک چٹان کے پیچھے سے یکایک چند ڈاکو مجھ پر آ پڑے اور انہوں نے مجھے گرفتار کر لیا۔ میں سخت پریشان ہو گئی وہ مجھے ساتھ لے کر پہاڑ کے آخری کنارہ پر آ کر کھڑے ہوئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھی۔ ہم سب ایک چٹان کے پیچھے کھڑے تھے۔ ہم نے جھانک کر دیکھا تو چند عربی عورتیں چشمہ کے کنارہ پر بیٹھی تھیں انہیں دیکھتے ہی ڈاکو گھبرا گئے۔ اور مجھے بھی اپنے ساتھ کھینچ کر پیچھے ہٹ گئے۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ میرا سارا زیور لے لیں۔ اور مجھے رہا کر دیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اور بتایا کہ سوسی نے انہیں مجھے گرفتار کر کے اپنے پاس لانے کے لیے بھیجا ہے۔

عیاض :- یہ سوسی کون ہے۔

پریونہ :- اخلاط کے قلعہ سے کچھ فاصلہ پر ایک قلعہ جبل السانذ ہے اس قلعہ کا حکمران سلسنور ہے۔ سلسنور کا بیٹا سوسی ہے۔

عیاض :- اچھا پھر ڈاکوؤں نے تمہیں کیسے چھوڑا

لڑکی :- انہوں نے چھوڑا نہیں۔ حضور بلکہ مجھے اپنے ساتھ لے کر چل پڑے۔ اور دروں اور گھاٹیوں کو طے کر کے ایک ایسی جگہ میں پہنچے۔ جس کے تین طرف اونچی اونچی چٹانیں کھڑی تھیں۔ وہ وہاں جا کر آرام کرنے لگے میں بھی ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ دیر تک بیٹھی سوچتی رہی۔ آخر دیر کے بعد میں نے یہ کیا کہ ان کے چنگل سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

عیاض :- معلوم ہوتا ہے کہ تم سوسی سے واقف نہیں ہو۔

پریونہ :- میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔

عیاض :- وہ کیسا آدمی ہے۔

پریونہ :- نہایت برا۔ بڑا بداخلاق۔ کامل بدچلن۔ اگر اسے حسن کا ڈاکو کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔

عیاض :- اور تم اس سے ناخوش نہیں۔

پریونہ :- میں اس کی صورت سے بیزار ہوں۔ چونکہ وہ خوبصورت ہے اس لیے ناتجربہ کار لڑکیاں اس کی صورت دیکھ کر ریجھ جاتی ہے اور اس کی مرضی پر چلنے لگتی ہیں لیکن جب اس کا مطلب نکل جاتا ہے تو پھر وہ ان بدبختوں کو ذلیل کر کے نکال دیتا ہے۔

عیاض :۔ اور یہی وجہ تمہاری اس سے نفرت کرنے کی ہے۔

پریونہ :۔ جی ہاں خیال فرمایئے وہ میری ہم جنس لڑکیوں کو بے آبرو کرتا ہے ایک خود دار لڑکی کیوں اس سے نفرت نہ کرے گی۔

عیاض :۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اچھا پھر تم کیسے بھاگیں۔

پریونہ :۔ میں تھوڑی دیر کے بعد اٹھی اور ایک چٹان کے اوپر چڑھنے لگی۔ ڈاکوؤں نے مجھے چڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ ان میں سے ایک نے ہنس کر کہا۔ اس چٹان پر چڑھنے سے سوائے تھک جانے کے کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔ کیونکہ دوسری طرف اترنے کا راستہ نہیں ہے۔

مگر میں نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔ میں برابر چڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ چٹان کی چوٹی پر پہنچ گئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

میں نے دیکھا۔ کہ دوسری طرف چٹان بالکل سیدھی ہے اور اس طرف سے اترنا بالکل ناممکن ہے۔ البتہ اس کے قریب ہی ایک اور چٹان تھی اور وہ ڈھلوان دار تھی۔ لیکن جس چٹان پر میں تھی اس سے وہ تقریباً چھ سات گز کے فاصلہ پر تھی۔ اور درمیان میں نہایت گہرا غار تھا میں چوٹی پر چلنے لگی اور اس فکر میں ہوئی۔ کہ اگر کوئی جگہ ایسی مل جائے جہاں فاصلہ کم ہو تو جست لگا کر دوسری چٹان پر پہنچ جاؤں۔

میں نے ڈاکوؤں کی طرف جھانک کر دیکھا تو ان میں سے دو ڈاکو مجھے واپس لیجانے کے لیے میری طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ میں انہیں آتے ہوئے دیکھ کر گھبرا گئی۔ اور ذرا تیزی سے چلنے لگی میں چاہتی تھی کہ ان کے آنے سے پہلے ساری چٹان کو دیکھ جاؤں۔ اور اگر ممکن ہو اور کوئی غار مل جائے تو اس میں چھپ جاؤں۔

کچھ دور چل کر مجھے ایک پتھر لٹکا ہوا نظر آیا۔ یہ پتھر تقریباً تین گز لمبا تھا لیکن غار کی طرف اس طرح لٹک رہا تھا جیسے ذرا سا بوجھ پڑنے پر غار میں جا گرے گا۔

یہ ہی ایک ایسا موقع تھا جس پر سے اگر میں ہمت کرتی۔ تو دوسری چٹان پر جا سکتی تھی اگرچہ پتھر کے گر جانے کا خوف تھا مگر میں نے یہ خیال کیا کہ میں ہلکی پھلکی ہوں شاید پتھر میرا بوجھ سنبھال لے چنانچہ میں جلدی سے پتھر کی طرف بڑھی۔ ابھی میں پتھر کے پاس بھی نہ پہنچی تھی کہ آواز آئی۔ نادان پریونہ! کیا کرتی ہے۔ ہرگز پتھر پر نہ جانا ورنہ وہ غار میں گر پڑے گا۔ اور تو بھی اس کے ساتھ ہی جا پڑے گی۔ اور تیرے نازک جسم کا چورا ہو جائے گا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ڈاکو جلدی جلدی بڑھے چلے آ رہے تھے اور وہ میرے قریب ہی آ گئے تھے۔ میں بھی پتھر کے پاس پہنچ گئی تھی۔ جلدی سے پتھر پر اتر گئی۔ اگرچہ میں ہلکی تھی لیکن مجھے محسوس ہوا کہ میرے بوجھ سے پتھر ہلنے لگا ہے۔ میں ڈر گئی۔ مگر میں نے ہمت نہیں ہاری۔ اور بڑھ کر پتھر کے سرے پر کھڑی ہو کر جست لگائی۔ میرے جست لگانے سے پتھر پر زور پڑا۔ اور وہ اپنی جگہ سے سرک کر غار میں پھسلنے لگا۔ لیکن میں جست لگا چکی تھی اور اس لیے بخیریت دوسری چٹان پر جا پہنچی جب میرے حواس درست ہوئے اور میں نے جھانک کر دیکھا تو پتھر غار کی تہ میں پہنچ چکا تھا۔

اس عرصہ میں ڈاکو وہاں آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ جہاں پتھر لٹکا ہوا تھا۔ چونکہ مجھے اور ان میں فاصلہ زیادہ تھا اور میں جانتی تھی کہ وہ کود کر میرے پاس نہیں آ سکتے اس لیے اطمینان سے کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ کس قدر غلطی کی ہے تو نے پریونہ! زندگی تھی بچ گئی۔ اچھا اب تو بیٹھی رہ ہم دوسری طرف سے آتے ہیں۔

یہ کہتے ہی وہ واپس لوٹ گئے مجھے خوف ہوا کہ وہ دوسرے راستہ سے آ کر کہیں پھر مجھے نہ پکڑ لیں۔ اس لیے میں وہاں سے نہایت تیزی کے ساتھ اتری اور بے تحاشا بھاگ کر پہاڑ سے نیچے آ پہنچی یہاں آ کر مجھے اسلامی لشکر نظر آیا۔ میری جان میں جان آئی۔ اور میں اسی طرف دوڑ پڑی۔

عیاض :۔ لیکن تمہیں یہ خوف نہ ہوا کہ مسلمان تمہیں پکڑ لیں گے۔

پریونہ :۔ یہ بات تمام عیسائیوں کو معلوم ہے کہ مسلمان پادریوں کو بڈھوں کو بیماروں کو بچوں کو اور عورتوں کو کچھ نہیں کہتے۔ مجھے بھی علم تھا۔ اس لیے میں نہیں ڈری۔ اور اپنی قوم کے ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے بچ کر آپ کے دامن میں پناہ لینے چلی آئی۔

عیاض :۔ تو اب تو یہ چاہتی ہے کہ ہم تجھے تیرے بھائی کے پاس انطاکیہ پہنچا دیں۔

پریونہ :۔ ہاں حضور! میں یہی چاہتی ہوں۔

عیاض :۔ اور اگر ہم تجھے پہاڑی گرجہ کے پادری کے پاس پہنچا دیں۔

پریونہ :۔ نہیں۔ میں وہاں جانا نہیں چاہتی۔

عیاض :۔ یہ کیوں۔

پریونہ :۔ اس لیے۔ کہ وہ ڈاکوؤں سے میری حفاظت نہ کر سکیں گے۔

عیاض :۔ لیکن ہم فوراً ہی تمہیں انطاکیہ نہیں بھیج سکتے۔

پریونہ :۔ میں بھی یہ نہیں کہتی۔ نہ مجھے یہ بات کہنے کا کوئی حق ہے۔ جب مناسب سمجھیں بھیج دیں۔

عیاض :۔ لیکن جب تک ہم تمہیں بھیجیں اس وقت کہاں رکھیں گے۔

پریونہ :۔ جہاں آپ مناسب سمجھیں

یا اس [illegible] پریونہ تیری باتوں سے فریب کی بو آتی ہے۔

پریونہ نے آزردہ ہو کر کہا۔ اگر حضور مجھے فریبی سمجھتے ہیں تو واپس جانے کی اجازت دیں۔ یا تو مجھے پھر ڈاکو گرفتار کر لیں گے اور گرفتار کر کے اس شخص کے پاس پہنچا دیں گے جس سے مجھے نفرت ہے۔ یا ممکن ہے خدا کوئی ایسی سبیل کر دے جس سے میں بچ کر اپنے وطن میں پہنچ جاؤں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ پریونہ بہت زیادہ حسین تھی۔ اور چونکہ وہ ایک عیسائی لڑکی تھی اس لیے موقع اور محل کے مطابق اپنی حالت بنا لیتی تھی گویا وہ اچھی فریب کار تھی۔ اور خوب فریب دینا جانتی تھی۔

اس وقت اس نے اپنی صورت ایسی معصوم بنالی جس سے نہ صرف عیاض کو بلکہ ہر مسلمان کو اس پر رحم آگیا۔ چنانچہ عیاض نے کہا۔ اچھا تم عورتوں کے ساتھ رہو۔

پریونہ کو بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔ حضور کی اس مہربانی کا شکریہ۔

اب عیاض حارث کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے کہا۔

عزیز حارث :۔ پریونہ کو تم لے جاؤ۔ اور اپنی ہمشیرہ کے پاس رکھو۔

حارث :۔ بہت اچھا۔

عیاض :۔ لیکن ذرا اس سے ہوشیار رہنا۔

حارث :۔ اطمینان رکھئے۔ میں اس کی ہر حرکت کی نگرانی کرتا رہوں گا۔

عیاض :۔ اچھا تو تم اسے لے جاؤ۔

حارث :۔ بہت بہتر۔

حارث اٹھا۔ اس نے پریونہ کو ساتھ لیا اور اپنے خیمہ کی طرف چل پڑا کچھ دیر کے بعد ایک ایک دو دو کر کے تمام مسلمان اٹھے اور اپنے اپنے خیموں کی طرف چل پڑے۔

حارث ماہ تمثال پریونہ کو ہمراہ لے کر جب اپنے خیمہ میں پہنچا تو اس وقت طاہرہ وہاں نہ تھی۔ حارث نے کہا عیسائی نازنین معاف کرنا۔ اس خیمہ میں تمہاری شان کے شایاں نہ فرش ہے نہ کرسیاں ہیں نہ کوئی اور سامان ہے مگر تم نے دیکھ لیا ہوگا۔ کہ ہمارے سالار اعظم کے خیمہ میں بھی ایسا ہی فرش تھا اور نہ صرف ان کے خیمہ میں بلکہ ہر مسلمان کے خیمہ میں یہی بات نظر آئے گی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم تکلفات کو پسند نہیں کرتے آپ تشریف رکھیں۔ میری ہمشیرہ طاہرہ جو آپ کی ہم سن ہے اب آتی ہوگی۔ یقین ہے آپ اس سے مل کر خوش ہوں گی حارث رومی زبان سے واقف تھے۔ جب وہ گفتگو کر رہے تھے۔ تو پریونہ انہیں دیکھ رہی تھی۔ نہایت غور اور رغبت کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

حارث کی نگاہیں رومی دوشیزہ کے گلابی رخساروں پر لوٹ رہی تھیں اور وہ کسی خاص کشش کے تحت میں برابر اسے دیکھ رہے تھے۔

پریونہ نے عربی زبان میں کہا میں عربی جانتی ہوں لیکن بہت معمولی طور پر۔ چونکہ مجھ پر آپ کے سالار اعظم کا رعب طاری ہو گیا تھا اس لیے ان کے سامنے عربی میں گفتگو کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ میں جانتی ہوں اور میں نے سنا ہے کہ مسلمان نہایت سادہ طریقہ پر رہتے ہیں۔ اس سادگی نے انہیں جفاکش۔ اور جفاکشی نے بہادر بنا رکھا ہے اس بہادری کی بدولت فتوحات مل رہی ہیں اور دنیا پر ان کا رعب طاری ہو گیا ہے۔ میں مشکور ہوں کہ مسلمانوں نے مجھے پناہ دی۔ اس وقت یہ کمبلوں کا فرش میرے لیے قالینوں کے فرش سے بہتر ہے۔

یہ کہہ کر وہ بیٹھ گئی۔ اس کے سامنے حارث بیٹھ گئے۔ پریونہ نے کہا میں مسلمانوں کو جیسا خلیق سنا تھا ویسا ہی پایا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ میں بدطینت ڈاکوؤں کے چنگل سے نکل آئی۔

حارث :۔ مگر سوئی تمہارے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔

پریونہ :۔ محض اپنی بدنیتی کی وجہ سے۔

حارث :۔ کیا اس نے تمہیں دیکھا تھا۔

پریونہ :۔ ہاں دیکھا تھا۔ اور جب سے دیکھا تھا۔ اسی وقت مجھے اڑا لے جانے کی فکر میں تھا۔

حارث :۔ گویا اسے تم سے محبت ہو گئی ہے۔

پریونہ :۔ اس نے بوالہوسی کا نام محبت رکھا ہوا ہے۔

حارث :۔ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اسے تم سے محبت نہیں ہے۔

پریونہ :۔ ممکن ہے اسے محبت بھی ہو۔ لیکن میرا یہی خیال ہے۔

حارث نے اس بت پر فن کو دیکھتے ہوئے کہا۔ میرا خیال یہ ہے کہ اسے تم سے محبت ہے۔

پریونہ نے شوخ چشمی سے حارث کو دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کس وجہ سے یہ خیال ہے آپ کا۔

حارث :۔ اس وجہ سے کہ تم بیحد حسین ہو۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی تمہیں دیکھ کر تمہارا گرویدہ نہ ہو جائے۔

پریونہ :۔ آپ کی اس خیال آرائی کا شکریہ

حارث :۔ یہ محض خیال آرائی نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت ہے۔

پرویند :۔ مگر میں اس قدر حسین نہیں ہوں۔ جس قدر آپ تعریفیں کر رہے ہیں۔

حارث :۔ نہیں۔ پرویند۔ تم بہت زیادہ حسین ہو۔ اس قدر حسین کہ تمہیں دیکھنے والا اپنے دل پر قابو نہیں رکھ سکتا۔

اگرچہ پرویند نے حارث کو آج سے پہلے نہ دیکھا تھا۔ بات چیت کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔ مگر وہ عیسائی لڑکی تھی۔ اور عیسائی لڑکیاں بہت جلد مردوں سے خلا ملا پیدا کر لیا کرتی ہیں گفتگو کرتے وقت بالکل نہیں شرماتیں۔

چنانچہ اس نے سحر کار نگاہوں سے حارث کو دیکھ کر قدرے مسکراتے ہوئے کہا۔ کہیں آپ کا دل بھی بے قابو نہ ہو جائے۔

حارث اس کے روئے انور کو تکے جا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ہم مسلمان جھوٹ نہیں بولا کرتے میں صاف طور پر کہتا ہوں کہ میرے دل کو تمہارے حسن نے مسخر کر لیا ہے۔

پرویند لگاوٹ آمیز ادا کے ساتھ ہنسی۔ اس نے کہا۔ جب تو میں فخریہ طور پر کہہ سکتی ہوں کہ واقعی میں حسین ہوں۔

حارث نے قدرے جوش میں آکر کہا۔ یہ حقیقت ہے کہ تم حسین ہو۔ پرویند نے حارث کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر کہا لیکن آپ۔

حارث :۔ میں ...... میں صرف ایک انسان ہوں۔

پرویند :۔ پھر ہنس پڑی ہنسنے سے اس کے ہلکے گلابی گال تیز گلابی ہوگئے اور آنکھوں میں سحر خیز چمک پیدا ہوگئی۔ اس نے کہا۔ آپ انسان ہیں اور بس۔

حارث :۔ تم چمن کا چاند ہو۔

پرویند نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ خوب تعریف کی ہے آپ نے چاند ایک اجڑی ہوئی دنیا ہے۔ ٹھنڈا سیارہ ہے۔ اس میں صرف روشنی ہی روشنی ہے اور کچھ بھی نہیں۔

حارث :۔ واقعی تم نے ٹھیک کہا۔ چاند سرد سیارہ ہے اور تمہارے جسم میں جوش شباب سے حرارت ہے چاند اجڑی ہوئی دنیا ہے اور تمہارے دل کی دنیا امنگوں اور آرزوؤں سے آباد ہے۔

پرویند :۔ معلوم ہوا آپ شاعر بھی ہیں۔ خوب استعارے استعمال کرتے ہیں۔

حارث :۔ آج عرب کا بچہ بچہ زبان دان اور شاعر ہے۔ میں بھی عربی ہوں قدرتی طور پر شاعری سے رغبت ہے۔

پرویند :۔ سنتی ہوں آپ کے نبی بھی شاعر تھے۔

حارث :۔ یہ غلط ہے۔ وہ نہ لکھے پڑھے تھے۔ نہ شاعر تھے نہ شاعری کو اچھا جانتے تھے۔

پرویند :۔ کیا تمہارے نبی ان پڑھ تھے۔

حارث :۔ ہاں ان پڑھ تھے۔ بالکل لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔

پرویند :۔ پھر انہوں نے وہ کتاب کیسے لکھی ہے۔ جسے قرآن شریف کہتے ہیں۔

حارث :۔ وہ کتاب انہوں نے نہیں لکھی۔ بلکہ وہ خدا کا کلام ہے۔ جو اس فرشتہ کے ذریعے سے نازل ہوا ہے جسے عیسائی روح القدس کہتے ہیں۔ اس فرشتہ کا نام جبرئیل ہے۔

پرویند :۔ آج پہلا موقعہ ہے کہ میں نے یہ بات سنی کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے ورنہ ہم عیسائی یہ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ خود حضرت محمد صلی علیہ والہ وسلم کا کلام ہے۔

حارث :۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی صداقت کے لئے فرمایا ہے کہ خدا ہی کا کلام ہے اور خدا ہی نے نازل فرمایا ہے اپنے کلام پاک قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔ **نحن نزلنا علیک القرآن تنزیلا** یعنی ہم نے تجھ پر قرآن شریف آہستہ آہستہ اتارا ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ **ننزل من القرآن ما ھو شفاء** یعنی ہم نے قرآن شریف سے شفا بخشی ہے۔

پرویند :۔ کیا پروردگار عالم نے قرآن شریف میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت محمد صلی علیہ والہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔

حارث :۔ ہاں جگہ جگہ اس کے متعلق باری تعالیٰ کا ارشاد موجود ہے ایک جگہ فرمایا ہے محمد الرسول اللہ۔ یعنی محمد خدا کے رسول ہیں **ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین**۔ یعنی محمد صلی علیہ والہ وسلم کسی کے باپ نہیں ہیں وہ تو اللہ کے پیغمبر ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں یعنی اب کوئی نبی نہ ہوگا۔ پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب۔

پرویند :۔ اور قرآن شریف میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت محمد صلی علیہ والہ وسلم ان پڑھ تھے۔

حارث :۔ ہاں صاف طور پر مرقوم **فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی**۔ یعنی ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے اس رسول پر جو ان پڑھا ہے۔

پرویند :۔ اور قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ کا بھی ذکر ہے۔

حارث :۔ حضرت عیسیٰ کو خدا نے اپنا بندہ اور رسول بتایا ہے ارشاد ہوتا ہے انما

المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ و کلمتہ القاھا الیٰ مریم و روح منہ یعنی سچ یہ ہے کہ عیسیٰ مریم کا بیٹا اور خدا کا رسول ہے اور اللہ کا حکم ہے اور اللہ نے اس کو مریم کی طرف ڈال دیا۔ اور وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی روح ہے۔

پریونہ :۔ تم حضرت عیسیٰ کو کیا سمجھتے ہو۔

حارث :۔ جو قرآن شریف ہدایت کرتا ہے۔

پریونہ :۔ یعنی۔

حارث :۔ یہی کہ وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول تھے بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ خدا کے محبوب تھے۔

پریونہ :۔ گویا تم انہیں خدا کا بیٹا نہیں مانتے

حارث :۔ نہیں۔ اور یہ اس لیے کہ خدا انسانوں کا ہم جنس نہیں ہے۔ وہ ایک ایسا لطیف نور ہے جو سب جگہ ہے اس کے نور کی تجلی ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ میں ہے جب وہ لامحدود ہے تو محدود ہو کر کیسے ایک باپ کا بشر بن سکتا ہے۔

پریونہ :۔ لیکن اس کے لیے کچھ زن و شوہر کے تعلق ہی کی ضرورت نہ تھی۔

حارث :۔ اور

پریونہ :۔ اس نے اپنی روح حضرت عیسیٰ کے قالب میں پھونک دی۔

حارث :۔ یوں تو وہ تمام روحوں کا خالق ہے اور اس لیے سب کا باپ ہوا۔ پھر حضرت عیسیٰ کو کیا فوقیت دی۔

پریونہ :۔ اور لوگوں کے باپ ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت عیسیٰ کے باپ نہ تھے۔

حارث :۔ باپ ہوں یا نہ ہوں۔ روحیں تو خدا ہی نے پیدا کی ہیں دیکھئے حضرت عیسیٰ کی والدہ تو تھیں۔ لیکن حضرت آدم کے تو نہ والدہ تھیں نہ والد قدرت نے مٹی کا پتلا بنا کر اس میں روح پھونک دی۔ اس طرح تو حضرت آدم خدا کا بیٹا ہونا چاہئیں تھے۔

پریونہ :۔ تمہاری گفتگو نے کچھ مجھے شک و شبہ ڈال دیا ہے۔

حارث :۔ پریونہ۔ اگر حضرت عیسیٰ خدا کا بیٹا ہوتے تو حضرت مریم نعوذ باللہ خدا کی بیوی ہوتیں۔ اور یہ دونوں ہستیاں قدرتی طور پر خدا کی خدائی میں شریک قرار دی جائیں۔

پریونہ :۔ ہمارے اعتقاد سے تو بالکل یہی بات ہونی چاہیے۔

حارث :۔ لیکن یہ بات نہیں ہے نہ حضرت عیسیٰ خدا کا بیٹا ہیں۔ اور نہ حضرت مریم خدا کی بیوی ہیں جو ایسا خیال کرتے ہیں۔ وہ خدا پر شرک کا اتہام لگاتے ہیں اور اس لیے وہ مشرک ہیں۔ قرآن شریف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے بعد انہیں خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا ہے حضرت عیسیٰ نے انہیں یہ تعلیم نہیں دی

تھی۔ خداوند عالم قیامت کے روز حضرت عیسیٰ سے دریافت فرمائیں گے کہ کیا تم نے اپنی امت سے کہہ دیا تھا۔ کہ وہ خدا کا بیٹا کہیں۔ کلام پاک میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

واذ قال اللہ یٰعیسیٰ ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ۔

یعنی قیامت کے روز حضرت عیسیٰ سے دریافت کیا جائے گا۔ کہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا تم نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ تمہیں اور تمہاری والدہ کو علاوہ خدا کے اور دو خدا سمجھیں۔

پریونہ :۔ اس وقت حضرت عیسیٰ کیا جواب دیں گے۔

حارث :۔ وہ انکار کر جائیں گے .... ابھی حارث کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ طاہرہ خیمہ میں داخل ہوئی جوں ہی پریونہ کی نظر طاہرہ پر پڑی وہ حیران ہو کر رہ گئی۔ اسی طرح اسے دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئی۔

حارث نے پریونہ سے کہا۔ پریونہ ! یہ میری ہمشیرہ ہے اس کا نام طاہرہ ہے یہ تمہاری مہمان نوازی کرے گی (طاہرہ سے مخاطب ہو کر) طاہرہ یہ انطاکیہ کے وزیراعظم قراقوس کی ہمشیرہ ہے اس کا نام پریونہ ہے یہ ڈاکوؤں کے ہاتھوں میں پڑ گئی تھی۔ اتفاق سے ان کے پنجہ سے نکل آئی ہے۔

طاہرہ نہایت اخلاق کے ساتھ پیش آئی۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔ حارث نے کہا اس وقت عصر کی اذان ہو رہی ہے۔ میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں تم دونوں ایک دوسرے سے واقفیت حاصل کر لو۔ حارث چلا گیا۔ اور پریونہ اور طاہرہ باتیں کرنے لگیں۔

پانچواں باب

پریونہ اور طاہرہ

چونکہ پریونہ ایک عیسائی لڑکی تھی اور عیسائیوں میں کسی لڑکی کے حسن کی تعریف کرنا معیوب نہیں ہے بلکہ اچھا خیال کیا جاتا ہے اس لیے اس کے حسن کی تعریف ہر اس شخص نے کی تھی جو اس سے ملا تھا اسلئے وہ خوب جانتی تھی۔ کہ وہ خود حسین ہے اور ایسی حسین ہے کہ ہر شخص اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہے۔ مگر آج جب اس نے طاہرہ کو دیکھا تو اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اسے اعتراف کرنا پڑا۔ کہ طاہرہ اس سے زیادہ حسین۔ زیادہ بھولی اور زیادہ ناز آفرین ہے اس کا حسن غضب کا دلکش۔ اس کی صورت غضب کی تھی۔ اس کی آنکھیں غضب کی چنچل ہیں۔

پریونہ نے اسے پہچان لیا تھا۔ اس کے بھائی قریاقوس نے اسے پہاڑ کے اوپر سے اس وقت دکھا دیا تھا۔ جب وہ چشمہ کے کنارہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اگرچہ وہ دور تھی مگر اس کی صورت ایسی دلکش تھی کہ دور سے ہی دیکھنے سے نقش ہو گئی تھی اس کے علاوہ اس کی پوشش نے بھی اس کی شناخت میں مدد کی تھی۔

طاہرہ کو دیکھ کر اسے اپنے بھائی کے انتخاب پر بڑی خوشی ہوئی اور وہ سمجھ گئی کہ اس کے بھائی کا اس مست شباب کے لیے بیچین ہونا کچھ تعجب خیز نہیں ہے۔

طاہرہ نے معصوم نگاہوں سے پریونہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ بھائی جان کہہ رہے تھے کہ تم ڈاکوؤں کے پنجہ میں پھنس گئی تھیں۔

پریونہ:۔ ہاں وہ سچ کہہ رہے تھے۔

طاہرہ:۔ کیسے پہنچ گئی تھیں تم ڈاکوؤں کے پاس

پریونہ نے ہنس کر کہا۔ میں خود پہنچ گئی تھی۔

طاہرہ:۔ نہیں۔ میرا یہ مطلب ہے۔ کہ ڈاکو تمہیں کیسے پکڑلے گئے تھے پریونہ نے مختصر الفاظ میں وہ تمام داستان سنائی۔ جو عیاض وغیرہ کے سامنے بیان کی تھی۔

ناظرین:۔ غالباً یہ بات خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ پریونہ نے داستان اپنے دل سے گھڑلی تھی۔ نہ پہاڑ پر ڈاکو تھے نہ ڈاکوؤں نے اسے گرفتار کیا تھا۔ اور نہ وہ ان کے پنجے سے رہا ہو کر آئی تھی۔

طاہرہ نے کہا۔ خدا نے بڑی مہربانی کی کہ تمہیں ان بے رحموں کے ہاتھوں سے رہائی دلائی۔

پریونہ:۔ بے شک۔ اور دوسرا فضل اس نے یہ کیا۔ کہ شریف مسلمانوں کے پاس لے آیا۔

طاہرہ:۔ تمہیں گرفتار کرنے کے لیے سوئی نے ڈاکوؤں کو بھیجا تھا۔

پریونہ:۔ ہاں

طاہرہ:۔ شاید سوئی نے تمہیں کہیں دیکھ لیا ہوگا۔

پریونہ:۔ ہاں دیکھا تھا۔

طاہرہ:۔ اگر وہ نہ دیکھتا تو تم ڈاکوؤں کی گرفت میں نہ آتیں۔

پریونہ:۔ میرے خیال میں وہ ڈاکو تھے ہی نہیں۔

طاہرہ:۔ شائد سوئی کے ہی آدمی ہوں گے۔

پریونہ:۔ یہی میرا بھی خیال ہے۔

طاہرہ:۔ خیر وہ ڈاکو ہوں یا سوئی کے آدمی لیکن انہیں بھیجا سوئی نے ہی تھا۔

پریونہ:۔ ہاں اس کا مجھے یقین ہے۔

طاہرہ:۔ میں یہی کہہ رہی ہوں کہ اگر وہ تمہیں نہ دیکھتا تو تمہاری محبت میں گرفتار نہ ہوتا۔ نہ تمہیں اٹھالانے کے لیے اپنے آدمیوں کو بھیجتا۔

پریونہ:۔ یہ بات تو ہے ہی جب وہ مجھے دیکھتا ہی نہ تو پھر کیوں مجھے پکڑوانے کی جدوجہد کرتا۔

طاہرہ:۔ اور تمہیں اس لیے اس نے دیکھ لیا کہ تم پردہ میں نہ رہتی تھیں۔

پریونہ:۔ ہاں ہماری قوم میں پردہ کا رواج نہیں ہے۔

طاہرہ:۔ لیکن یہ یا اور اسی قسم کی خرابیاں اس لیے ہوتی ہیں۔ کہ تمہاری قوم پردہ کی پابند نہیں ہے۔

پریونہ:۔ اس میں کوئی شک نہیں۔

طاہرہ:۔ اسی لیے اسلام نے عورتوں کو پردہ کرنے یا پردہ میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ عورتیں جنس لطیف میں صنف نازک ہیں اس جنس یا صنف کا پردہ ہی میں رہنا مناسب ہے۔

پریونہ:۔ بیشک تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔

طاہرہ:۔ کیا ہی اچھا ہو۔ کہ تم پردہ میں رہنے لگو۔ یا پردہ میں رہنا ممکن نہ ہو تو چہرہ پر نقاب ڈالے رہا کرو۔ تاکہ نہ کوئی تمہیں دیکھے نہ اس کے خیالات خراب ہوں نہ تم پر دست درازی کرے۔

پریونہ:۔ تم سچ کہہ رہی ہو بھولی طاہرہ۔ لیکن پردہ کا تو ہماری قوم میں رواج نہیں اور نقاب مجھے بار معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی خیال نہ تھا کہ میرا حسن میرے لیے وبال جان ہے۔

طاہرہ:۔ گویا تم اپنے آپ کو...... خوبصورت نہیں سمجھتی ہو۔

پریونہ:۔ ہاں میں اپنے آپ کو زیادہ خوبصورت نہیں سمجھتی۔

طاہرہ:۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم بہت زیادہ خوبصورت ہو۔

پریونہ:۔ میں اس غلط فہمی میں مبتلا رہ سکتی تھی۔ لیکن اگر تمہیں نہ دیکھتی۔

طاہرہ:۔ کیا مطلب ہے اس سے تمہارا۔

پروین:- میرا مقصد یہ ہے کہ جب سے میں نے سنا تھا کہ کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ اسوقت سے مجھے خیال ہونے لگا تھا اس وقت سے میں نے سمجھ لیا ہے کہ حسین تم ہو۔ اور میں تمہارے مقابلہ میں بالکل ایسی ہی ہوں جیسے آفتاب کے سامنے ذرہ۔

طاہرہ:- اپنی تعریف سن کر شرما گئی۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ پروین نے کہا۔ تم تو شرما گئیں طاہرہ۔

طاہرہ نے سر اٹھا کر شرم آفریں نگاہوں سے شوخ و شریر پروین کو دیکھتے ہوئے کہا۔ پروین! مجھے تم بہت پیاری معلوم ہو رہی ہو۔ جب میں ـــــ پروین نے شوخی کے انداز میں کہا۔ تمہارا شکریہ۔

لیکن طاہرہ میں نہیں کہہ سکتی کہ ذرا سی ہی دیر میں مجھے تم سے کس قدر محبت ہو گئی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ تمہیں اپنے سینہ میں اٹھا کر رکھ لوں یا آنکھوں میں چھپا لوں۔

طاہرہ:- یہ اچھا ہی ہوا کہ خدا نے تمہیں یہاں بھیج دیا۔

پروین:- میں تو یہ کہوں گی۔ کہ تمہاری کشش مجھے یہاں کھینچ لائی۔

طاہرہ:- اب تم اپنی قوم میں تو واپس نہ جاؤ گی۔

پروین:- میں تو جانا نہ چاہوں گی۔ لیکن میرا بھائی مجھے یہاں نہ چھوڑے گا۔

طاہرہ:- یہ سن کر کچھ اداس ہو گئی۔ اس نے کہا جب تو تم فضول یہاں مجھے تکلیف دینے آئیں۔

پروین:- میرے یہاں رہنے سے کیا تکلیف ہو گی تمہیں۔

طاہرہ:- تمہارے یہاں رہنے سے تو کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ لیکن تمہارے چلے جانے سے ضرور تکلیف ہو گی۔

پروین:- میرا خود یہاں سے جانے کو جی نہیں چاہے گا۔

طاہرہ:- بس تو پھر نہ جانا

پروین:- میں کوشش یہی کروں گی۔

طاہرہ:- میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تم میرے پاس رہو۔

پروین:- یہ کیسے ممکن ہے۔

طاہرہ:- تم مسلمان ہو جاؤ۔

پروین کو اس کی صاف گوئی پر بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے کہا مسلمان ہو جاؤں؟ ـــــ اس سے کیا ہو گا۔

طاہرہ:- تم سارے مسلمانوں کی آنکھوں کا تارہ بن جاؤ گی۔

پروین:- کیا مسلمان میری عزت کرنے لگیں گے۔

طاہرہ:- اس درجہ کہ تم دیکھ کر حیران رہ جاؤ گی۔

پروین:- مگر مسلمان ہونے پر بھی ہمیشہ تمہارے ساتھ کیسے رہ سکوں گی۔

طاہرہ:- کیوں نہ رہ سکو گی۔ جو تمہیں اپنے ساتھ لائے ہیں۔ یہ میرے بھائی ہیں۔ ان کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے وہ تم سے شادی کر لیں گے۔

پروین:- لیکن اگر انہوں نے نہ مانا

طاہرہ:- ناممکن ہے کہ وہ نہ مانیں۔ انہیں مجھ سے اس قدر محبت ہے کہ جس بات کی میں ضد کرتی ہوں وہ اسے پورا کر دیتے ہیں۔ اول تو وہ خود ہی رضامند ہو جائیں گے۔ اور اگر خوش نہ ہوئے تو پھر میں رضامند کر دوں گی۔

پروین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن فرض کرو کہ وہ بھی رضامند ہو گئے لیکن تمہاری بھی تو کہیں نہ کہیں شادی ہو گی۔ اور جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو پھر تم مجھ سے الگ ہو جاؤ گی۔

اپنی شادی کا تذکرہ سن کر طاہرہ پھر شرما گئی۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ پروین نے کہا۔ واہ واہ آپ تو شرما گئیں۔ شرمانے سے کیا فائدہ مجھے جواب دو۔ پھر کیا کرو گی تم؟

طاہرہ نے شرمیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

میں شادی ہی نہ کروں گی۔

پروین نے ہنس کر کہا۔ یہ ناممکن ہے۔

طاہرہ:- اچھا پہلے تم ایک بات بتاؤ

پروین نے طاہرہ کو دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کیا؟ طاہرہ نے بھولے پن سے کہا۔ کیا تم بھائی جان کو پسند کرتی ہو۔

پروین بالکل نہیں شرمائی۔ اس نے کہا۔ ہاں وہ حسین ہیں میں انہیں پسند کرتی ہوں زیادہ تر اس وجہ سے کہ وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔

طاہرہ:- تمہارا شکریہ بس اب میں بھائی جان کو رضامند کر لوں گی۔

پروین:- لیکن ابھی نہیں ـــــ طاہرہ اور کب

پروین:- جب میں تم سے کہوں۔ طاہرہ اور تم کب کہو گی۔

پروین:- ابھی جلدی کیا ہے۔ پہلے میں اسلامی کتابوں کا مطالعہ کروں گی اگر مجھے اسلام میں کوئی خوبی نظر آئے تو مسلمان ہو جاؤں گی۔ اور پھر تم سے کہوں گی اس وقت تم کوشش کر

طاہرہ :۔ بہت مناسب ہے۔ اچھا جاؤ۔ اب باہر میدان میں چلیں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ مجھے نماز پڑھنی ہے۔

پرپونہ :۔ تم برابر نماز پڑھتی ہو۔

طاہرہ :۔ ہر مسلمان عورت ہو۔ یا مرد۔ بچہ ہو یا بڈھا۔ نماز ضرور پڑھتا ہے۔ مسلمانی کی نشانی یہی ہے۔

یہ کہتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ پرپونہ بھی اٹھی۔ دونوں باہر نکلیں۔ باہر کا تمام میدان عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور ہر عورت نماز پڑھ رہی تھی بعض عورتوں کے ساتھ بچے تھے اور وہ بھی نماز پڑھ رہے تھے۔

پرپونہ خدا پرستی کا یہ منظر دیکھ کر بڑی متاثر ہوئی۔ وہ حیران و ششدر کھڑی رہ کر انہیں دیکھنے لگی۔

طاہرہ نے جلدی جلدی وضو کیا نماز پڑھی اور پرپونہ کو ساتھ لیکر واپس خیمہ میں چلی آئی۔

پرپونہ کو کئی مسلم عورتوں اور لڑکیوں نے دیکھ لیا تھا۔ چونکہ کسی عورت کو بھی اس کے متعلق کچھ نہ معلوم تھا۔ اس لیے وہ ایک عیسائی لڑکی کو دیکھ کر کمال تعجب ہوئیں اور آپس میں اس کا تذکرہ کرنے لگیں رفتہ رفتہ ام ہان۔ ام تمیم۔ خولہ اور دوسری عورتوں اور لڑکیوں کو بھی معلوم ہو گیا۔

ام ہان کم سنی ہی میں بیوہ ہو گئیں تھیں۔ انہوں نے ابھی عقد ثانی نہیں کیا تھا۔ ان کا ارادہ تھا۔ کہ جنگ ختم ہونے کے بعد عقد کریں گی۔ خوبصورت تھیں اور بہادر بھی کئی مرتبہ جنگ کر چکی تھیں۔

ام تمیم :۔ حضرت خالد کی بیوی تھیں۔ نہایت ہوشیار۔ جنگجو اور بہادر تھیں اکثر معرکوں میں شریک رہ چکی تھیں۔

خولہ :۔ حضرت ضرار کی بہن تھیں۔ نو عمر نہایت حسین۔ نازک اندام اور بھولی تھیں مگر نہایت ہو شیلی اور بڑی دلیر تھیں۔ یرموک[۱] کے مقام پر ان کی ہی قوت و جرات سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تھی۔ یہ اکثر لڑائیوں میں شریک ہو کر فتح یاب ہوئیں تھیں۔

اور بھی بہت سی عورتیں اور لڑکیاں تھیں۔ اور ان میں زیادہ تر وہ تھیں جو اکثر

---

[۱] یرموک ایک مقام کا نام ہے یہ ملک شام میں حجاز کی سرحد کے قریب واقع ہے اس میدان میں تقریباً گیارہ لاکھ رومی عیسائیوں سے ساٹھ ہزار مسلمانوں نے جنگ کی تھی۔ اور اسی معرکہ میں صرف ساٹھ مسلمان ساٹھ ہزار عیسائیوں سے لڑنے بھیجے اور کامیاب ہوئے تھے۔ دنیا کی مشہور جنگوں میں اس جنگ کا شمار ہے اگر اس جنگ کا مفصل حال دیکھنا ہو تو ہمارا ناول فتح یرموک مکتبہ القریش لاہور سے منگا کر مطالعہ کریں۔ صدیقی

معرکوں میں شریک ہو کر داد شجاعت دے چکی تھیں۔

جس روز پرپونہ طاہرہ کے خیمہ میں آئی اس کے دوسرے روز ام ہان۔ ام تمیم۔ خولہ اور چند لڑکیاں اور عورتیں اس سے ملنے اور اس کا حال سننے کے لیے طاہرہ کے خیمہ میں آگئیں۔

صبح کا وقت تھا۔ حارث کہیں گیا ہوا تھا۔ طاہرہ قرآن شریف کی تلاوت سے فارغ ہو چکی تھی اور اس وقت پرپونہ کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ ان عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھتے ہی وہ ان کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ام تمیم نے آتے ہی نہایت جوش سے طاہرہ کو اپنے سینہ سے لگا کر خوب پیار کیا۔ پیشانی کو چوما۔ اور کہا۔ میری حور صبح بخیر۔

طاہرہ بھی جوش مسرت سے سرشار ہو گئی۔ اس نے کہا کس قدر مہربان ہیں آپ۔ میں آپ کی مہربانیوں کا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتی۔

ام تمیم :۔ تو میری بچی ہے۔ میری بیٹی ہے۔ تجھے شکریہ ادا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اب حضرت خولہ بڑھ کر طاہرہ کے پاس پہنچیں۔ انہوں نے کہا۔ میری عزیز بہن۔ جب تک میں تمہیں نہیں ملتی۔ مجھے چین ہی نہیں آتا۔

یہ کہتے ہی وہ طاہرہ سے بغلگیر ہو گئی۔ ام تمیم نے مسکرا کر کہا۔ ایا ایک ہالہ میں دو چاند۔

ام ابان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کہیں نظر نہ لگا دینا۔ مہربانی کر کے اپنی تیز نگاہیں ان کی طرف ہٹا لیجئے۔

ام تمیم نے ہنستے ہوئے کہا۔ لیجئے یہ ایک تیسرا چاند بھی موجود ہے تم بھی ان کے پاس آکر کھڑی ہو جا۔

یہ کہتے ہی انہوں نے ام ابان کو بھی کھینچ کر خولہ اور طاہرہ کے پاس کھڑا کر دیا۔

یہ تینوں حسین تھیں۔ ان تینوں کے جلوہ حسن سے تمام خیمہ جگمگانے لگا۔

طاہرہ نے کہا۔ اب آپ کھڑی کب تک رہیں گی۔ تشریف رکھئے۔

ام تمیم نے کہا۔ آئیں تو بیٹھنے کے لیے ہی ہیں۔ مگر تمہیں دیکھ کر تو ہم سب کچھ کھوئی سی جاتی ہیں۔ دیکھ لو خولہ۔ ام ہان اور سب تمہیں کیسے گھور گھور کر دیکھ رہی ہیں۔

طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ آپ کا شکریہ۔

اب ام تمیم بیٹھ گئیں۔ ان کے بیٹھتے ہی سب بیٹھ گئیں۔ پرپونہ طاہرہ کے پاس بیٹھ گئی۔

پریونہ کو بڑا رشک ہوا اس بات کا کہ تمام مسلم عورتیں اور لڑکیاں اس طرح ایک دوسرے سے محبت و اخوت سے باتیں کر رہی تھیں۔ جیسے وہ حقیقی بہنیں ہیں اور سب خوش تھیں سب ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔

اسے افسوس ہوا کہ اس کی قوم کی عورتیں کبھی اس طرح مل کر نہیں بیٹھتیں جس طرح مسلمانوں کی عورتیں بیٹھتیں اور باتیں کرتی ہیں۔

ام تمیم نے دریافت کیا۔ یہ لڑکی کون ہے؟ کب اور کہاں سے آئی ہے طاہرہ نے جواب دیا۔ یہ لڑکی انطاکیہ کے وزیراعظم کی بہن ہے اس کا نام پریونہ ہے۔ اسے کیس سوئی نے دیکھ لیا تھا۔ سوئی سلطور کا بیٹا ہے اور سلطور جبل السلنہ کا بادشاہ ہے۔ سوئی نے کچھ آدمیوں کو اس کی گرفتاری پر معمور کر کے اس کے پیچھے بھیج دیا۔ انہوں نے موقع پا کر اسے گرفتار کر لیا تھا۔ لیکن خوش قسمتی ہے یہ بھاگ کر یہاں چلی آئی ہے۔

ام تمیم:۔ عیسائی بھی عجیب قسم کے آدمی ہیں۔ انہیں عورتوں پر دست درازی کرتے نہ شرم آتی ہے نہ خدا کا خوف معلوم ہوتا ہے۔

ام ابان:۔ اور ان کی قوم کے آدمی ایسے بدسرشت لوگوں کو کچھ نہیں کہتے۔

پریونہ:۔ جس قوم میں ایک دو ہی بدقماش ہوتے ہیں۔ تو اول تو وہ خود ہی ڈرا کرتے ہیں۔ کہ لوگوں کو معلوم ہوگا تو انہیں ذلیل کریں گے۔ برا کہیں گے۔ سزا دیں گے۔ دوسرے قوم بھی انہیں چشم نمائی کرتی رہتی ہے۔ لیکن جس قوم کے تمام بڑے آدمی اوباش ہوں وہاں کوئی نہیں کچھ کر سکتا ہے۔

خولہ:۔ تو کیا قوم کے تمام بڑے آدمی اس مرض میں گرفتار ہیں۔

پریونہ:۔ یہی بات ہے اور اسی وجہ سے آج ہماری قوم کا سر شرم و ندامت سے جھکا ہوا ہے۔

ام تمیم:۔ افسوس کی بات ہے۔

پریونہ:۔ مجھے یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ ہماری قوم میں عورتوں کی عزت خطرہ میں ہے جس قدر ہمیں آزادی ملی ہوئی ہے اسی قدر ہماری آبرو کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔

ام ابان:۔ یہ تمام باتیں پردہ نہ ہونے کی وجہ سے ہیں۔

پریونہ:۔ بے شک یہی کہا جا سکتا ہے۔

خولہ:۔ یقیناً پردہ میں بڑی برکت ہے۔ کسی چیز کو دیکھ کر اسے حاصل کرنے کی آرزو دل میں پیدا ہوا کرتی ہے اور جب کسی چیز کو دیکھا ہی نہ جائے تو اس کے حاصل کرنے کی آرزو بھی پیدا نہ ہو گی۔ عورتیں صنف نازک ہیں۔ اور صنف نازک کا منظر عام پر لانا بوالہوسوں کو اوباشی کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام نے اسی پردہ کی سخت تاکید کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں اوباشی نہیں ہے۔

پریونہ:۔ آپ ٹھیک فرما رہی ہیں۔ لیکن ہم اپنی معاشرت سے مجبور ہیں۔

ام تمیم:۔ لیکن اگر تمہاری عورتیں خود ہی اپنی معاشرت کی اصلاح کر لیں۔ اور پردہ میں بیٹھ جائیں۔ تو ہزاروں قسم کی برائیوں سے بچ سکتی ہیں۔

پریونہ:۔ لیکن ایسا ہونا دشوار ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ساری عورتیں نیک اور پاک صاف نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ ہم عادی ہیں اپنے حسن کی تعریف سننے کی۔ اور جب ہم پردہ میں بیٹھ جائیں گی تو پھر کون اور کیسے ہماری تعریف کرے گا۔

ام ابان:۔ تم خوش ہوتی ہو اپنے حسن کی تعریف سن کر۔

پریونہ:۔ جی ہاں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اوباش سو جب کسی بھولی بھالی دوشیزہ کو تاکتے ہیں تو اس کی تعریفیں کر کے اس کی آبرو اتار لیتے ہیں۔

خولہ:۔ کس قدر دردناک حالت ہے تمہاری قوم کی۔

پریونہ:۔ ہمارے نوجوانوں کی اخلاقی حالت اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ ان کے دماغ میں سوائے بدکاری کے خیال کے اور کوئی خیال ہی نہیں آتا۔

ام تمیم:۔ تمہاری بھی تعریف کرتے ہوں گے لوگ

پریونہ:۔ ہر شخص جو ملتا ہے ضرور تعریف کرتا ہے۔

خولہ:۔ حالانکہ اگر ہم طاہرہ کی تعریف کریں تو یہ ابھی بگڑ جائے۔

پریونہ:۔ واہ واہ کیا یہ حسین نہیں ہے۔

ام ابان:۔ ان سے ہی پوچھو۔

طاہرہ:۔ آپ سب مجھ پر کیوں صفائی کے لیے تیار ہو گئیں۔

خولہ:۔ ہماری تو یہ جرات نہیں ہو سکی۔ رہی پریونہ وہ تمہاری مہمان ہے ممکن ہے تم اس سے کچھ کہنے کا برا نہ مانو۔

پریونہ:۔ اس میں برا ماننے کی کون سی بات ہے چاند کو اگر اچھا نہ کہا جائے اور کوئی برا کہنے لگے تو لوگ اسے کیا کہیں گے۔

ام ابان:۔ اور جو چاند سے بھی زیادہ خوبصورت ہو۔

پریونہ :- اسے رشک قمری کہنا پڑے گا۔
خولہ :- اب تم یہ بتاؤ۔ کہ ہماری طاہرہ کیسی ہے۔
پریونہ :- میری زبان میں اس قدر طاقت ہی نہیں۔ کہ میں حور اور طاہرہ کی تعریف کر سکوں۔ طاہرہ شرما گئی۔ اس نے کہا۔ نہ میں تعریف کے قابل ہوں۔ نہ تم میری تعریف کرو۔
پریونہ :- تمہاری تعریف .... خدا کی قسم تمہاری تعریف ہو ہی نہیں سکتی۔
طاہرہ :- اور خود تم کیسی ہو۔
پریونہ :- تمہارے مقابلہ میں محض بھونڈی۔ بری شکل کی۔
طاہرہ :- اور سوئی بلا وجہ ہی تم پر فریفتہ ہو گیا ہے۔ یا لوگ بیکار ہی تمہاری تعریف کرتے ہیں۔
پریونہ :- بڑے آدمی ہر کسی پر فریفتہ ہو جایا کرتے ہیں۔
طاہرہ :- یہ بات نہیں ہے پریونہ۔
پریونہ نے طاہرہ کو شوخ چشمی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اور کیا بات ہے۔
طاہرہ :- تم ہو ہی خوبصورت۔ اور ایسی خوبصورت کہ تمہیں دیکھنے والا پیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔
پریونہ :- لیکن تم۔
طاہرہ :- میں خوبصورت کہاں ہوں۔
خولہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی تو میں بھی شہادت دیتی ہوں۔ پریونہ نے دریافت کیا۔ کیا شہادت دیتی ہیں آپ۔
خولہ :- یہی کہ طاہرہ بدصورت ہے۔
پریونہ نے تعجب سے خولہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ بدصورت ہے۔
خولہ :- اور کیا۔ جب کوئی خوبصورت نہیں ہو گی۔ تو ضروری ہے۔ کہ وہ بدصورت ہی ہو گی۔
پریونہ :- یہ تو آپ بالکل ٹھیک فرما رہی ہیں لیکن طاہرہ بدصورت نہیں ہے۔
ام ابان نے مسکرا کر کہا۔ طاہرہ وہ پرنور چاند ہے جس کی تجلی سے دنیا حسن روشن ہے۔
طاہرہ نے شرمیلی نظروں سے ام ابان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اور تم؟

ام ابان :- مجھے تم اپنے سامنے بالکل ایسا سمجھو جیسے چاند کے مقابلہ میں ستارہ۔
خولہ :- بالکل ٹھیک کہا تم نے ام ابان۔
ام حکیم :- اس قسم کی گفتگو کو بند کرو۔ میری بچی طاہرہ شرما رہی ہے۔
پریونہ :- تم یہ بتاؤ۔ کہ تم ہمارے پاس رہو گی۔ یا اپنے بھائی کے پاس چلی جاؤ گی۔
پریونہ :- مجھے آپ کے حسن اخلاق نے اس قدر گرویدہ کر لیا ہے کہ میں تذبذب میں پڑ گئی ہوں۔
ام حکیم :- اگر تم یہاں رہو تو ہم سب تمہاری خدمت کرنے کے لیے تیار ہیں۔
پریونہ :- خواہ میں اپنا مذہب بھی تبدیل نہ کروں۔

چھٹا باب

امتحان

بھولی اور سادہ لوح طاہرہ کو پریونہ سے بے حد محبت ہو گئی تھی۔ ایسی محبت کہ جو کچھ وہ کہتی بغیر سوچے سمجھے اور کسی پس و پیش کے مان لیتی۔

پریونہ سے صرف طاہرہ کو نہیں بلکہ ساری عربی خواتین اور دوشیزہ لڑکیوں کو انسیت ہو گئی تھی۔ جو کوئی اس سے ملنے آتی گھنٹوں اس کے پاس بیٹھی رہتی۔ اور جو اسے بلاتی وہ شام تک بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑتی۔

پریونہ نہایت اطمینان آرام اور خوشی سے طاہرہ کے پاس رہتی تھی۔ اس نے صرف طاہرہ ہی پر نہیں بلکہ ہر مسلم عورت اور لڑکی پر اپنا اقتدار جما لیا تھا۔ ساری مسلم خواتین یہ سمجھنے لگی تھیں کہ اب پریونہ اپنے وطن۔ اپنے لوگوں میں اپنے بھائی کے پاس واپس نہ جائے گی۔

جس اطمینان اور بے فکری سے پریونہ رہتی تھی۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا تھا۔

اکثر پریونہ۔ طاہرہ اور دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوا خوری اور پانی بھرنے کے لیے چلی جاتی تھی۔ اور طاہرہ کا مشکیزہ بھر کر خود ہی لے آتی تھی۔

حارث اسی خیمہ میں رہتا تھا جس میں پریونہ ٹھہری ہوئی تھی۔ اگرچہ وہ دن میں بہت کم آتا تھا۔ لیکن رات کو جب آتا تو پریونہ ضرور اس سے باتیں کیا کرتی۔ اگر کبھی اسے آنے میں دیر ہو جاتی تو اس کے انتظار میں بیٹھی رہتی اور اس وقت تک نہ سوتی جب تک وہ نہ آ جاتا۔

اس کے علاوہ اسے وہ کھانا بھی خود ہی کھلاتی۔ بھولی طاہرہ سمجھتی کہ وہ اس کے بھائی کی خدمت کر کر کے اس کے دل میں اپنے لیے جگہ لانا چاہتی ہے یہ خود اسی کی آرزو تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کا بھائی پریونہ سے عقد کرنے پر رضامند ہو جائے اسی لیے وہ پریونہ کو اپنے بھائی سے تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع بھی دے دیا کرتی تھی۔ اور جب وہ دونوں خیمہ میں ہوتے تھے۔ وہ قصداً" کہیں چلی جایا کرتی تھی۔

حارث کو بھی اس بت سیم تن سے محبت ہو گئی تھی اور وہ اس کی ہر بات بلا کسی چون و چرا کے مان لیا کرتا تھا۔

ایک روز جب حارث آیا تو پریونہ تنہا بیٹھی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی خندہ پیشانی کے ساتھ اس کے استقبال کے لیے اٹھی۔ حارث نے کہا۔ پریونہ! ان تکلفات کو رہنے دو۔ کیا فائدہ ہے اس سے؟

پریونہ نے ہوشیار نگاہوں سے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا فائدہ کچھ نہیں لیکن میرا دل مجھے مجبور کرتا ہے۔

حارث نے محبت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ گویا میرے سینہ میں دل نہیں ہے۔

حارث :۔ میرا ایسا ہی خیال ہے۔

پریونہ نے لگاوٹ آمیز ادا سے دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ خیال کیوں ہے آپ کا۔

حارث :۔ اس لیے کہ اہل دل دوسروں پر رحم کیا کرتے ہیں۔

پریونہ :۔ میرے دل میں رحم و کرم کا جذبہ بہت زیادہ ہے۔

حارث :۔ کاش یہ سچ ہوتا۔

پریونہ نے روٹھنے کی شان سے کہا۔ گویا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔

حارث :۔ یہ تو میں نے نہیں کہا۔

پریونہ :۔ اور آپ کی گفتگو کا کیا مطلب ہے۔

حارث :۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم مجھ پر رحم کرو۔

پریونہ :۔ میں بے رحمی کیا کر رہی ہوں۔

حارث :۔ اگر تم خفا نہ ہو تو عرض کروں۔

پریونہ :۔ خفا ہو کر ہی میں تمہارا کیا کر لوں گی۔

حارث :۔ تم میری تکلیفوں میں اضافہ کر دو گی۔

پریونہ :۔ میری یہ آرزو ہے کہ تمہیں ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے۔

حارث :۔ اگر یہ محض زبانی ہی دعویٰ نہیں ہے تو میں اپنی خوش بختی پر ناز کر سکتا ہوں۔

پریونہ :۔ میں صاف گو اور صاف طبیعت ہوں۔ جو میرے دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر ہوتا ہے۔

حارث :۔ جب تو مجھے بہت کچھ توقع ہو گئی ہے۔

پریونہ :۔ کس بات کی۔

حارث :۔ اس بات کی کہ تم میرا حال سن کر مجھ پر مہربانی کرو گی۔

پریونہ :۔ جی تو میں دریافت کرتی ہوں۔ کہ آپ کیا مہربانی چاہتے ہیں۔

حارث :۔ پریونہ! میں نے جب سے تمہیں دیکھا ہے۔ میرے دل میں اسی وقت سے تمہاری محبت پیدا ہو گئی ہے۔

پریونہ نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا محبت۔۔۔ رہنے دیجئے اس بات کو حارث نے اس آہو چشم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا تمہیں اس میں کچھ شک ہے پریونہ نے سنجیدگی سے کہا۔ شک کی بات ہی ہے۔

حارث :۔ کیوں۔

پریونہ :۔ اس لیے کہ میں جانتی ہوں۔ اور خوب جانتی ہوں۔ کہ ایک مسلمان کسی غیر کف سے محبت نہیں رکھتا۔

حارث :۔ یہ سچ ہے لیکن میرے دل پر تم نے فتح پالی ہے۔

پریونہ :۔ اور تم سچے دل سے مجھ سے محبت کرتے ہو۔

حارث :۔ ہاں سچے دل سے۔

پریونہ :۔ کس قدر محبت ہے آپ کو مجھ سے۔

حارث :۔ اس قدر محبت ہے کہ میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔

پریونہ :۔ اگر میں واپس چلی جاؤں۔

حارث :۔ تو مجھے بے حد ملال ہو۔ اتنا ملال کہ شاید میں دیوانہ ہو جاؤں۔

پریونہ :۔ اگر یہ بات ہے تو کیا تم میری ایک بات منظور کر لو گے۔

حارث :۔ بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟

پریونہ :۔ تم جانتے ہو میں عیسائی ہوں۔

حارث :۔ ہاں جانتا ہوں۔

حارث !!...... میری محبت کو نہ ٹھکراؤ۔ مجھ پر رحم کرو۔ میں تم سے رحم کی بھیک مانگتی ہوں۔

حارث سحرزدوں کی طرح مبہوت ہو رہا تھا۔ چپ تھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پریونہ نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے گداز سینہ سے لگا کر کہا۔ حارث! مان جاؤ۔ تم میرے ہو۔ میرے ہی ہو جاؤ۔

قدرت حارث کا امتحان لے رہی تھی۔ اس کے ایمان کا نہایت سخت امتحان لیا جا رہا تھا۔

ایسی حالت میں جبکہ ایک نوخیز گل اندام۔ شمع رو رحم و کرم کی بھیک مانگ رہی ہو۔ آنکھوں میں آنسو بھرے بالمقابل بیٹھی ہو۔ کون ایسا نوجوان ہے جو دین و ایمان کا لحاظ و پاس چھوڑ کر اس کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیے تیار نہ ہو جائے گا۔

لیکن جو مذہب کو کھیل نہیں سمجھتے۔ جو خدا کے وجود کے قائل ہیں جن کا ایمان مضبوط ہے۔ وہ محبت کے فریب میں نہیں آتے۔ جانتے ہیں کہ محبت جذبات کا دوسرا نام ہے اور جذبات شباب کی حد تک محدود ہیں شباب باد صرصر کے جھونکوں کی طرح آتا اور گذر جاتا ہے مگر ایمان زندگی بھر ساتھ رہتا ہے اور مر کر بھی ساتھ جاتا ہے۔ ایمان ہی حشر کے دن بخشوائے گا اور جنت میں پہنچائے گا۔

حارث اگرچہ ازخود رفتہ ہو رہا تھا۔ لیکن فوراً سنبھلا۔ اس نے جلدی سے اپنے ہاتھ چھڑائے اور کہا۔ فریب کار حسینہ! مجھے حسن کے جال میں نہ پھنسا۔

پریونہ برابر اس کا منہ تکے جا رہی تھی۔ اس نے کہا۔ گویا تم میرے لیے اپنا مذہب چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو۔"

حارث نے جواب دیا۔ نہیں کبھی نہیں۔

پریونہ :۔ آہ! تو تم مجھے دھوکہ دیتے رہے ہو۔

حارث :۔ میں نے کبھی دھوکا نہیں دیا۔

پریونہ :۔ کیا یہ دھوکا نہیں ہے کہ تم مجھے اپنی محبت کا یقین دلاتے رہے ہو۔

حارث :۔ بےشک یقین میں اب بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔

پریونہ :۔ لیکن یہ کیسی محبت ہے کہ تم میرے لیے اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتے۔

حارث :۔ میرا ایمان ہے۔ کہ اسلام سچا مذہب ہے جب میں اسلام کو سچا مذہب جانتا اور مانتا ہوں تو کسی دوسرے مذہب کو کیسے اختیار کر سکتا ہوں۔

پریونہ :۔ میں یہ بھی بتائے دیتی ہوں کہ تمہیں شاید اس قدر محبت نہ ہو گی جس قدر مجھے تم سے ہے۔

حارث :۔ سن کر بہت زیادہ خوش ہوا۔ اس نے کہا کس قدر روح پرور بات کہی ہے تم نے۔

پریونہ :۔ اب آپ محبت کا امتحان دیجئے۔

حارث :۔ میں تیار ہوں۔

پریونہ :۔ اچھا تو تم عیسائی ہو جاؤ۔

حارث :۔ حیران رہ گیا۔ اس نے کہا عیسائی ہو جاؤں میں۔

پریونہ :۔ ہاں اگر تم مجھے حاصل کرنا چاہتے ہو۔ اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ اگر محبت کا دعویٰ محض زبانی ہی نہیں ہے تو عیسائی ہو جاؤ۔ حارث سر جھکا کر سوچنے لگا۔

پریونہ اسے اور اس کے چہرہ کے اتار چڑھاؤ کو دیکھنے لگی۔ جب زیادہ دیر ہوئی اور حارث نے نہ سر اٹھایا۔ نہ جواب دیا۔ تو پریونہ نے کہا کیا محبت اور مذہب کے درمیان جنگ ہو رہی ہے۔

اب حارث نے آہستہ آہستہ اپنا سر اٹھا کر کہا۔ ہاں جنگ ہو رہی ہے۔ اور نہایت شدید جنگ۔

پریونہ :۔ مگر میں سمجھتی ہوں کہ فتح محبت ہی کو ہو گی۔

حارث نے کسی قدر ہوش میں آکر کہا۔ نہیں............ محبت کو فتح نہیں ہو سکتی۔

پریونہ نے تعجب سے حارث کو دیکھ کر کہا۔ تو کیا مذہب کی فتح ہو گی۔

حارث :۔ ہاں مذہب نے محبت پر فتح پائی۔

پریونہ بڑھ کر حارث کے اتنے قریب پہنچ گئی۔ کہ اس کے جسم کی بھینی بھینی خوشبو حارث کے دماغ میں پہنچنے لگی۔ اور اس کے گرم گرم سانس اسے محسوس ہونے لگے۔

اب پریونہ نے شباب کی مستی بھری نگاہوں سے حارث کو دیکھتے ہوئے کہا۔ تو! ایسا نہ کہو حارث۔

حارث پر محبت نے غلبہ کرنا شروع کیا۔ سحر کار۔ پریونہ کی ہوشربا نگاہوں نے اس پر جادو کر دیا۔

چالاک پریونہ سمجھ گئی کہ اس کا افسوں کارگر ہو گیا۔ اس نے چشم پر نم ہو کر کہا۔ حارث!..........

پروینہ :۔ لیکن میری خاطر سے۔

حارث :۔ مذہب میں کسی کی خاطر نہیں مانی جاتی۔

پروینہ :۔ اچھا تو سنئے مجھے تم سے محبت ہے۔ اور مرتے دم تک یہ محبت باقی رہے گی۔ لیکن میں دل پہ جبر کروں گی۔ اور اسے مذہبی دیوانہ میں تمہاری محبت میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں۔

یہ کہتے ہی پروینہ رونے لگی۔ اس کی نرگسی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا نکل نکل اس کے آتشیں رخساروں پر بہنے لگا۔

حارث ایک دفعہ اور تذبذب میں پڑ گیا۔ پروینہ نے کہا۔ او سنگدل جلاد! کیا تمہیں یہ منظور ہے۔ کہ میں سوز محبت سے جل جل کر مر جاؤں۔

حارث نے کہا نہیں۔ بلکہ تم مجھے بھول جاؤ۔ میں بھی تمہیں بھول جانے کی کوشش کروں گا۔

پروینہ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ تم مجھے بھول جاؤ۔ لیکن میں تمہیں نہیں بھول سکتی۔

حارث :۔ تو پھر تم مسلمان ہو جاؤ۔

پروینہ :۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔

حارث :۔ تو ضبط و صبر کرو۔

یہ کہتے ہی حارث اٹھا۔ پروینہ نے اشک آلودہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ بیداد ! تم جا رہے ہو۔

حارث :۔ ہاں میں جا رہا ہوں۔ پروینہ ! تو نے میرا سکون دل چھین لیا ہے میں اس کی تلاش میں جا رہا ہوں۔

پروینہ :۔ مگر جب میں نے تمہارے دل کا سکون چھینا ہے پھر تم تلاش کرنے کہاں جا رہے ہو وہ تو میرے ہی پاس ہے اور میں تمہیں دے سکتی ہوں۔

حارث :۔ اگرچہ یہ سچ ہے۔ لیکن جس خدا نے مجھے سکون دل دیا تھا۔ اس سے مانگنے جا رہا ہوں۔ اور وہی مجھے پھیر دے گا۔

یہ کہتے ہی حارث چل پڑا۔ پروینہ تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ اس کے پیچھے لپکی۔ اس نے کہا ٹھہرو۔ تو! حارث ٹھہرو۔

حارث رک گیا۔ پروینہ اس کے پاس پہنچی۔ وہ اس سے لپٹ گئی۔ اس نے کہا۔ مان جاؤ حضرت مسیح کے لیے مان جاؤ۔

حارث نے اس کی گرفت سے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا یہ ناممکن ہے۔ پروینہ اب حارث چلا گیا اور پروینہ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگی۔

حارث کے جاتے ہی پروینہ بیٹھ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے اب تک اشک مسلسل کے قطرات نکل نکل کر اس کے گلابی رخساروں پر بہہ رہے تھے جو بالکل عالم حسن میں نور کی نہریں معلوم ہو رہے تھے۔

عالم حسن میں ہیں نور کی نہریں جاری
یا رواں عارض جاناں کے کنارے آنسو

ابھی وہ اس حالت میں بیٹھی تھی کہ طاہرہ آ گئی۔ وہ آہستہ آہستہ چل کر پروینہ کے پاس پہنچی پروینہ نے بھی اسے دیکھ لیا۔ اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے۔

طاہرہ نے کہا۔ سندر کیا بات ہے تم کیوں رو رہی ہو۔

پروینہ نے طاہرہ کے روئے نور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اپنی قسمت کو رو رہی ہوں۔ کاش میں یہاں نہ آئی ہوتی۔

طاہرہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے ہمدردی کے لہجہ میں کہا۔ کیا قصور ہو گیا ہے ہم سے۔

پروینہ نے حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ تمہارے بے رحم بھائی نے میری محبت کو ٹھکرا دیا۔

طاہرہ :۔ مگر تم نے ان سے اظہار محبت ہی کیوں کیا۔

پروینہ :۔ میں نے نہیں بلکہ خود انہوں نے کیا تھا۔

طاہرہ :۔ پھر کیا بات ہو گئی۔

پروینہ :۔ میں نے جب ان سے کہا کہ تم عیسائی ہو جاؤ تو وہ خفا ہو گئے۔

طاہرہ :۔ یہ تم نے بڑی غلطی کی۔ یاد رکھو۔ کوئی مسلمان کبھی اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔

پروینہ :۔ لیکن محبت کی دنیا مذہب سے بالاتر ہے۔

طاہرہ :۔ مگر مسلمانوں کے لیے نہیں۔ مسلمان ہر چیز سے مذہب کو بالاتر سمجھتا ہے۔

پروینہ :۔ کاش میں اس بات سے پہلے ہی خبردار ہو جاتی۔

طاہرہ :۔ پہلے ہی خبردار ہو کر کیا کرتیں تم۔

پرپونہ :۔ میں اس بے وفا کی محبت کو کبھی اپنے دل میں جگہ نہ دیتی۔

طاہرہ :۔ تم اب ان کی محبت کو اپنے دل سے نکال ڈالو۔

پرپونہ :۔ یہ ناممکن ہے۔

طاہرہ :۔ تو خود مسلمان ہو جاؤ۔

پرپونہ :۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔

طاہرہ :۔ پھر کیا کرو گی تم۔

پرپونہ :۔ میں اسے پھر سمجھاؤں گی۔

طاہرہ :۔ گویا پھر عیسائی ہونے کے لیے کہو گی۔

پرپونہ :۔ ہاں۔

طاہرہ :۔ لیکن اگر تم ہزار برس بھی التجا کرو گی تب بھی۔ ناممکن ہے۔

پرپونہ کچھ سوچنے لگی طاہرہ نے کہا۔ سنو پرپونہ۔

مسلمان حیات انسانی کو چند روزہ اور دنیا کو ناپائیدار مانتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے۔ کہ وہ مر کر خدا کے پیش ہوں گے۔ اور وہ وہاں اپنے اعمال کا حساب کتاب دے کر اگر وہ نیک اور خدا کے عبادت گزار ہیں تو بہشت میں داخل ہوں گے۔ اور اگر بدکار اور خدا کے نافرمان بندے رہے۔ تو دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ نیز ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے اس سے پہلے کے مذاہب اور ان کی مذہبی کتابیں منسوخ ہو گئی ہیں۔ اس لیے کوئی مسلمان بھی کسی لالچ سے اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔

پرپونہ نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ میں مسلمانوں کو عقیدہ کا اتنا پختہ نہ سمجھتی تھی۔

طاہرہ :۔ حالانکہ مسلمان ہی وہ ہے جو عقیدہ کا پختہ ہو۔ اٹھو پرپونہ ممکن ہے کوئی خاتون یا دوشیزہ لڑکی آ جائے۔ میں نہیں چاہتی۔ کہ کوئی تمہیں اس حال میں دیکھے۔

پرپونہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے خیمہ کے باہر جا کر منہ دھویا۔ اور واپس آکر بیٹھ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں چند عورتیں اور لڑکیاں آگئیں اور پرپونہ ان کی باتوں میں لگ گئی۔

اس روز کے بعد سے حارث نے خیمہ میں آنا جانا کم کر دیا۔ اگر کسی ضرورت سے آتا بھی تو اس وقت جبکہ طاہرہ اور پرپونہ دونوں بیٹھی ہوتیں۔

پرپونہ سمجھ گئی کہ حارث اس سے بچتا ہے اس نے بھی پھر کبھی اس کی کوشش نہیں کی۔ کہ وہ اس سے مل کر اسے ترک مذہب کی ترغیب دیتی گویا وہ سمجھ گئی تھی کہ ناممکن ہے کہ حارث مذہب بدل سکے۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ پرپونہ کبھی محض طاہرہ کے ساتھ اور کبھی اور لڑکیوں کے ہمراہ ہوا خوری کرنے چلی جایا کرتی تھی۔

ایک روز پرپونہ خیمہ کے باہر گئی ہوئی تھی۔ اور طاہرہ بیٹھی ہوئی کچھ سی رہی تھی کہ منذر ہتھیار لگائے ہوئے خیمہ میں داخل ہوا۔

طاہرہ نے معصوم نگاہوں سے اسے دیکھا۔ منذر نے کہا۔ معاف کرنا کہ میں آپ کی تنہائی میں مخل ہوا۔

طاہرہ نے کہا۔ میں کوئی خاص کام نہیں کر رہی ہوں۔ لیکن آپ آج کیسے آگئے۔

منذر :۔ حارث نے مجھ سے رات کہا تھا۔ کہ وہ پہاڑ پر شکار کھیلنے چلیں گے۔ میں انہیں دیکھنے کے لیے آیا ہوں۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ واہ واہ! میں سمجھی تھی کہیں آپ جہاد پر جا رہے ہیں۔

منذر :۔ اس کا صاعقہ پاش تبسم دیکھ کر کچھ ازخود رفتہ سا ہو گیا۔ لیکن اس نے اپنے حواس قائم رکھے اور کہا۔ ابھی امیر لشکر آگے بڑھتے ہی نہیں جہاد کرنے کے لیے تو ہم سب مسلمان بے چین ہو رہے ہیں۔

طاہرہ :۔ اور یہ بے چینی اسی سے ظاہر ہے کہ شکار کی تفریح میں اپنا وقت صرف کر رہے ہو۔

منذر :۔ آخر وقت کسی طرح گذاریں بھی۔

طاہرہ :۔ شاید ہم بھی شکار کھیل کر ہی اپنا وقت گذارتی ہیں۔

منذر :۔ تم ...... تمہارا ایک مشغلہ نہیں ہے۔

طاہرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور کیا مشاغل ہیں ہمارے۔

منذر :۔ کھانا پکانا۔ سینا۔ اور آپس میں باتیں کرنا۔

طاہرہ :۔ خوب گویا ہم باتوں میں۔ اور فضول باتوں میں اپنا وقت گنواتی ہیں۔

منذر :۔ میں یہ تو نہیں کہتا۔ کوئی عربی عورت بیکار باتیں نہیں کیا کرتی۔

طاہرہ :۔ مگر افسوس ہے کہ مرد بیکار سیر و شکار میں وقت گذارنے کے عادی ہوں۔

منذر :۔ لیکن ہم اور کیا کریں۔

طاہرہ :۔ قرآن شریف کی تلاوت کرو۔ احادیث پڑھو۔ بچوں کو فنون حرب کی تعلیم دو۔ اگر کرنا چاہو تو تمہارے لیے بہت کام ہیں۔

منذر :۔ آپ سچ فرما رہی ہیں آئندہ ایسا ہی کروں گا......

طاہرہ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔

طاہرہ:۔ ہمہ تن متوجہ ہو گئی۔ اس نے کہا۔ فرمایئے۔

منذر:۔ میں پرونہ کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔

طاہرہ:۔ کیا مطلب ہے اس سے آپ کا۔

منذر:۔ میرا مطلب یہ ہے کہ پرونہ عیسائی لڑکی ہے اور یہ کسی غرض سے خود ہی یہاں آئی ہے۔

طاہرہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا غرض ہو سکتی ہے اس کی۔

منذر:۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ اسے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

طاہرہ:۔ لیکن یہ خیال آپ کو کس وجہ سے ہوا۔

منذر:۔ میں نے رات ایک خواب دیکھا ہے اس خواب کا اثر اب تک میرے دل پر ہے۔

طاہرہ:۔ کیا خواب دیکھا ہے آپ نے۔

منذر:۔ میں نے دیکھا کہ تم کسی عیسائی لڑکی کے ساتھ کہیں گئی ہو۔ اور لشکر سے اتنی دور نکل گئی ہو کہ نہ تمہیں لشکر نظر آتا ہے اور نہ تم لشکر کو نظر آتی ہو۔ اس عیسائی لڑکی نے کچھ اشارہ کیا۔ اشارہ ہوتے ہی چند عیسائی کہیں سے نکل آئے اور تمہیں گرفتار کرنے لگے۔ تم نے میرا نام لے کر پکارا اتفاق سے میں قریب ہی تھا۔ میں تمہاری مدد کرنے کے لیے لپکا۔ لیکن ایک سرخ دریا درمیان میں حائل ہو گیا۔ میں اس میں کود پڑا۔ کودتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔

طاہرہ نہایت توجہ سے اس کی گفتگو سن رہی تھی۔ اس نے کہا یہ عجیب خواب ہے یہ مگر آپ اطمینان رکھیں مجھے پرونہ سے یہ توقع نہیں ہے۔ کہ وہ مجھے دھوکا دے گی۔

منذر:۔ لیکن مجھے خدشہ ہے۔

طاہرہ:۔ اس خدشہ کو اپنے دل سے دور کر دیجئے۔

منذر:۔ آپ جانتی ہیں کہ پرونہ عیسائی لڑکی ہے اور یہ عیسائی لڑکیاں اکثر خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔

طاہرہ:۔ میں کبھی کسی لڑکی سے نہیں ملی ہوں۔ اور نہ ان کے واقعات سے خبردار ہوں۔

منذر:۔ مہربانی کر کے ایک احتیاط کیجئے۔

طاہرہ:۔ کیا؟

منذر:۔ اس کے ساتھ لشکر سے دور نہ چلی جایئے گا۔

طاہرہ:۔ بہت اچھا۔

منذر:۔ بھائی حارث یہاں نہیں ہیں۔

طاہرہ:۔ نہیں۔ وہ شاید سالار اعظم کے خیمہ پر گئے ہوں۔

منذر:۔ بہت خوب۔ میں وہیں ان سے ملوں گا۔

منذر نے چلنے کا ارادہ کیا۔ طاہرہ نے کہا۔ کیا آپ ان کے آنے کا انتظار نہیں کریں گے۔

منذر:۔ جی تو یہی چاہتا ہے لیکن مناسب نہیں سمجھتا۔

طاہرہ:۔ خاموش ہو گئی۔ منذر چلا گیا۔ اس کے جانے کے چند ہی منٹ بعد پرونہ آئی۔ اس نے کہا۔ طاہرہ تمہارے پاس کون آیا تھا۔ طاہرہ نے شرمیلے لہجہ میں کہا۔ بھائی جان کے دوست آئے تھے۔

پرونہ:۔ کیا منذر تھے۔

پرونہ کو معلوم ہو گیا تھا۔ کہ حارث کا دوست منذر ہے۔ اور ان دونوں میں بے حد دوستی ہے۔

طاہرہ نے کہا۔ ہاں وہی تھے۔

پرونہ:۔ کیا کہتے تھے وہ۔

طاہرہ:۔ وہ بھائی جان کو دریافت کرنے کے لیے آئے تھے۔

پرونہ:۔ کیوں۔

طاہرہ:۔ ان کا ارادہ پہاڑ پر شکار کھیلنے کے لئے جانے کا ہے۔

پرونہ:۔ یہ عجیب بات ہے۔ آج میرا ارادہ بھی پہاڑ پر جانے کا ہے۔ طاہرہ! یہ پہاڑ ایسا دلکش اور اس کے مناظر ایسے دلچسپ ہیں کہ انسان انہیں دیکھ کر بے خود سا ہو جاتا ہے۔ چونکہ میں نے اکثر ان تفریح گاہوں کو دیکھا ہے اس لئے ان کے دیکھنے کے لئے دل مچلتا رہتا ہے۔ خولہ اور ام ابان کے پاس اس لئے گئی تھی کہ وہ دونوں بھی آمادہ ہو جائیں تو چل کر پہاڑ کی سیر کا لطف اٹھائیں۔ لیکن انہیں فرصت نہیں ہے اور انہوں نے افسوس کے ساتھ انکار کر دیا ہے۔ خوش قسمتی سے آج منذر اور ان کے حارث دوست دونوں پہاڑ پر جا رہے ہیں اس لئے آؤ ہم دونوں بھی چلیں۔

طاہرہ نے پس و پیش کرتے ہوئے کہا۔ ہم دونوں کا تنہا جانا ٹھیک نہیں ہے۔

پریوتنہ۔ کیا خوف ہے۔

طاہرہ۔ ممکن ہے وہ ڈاکو جنہوں نے تمہیں گرفتار کیا تھا ابھی تمہارے انتظار میں پہاڑ پر ہی ہوں اور ہمیں دیکھ کر گرفتار کرنے کی کوشش کریں۔

پریوتنہ۔ اطمینان رکھو وہ چلے گئے ہوں گے۔ اس کے علاوہ ہم زیادہ دور ہی کیوں جائیں۔ پہاڑ کے اس ہی طرف رہیں گی۔ تاکہ وہ ہوں بھی جلدی سے بھاگ کر لشکر کے قریب آجائیں۔

طاہرہ۔ پھر بھی ہمارے لئے یہ مناسب نہیں ہے۔

پریوتنہ۔ طاہرہ! حارث اور منذر دونوں پہاڑ پر جا رہے ہیں۔ ہم بھی چلیں۔ جب وہ ہمیں دیکھیں گے تو کس قدر حیران ہوں گے۔ انہیں حیرت زدہ دیکھ کر ہمیں بڑا لطف آئے گا۔ مان جاؤ طاہرہ! میری دل شکنی نہ کرو۔ آؤ چلو۔

طاہرہ۔ جی تو نہیں چاہتا۔ مگر تمہاری بات بھی ٹالی نہیں جاتی۔ اچھا چلو۔

پریوتہ یہ سن کر خوش ہو گئی۔ اس کی آنکھیں کسی اندرونی جذبہ کے اثر سے چمکنے لگیں۔ لیکن طاہرہ بھولی بھالی اور سادہ لوح تھی۔ وہ نہ سمجھی اور اس نے ایک خنجر اپنے دامن میں چھپا لیا۔ ایک کمان خود لی۔ دوسری پریوتہ کو دی۔ ایک ترکش اپنی پشت پر لٹکایا۔ دوسرا پریوتہ کو دیا۔

اس طرح یہ دونوں مہ وشیں تیار ہو کر خیمہ سے نکلیں اور پہاڑ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

ساتواں باب

مشورہ

منذر طاہرہ کے خیمہ سے نکل کر امیر عسکر کے خیمہ کی طرف چلا۔ اس نے دیکھا کہ تمام مسلمان کسی نہ کسی کام میں مشغول تھے مثلاً کوئی ہتھیار صیقل کر رہا تھا' کوئی کپڑوں میں پیوند لگا رہا تھا کوئی گذشتہ لڑائیوں کے واقعات بیان کر رہا تھا اور اس کے گرد بیسیوں آدمی بیٹھے سن رہے تھے کہیں نشانہ بازی کی مشق ہو رہی تھی کہیں صف بندی کی تعلیم دی جا رہی تھی۔

منذر ان باتوں کو دیکھتا ہوا چلتا رہا اور حضرت عیاض کے خیمہ پر پہنچا۔ وہاں پر قریب قریب سب اہل الرائے بیٹھے ہوئے تھے وہ سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ حارث اس کے فاصلہ پر بیٹھا تھا' حضرت خالد کہہ رہے تھے۔ جو فرمان امیر المومنین حضرت عمر فاروق کا آیا ہے اسے پڑھ کر سنا دیجئے تاکہ پھر آسانی سے مشورہ دیا جا سکے۔

منذر سمجھ گیا کہ خلیفۃ المسلمین کا کوئی فرمان آیا ہے اور اس وقت اس کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے لوگوں کو بلایا گیا ہے۔

حضرت عیاض نے فرمان نکالا۔ یہ ایک خط تھا جو ایک باریک چمڑہ پر لکھا ہوا تھا یہ خط عربی زبان میں لکھا ہوا تھا جو تاریخوں میں محفوظ ہے ہم اس کا ترجمہ لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من عبداللہ بن عمر امیر المومنین علی عیاض بن غنم الاشعری سلام علیک۔

یعنی شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے مجھ بندہ خدا امیر المومنین عمر کی جانب سے عیاض بن غنم الاشعری پر سلام ہو۔ میں تعریف کرتا ہوں اس خدائے بزرگ و برتر کی جو اکیلا ہے قادر مطلق ہے' بندگی کے لائق ہے اور درود بھیجتا ہوں حضرت محمد صلعم پر اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ خدا کے بندہ اور اس کے رسول تھے اس کے بعد میں تعریف کرتا ہوں ان مجاہدین کی جنہوں نے جہاد کر کے اسلام کو رونق دی ہے اور مسلمانوں کی غیر مسلموں پر دھاک بٹھا دی ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم راس العین کی طرف بڑھنے میں پس و پیش کر رہے ہو۔ شاید تمہیں یہ خیال ہے کہ دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے اور مسلمان کم ہیں۔ لیکن تمہیں خوب معلوم ہے کہ اکثر معرکوں میں مسلمان بہت تھوڑے اور دشمن بہت زیادہ تھے۔ اور پھر خدا نے فتح مسلمانوں کو دی' مسلمان بھروسہ کرتے ہیں خدا پر اور اس لئے خدا ان کی اعانت کرتا ہے تم بالکل فکر نہ کرو خدا مدد کرے گا۔ میں چاہتا تو یہ ہوں کہ تم فوراً پیش قدمی شروع کر دو۔ لیکن اتمام حجت کے لئے یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ ایک قاصد انطاط کے بادشاہ کے پاس روانہ کر دو۔ اور اس سے کہو کہ وہ شہواص کا ساتھ نہ دے بلکہ مصالحت کرے جو شرائط وہ پیش کرے اس پر اس سے مصالحت کر لو کیونکہ اگر اس سے مصالحت ہو گئی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رقون بھی مصالحت کرے گا اور امید ہے کہ سلسلور بھی صلح کی طرف جھک جائے گا۔ اس طرح شہواص کے کئی حمایتی کم ہو جائیں گے اور اگر وہ صلح کرنے پر آمادہ نہ ہو تو پھر تم خدا کا نام لے کر بڑھو

اور دشمنوں پر فتح حاصل کرو۔ میں نے ابوعبیدہ کو تمہاری مدد کے لئے لشکر روانہ کرنے کے واسطے لکھا تھا۔ انہوں نے مصر سے وامس بن ابوالہول کو مع چار سو جانباز مجاہدین کے تمہارے پاس پہنچنے کی ہدایت کر دی ہے تم وامس ابوالہول کے کارناموں سے خوب واقف ہو۔ وہ نہایت بہادر اور بڑے مدبر ہیں نیز ہم نے ہرقل اعظم کو خط لکھا ہے کہ عاصم بن رواحہ مرتد ہو کر اس کے پاس قسطنطنیہ چلا گیا ہے وہ اسے وہاں سے نکال دیں۔ اگر وہ جزیرہ میں آجائے اور توبہ کر کے مسلمان نہ ہو تو اسے اور اس کے ساتھیوں کو جہاں وہ ملیں قتل کر ڈالو۔ جو مرتد ہو جائیں ان کی یہی سزا ہے باقی سلام تم پر اور جمیع مسلمین پر۔

تمام لوگوں نے نہایت اطمینان اور توجہ سے اس خط یا فرمان کو سنا۔ حضرت عیاض نے کہا یہ خط ہے جو رات صادر ہوا ہے اب مشورہ دو کہ پیش قدمی کی جائے یا پہلے قاصد بھیجا جائے۔

حضرت ضرار نے کہا۔ میں تو یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ ہمیں بالکل بھی پس و پیش نہیں کرنا چاہئے۔ آگے بڑھ کر دشمنوں سے جدال و قتال شروع کر دینی چاہئے۔

حضرت خالد نے کہا۔ چاہتا تو میں بھی یہی ہوں۔ لیکن امیرالمومنین نے پیش قدمی کرنے سے پہلے قاصد روانہ کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے ہمیں پہلے قاصد ہی بھیجنا چاہئے۔

نعمانؓ: لیکن امیرالمومنین نے پیش قدمی سے ہمیں باز ہی نہیں رکھا ہے۔

مقدادؓ: یہ بات نہیں ہے بلکہ انہوں نے صاف طور پر حکم دیا ہے کہ پہلے قاصد ہی روانہ کیا جائے۔

حارثؓ: حقیقت یہی ہے کہ پہلے قاصد روانہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

عیاضؓ: میں نے بھی یہی سمجھا ہے اور اس لئے ہمیں قاصد ہی بھیجنا پڑے گا۔

خالدؓ: دراصل اگر سچ پوچھو۔ تو یہ تدبیر نہایت ہی مناسب ہے اول تو اس لئے کہ اگر اخلاط کا بادشاہ مصالحت پر آمادہ ہو گیا تو شمشاط کی قوت کمزور ہو جائے گی۔ دوسرے اگر وہ صلح پر آمادہ نہ ہوا تو کسی نہ کسی طرح سے ان کی تیاریوں کا علم ہو جائے گا اور یہ دونوں باتیں ہمارے لئے بہتری کی ہیں۔

نعمانؓ: بیشک اس طرح تو مصلحت ہی یہ ہے کہ قاصد روانہ کیا جائے۔

ضرارؓ: حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ہمارا جوش اس قسم کی عاقبت اندیشی سوچنے کی مہلت ہی نہیں دیتا۔ لیکن اب جو میں نے ان باتوں پر غور کیا ہے تو قاصد کا بھیجا جانا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

عیاضؓ: اس لئے پروردگار عالم نے حکم دیا ہے کہ مسلمانوں تم آپس میں مشورہ کر لیا کرو۔ مشورہ کرنے سے واقعہ کے ہر پہلو پر روشنی پڑتی ہے اور پھر نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں رہتا۔ میرے خیال میں اب سب اصحاب اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ پہلے قاصد بھیجا جائے یا اگر کسی صاحب کو اب بھی کوئی اختلاف ہو تو وہ اپنی رائے آزادی سے پیش کریں۔

سب نے کہا کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

عیاضؓ: اچھا تو اب یہ طے کرو کہ کسے قاصد بنا کر بھیجا جائے۔

مقدادؓ: میرے خیال میں تو ہر شخص جانے پر تیار ہو جائے گا اس لئے مناسب یہ ہے آپ خود ہی کسی کو تجویز کریں۔

ضرارؓ: اگر سب کی رائے ہو اور آپ بھی مناسب سمجھیں تو مجھے اجازت دیں۔ میں اس خدمت کو انجام دینے کے لیے تیار ہوں۔

خالدؓ: لیکن آپ کا بھیجا جانا مناسب نہیں ہے۔ آپ میں جوش زیادہ ہے اور اس لئے فوراً ہی غصہ آجاتا ہے۔ ضرورت ایسے شخص کی ہے جو حد درجہ متحمل مزاج ہو۔

عمروؓ: اور ایسا شخص میں ہوں۔ مجھے کبھی کسی کی بات پر غصہ ہی نہیں آتا۔

خالدؓ: ہاں تم مناسب ہو۔

ضرارؓ: بات بھی ہے۔ یہ غصہ جانتے ہی نہیں۔

عیاضؓ: میرے خیال میں بھی یہی مناسب ہے۔ چنانچہ عمرو کا انتخاب خود انہیں کی خواہش پر عمل آگیا۔

یہ ظاہر ہے کہ وہ قاصد بنا کر اخلاط کے بادشاہ کے پاس بھیجے جا رہے تھے' اخلاط کا بادشاہ عیسائی تھا اسے کسی قسم کی بھی مسلمانوں سے ہمدردی نہیں تھی۔ نہ اس کی رعایا کو مسلمانوں کا کوئی لحاظ و پاس تھا۔ اور اس طرح قاصد کی جان خطرہ میں تھی' لیکن اس زمانہ کے مسلمان کسی خطرہ کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

بات یہ ہے کہ وہ دنیا کو چند روزہ سمجھتے تھے۔ شہادت کے خواستگار تھے۔ اس لئے بے دھڑک ہر کام کرنے پر مستعد ہو جاتے تھے۔

چنانچہ عمرو بھی تنہا جانے پر آمادہ ہو گئے۔

حضرت عیاض نے انہیں حکم دیا کہ وہ تیار ہو کر آجائیں۔ عمرو اٹھ کر چلے گئے۔ عیاض نے خط لکھنا شروع کر دیا جس عرصہ میں خط لکھا گیا اسی عرصہ میں عمرو بھی تیار ہو کر

آ گئے۔

عیاض نے خط ان کے حوالے کیا اور کہا دیکھو۔ ہوشیار رہنا۔ تم عیسائیوں کے ملک میں تنہا جا رہے ہو۔ قدم قدم پر دشمنوں کا سامنا ہو گا اگر ہوشیار نہ رہے تو نقصان اٹھا جاؤ گے۔

جب تم والئے انطاکیہ کے پاس پہنچو تو نہایت نرمی سے گفتگو کرنا۔ کوئی بات سخت نہ کہنا اشتعال دلائے جانے پر بھی غصہ میں نہ آنا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اگر وہ یا اس کی قوم کا کوئی شخص اسلام یا مسلمانوں کی توہین کرے تو تم اسے بھی برداشت کر لو۔ نہیں ایسی گفتگو کا جواب منہ توڑ دینا۔ مسلمان اور تو سب کچھ برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن اسلام بانی اسلام اور خدا کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔

عمروؓ۔ اطمینان رکھئے میں موقع و محل دیکھ کر گفتگو کروں گا۔

عیاضؓ۔ میرا یہی مطلب ہے چونکہ تم راستہ سے ناواقف ہو اس لئے تمہارے ساتھ ایک راہبر کیا جاتا ہے۔

چنانچہ عیاض نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اٹھا۔ یہ شخص عیسائی تھا اسی ملک کا باشندہ تھا۔ اس نے اس صلح میں اپنے اور اپنے عیال کے لئے امان طلب کر لی تھی کہ وہ راستہ بتاتا تھا عیسائیوں سے مل کر عیسائی بادشاہوں کے حالات معلوم کر کے مسلمانوں کو بتاتا تھا۔ ایسے لوگ ذمی کہلاتے تھے مسلمانوں پر ان کی حفاظت کرنا فرض تھا۔

عیاض نے اس سے کہا۔ تمہیں عمرو کے ساتھ جانا چاہئے اور جہاں کوئی خطرہ ہو انہیں اس سے آگاہ کر دینا چاہئے۔

ذمی عیسائی نے کہا۔ بہت بہتر۔

عیاض نے تمام مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

بھائیو! عمرو کی سلامتی کے لئے دعا مانگو۔

اب عمرو گھوڑے پر سوار ہوئے۔ راہبر بھی ایک گھوڑے پر سوار ہوا۔ عمرو نے مسلمانوں کو سلام کیا اور دونوں روانہ ہو گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد مسلمان اٹھ اٹھ کر چلنے لگے۔ حارث بھی اٹھا اور منذر کے ساتھ ایک طرف کو چل پڑا۔

روح فرسا نظارہ

منذر نے کچھ دور چل کر کہا۔ تم شکار کھیلنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

حارث نے کہا۔ میں تیار ہوں۔

منذرؓ۔ کیا تیار ہو تم۔

حارث نے مسکرا کر کہا۔ اور کمی بھی کیا ہے۔

منذرؓ۔ ہتھیار لئے۔ نہ گھوڑا ہے۔ یہ بھی کوئی تیاری ہے۔

حارثؓ۔ گھوڑے پر جانے کا تو میرا ارادہ نہیں ہے۔ ہتھیار موجود ہیں۔

منذرؓ۔ تو کیا پیدل چلو گے۔

حارثؓ۔ جب پہاڑ پر چلنا ہے تو پیدل ہی چلنا چاہئے۔

منذرؓ۔ اور ہتھیار کہاں ہیں تمہارے۔

حارثؓ۔ ہتھیار میں نے نعمان کے خیمہ پر رکھ دیئے تھے وہاں سے لے لوں گا۔

منذرؓ۔ اچھا تو چلئے۔

دونوں چل کر نعمان کے خیمہ پر پہنچے۔ حارث نے ہتھیار اٹھا کر لگائے اور منذر کے ساتھ پہاڑ کی طرف روانہ ہوا۔

جب یہ اسلامی لشکر سے نکلے تو منذر نے کہا۔ دوست ایک بات بتاؤ۔

حارث نے منذر کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کیا

منذر نے کہا۔ تم پرونہ کو کیا سمجھتے ہو۔

چونکہ حارث کو پرونہ سے محبت ہو گئی تھی اس لئے وہ یہ سمجھا کہ منذر پرونہ کی خوبصورتی کے متعلق دریافت کر رہا ہے حالانکہ اس کا یہ منشا نہ تھا وہ پوچھ رہا تھا اس کی عادت خصلت کے متعلق۔

حارث نے کہا۔ وہ نہایت خوبصورت ہے۔

منذر کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ حارث اسے ہنستے ہوئے دیکھ کر کچھ شرمندہ ہو گیا۔ کچھ وقفہ کے بعد اس نے کہا۔ کیوں! ہنسنے کیوں لگے تم؟

منذرؓ۔ میں اس لئے ہنسا کہ میں نے اس کی عادت کے متعلق دریافت کیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کی زلف گرہ گیر میں اسیر ہو گئے ہو۔ اس لئے اس کی خوبصورتی کے متعلق سمجھے۔

حارثؓ۔ عادت بھی اچھی ہے اس کی۔

منذر نے حارث کو چڑانے کے لئے کہا۔ لیکن آپ کہتے ہیں کہ وہ خوبصورت ہے۔

حارث:۔ کیا آپ کو اس کی خوبصورتی میں کچھ کلام ہے۔

منذر:۔ کلام .... وہ خوبصورت ہے ہی کہاں۔

حارث نے حیرت کی نگاہوں سے منذر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "خوبصورت نہیں ہے وہ۔ تو کیا آپ اسے بدصورت سمجھتے ہیں۔

منذر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں ہی کیا سب ہی ایسا سمجھتے ہیں۔

حارث نے سنجیدگی سے کہا۔ بس تو سب ہی کے دماغ میں خلل ہے۔

حارث:۔ اس میں کچھ شک بھی ہے۔ ایسی پری چہرہ۔ دلربا اور حسینہ کو بدصورت کہنا یا سمجھنا ان ہی لوگوں کا کام ہے جن کے دماغوں میں فتور ہے۔

منذر:۔ اچھا تو میرے دماغ میں تو فتور ہے نہیں۔

حارث:۔ تو بتاؤ تم پرپونہ کو کیا سمجھتے ہو۔

منذر نے سوکھا سا منہ بنا کر کہا۔ اب اگر میں پھر بدصورت کہوں گا تو پھر آپ مجھے پاگل کہہ دیں گے اس لئے میں اسے خوبصورت ہی مانے لیتا ہوں۔

حارث:۔ لیکن وہ خوبصورت ہے نہیں۔

منذر:۔ بھلا اسے بدصورت کہہ کر کون اپنے آپ کو پاگل کہلائے آپ بھی سمجھ لیں کہ وہ خوبصورت ہے۔

حارث نے جوش میں آ کر کہا۔ میں تو پہلے ہی سے سمجھے ہوئے۔

منذر نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا پہلے ہی سے کب سے۔

حارث:۔ جب سے میں نے اسے دیکھا ہے۔

منذر:۔ میں نے بھی یہی سمجھا تھا۔

حارث:۔ کیا مطلب ہے اس سے آپ کا۔

منذر:۔ یہی۔ کہ آپ کو پرپونہ سے محبت ہو گئی ہے۔

حارث:۔ اور یہ سچ ہے منذر۔

منذر:۔ مگر وہ عیسائی لڑکی ہے۔

حارث:۔ اس کا مجھے تجربہ ہو گیا ہے۔

منذر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کیا تجربہ ہوا آپ کو۔

حارث نے جواب دیا وہ کٹر عیسائی ہے اور مجھے بھی عیسائی بنانا چاہتی ہے۔

منذر:۔ خوب پھر آپ نے کیا کہا۔

حارث:۔ وہی جو ایک مسلمان کو کہنا چاہئے۔

منذر:۔ یعنی۔ انکار کر دیا۔

حارث:۔ بالکل۔

منذر:۔ پھر کیا کہا اس نے۔

حارث نے اب اپنی داستان سنانی شروع کی۔ یہ دونوں باتیں کرتے جاتے تھے اور پہاڑ کی طرف بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ جب حارث کی داستان ختم ہوئی تو وہ پہاڑ کے نیچے پہنچ گئے تھے۔

اب انہوں نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ منذر نے کہا۔ میں یہی کہتا تھا وہ عیسائی ہے اس لئے اسے مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی دیکھ لیجئے۔ وہ روئی بھی۔ اس نے خوشامد بھی کی۔

سب کچھ کیا۔ لیکن اس بات پر آمادہ نہیں ہوئی کہ وہ خود مسلمان ہو جائے۔

حارث:۔ بے شک۔

منذر:۔ معاف کرنا۔ مجھے خیال ہے کہ وہ کوئی فریب دینا چاہتی ہے۔

حارث:۔ نہیں منذر! وہ فریب کار نہیں ہے۔

منذر:۔ خدا کرے نہ ہو۔

حارث:۔ وہ بھولی اور صاف باطن ہے۔

منذر:۔ مجھے اس میں کلام ہے۔

حارث:۔ کیا تمہاری اس سے کوئی گفتگو ہوئی ہے۔

منذر:۔ نہیں۔

حارث:۔ پھر کیسے خیال کر لیا تم نے۔

منذر:۔ محض قیاس کی بنا پر۔

حارث:۔ قیاس آرائی ٹھیک نہیں ہوتی۔

منذر:۔ کچھ ہو۔ میں اس کی طرف سے مشکوک ہوں اور اس لئے مطمئن نہیں ہو سکتا۔

حارث:۔ پھر کیا چاہتے ہو تم۔

منذر:۔ میں اس کے ساتھ کسی مسلم دوشیزہ کا آنا جانا مناسب نہیں سمجھتا۔

حارث:۔ اور تو کوئی اس کے ساتھ کہیں آتا جاتا نہیں۔ البتہ کبھی کبھی طاہرہ چشمہ

کے کنارے تک آجاتی ہے اگر تم اس کی طرف سے ایسے ہی مشکوک ہو تو میں آج طاہرہ کو منع کر دوں گا۔ وہ بھی اس کے ساتھ نہ آیا کرے گی۔

منذر۔ میرا منشا یہی تھا۔ بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ اس نے جو داستان اپنے گرفتار ہونے اور بھاگ آنے کی سنائی ہے وہ اس کی دماغی اختراع ہے۔

حارث۔ اس قدر بدگمانی بھی ٹھیک نہیں۔ ایسی حسین۔ کم سن اور بھولی لڑکی ایسی داستان اپنے دل سے نہیں گھڑ سکتی۔

منذر۔ میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا مگر مجھے شک ہے۔

حارث۔ خیر اس ذکر کو چھوڑو۔ دیکھو کیسا فرحت افزا مقام ہے کیسی سبزہ زار چٹانیں ہیں۔

دراصل یہ دونوں باتوں میں کچھ ایسے محو ہو رہے تھے کہ ادھر ادھر نگاہیں اٹھا کر نہ دیکھتے تھے۔ سر جھکائے باتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔ اب جو انہوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو قدرت کی گلکاری دیکھ کر حیران رہ گئے۔

پہاڑ کا یہ حصہ نہایت ہی سرسبز و شاداب تھا۔ ہر چٹان اور ہر چٹان کا ہر پتھر سبزہ سے لدا ہوا تھا۔ تناور اور اونچے اونچے درختوں کے جھنڈ کھڑے تھے۔ ان کے سایہ میں پھولوں کے پودے کھڑے لہلہا رہے تھے۔ تنوں سے بیلیں لپٹی ہوئی تھیں اور پودوں اور بیلوں پر خوشرنگ اور خوشبودار پھول کھل رہے تھے۔

جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی۔ سبزہ ہی سبزہ اور خوش رنگ پھول نظر آتے تھے۔

منذر نے کہا۔ بے شک یہ جگہ بہشت زار ہے۔

حارث۔ جی چاہتا ہے کہ ایسی ہی جگہ رہنے لگوں۔

منذر۔ لیکن جس بہشت کا پروردگار عالم نے ہم سے وعدہ کیا ہے۔

حارث۔ وہ اس سے ہزاروں درجہ افضل اور اعلیٰ ہے۔

منذر۔ پھر اس جگہ رہنے سے فائدہ۔

حارث۔ کچھ نہیں۔ لیکن دل میں جو بات پیدا ہوئی تھی وہ کہہ دی۔

منذر۔ دنیا اور اس کی دلفریبیاں انسان کو اپنے جال میں پھنسا کر خدا پرست انسان کبھی خدا کو چھوڑ کر دنیا کی دلکشیوں میں نہیں پھنستا۔

منذر۔ بے شک۔ اچھا اب گفتگو بند کرو اور شکار کو دیکھو۔

حارث۔ ٹھیک کہتے ہو۔

اب دونوں نے آگے بڑھنا اور اپنی تیز نظروں سے شکار کو دیکھنا شروع کیا۔

لیکن وہاں درخت گنجان اور اس کثرت سے کھڑے تھے کہ دس قدم کی بھی کوئی چیز صاف نظر نہ آتی تھی۔

یہ دونوں فرحت افزا سبزہ اور روح پرور پھولوں کو دیکھتے ہوئے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے وہ سطح میدان طے کر لیا جو سبزہ سے لدا ہوا تھا۔ اب وہ ایک چٹان پر چڑھنے لگے۔ یہ چٹان بتدریج بلند ہوتی چلی گئی تھی۔ اور اس لئے اس کے اوپر چڑھنے میں کوئی دقت نہ معلوم ہوتی تھی۔

اس چٹان پر نہ زیادہ درخت تھے اور نہ کثرت سے پھولوں کے پودے تھے۔ کہیں کہیں درخت کھڑے تھے اور پھولوں کے پودوں کا تو نام بھی نہ تھا۔

جب وہ اس کے اوپر پہنچ گئے تو انہوں نے دیکھا کہ اس کی چوٹی زیادہ چوڑی نہیں ہے چند ہی قدم چل کر اس کے دوسری طرف نہایت عمیق غار تھے اور غاروں کے سامنے سے ایک اور چٹان اس پہلی چٹان کے عین سامنے تھی۔

ان دونوں چٹانوں میں ۶۔ ۷ گز کا فاصلہ تھا۔

حارث نے یہاں پہنچ کر کہا۔ منذر یہی وہ مقام معلوم ہوتا ہے۔ جہاں پروینہ کو ڈاکو لے کر آئے تھے۔ اور جس جگہ سے وہ کود کر بھاگی تھی۔

پروینہ نے اپنی داستان میں جن چٹانوں کا ذکر کیا تھا۔ یہ دونوں چٹانیں ویسی ہی معلوم ہوتی تھیں۔ منذر کو بھی یہ بات تسلیم کرنی پڑی اس نے کہا بے شک عجب نہیں جو پروینہ اس جگہ آئی ہو اور اس جگہ سے بھاگی ہو۔

حارث نے کہا۔ اب تو آپ قائل ہو گئے کہ پروینہ نے کوئی داستان دل سے گھڑ کر نہیں بیان کی تھی۔

منذر۔ اس جگہ کو دیکھ کر تو قائل ہونا پڑا۔

حارث۔ دیکھو اس دوسری چٹان کے اس طرف کیا دلکش مقام ہے۔

منذر۔ بیشک۔ یہ سارا پہاڑ ہی نہایت دلکش ہے۔

حارث۔ یہی بات ہے۔

منذر۔ سامنے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ خدا جانے اسے کیا نظر آیا کہ اس کے چہرہ سے کچھ گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے اس نے حارث کو متوجہ کر کے انگلی سے اشارہ

کرتے ہوئے کہا۔ حارث دیکھنا وہ سامنے عیسائی کہاں جا رہے ہیں۔

حارث نے دیکھا۔ اسے چند مسلح عیسائی جلد جلد جاتے نظر آئے اس نے کہا یہی وہ ڈاکو معلوم ہوتے ہیں جو پرونہ کو پکڑ لائے تھے۔ معلوم ہوتا ہے یہ کم بخت ابھی تک اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔

منذر:۔ لیکن ان کی پوشاک بتا رہی ہے کہ وہ ڈاکو نہیں ہیں۔

حارث:۔ تب ممکن ہے کہ پرونہ کے بھائی نے اپنے کچھ سپاہی اسے تلاش کرنے کے لئے بھیجے ہوں۔

منذر:۔ ہاں یہ ممکن ہے آؤ اس دوسری چٹان پر کود چلیں اور ان کے قریب جا کر دیکھیں کہ وہ کون ہیں۔

حارث:۔ کچھ پاگل ہو گئے ہو۔ اس چٹان سے اس چٹان پر کودنا کوئی آسان کام سمجھ لیا ہے۔

منذر:۔ آؤ کوشش تو کریں۔

حارث:۔ اگر جان دینا منظور ہے تو کوشش کرو۔ اس چٹان سے اس چٹان پر پرندہ ہی پہنچ سکتا ہے انسان نہیں جا سکتا۔

منذر:۔ میرا دل اس وقت سخت بےقرار ہو رہا ہے نہیں کہہ سکتا کہ کیوں۔

حارث:۔ شاید یہ اتنی بلندی پر کھڑے ہونے کا اثر ہے دیکھو غار کس قدر گہرے ہیں پیچھے ہٹ چلیں۔

منذر برابر اس طرف دیکھ رہا تھا جس طرف اسے عیسائی نظر آئے تھے ذرا دیکھو غور سے دیکھو وہ کوئی چیز اٹھائے لئے جا رہے ہیں۔

اس وقت آفتاب نصف النہار کے قریب پہنچ گیا تھا۔ دھوپ تمام پہاڑ پر پھیلی ہوئی تھی عیسائی کچھ زیادہ دور نہیں تھے صاف نظر آ رہے تھے وہ آدمی کچھ اٹھائے ہوئے جا رہے تھے۔

حارث نے کہا۔ "بے شک! تم سچ کہتے ہو وہ کسی انسان کو اٹھائے لئے جا رہے ہیں۔

منذر ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ آہ۔ حارث۔

اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ ہونٹ کانپنے لگے۔

حارث نے جلدی سے دریافت کیا۔ کیا ہوا منذر! تمہیں کیا ہو گیا۔

منذر نے ایسے انداز سے جیسے وہ بات کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن آواز گلے میں پھنس جاتی ہے کہا۔ طاہرہ نے آج کیسے کپڑے پہن رکھے تھے۔

حارث چونک پڑا اس نے کہا۔ بالکل ایسے ہی جیسے اس کے ہیں۔ جسے عیسائی لئے جا رہے ہیں۔

منذر نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔ تو کیا یہ طاہرہ ہی ہے۔

حارث بھی غمگین ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔ طاہرہ ہی معلوم ہوتی ہے منذر۔

اب عیسائی دوسری چٹان کے نیچے آگئے تھے اور چونکہ یہ چٹان اس چٹان سے اونچی تھی۔ اس لئے وہ اب بھی صاف نظر آ رہے تھے یہ دونوں انہیں دیکھ رہے تھے لیکن انہوں نے انہیں نہیں دیکھا تھا۔

ابھی یہ دونوں دیکھ ہی رہے تھے کہ آواز آئی منذر ..... منذر...... منذر......

منذر اس آواز کو سن کر تڑپ گیا۔ اس نے کہا۔ آہ طاہرہ مجھے پکار رہی ہے۔ خداوندا! مجھے طاقت دے کہ میں جست لگا کر دوسری چٹان پر جاؤں اور اس معصوم کی مدد کروں۔

یہ کہتے ہی وہ کودنے کے لئے تیار ہو گیا۔ حارث نے کہا۔ منذر حماقت نہ کرو۔ تم کود کر بھی زندہ دوسری چٹان پر نہیں جا سکتے۔

منذر کچھ سوچنے لگا۔ حارث نے کہا۔ آؤ اس چٹان کے نیچے چل کر کسی دوسرے راستے سے ان کا تعاقب کریں۔

ابھی منذر نے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ پھر آواز آئی۔ آہ منذر ..... منذر...... منذر ..... آؤ آؤ ...... بچاؤ بچاؤ۔

منذر ان پیہم آوازوں کو سن کر دیوانہ ہو گیا۔ اس نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی اور بسم اللہ کر کے جست لگائی۔

حارث حیران و ششدر کھڑا رہ کر اسے جست لگاتے دیکھتا رہ گیا اسے یقین تھا کہ اس کا دوست گہرے غار میں گر کر مر جائے گا۔

آٹھواں باب

علی حور عیسائیوں کے پنجہ میں

پریوسہ اور طاہرہ دونوں خیمہ سے نکل کر چلیں اور لشکر گاہ کو عبور کر کے اس کھلے ہوئے میدان کو طے کرنے لگیں۔ جو چشمہ کے دونوں کناروں پر حد نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اور جس کا سلسلہ پہاڑ تک پھیلا گیا تھا۔

اس تمام میدان میں چھوٹی چھوٹی گھاس کھڑی ہوا کے خفیف خفیف جھونکوں سے لہرا رہی تھی اور چونکہ آفتاب بہت بلند ہو گیا تھا اس لئے دھوپ تمام پہاڑ پر اور سارے میدان میں پھیلی ہوئی تھی۔ سفید سفید دھوپ میں سرسبز گھاس لہلہاتی ہوئی نہایت ہی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

یہ دونوں اس خوشنما منظر کو دیکھتی ہوئی بڑھی چلی جا رہی تھیں کچھ دور چل کر وہ چشمہ کے کنارہ کنارہ چلنے لگیں چشمہ کے دونوں ساحلوں پر لمبی لمبی گھاس اور مختلف قسم کے سرسبز پودے کھڑے تھے۔ پانی نہایت خاموشی کے ساتھ بل کھاتا دھوپ میں چمکتا بہتا چلا جا رہا تھا۔

تھوڑی دور چل کر انہوں نے چشمہ کا کنارہ چھوڑ دیا اور داہنے ہاتھ چل کر پہاڑ کے نیچے پہنچ گئیں۔

آج تک کبھی طاہرہ اس جگہ تک نہ آئی تھی۔ وہ کھڑی ہو گئی۔ کسی نامعلوم خوف سے اس کا ننھا سا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے کہا۔ پریوسہ! ہمیں دونوں کو تنہا آگے بڑھ کر پہاڑ پر نہیں چڑھنا چاہئے۔

پریوسہ نے طاہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیوں.......

طاہرہ۔ اس لئے کہ ممکن ہے پہاڑ پر وہ بدکار ڈاکو ابھی تک تمہاری تلاش میں ہوں جو تمہیں پکڑ کر لے گئے تھے۔

پریوسہ نے مسکرا کر کہا۔ بھلا اب وہ کہاں ہوں گے روز مجھے ان کے پاس سے آئے ہو گئے ہیں۔ تلاش کر کے چلے گئے ہوں گے۔

طاہرہ۔ لیکن اگر وہ مل گئے تو کیا ہو گا۔

پریوسہ۔ اطمینان رکھو وہ چلے گئے ہوں گے۔

طاہرہ۔ پھر بھی ہمیں احتیاط کرنی چاہئے۔

پریوسہ۔ تم نے پہاڑ کی دلفریبیاں دیکھی نہیں ہیں۔ ورنہ کسی خطرہ کو بھی خیال میں نہ لائیں۔

طاہرہ۔ اگرچہ میں نے پہاڑ کے مناظر دیکھے نہیں مگر سنے ہیں اور اس لئے مجھے ان کے دیکھنے کی آرزو ضرور ہے لیکن جو خطرہ سامنے ہے.......

پریوسہ نے مسکرا کر قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ تم بلا وجہ ڈری جا رہی ہو خطرہ کوئی نہیں ہے۔

طاہرہ۔ اچھا اتنی دیر انتظار کرو کہ بھائی....... جان اور ان کے دوست آجائیں۔

یہ سن کر پریوسہ کا چہرہ کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے دریافت کیا۔ کیا آپ کے بھائی جان اور ان کے دوست بھی اس طرف آنے والے ہیں۔

طاہرہ نے سادگی سے کہا۔ کیا میں نے تمہیں خیمہ ہی میں نہ بتا دیا تھا کہ وہ دونوں بھی پہاڑ پر شکار کھیلنے کا ارادہ کر کے آنے والے ہیں۔

پریوسہ نے ایسے انداز سے جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آجائے۔ ہاں تم نے کہا تھا۔ مجھے یاد نہیں رہا تھا۔ ممکن ہے وہ ہمارے آنے سے پہلے ہی پہاڑ پر چڑھ گئے ہوں۔

طاہرہ۔ میرا خیال ہے وہ ابھی نہ آئے ہوں گے اور اس لئے ہمیں ان کے آنے کا انتظار کرنا چاہئے۔

پریوسہ۔ واہ ہم ان کے انتظار میں یہاں کھڑی رہ کر ایسا پر لطف وقت کیوں کھو دیں۔

طاہرہ۔ لیکن اگر ہم دونوں ہی پہاڑ پر چڑھ جائیں تو یہ بڑی غلطی ہو گی۔

پریوسہ۔ غلطی کچھ بھی نہ ہو گی بھولی طاہرہ! بلکہ لطف آئے گا ہم دونوں کسی چٹان کے پیچھے چھپ جائیں گے اور جب تمہارے بھائی اور ان کے دوست آجائیں گے تو ایک دم ان کے سامنے چلے جائیں گے وہ ہمیں دونوں کو پہاڑ پر دیکھ کر کس قدر حیران ہوں گے پس و پیش نہ کرو تو چلو۔

طاہرہ مجبور ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں مروت تھی اس لئے وہ پریوسہ کے کہنے میں آگئی اگرچہ اس کا دل وہاں سے ایک قدم بھی آگے بڑھنے کو نہ چاہتا تھا۔ لیکن پریوسہ کے اصرار سے لاچار ہو کر کہا۔ اچھا چلو۔

پریوسہ خوش ہو گئی۔ اس نے کہا۔ آؤ ذرا قدم اٹھا کر چلو۔ میں چاہتی ہوں کہ ان دونوں کے آنے سے پہلے ہم پہاڑ پر چڑھ جائیں۔

طاہرہ نے جواب تو کچھ نہ دیا۔ البتہ اس کے ساتھ چل پڑی۔

چونکہ یہاں سے پہاڑ کی چڑھائی شروع ہو گئی۔ ایک کھلی ہوئی چٹان پر ایک تنگ پگ

پک ڈنڈی پر چلنے لگیں۔

پک ڈنڈی اس قدر تنگ تھی کہ دو آدمی ایک وقت میں برابر برابر نہیں چل سکتے تھے چنانچہ یہ دونوں آگے پیچھے چل جا رہی تھیں۔

اس پک ڈنڈی کے ایک طرف چٹانوں کا سلسلہ اونچا اٹھتا چلا گیا تھا اور دوسری طرف خاردار جھاڑیاں اس کثرت سے کھڑی تھیں کہ ان کی طرف ذرا بھی جھک جانے سے کانٹے کپڑوں کو تار تار کر کے جسم میں خراش ڈال دیتے تھے۔

جوں توں کر کے ان دونوں نے پک ڈنڈی کو عبور کر لیا اور اب وہ ناہموار پتھروں پر چلنے لگیں۔ یہ پتھر کچھ بھورے رنگ کے تھے ان پر سبزہ اگا ہوا نہیں تھا۔ البتہ کسی قدر فاصلہ پر گنجان درختوں کی باڑ شروع ہو گئی تھی۔

یہ دونوں بڑھتی رہیں۔ طاہرہ نہ آج سے پہلے اس پہاڑ پر آئی تھی نہ راستوں سے واقف تھی البتہ پریونہ یہاں کئی دفعہ آچکی تھی اور وہ اچھی طرح جانتی تھی اس وقت وہی رہنما تھی اور طاہرہ اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔

چلتے چلتے وہ ایک ایسی جگہ پر پہنچیں جہاں پر چٹان پھٹ کر نہایت مہیب غار پیدا ہو گیا۔ پھٹی ہوئی چٹانوں کے پتھر ایک دوسرے کے سہارے سے اس طرح کھڑے تھے کہ ہر لمحہ ان کے گر جانے کا اندیشہ تھا۔

چٹانوں کے پھٹ جانے سے جو شگاف یا غار پیدا ہو گئے تھے۔ وہ ایسے گہرے تاریک اور خوفناک تھے کہ ان کی طرف جھانک کر دیکھنے سے بھی خوف اور سر گھومنے لگتا تھا۔

طاہرہ نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ کس قدر خوفناک شگاف ہیں یہ۔

پریونہ نے کہا۔ میں نے اپنے بھائی سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ نہایت سخت زلزلہ آیا تھا۔ اس زلزلہ سے کئی چٹانیں پھٹ گئی تھیں اور چٹانوں کے پھٹنے سے مہیب غار پیدا ہو گئے تھے۔

طاہرہ:۔ خدا کی قدرتیں بھی عجیب ہیں۔ کہیں زمین کو قائم رکھنے کے لئے پہاڑوں کی میخیں گاڑ دی ہیں اور کہیں چٹانوں کو پھاڑ کر معدنیات اگلوا دی ہیں۔

پریونہ نے حیرت سے طاہرہ کو دیکھ کر کہا۔ کیا پہاڑوں کے پھٹنے سے معدنیات نکل آتی ہیں۔

طاہرہ:۔ ہاں اکثرت ایسا ہی ہوتا ہے۔

پریونہ:۔ تم نے سچ کہا۔ سنا ہے جب یہ چٹانیں پھٹی تھیں تو کئی قسم کی دھات نکلی تھی۔

طاہرہ:۔ لوگوں نے خوف کی وجہ سے ان شگافوں کو اچھی طرح دیکھا نہیں ہے۔ اگر غور سے دیکھا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ کس قدر سونا چاندی پہاڑ نے اگل دیا ہے۔

پریونہ:۔ بھلا کون ان خوفناک غاروں میں اترنے کی جرات کر سکتا ہے۔

طاہرہ:۔ وہ انسان جو چاندی سونا حاصل کرنا چاہیں۔

پریونہ:۔ جسے اپنی زندگی عزیز نہ ہو۔ وہ ایسی کوشش کر سکتا ہے۔

طاہرہ:۔ اگرچہ اس کام میں خطرہ ضرور ہے لیکن جان کا اندیشہ نہیں ہے پہلے یہ جھولنے والے پتھر گرائے جائیں اور پھر ریشم کے ڈوروں کے ذریعہ سے اتر کر دیکھا جائے۔

پریونہ:۔ ہو گا۔ آؤ اور آگے چلیں۔

طاہرہ:۔ چلو۔

دونوں آگے بڑھیں اور کچھ دور چل کر ایک ایسے پرفضا مقام پر پہنچیں جہاں ہر چٹان اور ہر پتھر پر سبزہ اگا ہوا تھا۔ پھولوں کے تختے کے تختے کھڑے لہلہا رہے تھے اور ان کی بھینی بھینی خوشبو سے وہ جگہ مہک رہی تھی۔

طاہرہ نے اس بہشت زار کو دیکھ کر کہا۔ کیسا پرفضا مقام ہے۔

پریونہ:۔ آگے اس سے بھی دلکش مقامات ہیں۔

انہوں نے پھر چلنا شروع کر دیا اور اس فرحت افزا مقام کو عبور کر کے ایک ایسی جگہ پہنچیں جہاں پہاڑ کا حصہ ختم ہو گیا تھا جس پر یہ دونوں تھیں اور تقریباً بیس گز کشادہ درہ چھوڑ کر پھر چٹانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ قدرت نے ان دونوں پہاڑوں کو ملحق کرنے کے لئے ان پر ایک چٹان کو اس طرح لٹا دیا تھا جیسے مشہور صناعوں اور سنگ تراشوں نے پل باندھ دیا ہو۔

یہ دونوں پل نما چٹان پر چڑھ گئیں اور اسے عبور کرنے لگیں۔ جب وہ درمیان میں پہنچیں تو طاہرہ نے نیچے جھانک کر دیکھا ایک نہایت گہرا درہ شرق سے غرب کی طرف گیا تھا اس میں ایک سفید سی لکیر نظر آتی تھی جس کے دیکھنے سے پایا جاتا تھا کہ کسی زمانہ میں اس میں دریا رواں تھا جو عرصہ ہوا خشک ہو گیا تھا اور اب اس کا سفید نشان باقی رہ گیا تھا۔

اس پل کو عبور کر کے وہ دوسرے پہاڑ پر جو اسی پہاڑ کا ٹکڑا تھا پہنچیں یہ مقام نہایت ہی دلفریب اور فرحت بخش تھا۔ عجیب قسم کے چھوٹے چھوٹے خوشنما درخت کھڑے تھے۔ پھولوں کے پودے اس کثرت سے تھے کہ تمام جگہ گلزار معلوم ہوتی تھی۔ پودوں پر نہایت

خوشنما اور خوشبودار پھول کھل رہے تھے تیز خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔

یہ اس وقت ایک اونچی چٹان پر تھیں۔ انہیں دور سے ایک گرجا کی چوٹی نظر آئی۔ جس کے منارے دھوپ میں چمک رہے تھے۔ طاہرہ نے اسے دیکھتے ہوئے پریونہ سے دریافت کیا۔ یہ کیا چیز چمک رہی ہے سامنے۔

پریونہ نے جواب دیا۔ گرجا ہے۔ وہی گرجا جس میں میں رہتی تھی اس کا پادری نہایت نیک اور بزرگ آدمی ہے۔

طاہرہ:۔ ہم بہت دور نکل آئے ہیں۔ دیکھو اتنی بلندی پر کھڑے ہونے سے بھی اسلامی لشکر نظر نہیں آتا۔ آؤ اب واپس چلیں۔

پریونہ:۔ ہاں چلیں گے ابھی ٹھہر جاؤ۔ اس دلکش مقام کو دیکھ کر میرا جی کچھ گانے کو جی چاہتا ہے۔

طاہرہ:۔ واہ واہ۔ یہ گانے کا کون سا موقع ہے۔

پریونہ:۔ موقع ہی کیا ہوتا۔ آؤ بیٹھو۔ میں تمہیں ایک گیت سناتی ہوں جس میں محبت کے دیوتا کیوپڈ کی تعریف کی گئی ہے۔

پریونہ بیٹھ گئی۔ اس کے اصرار کرنے سے طاہرہ بھی بیٹھ گئی اب پریونہ نے گانا شروع کیا۔ اس کی آواز نہایت دلکش اور شیریں تھی۔ لہجہ سریلا اور نغمہ زا تھا۔ سماں بندھ گیا۔ اگرچہ طاہرہ کو سمجھ میں ایک لفظ بھی نہ آرہا تھا کیونکہ وہ رومی زبان میں گا رہی تھی لیکن اس کی سریلی آواز نے اسے مسحور کر لیا اور وہ ہمہ تن متوجہ ہو کر اس کی طرف دیکھنے اور اس کا گانا سننے لگی۔

ابھی پریونہ گا رہی تھی کہ طاہرہ کھٹکا سن کر چونکی۔ اس نے اپنی ہوشیار نظریں اٹھا کر دیکھا اسے پندرہ بیس عیسائی ان دونوں کی طرف آتے ہوئے نظر آئے وہ گھبرا گئی۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ پریونہ! غضب ہو گیا کمبخت ڈاکو آ گئے۔

پریونہ نے گانا بند کر دیا۔ اور عیسائیوں کی طرف دیکھا۔ اسے سب سے آگے اس کا بھائی آتا ہوا نظر آیا۔ اس نے اطمینان کے لہجہ میں کہا۔ ڈاکو آ گئے۔ آنے دو۔ ہمارا کیا کر سکتے ہیں۔

طاہرہ نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔ بھاگو۔ پریونہ بھاگو۔

پریونہ نے کہا۔ بھاگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان میں ایک میرا شناسا ہے اور باقی اس کے ملازم ہیں۔

طاہرہ نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ تمہارا شناسا ہے اور وہ کون ہے۔

پریونہ:۔ قریب آجانے دو۔ خود ہی معلوم ہو جائے گا۔

اس عرصہ میں عیسائی قریب آگئے اور انہوں نے آتے ہی دونوں کے گرد حصار قائم کر لیا۔

قریاقوس نے پریونہ سے کہا۔ شاباش پریونہ شاباش تم نے خوب کام کیا۔

پریونہ نے کہا بھائی جان! جس فریب کی تعلیم تم نے مجھے دی تھی۔ میں اس میں کامیاب ہو گئی اور اس بھولی اور حسین دوشیزہ کو دام مکر میں پھنسا کر تمہارے پاس لے آئی اس وقت میرا ضمیر مجھے لعنت کر رہا ہے مجھے اس معصوم دوشیزہ کو دھوکا نہیں دینا چاہئے تھا۔

یہ گفتگو ان دونوں میں کچھ عربی اور کچھ رومی زبان میں ہوئی۔ جس سے طاہرہ نے ان کا مفہوم سمجھ لیا اب اس کی آنکھوں سے فریب کا پردہ اٹھا۔ اس نے پریونہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ پریونہ تم نے مجھے فریب دیا۔

پریونہ نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ہاں میں نے تمہیں فریب دیا اور اب میں پچھتا رہی ہوں۔

طاہرہ:۔ افسوس تم نے احسان فراموشی کی۔

پریونہ:۔ اور محسن کشی بھی۔

قریاقوس نے کہا۔ ہم وقت کو باتوں میں نہیں گنوا سکتے ہم نے ابھی اس سامنے والی چٹان پر دو مسلمانوں کو دیکھا ہے اگر انہوں نے دیکھ لیا اور وہ یہاں آگئے تو یہ آسان کام مشکل ہو جائے گا۔

طاہرہ سے' عربی دوشیزہ آؤ ہمارے ساتھ چلو۔

طاہرہ نے جوش میں آکر کہا۔ میں نہیں چل سکتی۔ بے دین عیسائیوں کے ساتھ ہرگز نہیں جا سکتی۔

قریاقوس:۔ یہ پہلے ہی سمجھ لیا گیا تھا کہ تم آسانی سے نہ چلو گی (سپاہیوں سے) بہادر سپاہیو! اسے گود میں اٹھا لو۔

فوراً" دو سپاہیوں نے بڑھ کر نازک اندام طاہرہ کو گود میں اٹھا لیا۔ اگرچہ اس نے اپنی رہائی کے لئے بہت کچھ جدوجہد کی۔ لیکن ان قوی ہیکل سپاہیوں کے پنجہ سے رہائی نصیب

نہ ہوئی۔ طاہرہ نے کہا۔ پریونہ۔ پریونہ مہربانی کرو مجھے ان درندوں سے بچاؤ۔

پریونہ نے اپنا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ قریاقوس نے کہا فضول شور نہ کرو۔ پریونہ میری بہن ہے اور میں نے اسے تمہیں لانے کے لئے بھیجا تھا۔

طاہرہ۔ تو پریونہ۔ تم سے ایسے مکر کی توقع نہ تھی۔

پریونہ نے اپنا چہرہ اٹھایا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس وقت سخت پریشان اور اپنے کئے ہوئے پر نادم ہے وہ کچھ چاہتی تھی۔ کہ قریاقوس نے سپاہیوں سے کہا۔ دلیرو۔ اسے لے چلو۔ جلدی کرو۔ فوراً" سپاہی اسے لے کر روانہ ہوئے۔ قریاقوس اور باقی سپاہی ان کے پیچھے چلے۔ پریونہ بھی کھڑی ہو گئی اور وہ بھی غمزدہ صورت بنا کر لڑکھڑاتے پیروں سے چلی۔

طاہرہ نے پھر اپنی رہائی کی جدوجہد کی۔ لیکن بہت کچھ کوشش کرنے پر بھی آزادی نصیب نہ ہوئی۔ مجبور ہو کر وہ اپنی پوری طاقت سے چلائی۔

آؤ منذر ...... منذر...... آؤ آؤ ...... بچاؤ بچاؤ ......

اس درد بھری آواز کو سن کر منذر بے تاب اور بے چین ہو گیا تھا اور اس نے زندگی کی پرواہ نہ کر کے اس چٹان سے دوسری چٹان پر جست لگائی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ منذر نے نہایت جرات سے کام کیا تھا جس جگہ سے اس نے جست لگائی تھی اور جہاں وہ پہنچنا چاہتا تھا۔ ان کے درمیان نہایت کشادہ اور گہرا شگاف تھا نہایت خطرناک کام تھا لیکن اس نے کسی بات کی پرواہ نہیں کی۔ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر جست لگائی اور خدا کی شان کہ دوسری چٹان پر جا کودا۔ وہاں اس نے ایک ٹہنی پکڑ لی اور اس طرح شگاف میں پھسلنے سے رک گیا۔ اور نہایت ہوشیاری سے کھڑا ہو کر اس طرف دیکھنے لگا جس طرف عیسائی طاہرہ کو لئے جا رہے تھے۔

اس نے جلدی سے تلوار میان سے نکالی اور عیسائیوں کی طرف دوڑا۔

قریاقوس اور اس کی جماعت نہایت اطمینان اور خاطر جمعی سے مگر کسی قدر تیز قدمی کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ ابھی تک دو عیسائیوں نے معصوم دوشیزہ کو کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا اب اس نے رہائی کی فضول جدوجہد کو چھوڑ دیا تھا اور چلانا اور غل مچانا بھی بند کر دیا تھا۔

ابھی عیسائی کچھ دور ہی چلے تھے کہ طاہرہ کے دل میں آخری جدوجہد کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ اس نے آہستہ سے اپنا داہنا ہاتھ اٹھایا اور خنجر نکال کر اس پھرتی اور قوت سے ایک عیسائی کے گھونپا کہ کوئی اس کی کارروائی کو نہ دیکھ سکا۔ اور جس کے اس نے وار لگایا وہ تڑپ کر گرا۔ اس کے گرتے ہی طاہرہ بھی گری۔ دوسرے عیسائی نے ڈر کر اسے چھوڑ دیا اور وہ کود کر الگ جا کھڑی ہوئی۔

قریاقوس اور عیسائیوں نے بہادر دوشیزہ کو دیکھا اس وقت اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا آنکھوں میں لال لال ڈورے کھنچ گئے تھے اور وہ جوش و طیش میں آئی خنجر تانے کھڑی تھی۔

قریاقوس نے کہا۔ ناز آفرین لڑکی! تم نے بڑی جرات کا کام کیا ہے لیکن سوچو تم لڑ کر ہم پر فتح نہیں پا سکتی ہو۔ اور اس لئے تمہاری اس قسم کی جدوجہد محض بیکار ہی رہے گی۔ تم نے میرے ایک آدمی کو زخمی کر دیا ہے میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ آؤ خنجر پھینک دو اور خوشی سے میرے ساتھ چلو۔

طاہرہ کا چہرہ چمک رہا تھا۔ اس نے غصہ کے لہجہ میں کہا۔ کبھی نہ چلوں گی۔ دغاباز کمینو! تم مجھے زندہ نہیں لے جا سکتے۔

قریاقوس ہنسا۔ اس نے کہا۔ خوب! کیا تم اس چھوٹے سے خنجر سے لڑنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

طاہرہ نے جوش میں آ کر کہا۔ ہاں۔ میں عربی لڑکی ہوں۔ عربی خون میری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ میں لڑوں گی اور اس وقت تک لڑوں گی جب تک مجبور نہ کر دی جاؤں۔

قریاقوس:۔ دیکھو تم حماقت نہ کرو۔ اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارے خراش نہ آ جائے۔

طاہرہ:۔ اندیشہ نہ کرو۔ میں گرفتاری کی ذلت پر عزت کی موت کو ترجیح دیتی ہوں۔

قریاقوس نے غصہ کی شان سے کہا۔ تو پھر مجبور ہو کر مجھے حملہ کرنا پڑے گا۔

طاہرہ:۔ نامرد بزدل تو کیا حملہ کر سکتا ہے۔

قریاقوس کو طرارہ آ گیا اس نے تلوار کھینچ لی۔ اور طاہرہ کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔ ابھی وہ ایک قدم بھی نہ چلا تھا کہ پریونہ نے بڑھ کر اسے روکتے ہوئے کہا۔ ٹھہر جایئے۔ آپ میرے سامنے ایک معصوم دوشیزہ پر حملہ نہیں کر سکتے۔

قریاقوس:۔ مگر میں مجبور ہو کر ایسا کر رہا ہوں۔

پریونہ:۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس معصوم حسن کی دیوی کو ورغلا کر فریب دے کر لائی۔ اب پچھتا رہی ہوں تم ...... کیا کیا تم اسے میرے سامنے قتل کرنا چاہتے ہو۔

قریاقوس:۔ لیکن اس نے میری توہین کی ہے۔

پریونہ:۔ اسے غصہ ہے اور اس لئے اس کے کہنے پر خیال نہ کرو۔

اب بریونہ طاہرہ کی طرف بڑھی۔ اس نے کہا۔ عربی دوشیزہ! غصہ تھوک دو۔ خنجر مجھے دے دو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ ان میں سے کوئی بھی تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

طاہرہ نے جوش و غصہ میں آ کر کہا۔ خبردار! فریب کار ساحرہ! میرے قریب نہ آنا۔ جو کوئی بھی میرے پاس آئے گا۔ میں اسے خنجر مار کر ہلاک کر دوں گی۔

بریونہ ڈر گئی۔ اسے اس کے قریب جانے کی جرات نہ ہوئی۔

قریاقوس نے ایک سپاہی کی طرف کچھ اشارہ کیا۔ وہ تلوار کھینچ کر بڑھا۔

طاہرہ غضبناک شیرنی کی طرح اس کی طرف جھپٹی۔ سپاہی نے تلوار اٹھائی۔ طاہرہ نے جھپٹ کر اس کے خنجر گھونپ دیا۔ وہ آہ کر کے پیچھے کی طرف گرا۔ طاہرہ نے خنجر نکالا۔ اس سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے۔

ابھی وہ اچھی طرح کھڑی بھی نہ ہوئی تھی کہ پیچھے کی طرف سے قریاقوس نے آ کر اس کا وہ ہاتھ جس میں خنجر تھا مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

طاہرہ نے رہائی کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے کہا۔ دغاباز بزدل کمینہ!

قریاقوس نے ڈپٹ کر کہا۔ بس خنجر پھینک دے۔

طاہرہ نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ بہادر ہے تو مرد بن کر مقابلہ کر۔

قریاقوس نے اس کا نازک ہاتھ موڑ کر خنجر چھین کر پھینک دیا۔ اور اس کا نرم و نازک ہاتھ اپنے آہنی ہاتھ کی گرفت میں لے کر کہا۔ ناز آفرین دوشیزہ! تم لڑنے کے لئے نہیں ہو۔ آؤ چلو۔"

طاہرہ نے زور کرتے ہوئے کہا۔ ہٹ جا بدکار! اپنے ناپاک ہاتھ میرے جسم کو نہ لگا۔

طاہرہ جوش میں بھری ہوئی تھی۔ اگرچہ وہ نازک اور نازنین تھی۔ مگر اس وقت اس میں اس قدر قوت اور طاقت آ گئی تھی کہ وہ قریاقوس کو جھٹک کر دھکیل کر پیچھے ہٹا رہی تھی۔

قریاقوس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر کے کہا۔ اسے اپنے قابو میں کر کے لے چلو۔

فوراً" دو سپاہی بڑھے اور انہوں نے نازنین طاہرہ کو اپنی گرفت میں لینا چاہا۔

طاہرہ نے بلند آواز سے پھر کہا۔ "منذر۔ آؤ منذر۔"

ابھی اس کی آواز ہی گونج رہی تھی کہ ایک رعب دار آواز آئی۔ طاہرہ ...... طاہرہ ...... میں آ گیا۔

جب طاہرہ نے اس آواز کو سنا تو اس نے اس طرف جس طرف سے آواز آئی تھی

دیکھا۔ اسے منذر برہنہ تلوار لئے بھاگ کر آتا ہوا نظر آیا اسے دیکھتے ہوئے فرط مسرت سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

ساتھ ہی قریاقوس اور اس کے ساتھیوں نے بھی دیکھا وہ اسے دیکھ کر متعجب ہوئے۔ قریاقوس نے جلدی سے کہا۔ طاہرہ کو چھوڑ دو۔ اور اس خونخوار بھیڑیئے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

عیسائی سپاہیوں نے طاہرہ کو چھوڑ دیا۔ وہ حیرت انگیز چابکدستی کے ساتھ بھاگ کر منذر کے پاس پہنچی۔ منذر نے اپنے ہاتھ پھیلا دئے۔ طاہرہ بے ساختہ اس کے سینہ سے جا لگی۔

قریاقوس یہ نظارہ دیکھ کر جل گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو للکار کر کہا۔ دلیرو! دیکھتے کیا ہو بڑھو اور اس وحشی مسلمان کا خاتمہ کر دو۔

عیسائی دیکھ چکے تھے کہ ایک نازک اندام مسلم دوشیزہ نے بے بس ہوتے ہوئے بھی دو سپاہی زخمی کر دیئے تھے۔ منذر نوجوان اور پرجوش تھا۔ تلوار لئے ہوئے تھا۔ غضبناک نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا اس لئے انہیں اس کی طرف بڑھنے کی جرات نہ ہوئی۔

قریاقوس اپنے سپاہیوں کی دون ہمتی دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا اس نے گرج کر کہا۔ کمینو۔ کیا دیکھ رہے ہو۔ بڑھو۔ اور اس اجل رسیدہ مسلمان کے دو ٹکڑے کر دو۔

عیسائی سپاہی تقریباً ۱۸ تھے۔ جو جوش میں آ کر منذر کی طرف جھپٹے۔

منذر نے آہستہ سے مدہوش طاہرہ کو اپنے سینہ سے الگ کیا۔ وہ ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ عیسائی قریب آ کر رکے۔ منذر نے کہا۔ دیکھو تم اس بدکار شخص کے ابھارے میں آ کر اپنی عزیز جان کو نہ گنواؤ۔ بیکار جنگ نہ کرو۔

ایک عیسائی نے کہا۔ آپ اس خوبصورت لڑکی کو ہمارے حوالہ کر دیں۔ پھر ہم جنگ نہ کریں گے۔

منذر:۔ یہ لڑکی مسلمان ہے اور اس لئے اسے لے جانے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔

وہی عیسائی:۔ اور ہم عرصہ سے اس کی تلاش میں یہاں پڑے ہوئے ہیں۔

منذر:۔ مگر یہ بات شرافت اور انسانیت کے خلاف ہے۔

وہی عیسائی:۔ ہم انسانیت اور شرافت کو نہیں جانتے۔

منذر۔ تو اطمینان رکھو اب یہ لڑکی نہیں دی جا سکتی۔

قریاقوس نے کہا۔ بس حجت ختم ہو گئی۔ اب حملہ کرو۔

فوراً عیسائیوں نے تلواریں کھینچ لیں اور منذر پر حملہ آور ہوئے۔

منذر نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگا کر نہایت جوش سے جھپٹ کر حملہ کیا اس پہلے ہی حملہ میں اس نے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔

جب عیسائیوں نے اپنے ایک ساتھی کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا تو ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ انہوں نے جوش میں آکر حملہ کر دیا۔

ایک دم کئی تلواریں منذر کی طرف لپکیں۔ اس نے بھی پینترا بدل کر حملہ کیا۔ اس حملہ میں بھی اس نے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔

اب عیسائیوں کے جوش و غضب کی انتہا نہ رہی انہوں نے غضبناک ہو کر نہایت شدت سے حملہ کیا۔

منذر بھی غیظ و غضب میں بھرا ہوا تھا۔ اس نے پینترے بدل بدل کر حملہ آوروں کے وار خالی کر دیے اور پھر خود بھی جھپٹ کر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں بھی اس نے ایک عیسائی کو قتل کر ڈالا۔ اس طرح اس نے اب تک تین عیسائیوں کو اجل کی آغوش میں پہنچا دیا۔

جوں جوں منذر عیسائیوں کو قتل کرتا جاتا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوتا جاتا تھا اور جسم میں چستی اور پھرتی آتی جاتی تھی چنانچہ بڑھ بڑھ کر جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہا تھا۔

ایک طرف قریاقوس کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اسے منذر پر بڑا غصہ آ رہا تھا۔ وہ غصہ سے دانت پیس رہا تھا۔ مگر اتنی جرات نہ ہوتی تھی کہ خود بھی لڑائی میں شریک ہو جائے۔

ایک طرف پروینہ کھڑی حیرت بھری نگاہوں سے منذر کو لڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اسے رہ رہ کر تعجب آ رہا تھا کہ تنہا ایک مسلم نوجوان کس طرح ۱۸۔ ۱۸ عیسائیوں سے کس بے جگری کے ساتھ لڑ رہا تھا اور کیسے عیسائیوں کو قتل کر رہا تھا۔

منذر کی پشت کی طرف ماہ پارہ طاہرہ کھڑی تھی جو امید و بیم کی نگاہوں سے منذر کو تک رہی تھی اور اپنے دست ناز اٹھائے خدا سے اس کی فتح یابی کی دعا مانگ رہی تھی۔

منذر نہ قریاقوس کو دیکھ رہا تھا۔ نہ پروینہ اور نہ طاہرہ کو بلکہ وہ ان عیسائیوں کو دیکھ رہا تھا جو اس سے لڑ رہے تھے اور ان پر لپک لپک کر حملے کر رہا تھا۔

اس نے یکے بعد دیگرے دو حملے کر کے دو اور عیسائیوں کو ڈھیر کر دیا تھا اور اس

طرح اب تک وہ پانچ آدمیوں کو مار چکا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسلمانوں ہی کا دل گردہ ہے کہ وہ کسی خطرہ کا بھی خیال نہیں کرتے جب انہیں غصہ آجاتا ہے تو پھر چاہے کیسی ہی طاقت ان کے سامنے آجائے وہ اس کے مقابلہ میں ڈٹ جاتے ہیں۔

قدرت نے مسلمانوں کو ایسا جوش اور ایسی قوت عطا کی ہے کہ کوئی قوم ان کا مقابلہ ہی نہیں کر سکتی اور یہی جوش و قوت انہیں فتح یاب کر دیتا ہے۔

منذر مسلمان تھا ڈرنا گھبرانا جانتا ہی نہ تھا ایسے جان لیوا حملے کر رہا تھا کہ ۱۸ عیسائیوں کو قتل کر چکا تھا اور جس جوش و خروش سے وہ حملے کر رہا تھا ان سے پایا جاتا تھا کہ وہ ان سب کو قتل کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔

اگرچہ وہ کود کر اور دور سے بھاگ کر آیا تھا اور جب سے آیا تھا نہایت جوش خروش سے لڑ رہا تھا۔ ان سے پایا جاتا تھا کہ وہ ان سب کے قتل کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔ اس لئے کسی قدر تھک گیا تھا لیکن اس پر بھی ابھی تک بڑے ہی جوش و خروش سے لڑ رہا تھا کسی کو یہ خیال نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ تھک گیا ہے۔

عیسائی بھی سمجھ گئے تھے کہ ایسے جن سے پالا پڑا ہے جو انہیں سب کو ہی قتل کر کے دم لے گا۔ وہ بھاگنا چاہتے تھے لیکن اس خوف سے نہ بھاگتے تھے کہ انہیں اندیشہ تھا کہ قریاقوس انہیں قتل کرا دے گا۔

وہ لڑ رہے تھے۔ مگر اب جارحانہ حملے نہیں کر رہے تھے بلکہ اس کے حملوں کو روک رہے تھے۔

منذر جوش میں آکر جھپٹ کر حملے کر رہا تھا۔ اور ہر حملہ میں ایک نہ ایک عیسائی کو قتل کر ڈالتا تھا۔

عیسائی چیختے تھے۔ مگر جو زخمی ہو کر گرتا تھا۔ وہ اپنی خوفناک چیخ سے پہاڑی کو گونجا دیتا تھا۔ یا جب منذر نعرہ تکبیر بلند کرتا تھا تو گونج پیدا ہو جاتی تھی۔

قریاقوس نے یہ کیفیت دیکھ کر سمجھ لیا کہ عیسائی منذر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسے بڑا غصہ آ رہا تھا کہ ایک مسلم کو ۱۸۔ ۱۸ عیسائی زیر نہ کر سکے۔ لیکن اس نے غصہ کو ضبط کیا۔ اور مکر و فریب کا جال بچھایا۔

وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر آہستہ آہستہ بڑھتا طاہرہ کے قریب پہنچ گیا طاہرہ اس وقت ہمہ تن متوجہ ہوئی۔ منذر اور اس کی لڑائی کا تماشہ دیکھ رہی تھی اس نے قریاقوس کو اپنی

طرف آتے ہوئے نہیں دیکھا۔

قریاقوس نے اس کے قریب پہنچتے ہی اسے اپنی گود میں اٹھا لیا۔

چونکہ طاہرہ غافل کھڑی تھی اس لئے ڈر گئی اور ڈرنے کی وجہ سے بے ساختہ اس کی چیخ نکل گئی۔

اس کی چیخ کی آواز منذر نے سنی۔ وہ پھر تڑپ اٹھا اور حملہ آور عیسائیوں کے سامنے سے ہٹ کر قریاقوس کی طرف جھپٹا۔

جنگی اصول سے یہ اس نے زبردست غلطی کی اسے یہ چاہئے تھا کہ وہ اپنے سامنے والوں سے اس وقت تک جنگ کرتا رہتا جب تک ان کا خاتمہ نہ ہو جاتا۔ یا وہ ہتھیار نہ ڈال دیتے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اور اس لئے اس کا خمیازہ بھگتا۔

جوں ہی وہ عیسائیوں کی طرف سے ہٹ کر قریاقوس کی طرف جھپٹا فوراً ہی عیسائی اس کی پشت کی طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے اس پر تلواروں سے حملہ کیا۔

منذر کی ساری توجہ طاہرہ اور قریاقوس کی طرف تھی اس لئے وہ ان کے حملہ کو روک نہ سکا۔ ایک تلوار اس کے شانہ پر پڑی جو گہرا زخم لگاتی ہوئی گزر گئی۔

منذر کے زخم سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا اس کے قدم لڑکھڑا گئے اور وہ ایک لمبی آہ کھینچ کر گرا۔

طاہرہ نے اسے گرتے ہوئے دیکھ لیا۔ اس کا چہرہ زرد ہو کر سفید ہو گیا آنکھیں پتھرا گئیں اور اس پر غشی طاری ہو گئی۔

قریاقوس نے سپاہیوں سے کہا۔ آؤ آؤ چلو۔ کہیں اور مسلمان نہ آجائیں پریونتہ جلدی آ۔

پریونتہ منذر کی طرف بڑھی۔ اس نے کہا۔ جاؤ بھائی جان تم جاؤ میں نہیں جا سکتی۔

یہ کہہ کر وہ منذر کے پاس بیٹھ گئی اس وقت منذر بے ہوش ہو گیا تھا۔

قریاقوس نے اسے حیرت سے دیکھ کر کہا۔ تم نہیں چلتی ہو۔

پریونتہ۔ ہاں میں نہیں جا سکتی۔

قریاقوس۔ کیوں۔

پریونتہ۔ اس لئے کہ میرے دل پر اس نوجوان کی دلیری نے گہرا اثر کر لیا ہے اور میں اسے تنہا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔

قریاقوس۔ مگر یہ مر چکا ہے یا مرنے والا ہے۔

پریونتہ۔ تم جاؤ۔ میں اس کے پاس رہوں گی۔

قریاقوس نے دو سپاہیوں کو وہاں رہنے کا حکم دیا۔ اور سمجھا دیا کہ جب پریونتہ کا غصہ فرو ہو اسے لے کر آجائیں اور خود بے ہوش طاہرہ کو لے کر چلا اور چٹانوں کے پیچھے جا کر غائب ہو گیا۔

نواں باب

زخمی دوست

جب منذر اس چٹان پر سے کود پڑا۔ جس پر وہ اور اس کا دوست حارث کھڑے تھے تو حارث نے یہ سمجھ لیا کہ منذر غار میں گر کر مر جائے گا لیکن جب وہ صحیح و سالم دوسری چٹان پر پہنچ گیا تو حارث کو سخت تعجب ہوا۔ اس نے اس کی سلامتی پر خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر بھی اسے یہ حیرت رہی کہ کون سا جذبہ تھا جس نے منذر کو بے چین کر دیا اور وہ ایسے خطرناک مقام سے جست لگا کر اس طرف پہنچ گیا۔

اس نے بھی چاہا کہ جست لگائے لیکن ہمت نہ پڑی اور وہ ٹھٹک کر کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

اس میں شک نہیں کہ منذر کو جذبہ محبت ایسے خوفناک غار کے پار لے گیا ورنہ وہ بھی حارث کی طرح ٹھٹک کر رہ جاتا۔

جب حارث نے اس سے تلوار سونت کر بھاگتے ہوئے دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ دلیر و پرجوش منذر جاتے ہی عیسائیوں پر حملہ کر دے گا۔ وہ اس بات کا خیال نہیں کرے گا کہ عیسائی ہلف عا ہیں اور وہ تنہا ہیں۔

اسے پھر اس کی سلامتی کی فکر لاحق ہو گئی اور وہ وہاں سے تیزی کے ساتھ چلا تاکہ کسی دوسرے راستہ سے خوفناک غار کو عبور کر کے اپنے دوست کی مدد کو پہنچ جائے۔

وہ حیرت انگیز تیزی کے ساتھ چٹان سے نیچے اترا اور کھڑا ہو کر وہ جلد سے جلد عیسائیوں کے پاس پہنچ جائے۔

چونکہ وہ پہاڑ پر پہلی ہی مرتبہ آیا تھا اس لئے اس سے بالکل بھی واقف نہ تھا نہ راستوں سے واقف تھا نہ چٹانوں اور غاروں کو جانتا تھا مگر اس نے خیال دوڑایا اور قیاس کی بنا پر دائیے ہاتھ کی جانب روانہ ہوا۔

جس تیزی سے وہ چٹان سے نیچے اترا تھا اسی تیزی سے بلکہ اس سے بھی زیادہ تیزی سے دوڑا۔

راستہ ناہموار تھا۔ ہر جگہ اور ہر طرف پتھر بے ترتیبی سے بکھرے پڑے تھے اور ان میں سے اکثروں پر سبزہ لگا ہوا تھا درخت کھڑے تھے اس لئے ان پر تیزی کے ساتھ چلنا مشکل تھا۔

مگر حارث برابر دوڑ رہا تھا۔ چونکہ وہ ڈھیلے دامنوں کی عبا پہنے تھا۔ اس لئے دوڑنے میں عبا کے دامن خاردار جھاڑیوں یا درختوں کی شاخوں پھولوں کے پودوں میں الجھ جاتے تھے اور چونکہ وہ دامنوں کو چھڑانے کی کوشش نہ کرتا تھا اس لئے وہ پھٹتے جاتے تھے۔

لیکن اسے کسی بات کا خیال نہ تھا۔ اسے صرف ایک دھن جلد سے جلد منذر کی مدد کے لئے پہنچنے کی تھی اور وہ اسی دھن میں دوڑا چلا جا رہا تھا۔

کئی جگہ میں ٹھوکر کھا کر جھکا اور مشکل سے گرتے گرتے بچا۔ لیکن سنبھلا۔ کھڑا ہوا اور پھر تیزی سے دوڑ پڑا۔

وہ کئی چٹانوں کو پھلانگ کر کئی گھاٹیوں میں گھس کر ایک کھلے ہوئے میدان میں پہنچا۔ یہ تمام میدان بھی سبزہ زار تھا۔ اس میں گھاس کھڑی تھی اور درخت لہلہا رہے تھے۔

اس نے جب نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اسے کسی گرجے کے منارے دھوپ میں چمکتے نظر آئے وہ سمجھ گیا کہ غلطی سے وہ اس جگہ سے جہاں منذر گیا ہے کچھ آگے بڑھ آیا ہے۔

وہ فوراً مڑا اور دوڑ کر ایک چٹان پر چڑھنے لگا اگرچہ یہ چٹان پھسلواں اور قدرے سیدھی تھی اس پر چڑھنا دشوار تھا مگر اس نے دشواری کا مطلق خیال نہیں کیا اور اس پر برابر تیزی سے دوڑتا چلا گیا۔

جب وہ اس کے اوپر پہنچا اور اس نے کھڑا ہو کر سامنے نظر کی تو اسے منذر عیسائیوں سے لڑتا نظر آیا۔ وہ بے چین ہو گیا اور اس نے اس چٹان کے دوسری طرف اترنے کی کوشش کی لیکن راستہ نہ ملا اور پھر پھرتی کے ساتھ چٹان کے اوپر سے نیچے اترنے لگا۔

جتنی دیر اسے اس پر چڑھنے میں لگی تھی اتنی دیر اترنے میں لگی اس نے نیچے پہنچتے ہی بائیں طرف رخ کیا اور ایک شگاف میں گھس گیا۔

یہ شگاف اس قدر تنگ تھا کہ وہ مشکل ہی سے اس میں چل رہا تھا اس کے دونوں بازو دونوں طرف اٹھنے والی چٹانوں سے مس ہوتے جا رہے تھے اور اوپر تقریباً پچیس تیس فٹ کی بلندی پر کچھ پتھر لٹکے ہوئے تھے۔ جنہیں دیکھ کر خوف معلوم ہوتا تھا کہ کہیں وہ گر نہ پڑیں۔

لیکن اس نے نہ اس خوف کی پرواہ کی اور نہ اس کی تنگی کا خیال کیا وہ بے دھڑک اس کے اندر گھستا چلا گیا۔

وہ خوب جانتا تھا کہ اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ منذر کی مدد کے لئے جلد سے جلد پہنچنا ضروری ہے اس لئے نہایت تیزی سے جا رہا تھا۔

مگر پھر بھی اسے گھاٹیوں میں ٹکراتے عرصہ لگ ہی گیا۔ جب وہ اس شگاف سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا ہے جسے کنوئیں سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ گول دائرہ میں اونچی اونچی چٹانیں کھڑی تھیں۔ سوائے اس راستہ کے جس سے وہ آیا تھا اور کوئی راستہ کسی طرف جانے کا نظر نہ آتا تھا۔

یہاں پہنچ کر اسے بڑی وحشت ہوئی۔ اس نے ہندوستان کے شاعری اندر سبھا نہیں پڑھی تھی۔ ورنہ وہ اس کنوئیں کو دیکھ کر یہی سمجھ لیتا کہ شاید وہ کنواں ہو جس میں راجہ اندر کے حکم سے گلفام کو قید کیا گیا تھا۔

اس نے جب اوپر کی طرف دیکھا تو آسمان بہت دور تارہ کی طرح چھوٹا نظر آیا۔ وہ گھبرا گیا اور اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔

اتفاق سے ایک طرف ایک چھوٹی سی نالی کی طرح ایک سوراخ نظر آیا۔ وہ بے دھڑک اس سوراخ میں گھس گیا جوں جوں وہ آگے بڑھتا تھا روشنی غائب ہوتی اور اندھیرا پھیلتا جاتا تھا۔

مگر اس نے اندھیرے کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی اور برابر بڑھتا ہی رہا۔ کچھ دور چل کر اسے پھر روشنی نظر آئی اور اب اس نے روشنی میں دیکھا تو ایک تنگ گھاٹی بتدریج اوپر کو اٹھتی چلی گئی تھی۔

وہ جلدی جلدی چڑھنے لگا جب گھاٹی ختم ہوئی تو وہ ایک چٹان پر کھڑا ہوا تھا اور اس چٹان سے ذرا ہی سے فاصلہ پر یوحنا کو ایک زخمی کے پاس پر اس نے بیٹھے دیکھا۔

وہ بیتاب ہو کر دوڑا اور یوحنا کے پاس پہنچ گیا اس نے پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا کہ زخمی پڑا ہوا شخص اس کا دوست منذر تھا جو بالکل بیہوش تھا۔

اس کا دامن صبر چھوٹ پڑا۔ وہ بے تابانہ دوڑا اور اس نے چاہا کہ دوڑ کر اپنے دوست سے لپٹ جائے کہ آواز آئی خبردار۔

وہ سنبھل گیا۔ اب جو اس نے نظر اٹھائی تو اسے دو عیسائی ننگی تلواریں لئے کھڑے نظر آئے۔

انہوں نے ان دونوں کو نہیں دیکھا تھا اب جو دیکھا تو آنکھوں میں خون اتر آیا۔

جلدی سے تلوار کھینچی اور نہایت جوش سے حملہ کر دیا۔

ابھی عیسائی سنبھلنے بھی نہ تھے کہ ان میں سے ایک پر حارث کی تلوار پڑی اور اس کا سر اڑ گیا۔

دوسرا اپنے ایک ساتھی کو قتل ہوتے دیکھتے ہی بے اختیار بھاگ پڑا۔

حارث جوش و غضب سے بھرا ہوا تھا وہ بھی اس کے پیچھے بھاگا اور اس کے قریب پہنچ کر اس کے سر پر تلوار ماری سر کی پھانکیں نکل گئیں اس نے ایک خوفناک چیخ ماری اور مردہ ہو کر گرا۔

اب وہ لوٹا اور منذر کے پاس آکر کھڑا ہوا اس نے اسے دیکھا۔ اس کے شانہ سے اب تک خون نکل نکل کر بہہ رہا تھا چونکہ زیادہ خون نکل گیا تھا اس لئے وہ نحیف ہو گیا تھا چہرہ کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔

حارث نے پریونہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پریونہ! یہ کیا ہوا۔

پریونہ نے اپنی نگاہیں اٹھائیں۔ ان میں ندامت کی جھلک تھی۔

اس نے کہا۔ میں بتاؤں گی ....

حارث:- یہ کون لوگ تھے؟

پریونہ:- عیسائی تھے۔

حارث:- کیا وہ طاہرہ کو پکڑ لے گئے۔

پریونہ:- جی ہاں۔

حارث:- کچھ بتا سکتی ہو کہاں لے گئے ہیں وہ۔

پریونہ:- بتا سکتی ہوں۔ مگر آپ کا وہاں جانا مناسب نہیں ہے۔

حارث:- کیوں۔

پریونہ:- اس لئے کہ وہ سینکڑوں ہیں اور آپ اکیلے ہیں۔

حارث:- اس کی پرواہ نہ کرو۔ مجھے بتا دو۔ وہ بزدل مکار کہاں ملیں گے۔

پریونہ:- وہاں جانے میں آپ کی جان کا خطرہ ہے۔

حارث:- کچھ اندیشہ نہ کرو۔ مسلمان لڑنے اور لڑ کر شہید ہونے ہی کے لئے پیدا ہوا ہے ان کی تعداد کتنی ہو گی۔

پریونہ:- ڈھائی سو کے قریب ہیں۔

حارث:- کچھ پرواہ نہیں۔ ہم وہ ہیں جو ایک ایک آدمی ایک ایک ہزار سے لڑ چکے ہیں۔ اس کا شاہد یرموک کا مشہور معرکہ ہے جو قیامت تک مسلمانوں کی یادگار باقی رکھے گی۔

پریونہ:- لیکن تمہارا یہ دوست خطرہ کی حالت میں ہے پہلے اس کی خبر لیجئے۔ اگر خون زیادہ نکل گیا اور روکا نہ گیا تو اندیشہ ہے کہ کہیں ان کا خاتمہ نہ ہو جائے۔

حارث کھڑا ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پریونہ نے کہا۔ یہ سوچنے کا وقت بھی نہیں ہے آپ ان کے پاس ٹھہریں اور میں پانی لاتی ہوں۔ اس سے ان کا زخم دھو کر پٹی کس دیجئے تاکہ خون کی روانی بند ہو جائے۔

حارث:- لیکن طاہرہ..........

پریونہ:- وہ ابھی زندہ ہے۔ اور انشاء اللہ زندہ رہے گی۔ اس کے لئے کوئی اندیشہ ہے نہ فکر کرنے کی ضرورت۔ لیکن ان کے لئے خطرہ ہے۔

حارث:- پانی کہاں ہے۔

پریونہ:- یہاں سے قریب ہی ہے۔

حارث:- تو کیوں نہ اسے اٹھا کر وہیں لے چلوں۔

پریونہ:- یہ اور بھی اچھا ہے۔

حارث نے آہستگی سے منذر کو اٹھایا اور چلا۔ پریونہ آگے آگے چلی کچھ پتھروں کو پھلانگ کر وہ ایک چشمہ کے کنارہ پہنچے۔

حارث نے آہستہ سے منذر کو کنارہ پر لٹایا اور پانی سے زخم کو دھو کر اپنا عمامہ پھاڑ کر اور ایک دھجی کی گدی بنا کر زخم پر رکھی اور پٹی کس دی۔

منذر اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ اس نے نہ آنکھ کھولی نہ اسے ہوش آیا۔ اب تو حارث کو تعجب ہوا۔ اس نے کہا۔ پریونہ! اس میں زندگی کے آثار ہی نہیں معلوم ہوتے۔

پریونہ نے کہا۔ یہ زندہ ہے۔ محض بے ہوش ہے۔ میرے خیال میں اسے اٹھا کر اسلامی لشکر گاہ میں لے چلئے۔

حارث:- اور طاہرہ۔

پریونہ:- سردست اس کا خیال چھوڑ دیجئے۔

حارث نے جوش میں آکر کہا۔ یہ نہیں ہو سکتا میں اپنے دوست کا مکار عیسائیوں سے انتقام لوں گا۔

پریونہ:- ضرور انتقام لینا ابھی نہیں۔ اگر تمہارے اس دوست کو طبی امداد پہنچ جائے

تو امید ہے کہ یہ بچ جائے گا اور اگر آپ لڑنے کے لئے چلے گئے اور فرض کیجئے آپ نے اس کا انتقام بھی عیسائیوں سے لے لیا اور یہ مر گیا تو کیا آپ کو پھر بھی افسوس نہ ہو گا۔

میرے خیال میں آپ اسے لشکر گاہ میں پہنچا کر اور چند اور مسلمانوں کو لے کر یہاں آئیں اور پھر انتقام لیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔

حارث: تمہارا مشورہ معقول ہے۔ کیا تم بھی میرے ساتھ چلو گی۔

پریوش: ہاں اگر تم مجھے لے چلنا مناسب سمجھو گے تو چلوں گی۔

حارث: اچھا آؤ۔ میں اسے اٹھا کر لے چلتا ہوں تم اگر راستہ سے واقف ہو تو میری رہبری کرو۔

پریوش: ہاں میں واقف ہوں۔ چلئے۔

حارث نے منذر کو اٹھایا۔ پریوش آگے آگے بطور راہبر کے چلی اور حارث اس کے پیچھے روانہ ہوا۔

پرجوش اسلامی سفیر

عمرو راہبر کے ہمراہ روانہ ہو گئے تھے۔ چونکہ وہ جلد سے جلد وہاں پہنچنا چاہتے تھے۔ اس لئے رات دن چلے جا رہے تھے۔ بہت کم قیام اور آرام کرتے تھے انہیں راستہ میں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ راس العین کا بادشاہ شہریاض عظیم الشان اور کثیر التعداد لشکر فراہم کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں آنے کی تیاری کر رہا ہے۔ انہیں مختلف لوگوں نے اس کے لشکر کی مختلف تعداد بھی بتائی تھی۔ بعض دو لاکھ کہتے تھے۔ بعض ڈیڑھ لاکھ اور بعض دو لاکھ سے زیادہ بتاتے تھے۔

شہریاض نے جن والیان ملک کو امداد نامے لکھے تھے ان میں سے زیادہ تعداد نے امدادی لشکر بھیج دئے تھے اور جو رہ گئے تھے وہ بھیجنے والے تھے یا بھیج رہے تھے۔

عمرو مشہور مقامات سروج، باجساج اور یدلیس ہوتا ہوا اخلاط پہنچا جس وقت وہ اخلاط کے قریب پہنچا تو رات ہو چکی تھی اور رات ہو جانے کی وجہ سے قلعہ کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔

چاندنی رات تھی چاند نکلا ہوا تھا۔ چاندنی چٹک رہی تھی۔ اگرچہ زیادہ رات نہیں ہوئی تھی لیکن وحشت خاموش ہوتی جا رہی تھی۔ قلعہ کے باہر بالکل سکوت طاری تھا البتہ کبھی کبھی قلعہ کے اندر سے کچھ مدھم سے شور کی آواز آجاتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ قلعہ کے اندر رقص و سرور کی محفلیں گرم ہیں اور عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے لوگ محظوظ ہو کر قہقہے لگا رہے ہیں۔

عمرو اور راہبر دونوں ایک درخت کے نیچے ٹھہر گئے۔ سردی کا زمانہ تھا سرد ہوا کے خفیف جھونکے چل رہے تھے۔ عمرو عربستان جیسے گرم ملک کے رہنے والے تھے انہیں سردی زیادہ معلوم ہونے لگی تھی۔ وہ سیاہ کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے گھوڑا درخت سے باندھ دیا اور نمگیرہ گھاس پر بچھا کر کاٹھی سرہانے کی طرف رکھ لی تھی۔ ایسا ہی ان کے ساتھی راہبر نے بھی کیا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے نماز پڑھی۔ پھر کھجوریں نکال کر کچھ راہبر کو دیں اور کچھ خود کھائیں۔ پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کر کے نمگیرہ پر پڑ گئے۔

نہایت آرام سے رات بھر سوتے رہے صبح بہت سویرے بیدار ہو گئے ضروریات سے فراغت کر کے وضو کیا۔ اذان کہی۔ نماز پڑھی اور اطمینان سے بیٹھ کر تلاوت کرنے لگے۔ تقریباً نصف پارہ قرآن شریف کا پڑھ کر اٹھے اور زین گھوڑے پر کس کر قلعہ کا دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگے۔

ان کے ساتھ جو راہبر تھا وہ عیسائی تھا۔ اس نے نہ عبادت کی نہ منہ ہاتھ دھوئے بلکہ ضروریات سے فراغت کر کے درخت سے ذرا فاصلہ پر دھوپ میں بیٹھ گیا۔

اس وقت آفتاب طلوع ہو چکا تھا دھوپ قلعہ کی فصیل، درختوں کی چوٹیوں اور کھلے ہوئے میدان میں پڑنے لگی تھی۔

کچھ دیر کے بعد قلعہ کا دروازہ کھلا اور عیسائیوں کے لشکر کے دستے مسلح ہو ہو کر باہر نکلنے لگے۔

عمرو نے قیاس کر لیا کہ شاید آج اخلاط سے یہ لشکر شہریاض کی مدد کے لئے جا رہا ہے انہیں افسوس ہوا کہ وہ ایک روز پہلے کیوں نہ آئے مگر انہوں نے طے کر لیا کہ اخلاط کے بادشاہ سے مل کر اور اسے تمام معاملات سمجھا کر اس امدادی لشکر کو واپس بلوانے کی کوشش کریں گے۔

عیسائی لشکر قلعہ سے نکل نکل کر میدان میں پھیلتا جاتا تھا اور نہایت وسیع بیضاوی دائرہ بنا کر کھڑا ہوتا جاتا تھا۔

عمرو نے راہبر سے کہا۔ معلوم ہوتا ہے یہ لشکر کہیں باہر جانے کا ارادہ نہیں رکھتا ہے ورنہ بیضوی دائرہ بنا کر کھڑا ہونے کا کیا مطلب ہے۔

راہبر نے کہا۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے آپ یہیں ٹھہریں میں جا کر خبر لاتا ہوں۔

راہبر چلا گیا۔ عمرو درخت کے سایہ میں بیٹھ کر اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگے تھوڑی دیر کے بعد وہ آگیا۔ اس نے کہا یہ لشکر کہیں جا نہیں رہا ہے بلکہ شہزادی طاریون کی جنگ کا تماشہ دیکھنے اور انتظام کرنے کے لئے آیا ہے۔

عمرو کو طاریون کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔ انہوں نے دریافت کیا یہ کیسی جنگ ہے کس کے ساتھ ہو گی۔

راہبر: شاید آپ کو شہزادی طاریون کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے۔

عمرو: ہاں مجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔

راہبر: شہزادی طاریون نہایت حسین اور بہادر ہے۔ اس نے عہد کیا ہوا ہے کہ جو شخص جنگ کر کے اس پر فتح یاب ہو گا وہ اس کے ساتھ شادی کرے گی چنانچہ بہت سے شہزادے بڑے دعووں کے ساتھ آئے لیکن آج تک کوئی بھی اسے زیر نہیں کر سکا۔

عمرو: عجیب بات ہے یہ تو۔ ایک حسین لڑکی اور اس قدر بہادر ہے۔

راہبر: جی ہاں وہ ایسی ہی بہادر ہے اب جبل السماعنہ کے بادشاہ سلسور کا بیٹا سوئی آیا ہے وہ بھی خوبصورت اور بہادر ہے۔ آج شہزادی طاریون اس کے ساتھ جنگ کرے گی۔

عمرو: چلو ہم بھی جنگ کا تماشہ دیکھیں گے۔

راہبر: بہتر ہے لیکن ذرا توقف کیجئے۔ جب عوام الناس آجائیں اور بادشاہ اور شہزادی آئیں تب چلئے گا۔

عمرو: مناسب ہے۔

جب لشکر کھڑا ہو چکا تو عام عیسائی جوق جوق آنے اور میدان میں کھڑے ہونے لگے اس کثرت سے لوگ آئے کہ تمام بھر گیا۔

چند عیسائیوں نے عمرو کو دیکھ لیا چونکہ عیسائیوں کو معلوم تھا کہ عربوں نے جزیرہ کے زیادہ حصہ پر قبضہ کر لیا ہے اس لئے قدرتی طور پر ان کے دل میں عربوں کی طرف سے نفرت اور غصہ پیدا ہو گیا تھا۔

عمرو کو دیکھتے ہی انہوں نے جوش میں آکر شور کیا۔ شور کے بلند ہوتے ہی تمام عیسائیوں کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔

عمرو جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ انہوں نے راہبر سے دریافت کیا۔ یہ لوگ شور کیوں مچانے لگے ہیں۔

راہبر نے جواب دیا۔ آپ کو دیکھ کر۔ عیسائی عام طور پر عربوں سے خصومت رکھتے ہیں۔ وہ تمہیں دیکھ کر ناخوش ہو گئے ہیں عجب نہیں جو حملہ کر دیں۔

عمرو نے ہنس کر کہا۔ شاید انہیں اس لئے حملہ کرانے کی طمع ہوئی ہے کہ مجھے اکیلا دیکھ لیا ہے۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ میں اکیلا ہی بہت کچھ کر سکتا ہوں لیکن میں قاصد ہوں اور قاصد اس وقت تک نہیں لڑتا جب تک اسے مجبور نہ کیا جائے۔ تم جاؤ اور ان لوگوں سے کہو کہ میں قاصد ہوں اور صلح کی دعوت دینے آیا ہوں۔

راہبر نے بہت اچھا کہا اور چلا گیا۔ جس وقت وہ عیسائیوں کے قریب پہنچا تو اس نے انطاط کے بادشاہ کی سواری آتے ہوئے دیکھی۔

بادشاہ ادھیڑ عمر کا تھا۔ اس کی داڑھی پادریوں کی طرح لمبی تھی۔ نہایت بیش قیمت ریشمیں کپڑے اور سونے اور جواہرات کے زیورات پہنے تھے۔ اس کا لباس اور زیورات جگمگا رہے تھے۔ تاج چمک رہا تھا اس کے جلو میں جو سوار تھے وہ بھی فوق البھڑک لباس پہنے ہوئے تھے۔

اسے دیکھتے ہی تمام عیسائی رکوع کی شان سے جھک گئے۔ جوں جوں اس کی سواری لشکر کی طرف بڑھتی رہی لوگ سلام کے لئے جھکتے چلے گئے۔

جب وہ لشکر میں پہنچا تو تمام سواروں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے پھر جھک کر سامنے کی طرف پھیلا دیئے۔

بادشاہ ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ فوراً آٹھ سواروں نے اس کے گرد کھڑے ہو کر سونے کی خول چڑھی ہوئی چوبیں اٹھائیں اور ان پر زرد رنگ کا ریشمیں کپڑے کا سائبان تان دیا۔ یہ سائبان زر نگار تھا۔ اس میں سچے موتیوں کی جھالر لگی ہوئی تھی۔

بادشاہ کے کھڑے ہوتے ہی تمام لشکر خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔

عیسائیوں نے پھر شور کرنا شروع کیا۔ بادشاہ نے دریافت کیا۔ یہ کیسا شور ہے۔

ایک افسر نے کہا۔ غریب پرور۔ ایک عرب سامنے کھڑا ہوا ہے اسے دیکھ کر مسیح نوجوان غل مچا رہے ہیں۔

بادشاہ نے متعجب ہو کر کہا۔ عرب ہے؟ کیسے آیا وہ یہاں۔

وہی افسر: عالیجاہ! کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

بادشاہ: اچھا اسے یہاں لاؤ۔

فوراً وہ افسر عمرو کے پاس آیا۔ اس نے آکر دریافت کیا او وحشی عرب تو یہاں کیسے

گیا ہے۔

عمرو کو اس کی گفتگو ناگوار گزری۔ انہیں طیش آگیا۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا آنکھیں چنگاریاں برسانے لگیں۔ انہوں نے کہا۔ گستاخ عیسائی میں قاصد ہوں۔

افسران کو غصہ میں دیکھ کر کچھ مرعوب ہو گیا۔ اس نے نرم لہجہ میں کہا۔ آپ قاصد ہیں تو چلئے آپ کو ہمارے شہنشاہ نے یاد فرمایا ہے۔

عمرو اس کے ساتھ چل پڑے۔ دونوں عیسائیوں کے جم غفیر کو چیرتے ہوئے بادشاہ کے پاس پہنچے۔

افسر نے کہا۔ جہاں پناہ! یہ عرب قاصد ہے۔

بادشاہ نے کہا۔ قاصد ہے؟ کیا کوئی پیغام لایا ہے۔

عمرو نے کہا۔ جی ہاں میں ایک خط لایا ہوں۔

بادشاہ:۔ کس کا خط ہے کس کے نام ہے۔

عمرو:۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالار اعظم امیر عیاض بن غنم کا خط ہے اور آپ کے نام ہے۔

بادشاہ:۔ کیا لکھا ہے اس میں۔

عمرو:۔ مجھے معلوم نہیں ہے غالبا آپ کو صلح کی دعوت دی گئی ہے۔

بادشاہ نے غصہ میں آکر کہا۔ صلح کی دعوت دی گئی ہے۔

ایک مسلمان سپہ سالار کو اس کی کیسے جرات ہوئی۔

عمرو:۔ ہمارے سپہ سالار کو دربار خلافت سے حکم صادر ہوا ہے کہ وہ پہلے آپ کو صلح کی دعوت دیں تاکہ بندگان خدا کا خون نہ بہے۔

بادشاہ نے ہنس کر کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا خلیفہ عیسائیوں سے ڈر گیا ہے اور اس لئے وہ صلح کرنی چاہتا ہے۔

عمرو کو یہ سن کر غصہ آگیا انہوں نے جوش میں آکر کہا۔ کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کے خلیفہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ بزدل عیسائیوں سے ڈر گئے۔ خدا کی قسم یہ تمام مسلمانوں کی توہین ہے اور اس توہین کو کوئی مسلمان کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔

باشاہ عمرو کو جوش اور غصہ کی حالت میں دیکھ کر بڑا تعجب ہوا وہ جانتا تھا کہ عمرو اکیلا ہے اور ہزاروں عیسائیوں کے درمیان میں محصور ہے ایسی حالت میں بہادر سے بہادر شخص کو بھی جوش و غصہ کرنا تو کیا بات کرنے کی بھی جرات نہیں ہوا کرتی۔ لیکن عمرو جوش و غضب میں آگئے تھے اور اس لئے اسے تعجب ہوا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ مسلمان کسی خوف اور کسی رعب میں نہیں آتا۔

بادشاہ نے کہا۔ عربی جوان! تمہیں جوش آگیا۔ اس سے میرا مطلب تمہارے خلیفہ کی توہین کرنا نہیں تھا بلکہ کہنا یہ تھا کہ ہم عیسائیوں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ یا تو مٹ جائیں گے یا مسلمانوں کو مٹا دیں گے۔ اس لئے ہمیں صلح کی دعوت دینا بیکار ہے ہم ماننے والے نہیں۔

عمرو:۔ ماننا یا نہ ماننا آپ کے اختیار میں ہے۔ لیکن امیر کا یہ خط تو ملاحظہ کر لیجئے۔

بادشاہ:۔ اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اپنے امیر سے کہہ دو کہ ہم صلح کے لئے کسی طرح بھی تیار نہیں ہیں۔

عمرو:۔ ممکن ہے کہ کسی وقت آپ اس وقت کو یاد کر کے پچھتائیں۔

بادشاہ کو طراوہ آگیا۔ اس نے کہا۔ ہم پچھتائیں۔ حضرت مسیح کی قسم یہ کبھی نہ ہو گا۔ ہم آپس میں متحد ہو گئے ہیں اور اب ہم اس وقت تک چین نہ لیں گے جب تک وہ تمام ممالک تمہارے ہاتھوں سے نہ چھین لیں جنہیں تم نے فتح کر لیا ہے۔

عمرو:۔ یہ خیال خام ہے۔ جب ہرقل جیسا باعظمت شہنشاہ ہی مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ تو آپ یا وہ جس کی حمایت کے لئے آپ جا رہے ہیں کیا مقابلہ کریں گے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ غور کریں اور مسلمانوں کی صلح کی پیش کش کو نہ ٹھکرائیں۔

بادشاہ:۔ میں ایک مرتبہ جو بات کہہ دیتا ہوں اسی پر ڈٹا رہتا ہوں میں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور اب اس ارادہ کو کسی طرح بھی نہیں بدل سکتا۔

عمرو:۔ لیکن اس کے انجام پر بھی آپ نے غور کر لیا ہے۔

بادشاہ:۔ اچھی طرح۔

عمرو:۔ بہت بہتر۔ آپ کو اس کی اس خودسری کا جواب بہت جلد مل جائے گا۔

بادشاہ نے طیش میں آکر کہا۔ گستاخ عرب! تم قاصد ہو۔ اس لئے تمہیں چھوڑا جاتا ہے۔ ورنہ اس گستاخی کی پاداش میں تمہارا سر ٹھوکریں کھاتا نظر آتا۔

عمرو کو بھی غصہ آرہا تھا۔ اس نے کہا۔ مغرور بادشاہ! تم اس وقت میرے رحم و کرم پر ہو۔ میں اس لئے تمہیں چھوڑتا ہوں کہ مجھے حالت مجبوری میں جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے ورنہ آپ کو معلوم ہو جاتا کہ کسی عرب کی توہین کرنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔

بادشاہ:۔ اچھا اب میں اس گفتگو کو بند کرنا ہی مناسب سمجھتا ہوں۔

عمرو: بہت اچھا۔

عمرو نے واپس لوٹنا چاہا۔ بادشاہ نے انہیں روک کر کہا۔ ٹھہرو یہاں میری بیٹی طاریون آنے اور جنگ کرنے والی ہے۔ تم اس کی لڑائی دیکھ کر جانا۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ علاوہ مرد ہی نہیں عورتیں بھی بہادر ہیں اور نہایت بہادری سے جنگ کرتی ہیں۔

عمرو نے بہت اچھا کہا اور وہ بھی بادشاہ کے قریب ہی کھڑے ہو گئے۔

دسواں باب

حسن سحر خیز

عمرو نے اب جو نظر اٹھا کر دیکھا تو انہیں قومی سپاہیوں کے پیچھے عام عیسائی کھڑے نظر آئے اور یہ عام عیسائی اس قدر تھے کہ قلعہ کے سامنے کا تمام میدان ان سے بھر گیا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قلعہ کے تمام زن و فرزند نکل آئے ہوں۔ مرد' عورتیں اور بچے سب ہی تھے۔

تھوڑی دیر میں سواروں کا ایک دستہ آیا۔ اس دستہ کی وردی سرخ رنگ کی تھی جس کے حاشیوں پر سنہری لیس لگی ہوئی تھی۔ ان کے درمیان میں ایک نو عمر حسین نوجوان تھا جو علاوہ بیش قیمت پوشاک اور جواہرات کے سر پر سونے کا تاج رکھے تھے۔ یہی نوجوان موسیٰ تھا جو سکندر کا بیٹا تھا اور طاریون سے شادی کرنے کی آرزو دل میں لے کر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے آیا تھا۔

وہ بڑھ کر بادشاہ کے سامنے مگر اس سے اتنے فاصلہ پر کہ لڑنے کے لئے میدان میں درمیان باقی رہ گیا تھا جا کھڑا ہوا۔ اس کے لشکر نے اپنی صفیں مرتب کر لیں اور وہ صفوں سے آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا۔

عام عیسائیوں نے اسے دیکھا۔ سب کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ وہ وجیہہ' قوی ہیکل' نو عمر اور خوبصورت ہے چنانچہ بعض عیسائیوں کی زبان سے تو بے ساختہ نکل گیا۔ کہ یہ نوجوان شہزادی کے لائق ہے اور شہزادی کو اس سے لڑنا نہیں چاہئے۔ بلکہ بغیر لڑے ہی اسے پسند کر کے اس سے شادی کر لینی چاہئے۔

اطرابلس کا بادشاہ جنوب کی طرف انتہائی سرے پر کھڑا تھا۔ اور موسیٰ شمال کی جانب آخری کنارہ پر کھڑا ہوا تھا۔ ان کے درمیان میں بہت کافی میدان پڑا رہ گیا تھا۔

اب سب شہزادی طاریون کے آنے کا انتظار کر رہے تھے جن لوگوں نے شہزادی کو نہیں دیکھا تھا انہیں تو اس کے دیکھنے کی آرزو تھی اور جو لوگ اسے دیکھ چکے تھے انہیں دوبارہ دیکھنے کی تمنا تھی۔

مرد تو مرد عورتیں بھی اسے دیکھنے کے لئے ایسی ہی مشتاق تھیں جیسے مرد۔

اس وقت آفتاب کسی قدر بلند ہو گیا تھا اور دھوپ میں اس قدر حرارت پیدا ہو گئی تھی کہ ہوا کے ٹھنڈے جھونکے ناگوار نہیں گزر رہے تھے۔

عوام الناس کی نگاہیں قلعہ کے دروازہ کی طرف لگی ہوئی تھیں وہ نہایت بے صبری سے شہزادی طاریون کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

زیادہ دیر انہیں انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کچھ لڑکیاں گھوڑوں پر سوار نہایت شان ادا آن بان سے آتی ہوئی نظر آئیں۔

یہ لڑکیاں پیش خدمتیں یا کنیزیں تھیں۔ سب نو عمر' نوخیز' شیریں اور حسین تھیں۔ اچھا لباس اور اچھے زیورات پہنے تھے۔ پری زادیاں معلوم ہو رہی تھیں جب وہ لوگوں کے درمیان سے گزرنے لگیں تو مرد انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔

مگر وہ حسین لڑکیاں کسی طرف بھی نہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ آپس میں چہل اور ہنسی مذاق کرتی مسکراتی نگاہوں سے بجلیاں گراتی چلی جا رہی تھیں۔

وہ بادشاہ کے پاس پہنچ کر ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔ اب سب نے سمجھ لیا کہ شہزادی بھی عنقریب آنے والی ہے۔ اسے دیکھنے والے سنبھل سنبھل کر کھڑے ہو گئے۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک گروہ لڑکیوں کا برآمد ہوا۔ ان لڑکیوں کی پوشاک ایسی دیدہ زیب تھی کہ دور سے اچھی معلوم ہو رہی تھیں۔ وہ ایسے زیورات پہنے ہوئے تھیں جو آفتاب کی شعاعوں سے جگ مگ کر رہے تھے۔ ان کے چہرے چاند کی طرح چمک رہے تھے۔

ان کے درمیان میں شہزادی طاریون تھی جو گلابی ریشم کی پوشاک پہنے اور زیورات سے لدی ہوئی تھی۔ اس کا لباس اور اس کے زیورات جگمگا رہے تھے۔

اس کے رخ روشن پر سیاہ نقاب پڑا ہوا تھا۔ اگرچہ نقاب موٹے کپڑے کا تھا مگر اس کا حسن چھن چھن کر اس میں سے نکل رہا تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چودھویں رات کے چاند پر ہلکا سا ابر آ گیا ہو۔

مشتاق دید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہے تھے۔ لیکن وہ اور اس کی خوبصورت

کنیزیں بغیر کسی طرف دیکھے نہایت شان استغنا کے ساتھ آ رہی تھیں۔

جب وہ لوگوں کے پاس سے گزرنے لگیں تو سب اس کے سلام کے لئے ہاتھ پھیلا پھیلا کر جھکتے چلے گئے۔

شہزادی کے نازک سر پر جو تاج زرین تھا۔ وہ اس قدر چمک رہا تھا کہ اس پر نظر نہ پڑتی تھی۔ جب وہ اپنے باپ کے پاس پہنچی تو اس کی تعظیم کے لئے جھک گئی۔ بادشاہ نے نہایت پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا جب وہ سیدھی ہوئی تو بادشاہ نے کہا۔ جان پدر۔ آج تیرا مقابلہ کرنے کے لئے جبل السامنہ کا ولی عہد سلسندور کا بیٹا سوئی آیا ہے۔ میں نے اسے دیکھا ہے تو نے بھی دیکھا ہو گا وہ نوعمر اور چھیلا جوان ہے۔ میں اسے پسند کرتا ہوں۔ تجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے تیری شادی کا اختیار تجھے دیا ہوا ہے۔ جس شہزادہ کو تو پسند کرے اس سے شادی کر لے۔ تو نے مقابلہ کرنے اور فتح یاب ہونے کی شرط لگا رکھی ہے۔ آج تک بیسیوں شہزادے آئے لیکن تجھے زیر نہ کر سکے اگر تو مناسب سمجھے تو سوئی سے لڑائی کا ارادہ ترک کر دے اور اس کے ساتھ عقد کر کے تو اور وہ شہواش کی مدد کے لئے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے واسطے چلے جاؤ۔ لیکن یہ میرا حکم نہیں ہے بلکہ مشورہ ہے۔

طاریون نے شیریں لہجہ میں جو ہزاروں نغموں سے بہتر تھا کہا۔ پیارے باپ! اگر یہ صحیح ہے کہ سوئی اور شہزادوں سے دیدارو ہے لیکن میں اس کے لئے اپنا عہد نہیں توڑ سکتی۔ وہ مرد ہے اور جواں مرد اسے بہادری کا دعویٰ ہے۔ میں لڑکی ہوں اور کمزور لڑکی۔ اسے اپنے دل کی امنگ نکال کر اپنا حق ثابت کرنے دیجئے۔

بادشاہ نے۔ اچھا تیری خوشی۔ وہ دیر سے کھڑا تیرا انتظار کر رہا ہے۔ تو میدان میں بڑھ اور اسے قسمت آزمائی کا موقع دے۔

"بہت خوب۔" طاریون نے کہا اور اس کی تعظیم کے لئے جھکی۔ بادشاہ نے پھر اس کے سر پر دست شفقت رکھا۔

اب طاریون نے اپنا گھوڑا بڑھایا۔ اسے بڑھتے ہوئے دیکھ کر سوئی بھی چلا۔ دونوں پاس آ کر رکے۔

لوگوں نے بڑے اشتیاق کے ساتھ ابھر ابھر کر دیکھنا شروع کیا ہر شخص خاموش ہو گیا۔ اس درجہ سکوت چھا گیا کہ سانس لینے کی آوازیں بھی آنے لگیں۔

یہ میدان جس میں یہ مجمع تھا نہایت وسیع اور عریض تھا۔ سارا میدان لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ گویا انسانوں کا سمندر لہریں لے رہا تھا۔ ہر شخص کی نگاہیں طاریون پر پڑ رہی تھیں۔ اگر وہ اس وقت بے نقاب ہوتی تو اسے کسی نہ کسی دیکھنے والے کی ضرور نظر لگ جاتی۔

جس وقت سوئی اس کے قریب آ کر کھڑا ہوا تو اس کے بدن میں لرزہ طاری ہو گیا۔ اگرچہ اس نے اس وقت تک اس کی صورت نہ دیکھی تھی لیکن اس کے حسن کی تعریف سنی تھی اور اس وقت محض یہ خیال کر کے کہ وہ حسین شہزادی کے روبرو کھڑا ہے رعب حسن سے کانپنے لگا تھا۔

شہزادی طاریون نے اپنی مخصوص ترنم ریز آواز سے کہا۔ شہزادہ۔ تم کانپ کیوں رہے ہو۔ اگر لڑنا نہیں چاہتے ہو تو واپس لوٹ جاؤ۔"

اس کی آواز کے شیریں لہجہ نے سوئی کے دل پر اور قیامت ڈھا دی وہ کچھ از خود رفتہ سا ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد سنبھلا۔ اس نے کہا۔ حسن کی ملکہ! تمہارا رعب حسن مجھ پر طاری ہو گیا ہے میں یقین دلاتا ہوں کہ آج تک جس کسی سے میں لڑا ہوں ہمیشہ اس پر فتح پائی۔ لیکن تمہارے سامنے آ کر ساری دلیری اور بہادری کوچ کر گئی ہے۔

طاریون نے مسکرا کر کہا۔ اسی لئے تو کہتی ہوں کہ تم واپس لوٹ جاؤ۔ تم مجھ پر فتح نہیں پا سکتے۔

سوئی:۔ یہ ٹھیک ہے لیکن قسمت آزمائی تو کر ہی لینے دیجئے۔

طاریون:۔ تمہاری خوشی۔ اچھا تو تلوار نکالو اور مقابلہ میں آؤ۔

یہ کہتے ہی طاریون نے اپنی برق وش تلوار کھینچ کر بلند کی اور نقاب کے بند بھی کھول ڈالے۔ سوئی نے بھی تلوار نکال لی۔ طاریون نے کہا۔ شہزادہ! حملہ کرو۔

سوئی نے کہا۔ میری یہ مجال نہیں ہے کہ پہلے خود حملہ کروں۔ تم حملہ کرو پہلے۔

اچھا تو سنبھلو۔ طاریون نے کہا اور گھوڑا بڑھا کر اس پر حملہ کیا۔

سوئی نے جلدی سے ڈھال سامنے کر دی۔ طاریون کی تلوار ڈھال پر پڑ کر اچٹ گئی۔

سوئی نے کہا۔ لیجئے اب سنبھلئے۔

یہ کہہ کر اس نے بھی گھوڑے کے ایڑ لگائی۔ گھوڑا بڑھا۔ اس نے تلوار سنبھالی اور جوش سے حملہ آور ہوا۔ لیکن جب وہ طاریون کے پاس پہنچا تو کسی فوری خیال سے اس کا ہاتھ رک گیا اور وہ حملہ نہ کر سکا۔ اس کا ہاتھ ہوا میں اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔

طاریون نے کہا۔ کیوں حملہ کیوں نہیں کیا آپ نے۔

سوئی نے پست لہجہ میں کہا۔ شہزادی معاف کرنا تم دل پیار کرنے لگا ہے اس پر

ہاتھ نہیں اٹھا رہا۔

طاریون:۔ بس تو اپنی شکست تسلیم کر لیں آپ۔

سوئی:۔ شکست خوردہ تو میں ہوں ہی لیکن اگر تم مجھ پر مہربان ہونے کا اقرار کر لو تو میں شکست کا اعتراف کر کے عوام کے سامنے اپنی ذلت قبول کر لوں۔

طاریون:۔ مجھے منظور نہیں ہے۔ اگر تم مہربانی کے ساتھ مجھے بھی حاصل کرنا چاہتے ہو تو مجھ پر فتح یاب ہونے کی کوشش کرو۔

سوئی:۔ مشکل یہ ہے کہ میں تم پر حملہ ہی نہیں کر سکتا۔

طاریون:۔ تو لڑنے کے ارادہ سے آئے ہی کیوں تھے۔

سوئی:۔ بت سیم تن! میں لڑنے کے خیال سے نہیں آیا تھا۔

طاریون:۔ اور کس خیال سے آئے تھے۔

سوئی:۔ عرض حال کرنے کے لئے۔

طاریون:۔ جب تو تم بیکار ہی آئے۔

سوئی:۔ میں تمہیں ایسا سنگدل نہ سمجھتا تھا۔

طاریون:۔ اس میں سنگدلی کو دخل نہیں ہے۔

سوئی:۔ اور۔

طاریون:۔ پاس عہد کا خیال ہے۔

سوئی:۔ لیکن جو شخص عہد کرتا ہے۔ وہ اسے توڑ بھی سکتا ہے۔

طاریون:۔ میں ان میں نہیں ہوں۔

سوئی:۔ تو تم یہ چاہتی ہو کہ میں ذلیل ہو جاؤں۔

طاریون:۔ نہیں۔ ہاں یہ چاہتی ہوں کہ تم مجھ پر فتح یاب ہو کر نام آور ہو جاؤ۔

سوئی:۔ اچھا تو میں کوشش کرتا ہوں۔

طاریون:۔ ہاں ضرور کوشش کرو۔

سوئی پیچھے ہٹا اور اس نے پھر گھوڑا بڑھا کر حملہ کیا۔ طاریون نے ڈھال سامنے کر دی اس کی تلوار ڈھال پر پڑی۔

اب طاریون نے حملہ کیا۔ سوئی نے اس کا حملہ روکا۔

دونوں جس انداز سے حملے کر رہے تھے اس سے معلوم ہوتا تھا کہ اسلوب جنگ سے خوب واقف ہیں۔

اب دونوں ایک دوسرے پر نہایت جوش و خروش سے حملے کر رہے تھے تلواروں کے ایسے ایسے ہاتھ دکھا رہے تھے کہ دیکھنے والوں کی زبان سے واہ واہ کے نعرے نکل رہے تھے لوگوں کو ان کی لڑائی کا تماشہ دیکھنے میں بڑا لطف آرہا تھا۔ ہر شخص نہایت غور اور پوری توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

ایک مرتبہ سوئی نے حملہ کر کے اس کی ڈھال کے دو ٹکڑے کر دیے طاریون نے ڈھال پھینک دی۔ سوئی نے اس کی تلوار کاٹ ڈالنے کے لئے جلدی سے دوسرا حملہ کیا۔

طاریون اس کی اس کاروائی کو سمجھ گئی۔ اس نے جلدی سے اس طرح اپنا نقاب الٹ دیا جیسے اتفاقیہ ہوا کے جھونکے سے الٹ دیا گیا ہو۔ نقاب ہٹتے ہی سوئی کی نظر اس کے رخ روشن پر پڑی۔ وہ اس قدر حسین تھی کہ سوئی حملہ کرنا بھول گیا اور بت کی طرح کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ شہزادی نے فوراً" نقاب درست کر لیا اور جلدی سے بڑھ کر سوئی کی تلوار پر اپنی تلوار ماری اس کی تلوار کے دو ٹکڑے ہو گئے تلوار کے ٹوٹتے ہی اس نے دوسرا وار کیا۔ اور سوئی کی پیشانی کے وہ بال اسے کاٹ ڈالے جو تاج سے باہر نکلے ہوا میں لہرا رہے تھے۔

شہزادی کی یہ پھرتی اور یہ جرات دیکھتے ہی واہ واہ کا غل مچ گیا۔ ہر طرف سے شاباش کی آوازیں آنے لگیں۔

طاریون نے زیر نقاب تیز نگاہوں سے سوئی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ فضول آپ نے میرے مقابلہ میں آنے کی کوشش کی۔

اب سوئی اپنے حواس میں آگیا تھا۔ وہ شرمندہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کہا۔ اے حسن کے آفتاب! دنیا میں کوئی شخص بھی جس کے سینہ میں دل ہو تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

طاریون نے شوخی سے کہا۔ جاؤ اپنے حسن کے صدقہ میں میں تمہیں چھوڑتی ہوں۔

یہ کہتے ہی وہ لوٹی اور بادشاہ کی طرف چلی۔ سوئی بھی شرمندگی سے اپنا سر جھکائے اپنے ہمراہیوں کی طرف چلا۔

...واں باب

شعاع امید

بادشاہ اپنی بیٹی طاریون کو فتح یاب دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔ اس نے عمرو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ عرب جوان تم نے دیکھا۔ ہمارے یہاں کی لڑکیاں اس قدر بہادر ہیں۔

عمرو نے ہنس کر کہا۔ بہادر ہیں لیکن عیسائی مردوں کے مقابلہ میں۔

عمرو:۔ میں .... ایک عرب اور ایک لڑکی سے مقابلہ۔

بادشاہ نے حیرت سے عمرو کو دیکھ کر کہا۔ گویا تم اس میں اپنی توہین سمجھتے ہو۔

عمرو:۔ زبردست توہین۔ ایک مرد کے لئے کس قدر قابل شرم بات ہے کہ وہ ایک ناز آفریں لڑکی سے جنگ کرے۔ اور کتنی ذلت ہے کہ اس پر فتح یاب نہ ہو۔

بادشاہ:۔ شہزادی تھک گئی ورنہ تمہارا امتحان بھی لیا جاتا۔

عمرو نے جوش میں آکر کہا۔ "امتحان ...... اچھا امتحان لو۔ شہزادی سے کہو وہ تلوار اور ڈھال لے لے۔ اور میں نہتا رہوں گا۔ اگر وہ بہادر ہے مجھ نہتے ہوئے کو زخمی کرے ورنہ میں اس کی تلوار چھین لوں گا۔

بادشاہ اور وہ لوگ جو قریب تھے عمرو کی گفتگو سن کر حیران رہ گئے چونکہ انہوں نے مسلمانوں کی بہادری کے واقعات سنے ہوئے تھے اس لئے انہیں جرات نہ ہوئی کہ وہ عمرو کی پیش کردہ شرائط پر شہزادی کے لڑنے کے لئے کہتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ فتح یاب عمرو ہی ہوں گے۔

اس عرصہ میں طاریون بادشاہ کے پاس آئی۔ بادشاہ نے کہا۔ شاباش میری بہادر بیٹی شاباش۔ آج تیری ذات پر مجھے فخر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میرے کوئی بیٹا ہوتا تو وہ اتنا بہادر نہ ہوتا جس قدر تو ہے۔

طاریون نے تعظیماً جھک کر کہا۔ حضور کی عزت افزائی کا شکریہ۔

بادشاہ:۔ بیٹی! یہ عرب کہتا ہے کہ تو تلوار اور ڈھال لے لے اور یہ نہتا ہو۔ اور پھر دونوں جنگ کرو۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تو تھک گئی ہو گی۔

طاریون نے عمرو کو دیکھا۔ اس نے کہا یہ برابر کا مقابلہ نہیں کہلایا جا سکتا۔

بادشاہ:۔ اور۔

طاریون:۔ جو ہتھیار میرے پاس ہوں وہی ان کے پاس بھی ہوں اور پھر یہ بھی حوصلہ نکال لیں۔

بادشاہ نے افتخار آمیز نظروں سے عمرو کو دیکھتے ہوئے کہا۔ تم نے سنا میری بہادر بیٹی کیا کہہ رہی ہے۔

عمرو نے کہا۔ جی ہاں سنا۔ پھر کب مقابلہ ہو گا۔

بادشاہ نے طاریون کی طرف دیکھا۔ طاریون نے کہا۔ اس وقت جب اس کا موقع ہو گا۔

عمرو:۔ اور وہ موقع کب ہو گا۔

طاریون:۔ جب شہنشاہ فرمائیں۔

عمرو نے بادشاہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ آپ فرمایئے۔ کب اس کا موقع دیں گے۔

بادشاہ:۔ جب مسلمانوں پر فتح حاصل کر لی جائے گی۔

عمرو نے ہنس کر کہا۔ خوب۔ نہ یہ بات آپ کو نصیب ہو گی اور نہ آپ یہ موقع دیں گے۔

بادشاہ کو طرارہ آگیا۔ اس نے جوش میں آکر کہا۔ تم دیکھو گے۔ کہ کس قدر جلد مسلمانوں کا خاتمہ کر دیا جاتا ہے۔

عمرو نے برجستگی سے کہا۔ "ممکن ہے آپ کو ہی یہ بدخبری پہنچے کہ مسلمانوں نے عیسائیوں کا خاتمہ کر دیا۔

بادشاہ:۔ اچھا تم بھی دیکھو اور میں بھی دیکھتا ہوں۔

بادشاہ کو غصہ آگیا تھا۔ اس نے طاریون سے مخاطب ہو کر کہا۔ بیٹی! تو جلد سے جلد لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جا اور ان کا خاتمہ کر کے واپس آ۔ میں چاہتا ہوں کہ کل ہی روانہ ہو جا۔

طاریون نے کہا۔ میں حضور کے حکم کی تعمیل کروں گی۔ اور مسلمانوں کو دکھا دوں گی کہ بہادری کسے کہتے ہیں۔

عمرو نے فوراً ہی کہا۔ "شہزادی! اس کا خیال رکھنا کہ مسلمان عیسائی نہیں ہیں۔

طاریون نے جوش میں آکر کہا۔ میں خوب جانتی ہوں مسلمانوں کا عیسائیوں سے مقابلہ۔

عمرو:۔ ہاں اگر تم اس قدر بہادر ہو کہ مسلمانوں سے عیسائیوں کو بہادر سمجھتی ہو تو ممکن ہے کہ اسلامی لشکر تک پہنچ سکو۔

طاریون نے عمرو کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ورنہ ...."

عمرو:۔ ممکن ہے کہ تم اسلامی لشکر تک بھی نہ پہنچ سکو۔

طاریون:۔ کون روک سکے گا مجھے۔

عمرو:۔ وہ خدا جس کے ہاتھوں میں کائنات کا نظام ہے۔

طاریون نے ہنس کر کہا۔ عالی قاصد! میرے عزم کو کوئی ہستی بھی نہیں روک سکتی۔

عمروؓ۔ اس قدر غرور۔

طاریون:۔ مجھے اپنی طاقت پر غرور ہے۔

عمروؓ۔ یہ طاقت رکھی رہ جائے گی۔

طاریون:۔ تم خود دیکھ لوگے کہ کیا ہوتا ہے۔

عمروؓ۔ میں ہی کیا اسے دنیا دیکھ لے گی اور تم اس وقت پچھتاؤ گی شہزادی۔

طاریون:۔ اس وقت تم میرے حال پر افسوس نہ کرنا۔

عمروؓ۔ تم خود شاید اپنے حال پر افسوس کرو۔ لیکن میں ....۔

طاریون:۔ تم کیا چاہتے ہو۔

عمروؓ۔ نہیں چاہتا کہ تمہیں اس حالت میں دیکھوں جس کا مجھے اندیشہ ہے۔

طاریون ہنس پڑی۔ اس نے کہا۔ تمہاری اس ہمدردی کا شکریہ۔

عمروؓ۔ اس وقت کا شکریہ تو مشتبہ ہے لیکن ہاں ممکن ہے کہ میں آپ کی کوئی ایسی مدد کر سکوں جس سے حقیقی طور پر آپ شکریہ ادا کریں۔

طاریون:۔ ہاں تب ہی دل سے مشکور ہوں گی تمہاری۔

بادشاہ نے کہا۔ دیکھو وہ سوئی آزردہ خاطر ہو کر جا رہا ہے۔ کوئی جاؤ اور اسے میرے پاس بلا کر لاؤ۔ میں اسے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ فوراً کئی سوار دوڑ گئے۔

بادشاہ نے سچ کہا تھا۔ سوئی غمگین و حزین اپنے سواروں کے ساتھ شرم و ندامت سے سر جھکائے چل رہا تھا۔

شاہی سواروں نے اس کے قریب پہنچ کر اسے سلام کیا اور بادشاہ کا حکم اسے سنایا۔ وہ واپس لوٹا اور بادشاہ کے قریب آکر تعظیم کے لئے جھکا۔

بادشاہ نے کہا۔ سوئی مجھے افسوس ہے کہ تم فتح یاب نہ ہوئے حالانکہ میری دلی تمنا تھی۔

سوئی نے آزردگی کے لہجہ میں کہا۔ "میری قسمت حضور۔"

بادشاہؒ۔ ہاں یہ تمام معاملات قسمت سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں نے طاریون سے ساری سفارش کی تھی۔

سوئی:۔ حضور کی اس بے پایاں حمایت کا شکریہ۔

بادشاہؒ۔ میں تمہیں حقیقت میں بہادر سمجھتا ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم طاریون

پر فتح حاصل نہ کر سکے اور یہ اتفاق تھا۔

سوئی:۔ نہیں حضور! اصل یہ ہے کہ شہزادی ہیں ہی نہایت بہادر۔

اب شہزادی نے سوئی کو دیکھا۔ اس وقت وہ اسے کمال حسین معلوم ہوا۔ وہ اسے ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگی۔

سوئی کی نظریں بھی اس کی طرف اٹھ گئیں اگرچہ اس کے چاند سے چہرہ پر نقاب تھا لیکن حسن کی شعاعیں نقاب سے چھن چھن کر برابر نکل رہی تھیں۔ سوئی پر ایک کیف بے خودی طاری ہو گیا اور وہ شہزادی کو محبت بھری نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔

بادشاہ نے کہا۔ کیا تم طاریون کو حاصل کرنا چاہتے ہو سوئی؟

سوئی نے جواب دیا۔ "دل و جان سے۔"

بادشاہؒ۔ اچھا تو سنو میں اسے حاصل کرنے کی تدبیر بتاتا ہوں۔

سوئی بادشاہ کی طرف دیکھنے لگے۔ اس نے کہا۔ "ارشاد فرمایئے۔"

بادشاہؒ۔ تمہیں معلوم ہے کہ جزیرہ میں مسلمان گھس آئے ہیں۔

سوئی:۔ جی ہاں معلوم ہے۔

بادشاہؒ۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ شہنشاہ شرباض نے ان پر لشکر کشی کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

سوئی:۔ عالیجاہ! مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

بادشاہؒ۔ ٹھیک ہے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ مسلمان اسلام پھیلانے اور عیسائیوں کو مسلمان بنانے کے لئے آئے ہیں۔

سوئی:۔ یہ بات تو ساری عیسائی دنیا جانتی ہے۔

بادشاہؒ۔ تو سمجھ لو کہ عیسائیت کے لئے زبردست خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

سوئی:۔ بیشک۔

بادشاہؒ۔ اس خطرہ کے دور کرنے کی کوشش کرنا ہر عیسائی کا مذہبی فرض ہے۔

سوئی:۔ بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں حضور۔

بادشاہؒ۔ میں نے شہزادی طاریون کو حکم دیا ہے کہ وہ لشکر لے کر ملک شرباض کی مدد کے لئے روانہ ہو جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی اپنے باپ سے اجازت لے کر لشکر لاؤ اور طاریون کے ساتھ میدان جنگ میں جاؤ۔ اگر تم فتح کر کے آئے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ

طاریون کی شادی تمہارے ساتھ کروں گا۔

سوئی اس بات کو سن کر خوش ہو گیا۔ اس نے کہا۔ میں حضور کے اس حکم کی تعمیل کروں گا۔

بادشاہ:۔ تمہاری واپسی پر میں بھی اپنا اقرار پورا کروں گا۔

سوئی:۔ اگر حضور شہزادی صاحبہ بھی اپنی زبان مبارک سے اس کا اقرار کر لیں تو میرا حوصلہ بڑھ جائے۔

بادشاہ:۔ ٹھیک ہے (طاریون سے) بیٹی بہادری کا امتحان ہو چکا۔ میں نے سوئی سے جو اقرار کیا ہے تو بھی اس کی تائید کر دے۔

طاریون نے دلفریب انداز سے کہا۔ مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ حضور۔

سوئی کے دل میں امید کی شعاع چمکی اور اس قدر خوش ہوا کہ اس کا چہرہ چمکنے لگا۔ اس نے کہا۔ بس میں اتنا ہی چاہتا تھا حضور۔ میں آج روانہ ہو جاؤں گا اور جلد سے جلد لشکر لے کر آجاؤں گا۔

بادشاہ:۔ ہاں تم آج ہی نہیں بلکہ ابھی چلے جاؤ۔

سوئی:۔ بہت بہتر ہے۔

سوئی نے بادشاہ کو سلام کیا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

بادشاہ نے عمرو سے کہا۔ عربی قاصد! تم اپنے امیر سے جا کر کہہ دینا کہ ہمیں صلح کرنی منظور نہیں ہے۔

بہت بہتر۔ عمرو نے کہا اور وہاں سے واپس لوٹا۔ راستہ میں راہبر بھی مل گیا۔ یہ دونوں بغیر ایک لمحہ ضائع کئے اسلامی لشکروں کی طرف روانہ ہو گئے۔

تلاش

حارث منذر کو لے کر چل رہا تھا۔ پریوش اس کے ساتھ تھی وہ راستہ بتاتی جاتی تھی۔ پریوش حارث کی طرف دیکھ لیتی تھی اسے نظر آرہا تھا کہ وہ حد درجہ مغموم ہے اسے غمزدہ دیکھ کر اس کے دل میں رحم و مہربانی کے جذبات پیدا ہوتے جاتے تھے۔

حارث واقعی بہت زیادہ غمگین تھا ایک تو اس لئے کہ اس کی عزیز از جان بہن کو عیسائی زبردستی اٹھا کر لے گئے تھے۔ دوسرے اس لئے کہ اس کا دوست جس کی دوستی پر اسے بھروسہ تھا اور جسے وہ اپنے بھائی سے بھی زیادہ پیارا سمجھتا تھا شدید طور پر زخمی ہو گیا تھا۔

وہ نہایت پریشان اور غم و رنج میں مبتلا ہو گیا تھا اگرچہ وہ قوی الجثہ اور مضبوط نوجوان تھا۔ منذر کا بوجھ اٹھا کر لے چلنا اس کے لئے کوئی بات بھی نہ تھی لیکن ہجوم غم و آلام نے اس کی طاقت تھوڑی تھی اور اب اس سے منذر کا بوجھ مشکل ہی سے اٹھایا جا رہا تھا۔

وہ چلتے ہوئے ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ مگر چل رہا تھا۔

جب وہ پہاڑ سے نیچے اترے تب اس نے کہا۔ "پریوش! تم لشکر گاہ میں چلی جاؤ اور جو مسلمان بھی تمہیں ملے اسے ساتھ لے آؤ۔

پریوش روانہ ہو گئی۔ حارث نے نرم گھاس پر منذر کو لٹا دیا۔ وہ مجسمہ غم بن کر اس کی صورت دیکھنے لگے۔

تھوڑی ہی دیر میں پریوش دو مسلمانوں کو لے آئی۔ انہوں نے آتے ہی منذر کو دیکھا۔ واقعات پوچھے۔ حارث نے مختصر طور پر واقعہ سنایا۔ انہیں بڑا غصہ آیا اور انہوں نے چاہا کہ صرف وہ دونوں ہی پہاڑ پر چڑھ کر عیسائیوں کو تلاش کریں۔ لیکن حارث نے سمجھا بجھا کر انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ پہلے منذر کو لشکر گاہ میں لے چلو اور پھر امیر لشکر سے اجازت لے کر عیسائیوں کی تلاش میں چلیں گے۔

مسلمانوں نے اس بات کو مان لیا۔ انہوں نے منذر کو اٹھایا اور لشکر کی طرف چلے پریوش اور حارث ساتھ ہو لئے۔

جب وہ لشکر گاہ میں داخل ہوئے تو ہر شخص منذر کے متعلق دریافت کرنے لگا۔

وہ اسے اپنے ہی خیمہ پر لے گئے اور جاتے ہی جراح کو جو اس وقت موجودہ ڈاکٹروں کی حیثیت رکھتے تھے بلایا۔ انہوں نے آتے ہی اس کا زخم کھول صاف کیا اور مرہم لگا کر پٹی کس دی۔

حارث پریوش کو منذر کے پاس چھوڑ کر امیر عسکر حضرت عیاض بن غنم کے پاس پہنچا اور تمام واقعہ طاہرہ کو زبردستی لے جانے اور منذر کے زخمی ہونے کا سنایا۔

عیاض کو اس واقعہ کے سننے سے بڑا رنج ہوا۔ انہوں نے حضرت خالد بن ولید کو بلا کر سارا قصہ سنانے کے بعد دو سو سواروں کو لے کر پہاڑ پر جانے اور عیسائیوں کو تلاش کر کے طاہرہ کو چھڑا لانے کے لئے کہا۔ وہ جوش و غضب میں بھر کر اٹھے اور دو سو پرجوش مجاہدوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ حارث بھی مسلح ہو کر ساتھ ہو گیا۔

یہ جوشیلا دستہ پہاڑ پر پہنچا۔ حارث انہیں اسی جگہ لے گیا۔ جہاں منذر زخمی ہوا تھا۔

حضرت خالد لشکر کو لے کر آگے بڑھے وہ چٹانوں سے بچتے، دروں اور گھاٹیوں میں گھومتے ہوئے گرجے کے سامنے جا پہنچے۔

گرجا ایک اونچی چٹان پر تھا۔ نہایت بلند اور مستحکم عمارت تھی جس وقت مجاہدین گرجے کے سامنے پہنچے تو انہوں نے کیلوس کو گرجے کے دروازہ پر کھڑا دیکھا۔

وہ مسلمانوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا تھا۔ حضرت خالد نے کہا معزز پادری آگے آؤ۔ ہمیں تم سے کچھ دریافت کرنا ہے۔

پادری چونکہ ڈرا ہوا تھا اس لئے کہتے ہی بڑھ کر ان کے پاس آگیا۔ پاس آتے ہی اس نے کہا۔ فرمایئے کیا دریافت کرنا ہے آپ کو؟

خالدؓ:۔ تمہارے پاس کچھ عیسائی ٹھہرے ہوئے ہیں۔

کیلوس:۔ جی ٹھہرے ہوئے تھے۔

خالدؓ:۔ کون تھے وہ؟

کیلوس:۔ انطاط کا وزیراعظم اور ان کے چند فوجی سپاہی۔

خالدؓ:۔ اب وہ کہاں ہے۔

کیلوس:۔ وہ اس گرجے سے صبح ہوتے ہی چلے گئے تھے۔

خالدؓ:۔ کس قدر آدمی تھے وہ۔

کیلوس:۔ مجھے ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہے کیونکہ گرجے میں صرف ۱۷۔۱۸ آدمی آئے تھے۔ مگر مجھے معلوم ہوا تھا کہ ان کے کچھ آدمی اور بھی قریب ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔

خالدؓ:۔ وہ کیوں آئے تھے یہاں۔

کیلوس:۔ وہ میرے معتقد ہیں اکثر آتے رہتے ہیں۔

خالدؓ:۔ معاف کرنا ہمیں شک ہے کہ وہ لوگ گرجے میں چھپے ہوئے ہیں اور اس لئے ہم گرجے کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔

تلاشی کا نام سن کر پہلے تو پادری کچھ پریشان ہوا لیکن فوراً ہی پریشانی کے آثار اپنے چہرہ سے دور کر کے بولا۔ کچھ حرج نہیں آپ تلاشی لے سکتے ہیں۔

چنانچہ حضرت خالد۔ حارث اور دو آدمی اور گھوڑوں سے اتر کر پادری کے ساتھ چلے چبوترہ پر چڑھے اور گرجے کے اندر داخل ہوئے۔

اگرچہ باہر کی طرف سے بھی گرجا کافی بڑا معلوم ہوتا تھا لیکن اندر سے اور بھی بڑا معلوم ہوا۔ اس میں متعدد کمرے تھے اور ہر کمرہ کافی بڑا تھا۔

انہوں نے تمام کمرے چھان ڈالے لیکن وہاں ایک عیسائی بھی نظر نہ آیا البتہ قربان گاہ کے قریب چند بڈھے راہب بیٹھے ہوئے ملے۔

اپنے خیال میں اچھی طرح تلاشی لینے کے بعد مسلمان گرجے سے باہر نکل آئے حضرت خالد نے باہر آکر کیلوس سے کہا۔ اس گرجے میں جو ننیں رہتی تھیں وہ کہاں گئیں۔

کیلوس:۔ جب سے مسلمان اس پہاڑ کے دامن میں آکر ٹھہرے ہیں اس وقت سے ہم عیسائیوں کو اندیشہ ہو گیا تھا اس لئے ہم نے انہیں بیت المقدس میں بھیج دیا ہے۔

خالدؓ:۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ آیا وزیراعظم چلا گیا یا کہیں غاروں میں چھپ گیا۔

کیلوس:۔ وہ چھپ نہیں سکتا ضرور چلا گیا ہو گا۔

خالدؓ:۔ اگر ہم اس کا تعاقب کریں۔

کیلوس:۔ میں منع نہیں کرتا۔ لیکن میرے خیال میں آپ اس تک نہ پہنچ سکیں گے۔

خالدؓ:۔ اس وجہ سے کہ ہمیں دیر ہو گئی ہے۔

کیلوس:۔ جی ہاں۔ اس کے علاوہ وہ پہاڑ کے ایسے راستوں سے واقف ہے جو لمبے راستہ کو مختصر کر دیتے ہیں۔

خالدؓ:۔ لیکن پھر بھی ہمیں ان کا تعاقب کرنا ضروری ہے۔ کیا آپ ہماری رہبری کریں گے۔

کیلوس:۔ میں تو مجبور ہوں۔ زیادہ بڈھا ہوں کہیں آجا نہیں سکتا لیکن آپ کے ساتھ ایک راہب کو کیے دیتا ہوں وہ راستہ بتا دے گا۔

خالدؓ:۔ آپ کا شکریہ۔

کیلوس گرجے کے اندر گیا اور ایک ادھیڑ عمر کے راہب کو ساتھ لے کر آیا۔ اس نے آتے ہی خالد سے کہا۔ یہ شخص تمام راستوں سے خوب واقف ہے آپ کی راہبری خوب کرے گا۔

خالدؓ:۔ بہت خوب۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

راہب ایک خچر پر سوار ہو کر آگے آگے چلا اور مجاہدین اسلام اس کے پیچھے چلے۔ جب وہ کچھ دور نکل گئے تو کیلوس قہقہہ لگا کر ہنسا۔ اس نے آپ ہی آپ بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ ان مسلمانوں کو بڑا سمجھدار اور مدبر پایا جاتا ہے میں تو انہیں بے وقوف سمجھتا ہوں احمق میرے ایک ہی فقرہ میں آگئے۔

گرجے کے دروازوں میں سے قریاقوس مسکراتا ہوا نکلا۔ اس نے کیلوس کے قریب آکر کہا۔ "خوب چکمہ دیا آپ نے۔"

کیلوس نے اکڑ کر کہا۔ "چکمہ؟ میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ مسلمان سادہ لوح ہیں اور انہیں نہایت آسانی سے دھوکا دیا جا سکتا ہے۔

قریاقوس:۔ آپ نے کہاں ٹال دیا انہیں۔

کیلوس:۔ اپنے خیال میں اخلاط کی طرف آپ کا تعاقب کرنے گئے ہیں۔

قریاقوس:۔ مجھے خوف پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں پرویندہ نے تہ خانہ کا تذکرہ نہ کر دیا ہو اور سیدھے وہیں نہ چلے جائیں۔

کیلوس:۔ جب ان کے سردار نے گرجے میں تلاشی لینے کے متعلق کہا تو میں بھی لرز گیا۔ مگر پھر فوراً ہی مجھے خیال ہوا کہ پرویندہ ایسی لڑکی نہیں ہے جو مسلمانوں کو اپنی قوم کے خلاف تمام باتیں بتا دے اس لئے کچھ ہمت بڑھ گئی اور میں نے انہیں تلاشی لینے کی اجازت دے دی۔ لیکن ایک بات ضرور کہوں گا۔

قریاقوس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کیا؟

کیلوس:۔ مسلمان نہایت شریف ہیں ایسی حالت میں جبکہ ان کی ایک دوشیزہ کو عیسائیوں نے زبردستی اٹھا لیا تھا اور ان کے ایک ساتھی کو زخمی کر ڈالا تھا۔ اگر وہ جوش و غضب میں آکر گرجے کو مسمار کر دیتے اور عیسائیوں کو قتل کر ڈالتے۔ تو کچھ تعجب نہ تھا۔ لیکن ان کا رویہ شریفانہ رہا۔ اور انہوں نے کچھ بھی نہیں کہا۔

قریاقوس:۔ اچھا تو اب مجھے بھی روانہ ہو جانا چاہئے۔

کیلوس:۔ نہیں تم رات کو روانہ ہونا۔ اب جاؤ اور تہ خانہ میں چھپ جاؤ اندیشہ ہے کہیں کوئی اور مسلمان اس طرف نہ آ نکلے۔

قریاقوس:۔ بہتر ہے۔

کیلوس:۔ دیکھو اس عربی دوشیزہ کی حفاظت و نگرانی نہایت ہوشیاری سے کرنا۔ وہ نہایت پرجوش اور دلیر لڑکی ہے اس نے تمہارے دو ساتھیوں کو زخمی کر دیا ہے اگر اسے موقع ملا تو وہ اور لوگوں کو بھی قتل و زخمی کرنے سے دریغ نہ کرے گی۔

قریاقوس:۔ میں نے احتیاطی تدابیر اختیار کر لی ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ صرف یہی لڑکی نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کی ساری ہی لڑکیاں اور عورتیں بہادر ہوتی ہیں جب وہ موقع دیکھتی ہیں لڑتی ہیں اور نہایت جوش و خروش سے موت کی لڑائی لڑتی ہیں۔

کیلوس:۔ یہی بات ہے مجھے ان پر رشک آتا ہے ایک وہ ہیں جو میدان جنگ میں نکل کر لڑتی ہیں ایک ہماری عورتیں ہیں جو اس قدر آرام طلب ہو گئی ہیں کہ ہر وقت مخملی گدوں پر پڑا رہنا پسند کرتی ہیں۔

قریاقوس:۔ اچھا تو میں جا رہا ہوں لیکن آپ یہیں بیٹھ کر دیکھتے رہیں کہ اور مسلمان تو نہیں آتے۔

کیلوس:۔ دیکھتا رہوں گا۔ مگر اس لڑکی کی دلجوئی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھنا۔

قریاقوس:۔ بہت اچھا۔

قریاقوس چلا اور گرجے میں داخل ہو گیا۔ کیلوس چبوترہ پر بیٹھ کر نظریں اٹھا اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

بارھواں باب

پشیمان حسینہ

حضرت خالدؓ راہب کی رہبری میں روانہ ہو گئے تھے۔ راہبر اس نواح کے تمام راستوں سے بخوبی واقف معلوم ہوتا تھا وہ انہیں ایسے درہ میں سے لے کر چلا جو قدرے تنگ تھا۔ یعنی اس قدر تنگ کہ اس میں سے چار سوار بیک وقت گزر سکتے تھے۔ جس وقت یہ لوگ درہ سے باہر نکلے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ انہوں نے تمام پہاڑ کو طے کر لیا ہے۔ راہب نے حضرت خالد سے مخاطب ہو کر کہا۔ حضور! پہاڑی راستہ ختم ہو گیا اب یہ سیدھا راستہ اخلاط کو گیا ہے اگر اجازت ہو تو میں واپس لوٹ جاؤں۔

خالد نے اسے واپس جانے کی اجازت دے دی۔ وہ سلام کر کے چلا گیا۔

اب انہوں نے نہایت تیزی سے چلنا شروع کر دیا وہ گھوڑے اڑائے تقریباً پانچ چھ میل نکل گئے تھے کہ اس طرف سے چند عیسائی آتے ہوئے ملے انہوں نے روک کر دریافت کیا۔ کیا کچھ عیسائی سوار اس طرف سے گئے ہیں۔

انہوں نے جواب دیا۔ "نہیں۔"

خالدؓ:۔ کیا راستہ اخلاط کو جاتا ہے۔

ایک عیسائی:۔ جی ہاں۔

خالدؓ:۔ کیا اس سامنے والے پہاڑ سے اور راستے بھی اخلاط کو گئے ہیں۔

دوسرا عیسائی:۔ جی ہاں کئی راستے گئے ہیں۔

خالد سمجھ گئے کہ وزیر اعظم کسی اور راستہ سے نکل گیا ہے۔ انہوں نے اب واپس لوٹنا ہی مناسب سمجھا۔ چنانچہ واپس لوٹے اور لشکر گاہ میں آکر عیاض کے پاس پہنچے اور تمام واقعات انہیں سنا دیے۔ عیاض نے افسوس کے لہجہ میں کہا۔ مجھے طاہرہ کی طرف سے بڑا فکر پیدا ہو گیا ہے۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ ان نامرد' بزدل اور بدکار عیسائیوں پر فوراً ہی حملہ کر دوں۔ لیکن امیر المومنین کے فرمان سے مجبور ہوں۔ اچھا عمرو کی واپسی کا انتظار کرو۔ دیکھو وہ کیا جواب لاتے ہیں اور پھر......... پھر ان عیسائیوں کو بتاؤں گا کہ کسی مسلم دوشیزہ کو جبراً لے جانے کی سزا کیا اور کیسے ملا کرتی ہے۔ حارث! چند روز صبر کرو اور دیکھو پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

خالد کے ساتھ حارث بھی گئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ خدا ہی کو یہ منظور تھا کہ جزیرہ میں آکر میرے خاندانی ناموس کی دھجیاں اڑیں۔

عیاض نے جوش میں آکر کہا۔ حارث! اگر زندگی ہے تو تم دیکھو گے کہ عیسائیوں کی زندگی کی دھجیاں اڑائی جائیں گی۔

خالد نے انشاء اللہ کہا اور وہ اور حارث اٹھ آئے۔ خالد اپنے خیمہ پر چلے گئے اور حارث اپنے خیمہ پر آئے۔ انہوں نے آکر دیکھا کہ منذر کو ہوش آگیا ہے اور وہ نہایت بے چینی سے تڑپ رہا ہے۔ پرونہ اس کے سرہانے بیٹھی ہے۔

حارث اس کے قریب بیٹھ گیا اس نے دریافت کیا۔ کیا تمہارے زخم میں ٹیس ہے منذر۔

منذر نے نحیف آواز میں کہا۔ نہیں ٹیس نہیں ہے۔

حارث: پھر بے کلی کیسی ہے۔

منذر: کیا طاہرہ مل گئی۔

حارث: نہیں ملی۔ ہمارے جانے ہی سے پہلے اسے ۔ وحشی عیسائی لے گئے۔

منذر نے لمبا سانس بھر کر کہا۔ افسوس! افسوس! کاش میں زخمی نہ ہوتا۔

حارث: افسوس نہ کرو منذر! امیر عیاض نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اس جستجو میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑیں گے۔

منذر چپ ہو گیا۔ حارث سمجھ گیا کہ منذر کو بے حد ملال ہے اس نے بھی اس وقت مزید گفتگو کرنی مناسب نہیں سمجھی۔

پرونہ اور حارث دونوں منذر کی نہایت ہمدردی اور دلسوزی کے ساتھ تیمارداری کرتے رہے۔

منذر خود بھی جلد اچھا ہونے کی کوشش کر رہا تھا اس کا معالج اور اس کے تیماردار جو ہدایتیں اسے کرتے تھے وہ ان پر کاربند رہتا تھا۔

دن گزرتے رہے اور اس کا زخم اچھا ہوتا رہا۔ تقریباً ایک ہفتہ سے پہلے وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ خیمہ سے باہر جانے آنے لگے۔

جوں جوں وہ اچھا ہوتا جا رہا تھا اس کے دل میں طاہرہ کو رہا کرانے کی خواہش اور تڑپ پیدا ہوتی جاتی تھی۔

جو وہ بالکل اچھا ہو گیا تو یہ خواہش اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ چنانچہ ایک روز حارث سے کہا۔ دوست! نہیں کہا جا سکتا کہ معصوم طاہرہ کس حال میں ہے۔ میں اس کے لئے بہت زیادہ بے چین ہوں اور چاہتا ہوں کہ تنہا اس کی تلاش میں نکل جاؤں۔

حارث نے کہا۔ کبھی ایسی غلطی نہ کرنا۔ امیر عیاض قاصد کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں وہ آیا اور انہوں نے یورش کی۔

منذر: لیکن اگر اس عرصہ میں بے رحم و وحشی عیسائیوں نے اس معصوم کو قتل کر ڈالا.........

حارث نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ایسا خیال نہ کرو۔ میرا دل کہتا ہے کہ عیسائی اس کا بال بھی بیکا کرنے کی جرات نہ کریں گے۔

منذر: خدا کرے ایسا ہی ہو۔ مگر مجھے اطمینان نہیں ہے۔

حارث: تم طاہرہ سے واقف نہیں ہو۔ وہ نہایت خوددار اور بہادر لڑکی ہے۔

منذر: میں جانتا ہوں۔ مجھے یہی خوف ہے کہ کہیں خودداری ہی اس کے لئے اس کی وبال جان نہ بن جائے۔

حارث: جس قدر وہ خوددار اور بہادر ہے اسی قدر عاقبت اندیش بھی ہے۔

منذر: مجھے خیال ہے کہ وہ کسی سازش کا شکار ہوئی ہے۔

حارث نے منذر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا مطلب ہے اس سے تمہارا۔

منذر: وہی جو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔

حارث: یعنی۔

منذر: مجھے پرونہ پر شبہ ہے وہ اسے قصداً ورغلا کر وہاں لے گئی اور گرفتار کرا دیا۔

حارث:۔ نہیں نہیں۔ میں اسے یقین نہیں کر سکتا۔ اگر پروینہ اسے لے جا کر گرفتار کرا دیتی تو خود بھی چلی جاتی۔ کون اسے روک سکتا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا ہوں تو وہ تنہا تمہارے پاس بیٹھی تھی۔

منذر:۔ یہ عیسائی لڑکیاں بڑی چالاک ہوتی ہیں۔ ممکن ہے اب وہ اور کسی گہری سازش میں مشغول ہو۔

حارث نے قدرے مسکرا کر کہا۔ چونکہ تم شروع ہی سے اس کی طرف سے مشکوک ہو اس لئے ایسا خیال رکھتے ہو۔

منذر:۔ ہاں میرا ایسا ہی خیال ہے اور میں نے صفائی کے ساتھ ظاہر کر دیا۔

حارث:۔ خود طاہرہ آ کر اس کی تردید کر دے گی۔

منذر:۔ خدا ایسا ہی کرے۔

اس گفتگو کے بعد منذر باہر چلا گیا اور حارث بیٹھا رہ گیا۔ اس وقت پروینہ حضرت خولہ کے پاس گئی تھی لیکن جوں ہی منذر گیا فوراً ہی وہ آ گئی۔ حارث نے اسے دیکھا اس وقت اس کے چہرے سے شرم و ندامت کی علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں وہ آتے ہی ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ حارث اسے اس حالت میں دیکھ کر متعجب ہوا۔ اس نے کہا۔ پروینہ! کیا بات ہے کیوں تم ایسی حرکت کر رہی ہو۔

پروینہ نے شرمندگی کے لہجہ میں کہا۔ "شریف انسان! آج میں اپنے قصور کا اعتراف کر کے معافی چاہنے آئی ہوں۔

حارث اور بھی حیران ہوا اس نے کہا۔ "قصور!...... تم نے کیا قصور کیا ہے۔

پروینہ:۔ میں صفائی دل کے ساتھ اس بات کا اقرار کرتی ہوں کہ طاہرہ کو میں ورغلا کر لے گئی تھی اور میں نے ہی اس معصوم اور پاکباز دوشیزہ کو مصیبت کے جال میں پھنسا دیا ہے۔

حارث نے کمال حیرت سے پروینہ کو دیکھا۔ اس نے بولنا چاہا۔ لیکن کچھ ایسا حیرت زدہ ہو رہا تھا کہ نہ بول سکا۔

پروینہ نے کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ شیطان کے بہلانے میں آ گئی۔ نیک دل مسلم نوجوان! مجھے معاف کر دو۔

حارث پروینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے دریافت کیا۔ کس نے پھسلایا تھا تمہیں۔

پروینہ نے جواب دیا۔ "میرے بھائی نے۔"

حارث:۔ کس وجہ سے۔

پروینہ:۔ اس نے طاہرہ کو دیکھا تھا اس کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گئی تھی۔

اب حارث کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ سا ہٹتا نظر آیا۔ اس نے کہا اور اسی نے تمہارے بھائی نے تمہیں اس معصوم کو ورغلا کر لانے کے لئے بھیجا تھا۔

پروینہ:۔ جی ہاں۔

حارث:۔ تم عیسائی کس قدر عیار ہو۔

پروینہ:۔ میں نے تمہیں فریب دیا۔ میرا ضمیر مجھے لعنت کر رہا ہے۔ مجھے معاف کر دو حارث۔

حارث نے کسی قدر جوش میں آ کر کہا۔ معاف کر دوں۔ مجھے تباہ کر دیا۔ ہدف غم بنا دیا۔ حسین ساحرہ کس قدر فریب دیا ہے تم نے۔ اس ظلم کی کچھ انتہا ہے۔

پروینہ:۔ میں نادم ہوں مجھ پر رحم کر۔

حارث:۔ میرے دوست منذر نے تمہاری طینت کو پہلے ہی سمجھ لیا تھا۔

پروینہ:۔ میں واقف تھی۔ اس کی تیز نگاہوں کو پہچانتی تھی مگر......

حارث:۔ مگر کیا۔

پروینہ:۔ جس وقت طاہرہ گرفتار کر لی گئی اس وقت میری آنکھیں کھل گئیں۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرنے لگا اور باوجود اس کے کہ میرے بھائی نے میری خوشامد کی اور اپنے ساتھ لے چلنے پر اصرار کیا لیکن میں نہیں گئی۔

حارث نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔ برا کیا تم نے پروینہ......

پروینہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ مجھے خود اعتراف ہے کہ میں نے برا کیا ہے بہت ہی برا۔ اچھے حارث! مجھے معاف کر دو۔

حارث:۔ میں معاف نہیں کر سکتا۔ تو تم نے میرا دل توڑ دیا ہے۔

پروینہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔ حارث۔ یا تو مجھے معاف کر دو یا سزا دو۔

حارث:۔ سزا دوں...... بتاؤ کیا سزا دوں تمہیں۔

پروینہ اٹھی اور خیمہ میں لٹکی ہوئی تلوار اٹھا لائی اور تلوار کو میان میں سے نکال کر حارث کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ یہ تلوار موجود ہے اور میرا سر حاضر ہے۔ وار کرو اور اپنا انتقام لے لو۔

حارث سوچنے لگا جب زیادہ دیر ہوئی تو پریونہ نے کہا۔ کس سوچ میں پڑ گئے ہو معاف کر دو یا میرا سر اڑا دو۔

حارث نے پریونہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ ناممکن ہے کہ میں تمہارا سر اڑا دوں۔

پریونہ نے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا کس لیے ناممکن ہے۔

حارثؓ۔ اس لئے کہ تم عورت ہو اور عورت کو قتل کرنا روا نہیں ہے۔

پریونہ۔ اور وہ محبت کا دعویٰ۔

حارثؓ۔ وہ بھی سچا ہے فریب کار حسینہ میں تجھے چاہتا ہوں۔

پریونہ۔ چاہتے ہو تو میرا قصور معاف کر دو۔

حارثؓ۔ اچھا معاف کر دیا۔

پریونہ خوش ہو گئی۔ اس نے کہا۔ اب سنو۔ طاہرہ کو میں نے گرفتار کرایا ہے اور میں ہی اسے رہا کرا لاؤں گی۔

حارث نے پھر اسے تعجب خیز نظروں سے دیکھا۔ دیر تک دیکھنے کے بعد کہا کیا تم چھڑا لاؤ گی اسے؟"

پریونہ۔ ہاں میں لاؤں گی۔

حارثؓ۔ کس طرح۔

پریونہ۔ جس فریب سے میں نے اسے گرفتار کرایا ہے اسی فریب سے رہا کرا لاؤں گی۔

حارثؓ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو میں اور تمام مسلمان تمہارے مشکور ہوں گے۔

پریونہ۔ ایک بات کی التجا اور ہے آپ سے۔

حارثؓ۔ کس بات کی۔

پریونہ۔ جب تک میں طاہرہ کو یہاں نہ لے آؤں آپ میری مکاری کا تذکرہ کسی سے بھی نہ کریں۔

حارثؓ۔ میں اور کسی سے نہ کہوں گا لیکن اپنے دوست منذر سے نہ چھپاؤں گا۔

پریونہ۔ لیکن اسے بھی آپ ہدایت کر دیں کہ وہ کسی سے نہ کہے۔

حارثؓ۔ یہ ممکن ہے میں اس سے کہہ دوں گا اور وہ کسی سے تذکرہ نہ کرے گا۔

پریونہ۔ اچھا اب آپ مجھے مسلمان کر لیجئے۔

یہ سن کر حارث کو اس قدر حیرت ہوئی کہ اس کی آنکھیں پھٹی اور منہ کھلا رہ گیا اس نے کہا۔ مسلمان ہونا چاہتی ہو۔ کس وجہ سے۔

پریونہ نے سنجیدگی سے کہا۔ وجہ کوئی نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے اخلاق نے مجبور کر دیا۔

حارثؓ۔ لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم اسلام کو سچا مذہب سمجھنے لگی ہو۔

پریونہ۔ اگر سچا مذہب نہ سمجھتی تو کبھی مسلمان نہ ہوتی۔

حارثؓ۔ خدا کا شکر ہے۔

ع کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

حارث نے کلمہ پڑھا کر اسے مسلمان کر لیا۔ مسلمان ہونے کے بعد پریونہ نے کہا۔ اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں طاہرہ کو چھڑانے کے لئے روانہ ہو جاؤں۔

حارثؓ۔ کیا اسی وقت۔

پریونہ۔ جی ہاں۔

حارثؓ۔ اور تنہا۔

پریونہ۔ اگر کسی ذی عیسائی پر تمہیں اعتبار ہو تو اسے میرے ساتھ کر دیجئے۔

حارثؓ۔ اچھا ٹھہرو میں کسی کو دیکھ کر لاتا ہوں۔

حارث اٹھا اور خیمہ سے باہر چلا گیا۔ پریونہ سفر کی تیاری کرنے لگی تھوڑی دیر میں حارث واپس آیا۔ اس نے کہا۔ خوش قسمتی سے ایک نہایت معتبر آدمی مل گیا ہے۔

پریونہ نے مسکرا کر کہا۔ آپ کا شکریہ۔

وہ حارث کے ساتھ خیمہ سے باہر آئی۔ یہاں ایک عیسائی گھوڑے پر سوار ایک اور گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا۔ پریونہ گھوڑے پر سوار ہوئی اور حارث کو سلام کر کے عیسائی سوار کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ حارث اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ نظر آتی رہی جب وہ ٹیلوں کے پیچھے چھپ گئی تو وہ ٹھنڈا سانس بھر کر لوٹا اور خیمہ کے اندر رہ گیا۔

کوچ

حضرت عیاضؓ کو خالدؓ کو اور تمام ان مسلمانوں کو جنہیں طاہرہ کے متعلق علم ہوا تھا بے حد رنج، ملال اور غصہ تھا۔ مسلمان جب سے سرزمین حجاز سے نکلے تھے آج تک انہوں نے کبھی کسی عیسائی لڑکی کو نہ ورغلایا تھا نہ اغوا کیا تھا نہ جبراً اغوا کرائے تھے۔ سچ پوچھئے تو وہ اغوا کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔

ایک وقت تھا جب اور ممالک کی طرح عربستان میں بھی بدکاری ہوتی تھی۔ عورتوں کی

کوئی عزت نہ سمجھی جاتی تھی۔ انہیں جانوروں سے بدتر خیال کیا جاتا تھا جو حالت آج یورپ کی ہے وہی حالت اس وقت عرب کی تھی۔ یعنی شام کو عقد کیا جاتا تھا اور صبح ہی طلاق دی جاتی تھی۔ یا عورتوں سے کام لئے جاتے تھے جسے وہ نہ کر سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ ایک اور وحشیانہ رسم بھی رائج تھی اور وہ رسم زندہ لڑکیوں کو دفن کرنے کی تھی۔

بے درد باپ لڑکی کو اپنے ہاتھ سے گڑھا کھود کر دفن کر دیتا تھا اور پھر زندہ ہی کو اور اس بات پر فخر کیا جاتا تھا کہ اس نے اپنی اتنی لڑکیوں کو زندہ دفن کیا ہے۔

یہ وحشیانہ اور بے رحمانہ رسم اور حماقت آفرین عورتوں کی بے عزتی اسلام سے پہلے رائج تھی۔

جب اسلام نئی شان کے ساتھ آیا اور حضرت محمد صلعم نے اسلام کی تبلیغ کی تو بت پرستی اور کفر و شرک کی ممانعت کے علاوہ دختر کشی کی مزموم رسم بند کرنے کی بھی تلقین کی۔ خدا کے احکام سنائے۔ عورتوں کی عزت کرنے کا حکم دیا۔ عربوں کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے خدا کے ہر حکم کی اطاعت کرنی شروع کر دی۔

عرب سچے اور پکے مسلمان بن گئے۔ ہر عورت کی خواہ وہ کسی مذہب و ملت کی ہو عزت کرنے لگے۔

اسی لئے ہر خلیفہ نے خود آنحضور صلعم نے بار بار تاکید کے ساتھ احکام جاری کئے کہ عورتوں کا احترام کیا جائے۔ دشمنوں کی عورتوں کو کسی وقت میں بھی قتل نہ کیا جائے۔

سچ پوچھئے تو عورتوں کو اسلام نے حقوق دے انہیں پستی کے گڑھے سے نکالا اور دنیا بھر کو یہ بتایا کہ عورتوں کی عزت کرو۔ چنانچہ مسلمانوں کی دیکھا دیکھی دوسری قوموں نے بھی عورتوں کے حقوق تسلیم کئے اور اس طرح صنف نازک کا طبقہ بھی عزت کی نظروں سے دیکھا جانے لگا۔

چنانچہ مسلمان ایام جاہلیت کی باتوں کو چھوڑ چکے تھے اور وہ عورتوں کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے۔

انہیں غم اور غصہ تھا اس بات پر کہ ایک عیسائی نے جو ایک ملک کا وزیر اعظم ہے معصوم طاہرہ کو اغوا کر کے نہایت ہی سوقیانہ اور کمینہ حرکت کی ہے۔

وہ عمرو کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔

حارث نے یوحنا کی تمام گفتگو اور اس کے وہاں سے طاہرہ کو رہائی دلانے کے ارادہ سے جانے کا تمام حال سنا دیا تھا۔

ایک روز جنگ وہ عشاء کی نماز پڑھ کر عیاض کے خیمہ پر پہنچے تو انہوں نے خالد، ضرار، مقداد اور عبدالرحمٰن کو بیٹھے ہوئے پایا۔

عبدالرحمٰنؓ حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اول کے بیٹے تھے۔ نہایت بہادر اور ہوشیلے نوجوان تھے۔ وہ جب بھی جنگ میں بھی شریک ہوتے تھے اسے فتح کر کے ہی لوٹتے تھے۔

حارث اور منذر بھی سلام کر کے بیٹھ گئے۔ عیاضؓ نے کہا۔ عمرو آگئے ہیں جس وقت میں نماز کے لئے جا رہا تھا اس وقت وہ آئے تھے چونکہ اذان ہو چکی تھی اور میں نماز پڑھنے کے لئے چل پڑا تھا اس لئے میں نے مناسب نہ سمجھا کہ ان سے کچھ دریافت کروں چنانچہ انہیں یہ کہہ کر کہ وہ نماز کے بعد آویں۔ میں نماز پڑھنے کے لئے چلا گیا تھا۔ یقین ہے کہ وہ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر اب آتے ہی ہوں گے۔ ان کی گفتگو سن کر اور یہ معلوم کر کے کہ انطاکیہ کے بادشاہ کا کیا ارادہ ہے ہمیں اس وقت یہ طے کر لینا ہے کہ اب کیا کرنا چاہئے۔

حضرت خالد نے کہا۔ میرا خیال ہے کہ انطاکیہ کے بادشاہ نے صلح کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

عیاض نے خالد کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا اور یہ خیال آپ کا کس بنا پر ہے۔

خالدؓ:۔ اگر وہ صلح کر لیتا تو عمرو صرف ایک لفظ یہ کہہ کر صلح ہو گئی ہے اطمینان دلا سکتے تھے۔

عیاضؓ:۔ انہوں نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن میں نے منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اذان ہو گئی ہے اور اس لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ نماز سے پہلے کوئی بات کی جائے۔

خالد کچھ کہنا چاہتے تھے کہ عمرو بھی آگئے۔ انہوں نے آتے ہی السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ یعنی سلام ہو آپ پر اور رحمت اللہ کی اور برکت اس کی کہا اور عیاض کے سامنے جا کر بیٹھ گئے۔

عیاض نے دریافت کیا۔ کہئے انطاکیہ کے بادشاہ نے صلح کی پیش کش کا کیا جواب دیا۔

عمرو نے جواب دیا وہ نہایت مغرور بادشاہ ہے اس نے کسی طرح بھی صلح کی آمادگی ظاہر نہیں کی بلکہ اور چڑ گیا اور یہاں تک بگڑا کہ آپ کا خط بھی دیکھنے سے انکار کر دیا۔

عیاضؓ:۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے اس کے کان میں پھونک مار دی ہے۔

عمروؓ:۔ وہ خود مجسم شیطان ہے اور اس کی لڑکی شیطان زادی ہے۔

عیاضؓ:۔ کیا تم نے اس کی لڑکی کو دیکھا ہے۔

عمروؓ:۔ جی ہاں دیکھا ہے۔

عیاضؓ:۔ سنا ہے بہت زیادہ بہادر اور نڈر ہے۔

عمروؓ:۔ خاک بھی بہادر نہیں ہے البتہ حسین ہے جب کوئی اس سے لڑتا ہے اور لڑنے والا اس پر غالب آنے لگتا ہے تو وہ اپنا نقاب اٹھا لیتی ہے اور اس طرح لڑنے والا غالب ہوتے ہوتے مغلوب ہو کر رہ جاتا ہے۔

عیاضؓ:۔ تو اس سے یہ پتہ چلا کہ وہ بے حد حسین ہے۔

عمروؓ:۔ یہ بات بھی نہیں ہے ایسی بہت زیادہ حسین نہیں ہے۔ چہرہ گول ہے نقش اچھا ہے' رنگ سفید ہے جیسا اکثر عیسائی عورتوں کا ہوتا ہے خصوصاً ان کا جو سرد ممالک میں رہتی ہیں وہ اکثر اپنے چہرہ پر نقاب ڈالے رہتی ہیں اور چونکہ اس کے حسن کی شہرت زیادہ ہے اس لئے ہر شخص اسے دیکھنے کی تمنا رکھتا ہے۔ چنانچہ جب جنگ کرتے ہوئے وہ دیکھتی ہے کہ دشمن اس پر غالب آجائے گا تو وہ نقاب پلٹ دیتی ہے اور لڑنے والے کے دل میں چونکہ اسے دیکھنے کا اشتیاق ہوتا ہے اس لئے وہ اسے دیکھنے لگتا ہے اور اسی عرصہ میں وہ اس پر غالب آجاتی ہے۔

عیاضؓ:۔ خوب گویا یہ انطاط کے بادشاہ نے ایک ڈھونگ بنا رکھا ہے۔

عمروؓ:۔ میں یہی سمجھتا ہوں۔

عیاضؓ:۔ اس نے صلح کرنے سے قطعی انکار کر دیا ہے۔

عمروؓ:۔ نہایت سختی سے انکار کیا۔ اس پاگل کو یہ خبط ہے کہ اس کی بیٹی دنیا بھر کے بہادر لوگوں سے زیادہ بہادر ہے اور مسلمانوں کو آسانی سے زیر کر لے گی۔

عیاض نے مسکرا کر کہا۔ بدبخت بادشاہ! یہ نہیں جانتا کہ مسلمان عیسائیوں کی طرح عورتوں کے شائق نہیں ہیں۔ اسے معلوم نہیں ہے کہ عربوں نے مسلمان ہو کر عیش و عشرت سے کنارہ کشی کر لی ہے۔ عورتوں کی ہم نشینی مردوں کو بزدلی کا سبق پڑھا دیتی ہے اس بے وقوف کو اپنی لڑکی کی بہادری پر ناز ہے لیکن اسے بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ وہ غلطی پر تھا۔

عمروؓ:۔ اس نے اپنی لڑکی کو حکم دیا ہے کہ وہ لشکر لے کر شریاض کی مدد کرنے کے لئے فوراً روانہ ہو جائے اور جبل الشاشنہ کا ولی عہد سوئی ہاں اس لڑکی سے لڑنے کے لئے آیا تھا۔ بادشاہ نے اس سے وعدہ کر لیا ہے کہ اگر وہ اس کی لڑکی کے ہمراہ لڑائی پر جا کر مسلمانوں پر فتح حاصل کر لے تو وہ اس کی شادی اپنی لڑکی کے ساتھ کر دے گا۔

عیاضؓ:۔ خوب۔ یہ عیسائی عجیب قسم کے انسان ہیں۔ ایسی باتیں کرتے اور کہتے ہیں جو ایک خوددار آدمی نہیں کہہ اور کر سکتا کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اپنی لڑکی کے متعلق یہ شرط لگا دی گئی ہے کہ اگر وہ فتح کر لے تو اس کے ساتھ اس کی شادی کر دی جائے گی کیا یہ خودداری کے منافی نہیں ہے۔

خالدؓ:۔ حد درجہ بے حیائی کی بات ہے۔ کوئی خوددار شخص اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا۔

عیاضؓ:۔ کیا تمہارے سامنے اس کا لشکر روانہ ہو گیا تھا۔

عمروؓ:۔ نہیں۔ میں اسی وقت چلا آیا تھا۔ لشکر اگلے روز روانہ ہونے والا تھا۔

عیاضؓ:۔ بس تو بحث ختم ہو گئی۔ اب مشورہ دو کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

ضرارؓ:۔ اب اور کس بات کا انتظار ہے حضرت امیرالمومنین کے حکم کی تعمیل ہو چکی۔ میرے خیال میں اب تعویق نہیں کرنی چاہئے۔ علی الصباح لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دے دینا چاہئے۔

عیاضؓ:۔ لیکن آپ نے اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ جزیرہ کے تمام ملوک اپنے شہنشاہ کی اعانت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے بہترین اور بہادر جگرپاروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں لا کر کھڑا کریں۔

عبدالرحمٰنؓ:۔ یہ ہو گا اور اس کا پہلے ہی سے خیال تھا۔ لیکن کیا ہم جزیرہ کے دلیروں سے ڈر جائیں۔

عیاضؓ:۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ مسلمان کسی حالت میں بھی نہیں ڈرا کرتا۔ ڈر کس بات کا موت کا وقت معین ہے اپنے وقت پر ضرور آئے گی۔ پھر خوف کیا جو دشمنوں کی کثرت یا طاقت سے ڈر جائے وہ مسلمان ہی نہیں۔ مگر میں یہ کہہ رہا تھا کہ شریاض اس قدر لشکر لائے گا جس کا شمار بھی نہ ہو سکے گا۔

خالدؓ:۔ لیکن جس قدر لشکر ہرقل اعظم یرموک یا انطاکیہ کے مقام پر لا چکا ہے اس قدر وہ نہ لا سکے گا دنیا نے ان لشکروں کا انجام بھی دیکھ لیا ہے اور اب اس لشکر کا انجام بھی دیکھ لے گی۔

عیاضؓ:۔ میرے خیال میں آپ سب اصحاب کا مشورہ یہ ہے کہ پیش قدمی شروع کر دی جائے۔

ضرارؓ:۔ بے شک۔

عیاض:۔ اچھا تو تمام لشکر میں اعلان کرا دو کہ کل صبح کی نماز پڑھتے ہی روانہ ہو جائیں۔ راہبوں سے کہہ دو کہ وہ راس العین کی طرف رہنمائی کریں۔

عیاض کے اس حکم کو سن کر تمام مسلمان خوش ہو گئے۔ انہوں نے خوش ہو کر کہا۔ جزاک اللہ! پیشقدمی کا اعلان کر کے آج آپ نے ہمیں اس قدر خوش کیا ہے کہ ہم الفاظ کے ذریعہ سے اس کا اظہار نہیں کر سکتے۔

عیاض:۔ میں اب تک مسلمانوں کی شفقت کی ہی وجہ سے متذبذب تھا کیونکہ چاہتا تھا کہ لاکھوں عیسائی مقابلہ میں آئیں گے اور ہم صرف آٹھ ہزار ہی ہیں اسی لئے میں نے دربار خلافت کو بھی امدادی لشکر بھیجنے کے متعلق لکھا تھا لیکن چونکہ مسلمان دنیا میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں اور ہر طرف سے ان پر حملے کئے جا رہے ہیں اس لئے مدد آنی مشکل ہو گی مگر ہمارا خدا پر بھروسہ ہے۔ وہی ہماری مدد کرے گا اب میں بھی ضبط و صبر نہیں کر سکتا۔ مجھے طاہرہ کے معاملہ نے اور بھی بے چین کر دیا ہے میری دعا ہے کہ خدا اس معصوم کی حفاظت کرے۔

سب نے آمین کہی۔ عیاض نے کہا۔ میرے خیال میں اسی وقت سے کوچ کی تیاری شروع کر دینی چاہئے۔

سب نے "بہت اچھا" کہا اور سلام کر کر کے اٹھ اٹھ کر روانہ ہونے لگے سب کے بعد منذر اور حارث اٹھے اور اپنے خیمہ پر پہنچ کر تیاری کرنے لگے۔

افسروں نے جا کر تمام سپاہیوں کو امیر کے حکم سے مطلع کر دیا۔ سارا لشکر تیاریوں میں مصروف ہو گیا تقریباً آدھی رات تک سب تیاریاں کرتے رہے آدھی رات کے بعد سو گئے۔

صبح سویرے بیدار ہو کر سب نے ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی اور نماز پڑھتے ہی لشکروں کی روانگی شروع ہو گئی۔

ڈیرے اور چھولداریاں اکھاڑ اکھاڑ کر اونٹوں پر بار کی گئیں۔ پیادے آگے روانہ ہوئے اور سوار ان کے پیچھے چلے سب کے بعد عورتیں چلیں۔ عورتوں کے پیچھے پانچ سو سواروں کا دستہ چلا۔

دو سو سوار اس لئے پیچھے رہ گئے کہ جب سارا لشکر روانہ ہو جائے تو وہ پڑاؤ کی دیکھ بھال کر کے یہ دیکھیں کہ کسی کی کوئی چیز تو گری پڑی نہیں رہ گئی ہے۔

اسلامی لشکر میں یہ قاعدہ تھا کہ جب لشکر ایک پڑاؤ سے دوسرے پڑاؤ کی طرف روانہ ہوتا تو کچھ سوار پیچھے رہ جاتے اور وہ سارے پڑاؤ کا جائزہ لے کر چلا کرتے۔ چنانچہ ان لوگوں نے بھی اچھی طرح گھوم پھر کر دیکھا اور جو چیز بھی ملی اسے اٹھا کر ایک فہرست بنا لی اور ان چیزوں کو لے کر دوپہر کے قریب چل دیئے۔

پری جمال طاریون کی روانگی

اخلاط کے بادشاہ نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا۔ چار ہزار لشکر ایسا تھا جسے وہ میدان جنگ میں روانہ کر سکتا تھا۔ اس نے ان کے لئے سامان حرب و ضرب تیار کرانا اور رسد مہیا کرنا شروع کر دیا۔

بہت جلد تمام انتظامات مکمل ہو گئے اب وہ سوسیٰ کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

لشکر شمیاط کی مدد کے لئے بھیجا جانے والا تھا وہ قلعہ سے باہر اسی میدان میں خیمہ زن ہو گیا تھا جس میں چند ہی روز پہلے سوسیٰ اور طاریون کی جنگ ہوئی تھی۔

کچھ دنوں کے بعد سوسیٰ بھی آ گیا۔ اس کے ساتھ چھ ہزار آزمودہ کار سوار تھے۔ چونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ شہزادی طاریون کے ہمراہ جائے گا اس لئے بڑی شان و شوکت سے آیا تھا۔

صرف ایک روز اس نے قیام کیا۔ دوسرے روز بادشاہ اور اخلاط کے اعیان اور اکابران سلطنت دونوں لشکروں کو رخصت کرنے کے لئے قلعہ سے باہر آئے۔

اس وقت تمام میدان میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ ہوا کے خفیف خفیف جھونکے چل رہے تھے عیسائیوں کے جھنڈوں کے پھریرے لہرا رہے تھے۔

تمام لشکر کربستہ ہو گیا تھا سوار مسلح کھڑے ہوئے تھے آگے سوسیٰ کا لشکر تھا اور اس کے پیچھے شہزادی طاریون کا۔

دونوں لشکروں کے درمیان میں طاریون اور سوسیٰ معہ چند فوجی افسروں کے ایک زرتار سائبان کے نیچے گھوڑوں پر سوار کھڑے تھے۔

سوسیٰ نہایت عمدہ ریشمیں پوشاک اور سونے کے ایسے زیورات جن میں جواہرات جڑے ہوئے تھے پہنے تھا سونے کا چمکدار تاج سر پر تھا۔ نہایت شان سے کھڑا تھا۔

شہزادی طاریون نہایت قیمتی ریشم کی نارنجی پوشاک پہنے تھی۔ کانوں میں دو بجلیاں تھیں۔ بجلیوں میں سرخ رنگ کے دو لعل جڑے تھے جو انگاروں کی طرح دہک رہے تھے۔ گلے میں ایک ہار تھا جس میں مختلف قسم و رنگ کے ہیرے اور جواہرات پروئے ہوئے

تھے۔ نہایت بیش قیمت تھا۔ اس میں سے مختلف قسم کی ایسی روشنی کی شعاعیں نکل رہی تھیں جو حد درجہ دلفریب تھیں۔ لیکن دیکھنے والوں کی نظروں میں خیرگی پیدا کر دیتی تھیں۔

طاریون اپنے رخ زیبا پر نقاب ڈالے تھی۔ نقاب سیاہ رنگ کا تھا اس میں موتیوں اور ہیرے کی ٹکڑوں کی جھالر لگی ہوئی تھیں نہایت خوبصورت نقاب تھا اور بالکل اس طرح سے ڈالا ہوا تھا جیسے چھٹی صدی ہجری میں بغداد کی مسلم عورتیں ڈالا کرتی تھیں۔ یعنی منور پیشانی اور دلکش آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ اس قدر درخشاں و تاباں تھیں کہ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔ باقی چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔

نازک سر پر خوبصورت اور چمکدار تاج تھا اس کے حسین چہرہ کا جس قدر حصہ بھی نظر آرہا تھا نہایت دلکش۔

سوئی بار بار نظریں چرا چرا کر اس بت سیم تن کو دیکھ رہا تھا۔ دیکھتا تھا اور پھر دیکھنے کی آرزو ہوتی تھی پھر دیکھتا تھا اور پھر تمنا پیدا ہوتی تھی۔

کبھی کبھی اخلاط کی حسین کافرہ بھی اپنی ہوشربا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھ لیتی تھی جب دونوں کی نگاہیں اتفاقیہ چار ہوتی تھیں تو سوئی کا دل تیزی سے دھڑکنے لگتا تھا۔ چہرہ کا رنگ اڑ جاتا تھا۔ آنکھوں سے حسرت برسنے لگتی تھی۔ اور بجلیاں برسانے والی نگاہوں کے دیکھنے کی تاب نہ لا کر سوئی کی نظریں فوراً ہی جھک جاتی تھیں۔

بادشاہ اور اس کے اراکین سلطنت عمدہ جو طاریون کے پاس آکر کھڑے ہوئے۔ سوئی بادشاہ کے سلام کے لئے گھوڑے کی زین پر اس قدر جھک گیا کہ اس کا سر گھوڑے کی ایال سے جا ملا اور طاریون کس قدر جھک کر رہ گئی۔

بادشاہ نے دونوں کو دعا دے کر طاریون سے مخاطب ہو کر کہا۔ "جان پدر" دنیا تیری بہادری کا لوہا مانے ہوئے ہے آج تک تجھ سے لڑنے کے لئے جس قدر دلیر اور بہادر شہسوار آئے تو نے ان سب پر غلبہ حاصل کر لیا میری آرزو ہے کہ جس طرح تو عیسائی بہادروں پر غالب آتی رہی ہے اسی طرح مسلمانوں پر بھی غلبہ حاصل کر اور ان وحشی عربوں کو بتا دے کہ ہمارے ملک اور ہماری قوم کے نہ صرف مرد ہی بہادر بلکہ عورتیں اور لڑکیاں بھی ان سے زیادہ دلیر ہیں۔

طاریون نے شیریں لہجہ میں کہا۔ ابا جان۔ آپ تھوڑے ہی عرصہ میں سن لیں گے کہ آپ کی پیاری اور جری لڑکی نے عربوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔"

بادشاہ نے خوش ہو کر کہا۔ بس یہی تمنا ہے مجھے۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تو ان مغرور اور خود سر عربوں کو شکست دے کر ان کے وطن حجاز پر بھی حملہ کر اور ان کے خلیفہ کو گرفتار کر کے میرے سامنے لا۔

طاریون:۔ کیا عجب ہے کہ میں آپ کی یہ تمنا بھی پوری کر دوں۔

بادشاہ:۔ اگر تو نے ایسا کیا تو حضرت مسیح۔ پاک ماں (حضرت مریم) روح القدس (حضرت جبرئیل) اور خداوند کے باپ (خدا) تجھ سے بے حد خوش ہوں گے اور مسیحی دنیا تیرا شکریہ ادا کرے گی۔ اچھا نور چشمی! میں تجھے اخلاط کے تمام لشکر کا سپہ سالار بناتا ہوں۔ جا اور نام پیدا کر کے آ۔

طاریون نے دلکش انداز میں کہا۔ حضور کا شکریہ!

سوئی نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ عالیجاہ! میری آرزو ہے کہ حضور شہزادی صاحبہ نہ صرف اخلاط کے لشکر کی سپہ سالار رہیں بلکہ اخلاط اور جبل السماسنہ دونوں لشکروں کی سالار اعظم رہیں اور میں ان کی ماتحتی میں ان کے گھوڑے کی باگ سے اپنے گھوڑے کی باگ ملا کر اس جوش و خروش سے لڑوں کی دشمن اور دوست سب حیران ہو جائیں۔

بادشاہ نے خوش ہو کر کہا۔ نہایت اچھا خیال ظاہر کیا ہے تم نے۔ تم دونوں نوجوان ہو۔ بہادر ہو۔ تمہارے دلوں میں جوش اور دل میں امنگ اور حوصلوں میں استقلال ہے۔ یقین ہے کہ تم فتح یاب ہو گے۔

طاریون نے نگاہ ناز سے سوئی کی طرف دیکھا سوئی پہلے ہی اس کی طرف دیکھ رہا تھا جوں ہی نگاہیں چار ہوئیں سوئی کے دل پر ہزاروں تیروں کی بوچھاڑ پڑی اور وہ زخم خوردہ شکار کی طرح تڑپ کر رہ گیا۔

شہزادی نے نہایت پیارے لہجہ میں کہا۔ تمہارا شکریہ سوئی۔ مگر یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارا لشکر بھی میرے تحت میں رہے۔

اگرچہ سوئی زخمی دل کے سنبھالنے میں مصروف تھا لیکن اسے فوراً ہی جواب دینا تھا اس لئے اس نے جوں توں دل کو قابو میں کر کے کہا۔ کیا برائی ہے اس میں؟

طاریون:۔ ممکن ہے تمہارے لشکر کے افسر یا سپاہی اس بات کو گوارا نہ کریں۔

سوئی:۔ جی ہاں۔

طاریون:۔ جب تو میں شکریہ کے ساتھ اس عزت کو منظور کرتی ہوں۔

یہ فقرہ شہزادی نے کچھ ایسے لب و لہجہ سے اور ایسی دلربایانہ کے ساتھ کہا کہ سوئی غریب جو پہلے ہی سے نیم بسمل ہو رہا تھا بسمل ہو کر رہ گیا۔

اس نے اس بت ہوشربا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ شہزادی! مشکور میں ہوں کہ آپ نے میری عرضداشت کو منظور کر لیا۔

بادشاہ نے کہا۔ میرے بچو! تمہاری اس وقت کی مخلصانہ محبت آمیز گفتگو نے میرا دل خوشی سے بھر دیا ہے کہ تمہارا یہ اخلاص اور تمہارے یہ محبت بڑھتے رہیں۔ دیکھو تمہیں رخصت کرنے کے لئے پادری آئے ہیں یہ تمہارے لئے دعا کریں گے اور حسین مہ پارہ ننس آئی ہیں یہ تمہیں خداوند کی شان میں گیت گا کر خوش کریں گی۔

اب اس نے اپنی پشت کی طرف دیکھا کئی بڈھے پادری سفید جبے پہنے اور اونچی اونچی ٹوپیاں اوڑھے۔ ریشم کی ڈوروں سے کمریں باندھے سینوں پر صلیبیں لٹکائے لمبی لمبی تسبیحیں ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے۔

بادشاہ نے کہا۔ مقدس بزرگو! میری بچی کی فتح یابی کے لئے دعا کرو۔

پادری بڑھ کر شہزادی کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ انہوں نے اپنی عباؤں سے مقدس انجیلیں نکالیں۔ انہیں کھولا۔ آہستہ آہستہ کچھ آیتیں پڑھیں اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگیں۔

جب پادری دعا مانگ چکے تب پری جمال لڑکیاں جو سفید لباس پہنے تھیں آگے آئیں اور انہوں نے اپنے گداز سینوں پر ہاتھ رکھ کر نہایت خوش الحانی سے ایک گیت شروع کیا۔

حسین لڑکیوں نے جو گرجا کی ننس تھیں نہایت سریلے انداز اور نغمہ زا لہجہ میں گایا۔ جہاں تک ان کی آواز پہنچی سماں بندھ گیا۔ لوگ محو بے خود ہو گئے۔ سب پر خود فراموشی طاری ہو گئی۔

جب انہوں نے نغمہ بند کیا تو کچھ عرصہ کے بعد لوگوں کو ہوش آیا۔ بادشاہ نے کہا۔ کیسا پرکیف نغمہ گایا ہے تم نے۔

لڑکیاں اظہار تعظیم کے لئے جھک گئیں۔ وہ ہٹ کر راستہ کے سرے پر جا کھڑی ہوئیں پادری بھی ان کے پاس ایک طرف جا کھڑے ہوئے۔

بادشاہ نے سوئی اور شہزادی کے سروں پر ہاتھ رکھا اور وہاں سے ہٹنا چاہتا تھا کہ ایک سوار تیزی سے گھوڑا دوڑائے آتا نظر آیا۔ بادشاہ وہیں رک گیا اس نے ایک افسر سے کہا۔ یہ سوار کوئی ضروری خبر لے کر آیا ہے۔ اسے یہاں بلا لاؤ۔

افسر بڑھا اور جب سوار اس کے قریب آیا تو اس کو ساتھ لے کر بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ کو دیکھتے ہی سوار گھوڑے سے نیچے اتر کر زمین پر لیٹ گیا۔

اس وقت ادنی درجہ کے آدمی اعلی طبقہ کے لوگوں کو اسی طرح سلام کیا کرتے تھے۔ جب وہ سلام کر کے کھڑا ہوا تو بادشاہ نے دریافت کیا تم کہاں سے آ رہے ہو۔

سوار نے جواب دیا کہ راس العین سے حضور۔"

بادشاہ۔ کیا شہواش نے بھیجا ہے تمہیں۔

سوار۔ جی ہاں۔

بادشاہ۔ کیا پیغام لائے ہو تم۔

سوار۔ غریب پرور! شہواش راس العین سے روانہ ہو گئے ہیں۔ بادشاہ نے خوش ہو کر کہا۔ بہت اچھا کیا انہوں نے۔

سوار۔ ان کا ارادہ ہے کہ مسلمانوں پر یورش کر کے انہیں شکست دے کر بھگا دے۔

بادشاہ۔ نہایت مبارک ارادہ ہے۔

سوار۔ وہ یہ بھی سوچ رہے ہیں کہ اگر کافی لشکر جمع ہو جائے تو پھر حجاز کے اوپر بھی حملہ کریں۔

بادشاہ اس خبر کو سن کر پھڑک اٹھا۔ اس نے خوشی کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔ یہی میری تمنا ہے۔

سوار۔ وہ چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد امدادی لشکر آپ بھیج دیں۔

بادشاہ۔ تم دیکھ رہے ہو یہ لشکر کوچ کرنے کے لئے بالکل تیار ہے۔

سوار۔ کس قدر لشکر ہے حضور؟

بادشاہ۔ دس ہزار ہے اس میں چار ہزار انطاکیہ کی طرف سے ہے اور چھ ہزار جبل السانہ کی طرف سے۔ اس کے علاوہ میں نے اپنے بھتیجے ہرقون کو بھی لکھ دیا ہے کہ وہ بھی کم از کم تین ہزار لشکر لے کر اس لشکر کے ساتھ مل جائے۔

سوار۔ ملک شہواش بھی یہی چاہتے تھے۔

بادشاہ۔ شہنشاہ کس جگہ جا کر قیام کریں گے۔

سوار۔ مرج رغبان میں۔

بادشاہ۔ نہایت اچھا موقع ہے۔

سوار۔ تو حضور مجھے بھی اجازت دیجئے کہ میں اس لشکر کے ہمراہ روانہ ہو جاؤں۔

بادشاہ۔ تم شوق سے جا سکتے ہو۔

سوار بھی ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اب بادشاہ اور ارکین سلطنت سب پادریوں کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ طاریون نے لشکر کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔ نقاروں پر چوب پڑی تمام سوار ہوشیار ہو گئے اور جس وقت باجہ کی سریلی آواز بلند ہوئی فوراً ہی لشکر نے چلنا شروع کر دیا۔

بادشاہ اور تمام لوگ اس وقت تک لشکر کو دیکھتے رہے جب تک وہ بڑھ کر غبار کے پیچھے غائب نہ ہو گیا

تیرہواں باب

کافر ادا حسینہ

شہزادی طاریون سوئی کے ساتھ معہ دس ہزار لشکر کے نہایت شان و شوکت سے سفر کر رہی تھی۔ تمام لشکر۔ لشکر کے سارے افسر اور خود سوئی اس کا بڑا احترام کرتے تھے۔ جب اور جہاں وہ کہتی اسی وقت اور وہیں قیام کیا جاتا اور جس وقت کوچ کا حکم دیتی اسی وقت کوچ کر دیا جاتا۔

سوئی اس کے ہر حکم کی تعمیل نہایت تندی اور چستی سے کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بے درد بے رحم طاریون اسے نظر التفات سے دیکھنے لگے اور اس کے پتھر جیسے دل میں اس کی وفاداری کا نقش ہو جائے۔

جب وہ اس سے باتیں کرتی تو اسے ایسا معلوم ہوتا جیسے فردوس بریں کی کوئی حور اس سے ہمکلام ہو رہی ہے اس کی شیریں گفتار اسے نغمہ روح پرور معلوم ہوتی تھی وہ چاہتا تھا۔ کہ وہ ساری عمر اس سے باتیں کئے جائے اور وہ دل کی پیاس بجھانے کے لئے اس کے شیریں نغمے سنتا رہا۔

وہ اسے دیکھتا تھا۔ یا دیکھتا رہتا تھا اور جس قدر وہ دیکھتا تھا اسی قدر ہوس دید اور بڑھتی تھی۔

طاریون بھی کبھی کبھی دزدیدہ نگاہوں سے اسے دیکھ لیتی تھی۔ جوں ہی وہ سوئی اپنی نظریں جھکا لیتا۔

سوئی نہایت خوبرو نوجوان تھا۔ رفتہ رفتہ طاریون کے دل میں بھی اس کا خیال پیدا ہونے لگا وہ بھی اسے نظر تامت سے دیکھنے لگی۔

جب کسی جگہ وہ قیام کرتے اور سوئی اپنے خیمہ میں چلا جاتا تو جس طرح وہ طاریون

کے لئے تسکین ہو جاتا۔ اسی طرح یا اس سے کچھ طاریون بھی بیکل ہو جاتی۔

لیکن وہ عورت تھی اور عورت کبھی اپنی طبیعت کی تسکین کو ظاہر نہیں کیا کرتی۔ نہایت ضبط اور صبر سے کام لیتی ہے طاریون ضبط کئے ہوئے تھی اس کی کسی بات سے بھی اس کے دل کی دلی کا حال ظاہر نہیں ہوتا تھا۔

اب اس نے یہ وطیرہ کر لیا تھا کہ جب سوئی کے پاس جاتی تو اس سے ہمکلام نہ ہوتی بلکہ بے رخی برتتی۔

اس سے سوئی کو تکلیف ہونے لگی۔ وہ سمجھتا کہ شہزادی اس سے کسی بات پر کچھ خفا ہو گئی ہے۔

چونکہ وہ اسے دل سے چاہتا تھا اس لئے اس سے اسے بیحد رنج ہوتا تھا مگر اس قدر جرات نہیں تھی کہ اس سے ملال خاطر کی وجہ دریافت کر لیتا۔

ایک روز جبکہ تمام لشکر سفر کر رہا تھا۔ اور وہ دونوں لشکر کے درمیان میں زرتار سائبان کے سایہ میں چلے جا رہے تھے دوپہر کا وقت ہو گیا آفتاب نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا دھوپ میں قدرے گرمی تھی طاریون نے کہا۔ اف آج کس قدر گرمی ہے۔

کئی روز سے سوئی کو اس سے باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا جو ان سے یہ بات کی تو جھٹ وہ بول اٹھا۔ بیشک گرمی ہے آپ جیسی نازنین اس گرمی کو برداشت نہیں کر سکتیں۔ اگر اجازت ہو تو لشکر کے قیام کرنے کا حکم دے دیا جائے۔

طاریون نے کہا نہیں قیام کرنے کی ضرورت نہیں ہے چار میل چل کر ہی ٹھہریں گے سوئی نے اس کے رخ انور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا لیکن گرمی۔

طاریون آپ بھی چہرہ پر نقاب ڈالے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہا۔ ہاں گرمی زیادہ ہے۔

سوئی:۔ اچھا کچھ دیر آرام کیجئے۔

طاریون:۔ ہمارا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ میں جلد سے جلد مرج رغبان میں پہنچ کر مسلمانوں سے لڑنا چاہتی ہوں۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں ہمارے جانے سے پہلے ہی جنگ شروع نہ ہو جائے۔

سوئی:۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ شہنشاہ ہمارا انتظار کریں گے اس کے علاوہ شاید ابھی مسلمان بھی مرج رغبان میں نہ آئے ہوں گے۔

طاریون:۔ یہ ناممکن ہے وہ آگئے ہوں گے۔ ان کے آنے کی خبر سن کر ہی شہنشاہ نے بادشاہوں کے پاس قاصد دوڑائے ہیں۔

سوئی:۔ یہ بھی ممکن ہے اور اسی وجہ سے میرا قیاس صحیح ہو سکتا ہے کہ جب ہم سب وہاں پہنچ جائیں گے وہ اس وقت جنگ کریں گے۔

طاریون:۔ میری یہی تمنا ہے بلکہ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ سب سے پہلے جنگ کرنے کے لئے ہمارا لشکر بھیجا جائے۔

سوئی:۔ یہی میری بھی آرزو ہے۔

طاریون نے شوخی سے سوئی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تمہاری بھی یہی آرزو ہے۔

سوئی نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔ "جی ہاں۔"

طاریون نے مسکرا کر کہا۔ لیکن تم مسلمانوں کا کیا مقابلہ کر سکو گے جبکہ ایک لڑکی کا مقابلہ نہ کر سکے۔

سوئی نے کسی قدر جرات کر کے کہا۔ میں انسانوں سے لڑ سکتا ہوں لیکن اس لڑکی سے نہیں لڑ سکتا جو آسمانی حوروں سے بھی زیادہ خوبصورت ہے

طاریون:۔ گویا تم حسن کے رعب میں آگئے تھے۔

سوئی:۔ بالکل یہی بات ہے جس وقت آپ نے نقاب الٹا تھا

طاریون نے تیز نظروں سے سوئی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نے نقاب الٹا تھا۔

سوئی ڈر گیا اس نے کہا۔ نہیں۔ جس وقت ہوا نے آپ کے رخ زیبا سے نقاب الٹ دیا اور میری نظر چاند سے زیادہ روشن چہرہ پر پڑی تو میں بدحواس ہو گیا اور یہ خبر بھی نہ رہی کہ کہاں ہوں اور کیا کر رہا ہوں۔

طاریون:۔ خوب بات گھڑی ہے آپ نے۔

سوئی نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ نہ شہزادی! بات نہیں گھڑی ہے میں نے بلکہ جو واقعی بات ہے وہ عرض کی ہے۔

طاریون:۔ مگر تم کیا ذکر لے بیٹھے اور میں کیا کہہ رہی تھی۔

سوئی:۔ کیا فرما رہی تھیں آپ؟

طاریون:۔ میں کہہ رہی تھی کہ آج گرمی زیادہ ہے۔

سوئی:۔ اور میں نے عرض کیا تھا کہ تھوڑی دیر قیام کر کے آرام کر لیجئے

طاریون:۔ نہیں۔ میں آج نقاب اٹھائے دیتی ہوں۔ شاید اس سے کچھ گرمی کم ہو جائے۔

سوئی نے آج تک اسے بے نقاب نہیں دیکھا تھا وہ اس کی صورت دیکھنے کا بے حد مشتاق تھا۔ آج قدرت نے غیب سے دیدار یار کا انتظام کر دیا تھا اس نے کہا۔ اس سے یقیناً گرمی کم ہو جائے گی۔

طاریون نے فوراً اپنا دست نازک بڑھا کر نہایت ناز و ادا سے نقاب اتار ڈالا۔

جس وقت سوئی کی نظر اس روشن طاریون کے بے نقاب چہرہ پر پڑی وہ اس کا جمال جہاں آرا دیکھ کر مبہوت و بےخود ہو کر رہ گیا۔

اگرچہ طاریون نے اس کی بےخودی کی کیفیت دیکھ لی تھی۔ لیکن وہ ایسی بن گئی جیسے اس نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ طاریون بے حد حسین تھی۔ اس کے رخ روشن کی طرف دیکھنا آسان نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے گلابی رخساروں میں بجلیاں بھر دی گئی ہوں۔ آنکھوں میں ہوشربا چمک تھی۔

سوئی حسن کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرنے لگا وہ بھول گیا کہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔

طاریون نے کہا۔ نقاب اتارتے ہی کیسی ٹھنڈی ہوا لگتی ہے اور ذرا فرحت ہوئی ہے۔

سوئی عالم حسن میں پہنچا ہوا تھا۔ اسے خبر بھی نہ ہوئی۔ کہ طاریون نے کیا کہا وہ چپ رہا۔

طاریون نے کچھ دیر جواب کا انتظار کر کے کہا۔ تم بولتے نہیں۔"

اب سوئی چونکا اس نے کہا۔ کیا فرمایا حضور نے۔"

طاریون نے مسکرا کر کہا۔ تم نے سنا نہیں۔

سوئی:۔ جی نہیں۔ معاف کیجئے میں اس وقت کچھ بےخود سا ہو گیا تھا۔

طاریون:۔ کیوں۔

سوئی:۔ بخدا بتا نہیں رہا ہوں۔ آپ اس قدر حسین ہیں کہ کوئی آپ کو دیکھ کر اپنے حواس میں رہ ہی نہیں سکتا۔

طاریون:۔ کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو شہزادے؟

سوئی:۔ میں ظاہر ہی نہیں کر سکتا کہ مجھے حضور سے کس قدر محبت ہے۔

طاریون:۔ لیکن ہم میدان جنگ میں جا رہے ہیں اور اس لئے ہمارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم آپس میں محبت کریں نہیں کہا جا سکتا کہ وہاں کیا ہو

سوئی:۔ جو ہو گا دونوں کے لئے ہو گا۔ میں ......

طاریون نے گفتگو کا انداز بدل کر دریافت کیا۔ یہ سامنے کیسی عمارت نظر آ رہی ہے۔

سوئی اب تک طاریون کے چہرہ کو دیکھ رہا تھا اب اس کے توجہ دلانے پر اس نے سامنے کی طرف دیکھ کر کہا۔ یہ قلعہ پدلیس ہے آپ کے نزاد بھائی یرغون کا قلعہ۔

طاریون:۔ اچھا میں سمجھ گئی شکر ہے کہ ہم پدلیس تک آ گئے۔

سوئی:۔ دیکھئے وہ سامنے سے لشکر آ رہا ہے۔ شاید یرغون حضور کے استقبال کے لئے آیا ہے۔

طاریون:۔ میرا بھی ایسا ہی خیال ہے۔ سوئی! تم یرغون کے سامنے نہ مجھ سے زیادہ باتیں کرنا نہ میری طرف دیکھنا۔ وہ کچھ اچھا آدمی نہیں ہے۔ میں اس کی طرف سے مشکوک ہوں اگر اسے یہ شبہ ہو گیا کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو وہ ہم دونوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔

سوئی:۔ میں حضور کے حکم کی تعمیل کروں گا۔

طاریون:۔ اس نے کئی مرتبہ محبت نامے بھیجے ہیں۔ مجھے خیال ہے۔ کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔

سوئی:۔ لیکن حضور کو اس سے نفرت ہے۔

طاریون:۔ تم نے ٹھیک سمجھا۔ دیکھو وہ لشکر کے آگے آگے آ رہا ہے تم ذرا پیچھے ہٹ جاؤ۔

سوئی نے بہت اچھا۔" کہا اور ایک نظر شہزادی کے چہرہ پر ڈالی۔ اس وقت اس کے حسین چہرہ پر غبار کی ہلکی ہلکی تہ جم گئی تھی۔ اس غبار نے اسے اور بھی دلکش بنا دیا تھا۔

سوئی پیچھے ہٹ گیا۔ طاریون نے اپنے چہرہ پر نقاب کھینچ لیا۔ کچھ دور چل کر استقبال کے لئے آنے والا لشکر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور یرغون تنہا بڑھ کر طاریون کے پاس آیا اور اس کی تعظیم کے لئے جھکا۔

طاریون نے کہا۔ یرغون! میں مشکور ہوں۔ کہ تم میرے استقبال کے لئے قلعہ سے باہر نکل آئے۔"

یرغون پھر جھک گیا۔ اس نے عاجزی سے کہا یہ میری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ حضور یہاں تشریف لائیں۔ اور مجھے اپنی خدمت کا موقع دیا۔

طاریون:۔ میں تھک گئی ہوں اور آرام کرنا چاہتی ہوں۔

یرغون:۔ بہتر ہے قلعہ قریب ہی ہے۔ حضور تشریف لے چلیں۔

طاریون:۔ یہی میری منشا بھی ہے۔

یہ کہتے ہی وہ چلی۔ لشکر بھی چلا۔ یرغون ساتھ ہوا اور یہ سب پدلیس کے قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔

آغاز رشک

جس وقت شہزادی طاریون پدلیس کے قلعہ میں داخل ہوئی۔ اہل قلعہ اسے دیکھنے کے لئے امنڈ آئے راستوں کے سروں پر مکانوں اور دوکانوں کی چھتوں پر عورتوں اور مردوں کے ٹھٹ آ گئے۔ قلعہ والوں نے شہزادی کا استقبال نہایت شان کے ساتھ کیا۔

یرغون نے طاریون کو شاہی محل میں ٹھہرایا۔ لشکر چھاؤنی میں ٹھہرایا۔ سوئی کو لشکر کے ساتھ رکھا گیا۔

شہزادی کی مدارات میں یرغون نے انتہا کر دی وہ اور اس کے ملازم ہر وقت اس کی خدمت میں حاضر رہتے بہترین تحفے دیئے جاتے۔ اور اس کے آرام و آسائش کا حد درجہ خیال رکھا جاتا۔

طاریون یرغون کی خاطر تواضع دیکھ کر اس کی بے حد مشکور ہوئی۔ اسے سچے دل سے اعتراف کرنا پڑا۔ کہ یرغون نے اس کی ایسی خاطر کی ہے کہ شاید ہی کسی کی کسی نے کی ہو۔

اس نے ہر وہ چیز طاریون کے سامنے پیش کر دی جو اسے مرغوب تھی۔ اس قدر تحائف دیئے جس کا طاریون حساب بھی نہ لگا سکی۔

دراصل یرغون اس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس لئے اس کی ناز برداری کرتا رہا تھا۔

لیکن اس نے شہزادی کے پاس کسی اور کو نہیں آنے دیا اور تدبیر ایسی کی۔ کہ شہزادی کو بھی شاق نہیں گزرا اور دوسروں کو بھی شکایت نہیں ہوئی۔ اگرچہ سوئی کو سخت ناگوار گزرا مگر وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

مگر جب زیادہ دیر ہوئی اور طاریون نے سوئی کو نہ دیکھا تو وہ کچھ بے چین ہو گئی اور اس لئے اسے بلا کر باتیں کرنا چاہا۔

ریغون نے جب سوسیٰ کو دیکھا تھا اسی وقت سے یہ سمجھ لیا تھا کہ عجب نہیں کہ شہزادی کی طبیعت اس کی طرف راغب ہو گئی ہو۔ اس سے اس کے دل میں خلش پیدا ہو گئی تھی اور وہ اس فکر میں مشغول ہو گیا تھا کہ سوسیٰ سے شہزادی کو نہ ملنے دے۔

لیکن شام کے وقت جب ریغون کے پاس آیا تو طاریون نے اس سے کہا آپ ذرا سوسیٰ کو بلوا دیں۔ میں اس سے صبح کوچ کرنے کے متعلق کچھ مشورہ کرنا چاہتی ہوں۔

ریغون کے دل پر اس کی اس بات کے سننے سے چرکہ لگا۔ اسے بڑا حسد ہوا۔ لیکن اس نے اس کے شک اور رقابت کی علامتیں اپنے چہرہ سے نمودار نہ ہونے دیں اور نہایت لاپرواہی کے انداز میں کہا۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے شہزادی! کہ آپ اپنے اور سوسیٰ کے لشکر کی سرعکس میں آپ کو کسی سے بھی مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو دل میں آئے کیجئے۔

طاریون۔ اگرچہ یہ سچ ہے مگر سوسیٰ کو مشورہ میں شامل کر لینا اس لئے مناسب ہے کہ اس کا زیادہ لشکر ہمارے ساتھ ہے۔

ریغون:۔ مگر اس کی ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ وہ جملہ اختیارات آپ کو دے چکا ہے۔

طاریون کو اس کی یہ بندش سخت ناگوار گزری۔ اس نے کہا۔ کیا آپ مجھ پر کوئی پابندی عائد کرنا چاہتے ہیں۔

ریغون:۔ نہیں۔ میں آپ کا غلام ہوں اور ایک غلام کو مخدوم کے خلاف یہ جرات نہیں ہو سکتی۔

طاریون:۔ اگر یہ بات ہے تو آپ سوسیٰ کو بلانے میں کیوں حجت کر رہے ہیں

ریغون:۔ وہ ایک ناتجربہ کار نوعمر ہے اسے کچھ بھی تجربہ نہیں ہے ایک ناتجربہ کار سے مشورہ کرنے سے کیا فائدہ۔

طاریون سمجھ گئی۔ کہ اس کی گفتگو رشک کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ چونکہ وہ اس کے قلعہ پولیس میں ٹھہری ہوئی تھی اس لئے اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں ریغون اس کے ساتھ دغا بازی کر کے اسے اور اس کے ساتھ سوسیٰ کو بھی قید نہ کر لے اس لئے اس نے اس گفتگو کو طول دینا مناسب نہ سمجھا اور نرمی سے کہا۔ "یہ آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ میں بھی اسے ناآزمودہ کار کمسن لڑکا سمجھتی ہوں مگر اس کو شروع سے اب تک مشورہ میں شریک کرتی رہی ہوں کہ اس کا لشکر بھی ہمارے ساتھ ہے۔

ریغون:۔ لیکن اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔

طاریون:۔ بیشک۔ آپ کی موجودگی میں اس کی ضرورت نہ رہے گی۔ آپ کے ساتھ کس قدر لشکر ہے۔

ریغون:۔ تین ہزار ہے۔

طاریون:۔ کیا تم بھی شہواض کی مدد کے لئے روانہ ہونے کا ارادہ رکھتے ہو۔

ریغون:۔ جب آپ تشریف لے جا رہی ہوں تو میں کیسے آپ سے پیچھے رہ سکتا ہوں

طاریون اس وقت بھی اپنے چہرہ منور پر نقاب ڈالے ہوئے تھی۔ لیکن اس کی چاند سے زیادہ روشن پیشانی اور جادو نگار آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اس نے اپنی حسین نگاہیں اٹھا کر ریغون کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا آپ محض میری وجہ سے جنگ میں شرکت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ریغون اس کی نگاہوں کو دیکھ کر کچھ مسحور ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔ بیشک۔

طاریون:۔ اگر میں لڑنے کے لئے نہ آتی۔

ریغون:۔ تو میں بھی نہ آتا۔

طاریون:۔ جب تو مجھے آپ کا مشکور ہونا چاہئے۔

ریغون:۔ اس میں شکریہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں اور اس محبت کے جذبہ سے مغلوب ہو کر تمہارے ساتھ چل رہا ہوں

طاریون کو اس کی یہ بات نہایت شاق گزری۔ اس نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن مصلحت وقت سمجھ کر چپ رہی۔

ریغون نے اس کی خاموشی کو یہ سمجھا۔ کہ شاید اس کے دل میں بھی اس کی محبت نے کچھ اثر کر لیا ہے اور وہ بھی اس سے انسیت کرنے لگی ہے۔ اس فرضی خیال سے وہ بہت خوش ہوا اور اس طرح دونوں اپنے اپنے خیالات میں مستغرق ہو کر رہ گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد طاریون نے کہا۔ کیا آپ صبح ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں گے۔

ریغون:۔ ضرور۔ میں نے پہلے ہی سے تیاریاں کر لی ہیں۔

طاریون:۔ خوب کیا آپ نے میں صبح سویرے روانہ ہونا چاہتی ہوں۔

ریغون:۔ میں بھی تیار ہوں۔

طاریون:۔ اچھا تو آپ اور جو کچھ تیاری باقی رہی ہو اسے بھی کر لیں۔

ریغون:۔ بہتر ہے۔

برغون سمجھ گیا کہ طاریون تنہائی چاہتی ہے وہ اٹھ کر چلا گیا۔ طاریون کو اس کے جانے کے بعد بڑا غصہ آیا۔ غصہ اس بات پر آیا کہ برغون نے اسے نظر بند کر دیا تھا یا نظر بند سمجھنے لگا تھا مگر غصہ ظاہر کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اور اس لئے اس نے ضبط کیا۔

کچھ دیر کے بعد کھانا آیا۔ اس نے کھانا کھایا اور بستر پر جا پڑی چونکہ اسے غم اور غصہ تھا اس لئے اسے نیند نہ آئی۔ دیر تک پڑی کروٹیں بدلتی رہی جب زیادہ رات گزر گئی تو نیند آگئی اور پھر صبح تک آرام سے سوتی رہی۔

صبح بہت سویرے بیدار ہوئی۔ ضروریات سے فراغت کر کے بیٹھی۔ فوراً ہی برغون آگیا۔ اسے دیکھتے ہی طاریون کو پھر غصہ آیا۔ مگر اس نے پھر ضبط کیا اور چہرہ تبسم کے ساتھ کہا۔ غالباً آپ تیار ہو گئے ہوں گے۔

برغون نے جواب دیا بالکل تیار ہو گیا۔

طاریون: پھر کب چلنے کا ارادہ ہے۔

برغون: ابھی۔ صرف انتظار ہی ہے کہ ناشتہ تیار ہو جائے۔

طاریون: کچھ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا لشکر کہاں ہے۔

برغون: وہ بھی عنقریب مرج رغبان میں پہنچنے والا ہے۔

طاریون: ان مسلمانوں کا پتہ نہیں چلتا۔ کہ کس چیز سے بنے ہیں۔ ڈرنا تو جانتے ہی نہیں۔

برغون: حقیقت یہ ہے کہ میں نے بھی مسلمانوں سے زیادہ شیر دل اور بہادر کوئی نہیں دیکھا۔ نہ وہ ہماری کثرت سے ڈرتے ہیں۔ نہ ہمارے اتفاق سے خوف کھاتے ہیں ان پر کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا۔

طاریون: مگر اب بہت جلد انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ جن لوگوں سے ان کا اب مقابلہ ہونے والا ہے وہ نہایت جری اور نڈر ہیں۔

برغون: اور جب وہ آپ کو لڑتے ہوئے دیکھیں گے تب اور بھی حیران ہوں گے۔

طاریون نے مسکرا کر کہا۔ آپ کے حسن ظن کا شکریہ۔

برغون اس بت ہوشربا کو محبت بھری نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد ناشتہ آیا۔ طاریون نے کھانا شروع کیا۔ برغون اٹھ کر چلا گیا جب وہ ناشتہ کر چکی تو سفر کا لباس پہن کر تیار ہوئی اور کمرہ سے باہر نکلی۔

باہر نکل کر اس نے دیکھا کہ تمام لشکر تیار کھڑا ہے۔ برغون کا لشکر بھی مستعد تھا اور وہ بھی فوجی لباس پہنے گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔

طاریون اپنے گھوڑے پر سوار ہوئی جب وہ برغون کے پاس پہنچی۔ تو نقارہ پر چوب پڑی۔ باجہ نہایت سریلے انداز میں بجنا شروع ہوا۔

آہستہ آہستہ سواروں نے چلنا شروع کیا۔ طاریون۔ سوئی اور برغون بھی چلے اور قلعہ سے باہر نکل کر قلعہ یقتا کی جانب روانہ ہوئے۔

چودھواں باب

شیران اسلام رغبان میں

اسلامی لشکر دامن کوہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ اگرچہ یہ لشکر کل آٹھ ہزار ہی تھا کوئی قابل ذکر تعداد نہ تھی۔ لیکن اس زمانہ میں مسلمانوں کی دنیا بھر میں شہرت تھی اور جب سے انہوں نے ہرقل اعظم کی مضبوط و مستحکم اور پرانی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا تھا اس وقت سے اور بھی شہرت ہو گئی تھی۔ اور ہر شخص انہیں مافوق الفطرت انسان سمجھنے لگا تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک جتنی بھی لڑائیاں ہوئی تھیں ان میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم اور دشمنوں کی تعداد بہت ہی زیادہ رہی تھی اور پھر فتح مسلمانوں کی ہوئی تھی۔

اور جب سے یرموک کے مقام پر صرف ساٹھ مسلمانوں نے ساٹھ ہزار عیسائیوں سے سارا دن جنگ کرنے کے بعد انہیں شکست دے دی تھی۔ اور یہ بات مشہور ہو گئی تھی اس وقت سے اقصائے عالم میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی تھی اور دنیا یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ کہ مسلمان انسان نہیں ہیں یا ایسے انسان ہیں جن کے جسم گوشت پوست کے بنے ہوئے نہیں ہیں۔

اسی وجہ سے جب کسی عیسائی کو کوئی مسلمان نظر آتا تھا تو اس پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی اور وہ کترا کر۔ آنکھ بچا کر راستہ کاٹ کر نکل جاتا تھا۔

جب سے مسلمان جزیرہ میں داخل ہوئے تھے اور انہوں نے دیر بکر اور ارض بیدہ کے کئی مشہور شہر اور مضبوط و مستحکم قلعے فتح کر لئے تھے اس وقت سے اس نواح میں بھی ان کی شہرت ہو گئی تھی اور ہر عیسائی پر مسلمان کا نام لیتے ہی سے لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

جب اسلامی لشکر نے راس العین کی طرف بڑھنا شروع کیا تو ان کے خوف سے عیسائی

دیہات۔ قصبات اور شہروں سے بھاگ کر راس العین میں پہنچے گئے تھے۔

ان بھاگ بھاگ کر آنے والے لوگوں میں سے جو نوجوان اور لڑنے والے تھے انہیں وہاں کے شہنشاہ شہرباض نے فوج میں بھرتی کر لیا۔ اور پادریوں نے پرجوش تقریریں کر کر کے انہیں لڑنے پر آمادہ کر دیا تھا۔

ان کے راس العین میں پہنچنے سے پہلے ہی شہنشاہ کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ تھی اب ان کے پہنچنے سے اس تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔

مسلمانوں کو یہ تمام باتیں ان جاسوسوں کے ذریعہ سے معلوم ہو گئی تھیں جو عیسائی تھے اور اپنی خوشی سے مسلمانوں کا طرز عمل دیکھ کر اپنی قوم کی باتیں مسلمانوں کو سنا دیا کرتے تھے۔

بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں عیسائی بادشاہوں نے مالگزاری اس قدر بڑھا رکھی تھی جسے رعایا ادا نہ کر سکتی تھی۔ اور جو لوگ مالگزاری ادا نہ کرتے تھے ان کی ملکیتیں نیلام کی جاتی تھیں بلکہ عدم ادائے مالگزاری کے جرم میں انہیں گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ ان کا سامان ضبط کر کے فروخت کر ڈالا جاتا تھا انہیں جسمانی اذیتیں دی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ ان کی عورتوں اور بچوں کو فروخت کر دیا جاتا تھا۔

محصولات (ٹیکس) ایسے اور اتنے تھے جن سے غریب رعایا پسی اور دبی سی جا رہی تھی ادا کرنا چاہتی تھی لیکن ہزار کوشش کرنے پر بھی نہ ادا کر سکتی تھی۔

اس کے علاوہ لوگوں کی آبرو بھی محفوظ نہ تھی جب مالگزاری یا محصول وصول کرنے والے افسر مواضعات اور قصبات میں جاتے تھے اور وہ کسی لڑکی کو پسند کر لیتے تھے تو اس کی اور اس کے سرپرستوں کی مرضی کے بغیر اسے چھین کر لے آتے تھے۔

یہ اور اسی قسم کی اور دوسری وجوہات ایسی تھیں جن سے عیسائی اپنی ہی حکومتوں سے ناخوش رہتے تھے۔

انہوں نے دیکھا اور سنا تھا کہ مسلمانوں نے جن شہروں اور قلعوں کو فتح کر لیا تھا وہاں دقیانوسی مالگزاری کا طریقہ اڑا کر نیا اور سہل ترین طریقہ یہ جاری کیا تھا۔ کہ پیداوار کا دسواں حصہ وصول کرتے تھے۔

یہ اس قدر کم مالگزاری تھی جسے ہر شخص نہایت آسانی اور بڑی خوشی سے ادا کر دیتا تھا اور عیسائی حکومت کے تمام محصولات منسوخ کر کے صرف جزیہ کا محصول رکھا تھا اور اس جزیہ کو بھی عیسائی ہنسی خوشی ادا کر دیتے تھے۔

چونکہ مسلمان عورتوں کا احترام کرتے تھے اس لئے کہ کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

اس طرح عیسائیوں کی تمام مشکلات دور ہو گئی تھیں۔ اور اسلامی گورنمنٹ کو خدا کی رحمت خیال کرنے لگے تھے اور انہوں نے مسلمانوں کے طرز عمل سے خوش ہو کر جاسوسی کی خدمات اپنے ذمہ لے لی تھی۔

اسلامی لشکر نہایت شان اور بڑی بے خوفی سے مقام در مقام کوچ کرتا ہوا مرج رغبان میں جا پہنچا تھا۔

مرج رغبان میں ایک نہایت وسیع اور عریض میدان تھا۔ تقریباً تیس میل لمبا اور پندرہ میل چوڑا تھا اس میدان میں نہ کھیتی ہوتی تھی اور نہ باغات تھے زمین ہموار اور مسطح تھی۔ اکثر جگہ کف دست میدان تھا اور کہیں کہیں سرسبز قطعات بھی تھے۔ درختوں کے جھنڈ بھی تھے۔ خود رو پھولوں کے تختے بھی تھے۔

ایک زبردست دریا بھی رواں تھا جو رغبان میں ہوتا ہوا راس العین کی طرف چلا گیا تھا۔

اسلامی لشکر اس وسیع میدان میں دریا کے کنارے پر اتر پڑا۔ انہوں نے قطار در قطار خیمے نصب کر دیئے۔

اسلامی لشکر کی تعداد ہی بہت تھوڑی تھی لیکن حضرت عیاض نے اس تھوڑے سے لشکر کو اس طرح دور تک پھیلا دیا جس سے اس کی تعداد دوگنی سے بھی زیادہ معلوم ہونے لگی۔

یہاں اس طرح قیام کرنے کی یہ وجہ تھی کہ مسلمانوں کو معلوم ہوا تھا کہ عیسائیوں کا ٹڈی دل لشکر قریب آ گیا ہے اور ایک دو روز میں ہی اس میدان میں آنے والا ہے۔

انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ عیسائیوں کا شہنشاہ شہرباض فیصلہ کن جنگ کرنے کے لئے لاکھوں سپاہیوں کو لے کر آیا ہے۔

یہ خبریں کچھ ایسے مبالغہ آمیز طریقہ سے بیان کی جا رہی تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ جزیرہ کے تمام بادشاہوں نے اپنے شہنشاہ کو مدد کے لئے اپنے ہزاروں بہادر سپاہی اور تجربہ کار افسر بھیج رہے ہیں اور اس طرح شہنشاہ کے لشکر کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ہر بادشاہ نے امدادی لشکر بھیجے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچی تھی البتہ ڈیڑھ اور دو لاکھ کے درمیان ضرور تھی۔

مسلمانوں کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ پادریوں۔ راہبوں اور قسیسوں نے پر جوش تقریریں کر کر کے جزیرہ کے تمام عیسائیوں میں مرنے اور مارنے کا جذبہ پیدا کر دیا ہے اور یہ جنگ مذہبی جنگ قرار دے دی گئی ہے۔

چنانچہ ہر پر جوش عیسائی لشکر میں شریک ہو گیا اور سپاہی کے دل میں جوش و غضب کا طوفان امنڈ آیا۔ اور اس طرح عیسائی متفق و متحد ہو کر جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کو فنا کرنے کے لیے امنڈ آئے ہیں۔

لیکن مسلمانوں پر ان خوفناک اور لرزہ براندام خبروں کے سننے سے کوئی بھی اثر نہ ہوا۔ نہ وہ گھبرائے۔ نہ ڈرے۔ عیسائی جاسوسوں کو ان کا استقلال اور ان کی بے خوفی دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔

مسلمانوں کے پاس رسد کا ذخیرہ بہت کم باقی رہ گیا ہے اور چونکہ یہ خدشہ تھا کہ جنگ شروع ہوتے ہی رسد کا کوئی انتظام نہ ہو سکے گا اس لئے عیاضؓ نے خالدؓ۔ ضرارؓ۔ مقدادؓ۔ عبدالرحمن بن ابی بکر صدیقؓ۔ قیسؓ۔ طلفؓ۔ علاؓ۔ عامرؓ۔ عبداللہ بن یوقنا اور نعمان کو طلب کر کے ان سے کہا اس مرتبہ جزیرہ کے عیسائیوں میں بے حد جوش و خروش پیدا ہو گیا ہے۔ اور انہوں نے اپنے بہادر جگر پاروں کو تمہارے مقابلہ کے لئے بھیج دیا ہے پھر اس قدر کثیر لشکر آیا ہے جو ہم سے چو گنا ہے ان باتوں کے علاوہ ان کا ملک ہے ان کے شہر قریب ہیں۔ انہیں بر وقت مدد پہنچ سکتی ہے مگر ہمارا ملک دور ہے اسلامی لشکر چاروں طرف جنگ میں الجھا ہوا ہے۔ اور اس لئے ہمیں مدد پہنچنے کی کوئی امید نہیں ہے مگر ہم واپس بھی نہیں لوٹ سکتے ہم خدا کے بھروسہ پر جنگ کریں گے دشمنوں کی کثرت ہمارے دلوں کو ڈگمگا نہیں سکتی۔ لیکن سر دست ایک اہم سوال پیش ہے اور وہ یہ کہ رسد کا ذخیرہ بہت کم باقی رہ گیا ہے دشمنوں کا لشکر قریب آگیا ہے اگر ہم نے فوراً ہی رسد کا کوئی انتظام نہ کر لیا تو اندیشہ ہے کہ پھر شاید کوئی انتظام نہ ہو سکے۔ اس لئے مشورہ دو کہ اس کا کیا انتظام کیا جائے۔

خالد نے کہا۔ یہی ہو سکتا ہے کہ کہیں سے فراہم کی جائے۔"

عیاضؓ:۔ یہی تو سوچنا ہے کہاں سے فراہم کی جائے۔

عبدالرحمنؓ:۔ جو مواضعات قریب ہیں ان میں سے خریدی جائے۔

عیاضؓ:۔ لیکن ہمارے ہاتھ غلہ فروخت کریں گے۔

نعمانؓ:۔ فروخت نہ کریں تو ہمیں زبردستی حاصل کرنا چاہئے۔

عیاضؓ:۔ میں اس بات کو اچھا نہیں، سمجھتا نہ پسند کرتا ہوں۔

مقدادؓ:۔ پھر تو مشکل ہی سے رسد میسر آسکتی ہے۔

ضرارؓ:۔ میرے خیال میں ایک تجویز آئی ہے۔

عیاضؓ:۔ کیا۔

ضرارؓ:۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر سور کا قلعہ ہے اور اس قلعہ کا بادشاہ طالوت ہے۔ طالوت نے ہم سے مصالحت کر لی ہے۔ اگر وہ چاہے تو ہمیں رسد مل سکتی ہے۔

عیاضؓ:۔ آپ نے صحیح فرمایا۔ اس کے ذریعہ سے رسد فراہم کی جا سکتی ہے۔

عبدالرحمنؓ:۔ یہی مشورہ مناسب ہے میرے خیال میں چند کو کچھ مسلمانوں کے ہمراہ روانہ کرنا چاہئے چونکہ وہ طالوت سے اور طالوت اس سے مانوس ہیں۔ اس لئے یہ آسانی یہ کام ہو سکے گا۔

عیاضؓ:۔ بالکل ٹھیک ہے اب یہ طے کرو کتنے آدمی رسد لانے کے لئے بھیجے جائیں۔

عیاضؓ:۔ پچاس آدمی کافی ہوں گے۔

عیاضؓ:۔ پچاس آدمی بہت کم ہے اس لئے کہ دشمن کا لشکر بہت قریب آگیا ہے اندیشہ ہے کہیں اس کے کسی دستہ سے سامنا نہ ہو جائے۔

عبدالرحمنؓ:۔ آپ کس قدر مناسب سمجھتے ہیں۔

عیاضؓ:۔ میں خود ذمہ داری نہیں لینا چاہتا۔

خالدؓ:۔ سو آدمی مناسب ہوں گے۔

عیاضؓ:۔ ہاں کم سے کم سو تو ہونے چاہئیں اب ان لوگوں کو نامزد کیجئے۔

ضرارؓ:۔ سب سے پہلے میں نام پیش کرتا ہوں۔

عیاضؓ:۔ اچھا تو تم ہی اس دستہ کے سردار قرار دئے جاتے ہو۔ اب سو آدمیوں کو تم خود ہی منتخب کر لو۔

"بہت اچھا۔" ضرار نے کہا اور نام لینے شروع کئے۔

جو آدمی انہوں نے منتخب کئے ان میں قابل ذکر یہ لوگ تھے مقداد بن الاسود سعد بن نتم الاسدی۔ معمر بن ماجدؓ۔ یاری بن مراۃ القصری۔ بلال بن عامر الانصاری۔ قیذ بن ارقع البجلی۔ اور جعفر بن العیشورؓ۔

یہ اور دوسرے وہ لوگ جو منتخب کئے گئے نہایت ہی بہادر تھے۔ ایسے بہادر جن سے

دشمن خوف کھاتے تھے جب اور جس سمت پر گئے تھے فتحیاب ہو کر لوٹے تھے۔

جب سب لوگ منتخب کر لئے گئے۔ تو حضرت عبدالرحمنؓ نے افسروں کے بیچ میں کہا۔ یا ابن عم۔ آپ نے مجھے کیوں منتخب نہ کیا۔ میری خواہش بھی تو آپ کے ساتھ جانے کی تھی۔

ضرارؓ نے کہا۔ میں جانتا اور سمجھتا تھا۔ لیکن آپ کا نام لینا مجھے حوصلہ نہ ہوا۔

عبدالرحمنؓ:۔ کیوں حوصلہ نہ ہوا۔

ضرارؓ:۔ اس لئے کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اول کے صاحبزادے ہیں۔ اگر میرے اعمال اچھے ہیں۔ میں نماز روزہ کا پابند ہوں تو کسی شمار و قطار میں آسکتا ہوں۔ میں خود اپنا نام پیش کرتا ہوں۔

ضرارؓ:۔ میں بڑی خوشی سے منظور کرتا ہوں لیکن ......

عبدالرحمنؓ:۔ لیکن کیا۔

ضرارؓ:۔ میں سرداری کے عہدہ سے سبکدوش ہو کر آپ کو اپنی جگہ پیش کرتا ہوں۔

عبدالرحمنؓ:۔ لیکن میری خواہش یا آرزو یہ ہے کہ میں آپ کی سرکردگی میں چلوں۔

ضرارؓ:۔ مگر میری تمنا ہے کہ آپ اس دستہ کے سردار ہوں اور میں آپ کے ساتھ ہوں مجھے امید ہے کہ آپ میری استدعا کو منظور کریں گے۔

عیاضؓ:۔ کس قدر بے نفسی کی باتیں ہیں جو آپ کر رہے ہیں۔ ہر شخص خود چاہتا ہے افسری کی خواہش کرتا ہے لیکن آپ کو ان باتوں سے گویا نفرت ہے یقین ہے خدا آپ کی ان باتوں سے خوش ہو گا۔ چونکہ ضرار خود سبکدوش ہو گئے ہیں اس لئے عبدالرحمن خوشی سے افسری کا عہدہ قبول کر لیں۔

عبدالرحمنؓ:۔ مجھے اس میں بھی کوئی عذر نہیں ہے۔

عیاضؓ:۔ اچھا تو تیار ہو کر اسی وقت روانہ ہو جاؤ۔

بہت خوب۔" سب نے کہا۔ اٹھے۔ وہاں سے چلے۔ اور اپنے اپنے خیموں پر پہنچ کر مسلح ہوئے۔ اور گھوڑوں پر سوار ہو کر لشکر سے باہر نکلے۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک بڑھا شخص آیا اس شخص کا نام جبا تھا۔ حضرت عیاضؓ نے اسے بھی بھیج دیا تھا

اس کے آتے ہی مسلمانوں نے قلعہ سور کی طرف کوچ کر دیا۔

پرغضب ملاقات

طاریون اپنے لشکر کی معیت میں سوسی اور ریغون کے ہمراہ سفر کر رہی تھی اس نے اس بات کو سمجھ لیا تھا۔ کہ ریغون نہیں چاہتا کہ وہ سوسی سے بات بھی کرے حالانکہ اس کا دل اس سے باتیں کرنے کو چاہتا تھا۔

لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر ریغون خفا ہو گیا تو آج یہ سوسی کو نقصان پہنچا دے گا۔ اس لئے چپ تھی البتہ اس بات کی کوشش کر رہی تھی۔ کہ کسی طرح سوسی کو آگاہ کر دے کہ وہ اس سے "مطلقاً" نہیں مل سکتی۔ مگر ابھی تک اس کا موقع نہیں ملا تھا۔

سوسی کو ریغون پر بڑا غصہ آرہا تھا وہ خوب سمجھ رہا تھا۔ کہ ریغون نے اس کے اوپر پابندی عاید کر دی ہے اور اسے طاریون سے ملنے اور باتیں کرنے کا موقع نہیں دیتا۔ اسے خوب معلوم تھا۔ کہ وہ بھی شہزادی کو چاہتا ہے اس سے وہ رشک رقابت کی آگ میں جلا جا رہا ہے۔ اور چونکہ طاریون نے بھی اسے اپنے پاس نہیں بلایا تھا نہ خود اس کے پاس آئی تھی جس کی وجہ سے وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ شہزادی بھی اس کی طرف سے بے رخی کرنے لگی ہے اس سے اسے رنج ہونے لگا تھا۔

وہ رقابت کی آگ اور بے رخی کے غم میں گھلا جا رہا تھا۔ مگر اس قدر حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ کہ ریغون کو اجازت کے بغیر طاریون سے ملاقات کر سکے۔

ریغون کو شک ہو چکا تھا کہ سوسی کو طاریون سے محبت ہے اور طاریون بھی اس سے انسیت کرتی ہے چونکہ خود اسے بھی شہزادی سے محبت تھی اس لئے اسے بھی بڑا رنج تھا وہ چاہتا تو یہ تھا۔ کہ سوسی کا وجود جو کانٹا بن کر اس کے دل میں کھٹک رہا تھا ہٹا دے مگر کوئی بہانا ہاتھ نہ آتا تھا اور اتنی اس میں ہمت نہ تھی کہ بلاوجہ اسے موت کے گھاٹ اتار دے۔ اس لئے خاموش تھا۔ اور صرف اس بات پر اکتفا کئے ہوئے تھا۔ کہ اسے شہزادی سے نہ ملنے دے۔

یہ تین ہستیاں تھیں اور تینوں اپنے اپنے خیالات میں مستغرق۔ اور اپنے اپنے غم میں گرفتار تھیں۔

البتہ مسلمانوں سے جنگ کر کے انہیں شکست دینے کا خیال تینوں کے دل و دماغ میں بسا ہوا تھا اور اس لئے وہ برابر سفر کر رہے تھے۔ غالباً ان میں سے ہر ایک نے یہ سوچ رکھا تھا۔ کہ جنگ سے فارغ ہو کر عشق و محبت کا فیصلہ کریں گے۔

اسی لئے وہ سفر کرتے رہے یہاں تک کہ بدلیس سے روانہ ہو کر قلعہ لیغا میں پہنچے اور

چونکہ متواتر سفر کرتے رہے تھے اس لئے تھکان دور کرنے کی وجہ سے ایک روز قیام کر دیا۔

یہ قلعہ بھی نہایت مضبوط اور کافی وسیع تھا۔ شہزادی طاریون۔ سوئی اور یرغون تینوں کے ساتھ تیرہ ہزار لشکر تھا۔ اور یہ لشکر قلعہ کے اندر ہی آگیا۔

قلعہ لیغا میں کھچی ہوئی تھی۔ باغات تھے۔ ایک نہر تھی جس کا پانی تمام قلعہ اور قلعہ کی اراضی کو سیراب کرتا تھا۔

جس روز یہ لشکر قلعہ میں مقیم ہوا اس کے دوسرے دن صبح کے وقت طاریون اعلیٰ قسم کا لباس پہن کر سیر کے لئے چلی اتفاق وقت سے یرغون کو خبر نہ ہوئی اور وہ اس کے ساتھ نہ جا سکا۔ لیکن سوئی نے دیکھ لیا اور وہ بھی سادہ پوشاک پہن کر اس کے نقش قدم پر روانہ ہو گیا۔

شہزادی طاریون نہر کے کنارہ کنارہ سبزہ زار کو پامال خرام کرتی پیادہ پا جا رہی تھی چند سپاہی اس سے ذرا فاصلہ پر اس کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔

طاریون کچھ ہی دور چلی تھی کہ ایک باغیچہ نہر کے کنارہ ہی پر نظر آیا۔ وہ اس باغیچہ میں گھس گئی اور انگوروں کی سرسبز بیلوں کے نیچے سے گزرتی ہوئی اس جگہ پہنچی جہاں پھولوں کے کنج تھے۔

یہاں ہر طرف پھول کھل رہے تھے خوشرنگ۔ پھولوں سے عجیب منظر نظر آرہا تھا خوشبو سے تمام باغیچہ مہک رہا تھا وہ پھولوں کے کنج میں گھس گئی اور کچھ دور چل کر رکی اور پھول توڑ کر اپنے سنہری بالکل سیاہ بالوں میں لگانے لگی۔

کچھ تو اسے پھولوں سے رغبت تھی کچھ یہ پھول تھے خوش رنگ اور خوشبودار وہ بڑے شوق سے توڑ توڑ کر سونگھ سونگھ کر۔ سر کے بالوں میں پوشاک میں اور کانوں کے اوپر لگانے لگی۔

اس وقت آفتاب کسی قدر اونچا ہو گیا تھا۔ سفید سفید دھوپ پھولوں پر بکھری پڑی تھی۔ پھول چمک رہے تھے۔ اپنی پوری شادابی اور تازگی کے ساتھ۔

ہوا کے خفیف خفیف جھونکے چل رہے تھے پھولوں کی نازک شاخیں لچک رہی تھیں پھولوں کے ادھر ادھر جھونکے کھانے سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ حسین شہزادی کو دیکھ کر جھومنے لگے ہوں۔

طاریون انہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ اس کے خدام اس سے کسی قدر فاصلہ پر ادب سے خاموش کھڑے تھے۔

طاریون محو نظارہ تھی کہ اس نے قریب ہی قدموں کی چاپ سنی۔ وہ چونک پڑی اور سروقد کھڑی ہو کر دیکھنے لگی۔

اسے خوف ہوا کہ شاید یرغون آرہا ہے وہ اس سے الگ تھلگ رہنا پسند کرتی تھی ایک تو اس لئے کہ وہ اسے بالکل بھی پسند نہ تھا۔ دوسرے وہ نہیں چاہتی تھی۔ کہ سوئی اسے اس کے پاس دیکھ کر آزردہ خاطر یا بدگمان ہو۔

لیکن جب اس کی نظر سامنے ہو گئی تو اس نے سوئی کو آتے ہوئے دیکھا اسے دیکھتے ہی اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ عارض تاباں پر سرخی دوڑ گئی آنکھیں چمکنے لگیں مگر اس نے فوراً اس کی طرف سے نظریں ہٹا کر پھولوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔

سوئی نظریں جھکائے آرہا تھا اس نے طاریون کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی رفتار بتا رہی تھی۔ کہ وہ پس و پیش کر رہا ہے۔ کچھ سوچتا ہوا قدم قدم آرہا تھا۔ غالباً اسے اندیشہ تھا۔ کہ کہیں طاریون اس کے بے وقت آنے پر کچھ ناخوش نہ ہو جائے۔

طاریون کا شوق ملاقات بڑھتا جاتا تھا۔ وہ دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

سوئی دبے قدموں آکر اس کے قریب آکھڑا ہو گیا۔ اور اس کشمکش و پیچ میں پڑ گیا کہ کس طرح اس بت سیم تن کو مخاطب کرے۔

طاریون نے اسے اپنے پیچھے کھڑا ہوتے دیکھ لیا۔ چونکہ سوئی اس سے مخاطب نہ ہوا تھا اس لئے وہ سمجھی کہ شاید وہ کچھ خفا ہے۔

اس خیال نے اس کے نازک دل پر ٹھیس لگائی۔ قریب تھا کہ وہ خود ہی لوٹ کر اس سے باتیں شروع کر دے لیکن اس کی خودداری نے اسے اس کی اجازت نہ دی اور وہ شان استغنا سے کھڑی رہی۔

چند منٹ کے وقفہ کے بعد سوئی نے نرم لہجہ میں کہا۔ آہ۔۔۔۔

۔۔۔۔ شہزادی۔۔۔۔

وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔

خاموش طاریون اس طرح چونک پڑی جیسے اچانک کسی نے آکر اسے ڈرا دیا ہو۔ اس نے اچھل کر حیرت بھری نظروں سے سوئی کو دیکھا۔

سوئی اس کے چونک کی اچھل پڑنے سے نادم اور خوفزدہ ہو کر رہ گیا اسے آگے بڑھنے اور باتیں کرنے کی جرات ہی نہ ہوئی۔

طاریون اس کی طرف مخاطب ہوئی اس نے کہا۔ اچھا آپ بھی تشریف لے آئے ہیں۔

سوئی کے ہونٹوں پر خشکی دوڑ گئی تھی۔ اس نے لکنت کرتے ہوئے کہا۔ جی ہاں...... میں بھی اتفاقیہ اس طرف آنکلا۔

طاریون نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرا بھی ایسا ہی خیال ہے اور شاید آپ واپس جانے والے ہیں۔

سوئی نے اس کی اس گفتگو کو اس کی بے رخی پر محمول کیا۔ اسے بڑا صدمہ ہوا۔ اسے خیال ہوا کہ وہ برغون کے انتظار میں وہاں کھڑی ہے اسی خیال سے اسے قلبی رنج ہوا۔ اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے کہا۔ معاف کرنا میں آپ کی تنہائی میں مخل ہوا۔

طاریون: اس کا خیال نہ کیجئے۔ میں ہوا خوری کے لئے اس طرف آنکلی اچھا ہوا آپ سے ملاقات ہو گئی۔

سوئی نے ذرا طنزیہ لہجہ میں کہا۔ مگر میں سمجھتا تھا کہ آپ شاید کسی کا انتظار کر رہی ہیں۔

طاریون نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں؟...... اچھا کس کا انتظار کر رہی تھی۔

سوئی نے افسردگی کے لہجہ میں کہا۔ اسے یا تو خدا جانتا ہے۔ اور یا آپ جانتی ہیں۔"

طاریون: میں اطمینان دلاتی ہوں کہ میں کسی کا انتظار نہیں کر رہی تھی۔

سوئی: معاف کرنا مجھے خیال ہوا تھا کہ شاید آپ برغون کا انتظار کر رہی ہیں۔

طاریون: یہ خیال آپ کا ٹھیک نہیں ہے۔

سوئی نے آہ سرد بھرتے ہوئے کہا۔ شہزادی صاحبہ! جب سے برغون آپ کے ہمراہ رہتا ہے میں بیحد تکلیف اٹھا رہا ہوں۔

طاریون: کیوں۔

سوئی: اس لئے کہ میں اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا۔

طاریون: مگر ہم مذہبی جہاد کے لئے جا رہے ہیں۔ اور اس لئے ہمیں ایسی باتوں میں نہ پڑنا چاہئے۔

سوئی: میں اسی وجہ سے خاموش ہوں۔ ورنہ ممکن تھا کہ کوئی خرابی ہو جاتی۔

طاریون: دانشمندی یہی ہے کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا کیا جائے۔

سوئی: شہزادی! کیا تم اپنے اس وعدہ پر قائم ہو جو انطاکیہ میں کیا تھا۔

طاریون نے ہوشیار نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ کونسا اقرار؟

سوئی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ جہاں پناہ یعنی آپ کے والد بزرگوار نے عقد کے متعلق وعدہ فرمایا تھا۔

طاریون نے کسی قدر بے رخی کے ساتھ کہا۔ ابھی اس کا ذکر نہ کرو۔

سوئی: اگرچہ اس تذکرہ کا یہ موقع نہیں ہے مگر......

طاریون نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ خاموش ہو جاؤ۔

سوئی: برغون آرہا ہے۔

سوئی نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ برغون تیز قدمی سے پھولوں کے پودوں اور تختوں کو پھلانگتا آرہا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ یہ کمبخت کہاں آمرا۔

برغون بہت جلد ان کے پاس آگیا۔ اس نے کہا۔

شہزادی صاحبہ۔ آپ یہاں ہیں۔ میں آپ کو کئی جگہ تلاش کر آیا۔

طاریون: میں سیر کرنے کے لئے چلی آئی تھی۔ اتفاق سے سوئی بھی آگئے۔ کہیے مجھے آپ کیوں تلاش کر رہے تھے۔

برغون: کوئی خاص کام نہ تھا۔

یہ کہہ کر اس نے سوئی کی طرف غضبناک نگاہوں سے دیکھا سوئی اسے پہلے ہی غیظ بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی پرغضب نگاہیں چار ہوئیں طاریون نے ان کی نظریں دیکھ کر سمجھ لیا کہ دونوں کو جوش و طیش آرہا ہے اس نے رفع شر کرنے کے لئے کہا۔ اس وقت آفتاب کچھ بلند ہو گیا ہے دھوپ میں گرمی آگئی ہے۔ آئیے اب واپس چلیں۔

دونوں غضب میں بھرے ہوئے نوجوانوں نے طاریون کی طرف دیکھا۔ طاریون ان کے درمیان میں آگئی تھی۔ دونوں نے آہستہ سے کہا۔ ہاں چلئے۔

شہزادی چلی۔ اس کے ایک طرف سوئی اور دوسری طرف برغون ہو گئے اور خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑے ان سے کسی قدر فاصلہ پر طاریون کے غلام روانہ ہوئے

پندرھواں باب

غمزدہ حور

قریاقوس نے ہر چند چاہا۔ کہ پرونہ بھی اس کے ساتھ چلے لیکن وہ نہ چلی مجبور ہو کر وہ دو سپاہیوں کو اس کے ساتھ چھوڑ کر طاہرہ کو حراست میں لے کر چلا۔ اور پتھروں پر اترتا چڑھتا گرجہ کے سامنے جا پہنچا۔

گرجہ کے دروازہ پر پادری کیلوس کھڑا تھا۔ وہ طاہرہ کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا اس نے کہا۔ مسیح کی قسم نہایت حسین لڑکی ہے گرجہ کو ایسی ہی لڑکی کی ضرورت ہے۔

قریاقوس نے کہا۔ یہی وہ لڑکی ہے جس نے میرا آرام و چین کھو دیا ہے کیلوس نے پراما مسکرا کر کہا۔ کیا ذکر لے بیٹھے تم۔"

قریاقوس:۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں مسلمان اس لڑکی کے تعاقب میں اس طرف نہ آجائیں۔

کیلوس:۔ اچھا تو تم گرجہ کے اندر چلے جاؤ ...... لیکن یہ تو بتاؤ کہ یہ پرونہ کہاں ہے۔

قریاقوس:۔ ایک مسلمان اتفاق سے وہاں آگیا تھا وہ غالباً اس کا کوئی رشتہ دار تھا۔ اس نے آتے ہی لڑنا شروع کر دیا۔ میرے بہادر سپاہیوں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ کسی فوری اثر سے اس کا دل متاثر ہو گیا اور وہ وہیں رہ گئی۔

کیلوس:۔ تم نے برا کیا۔ اس معصوم کو وہاں نہ چھوڑنا چاہیے تھا۔ اگر مسلمان اسے پکڑ کر لے گئے تو کیا ہو گا۔

قریاقوس:۔ میں نے دو سپاہی اس کے پاس چھوڑ دیئے ہیں اگر اسے آنا ہو گا آجائے گی ورنہ ......

کیلوس:۔ ورنہ تم اسے چھوڑ دو گے۔

قریاقوس:۔ اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

کیلوس:۔ تم چھوڑ دو لیکن میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔

قریاقوس:۔ آپ کی بڑی مہربانی۔ اچھا اب میں گرجہ کے اندر جا رہا ہوں قریاقوس نے طاہرہ اور اپنے سپاہیوں کو ساتھ لیا۔ اور گرجہ کے اندر داخل ہوا۔ اور دو کمروں کو طے کر کے قربان گاہ کے سامنے جا پہنچا۔

یہاں ایک طرف حضرت مریم کی تصویر رکھی تھی۔ دو سپاہیوں نے بڑھ کر تصویر کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ اور جس پتھر پر یہ تصویر رکھی ہوئی تھی اسے اٹھایا۔

اس کے اٹھاتے ہی ایک دروازہ نمودار ہوا۔ یہ دروازہ تہ خانہ کی سیڑھیوں کا تھا۔

سب سے پہلے قریاقوس اس کے اندر داخل ہوا۔ اس کے بعد سپاہی طاہرہ کو لے کر پہنچے۔ اور یہ سب سیڑھیاں طے کر کے ایک کمرہ میں پہنچے۔ اس کمرہ میں اس قدر روشنی نہ تھی۔ کہ اس کی سب چیزیں صاف طور پر نظر آجائیں۔ طاہرہ نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا مگر کچھ بھی نظر نہ آیا۔

یہ لوگ اس کمرہ سے دوسرے کمرہ میں پہنچے۔ وہ کمرہ اس سے زیادہ کشادہ اور روشن تھا۔ یہاں کئی سپاہی مسلح کھڑے تھے وہ قریاقوس کو دیکھتے ہی جھک گئے

یہ جماعت ان کے پاس سے ہو کر نکل گئی۔ اور اس کمرہ سے بڑھ کر ایک اور کمرہ میں پہنچی۔ یہ کمرہ پہلے سب کمروں سے بڑا تھا اور ضروری ساز و سامان سے آراستہ بھی تھا یہاں کئی عورتیں اور مرد اچھی پوشاکیں پہنے کھڑے تھے وہ بھی قریاقوس کے سلام کے لئے جھک گئے۔

انطاط کا وزیراعظم ایک کوچ پر بیٹھ گیا۔ طاہرہ اس کے سامنے پیش کی گئی۔ قریاقوس نے اس سے کہا۔ عربی دوشیزہ اب تمہیں ہمارے یہاں رہنا ہے ہم تمہیں نہایت آرام سے رکھیں گے۔

تم ہمارے پاس رہ کر وحشی اور مفلس عربوں کو بھول جاؤ گی اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ تمہیں ہمارے پاس سے اب کوئی طاقت واپس نہیں لے جا سکتی اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں اپنے عزیزوں کے چھوٹنے کا ملال ہو گا لیکن اس ملال کو رفتہ رفتہ دور کرنے کی کوشش کرو۔

طاہرہ کو بے حد رنج و غم تھا اس کا چہرہ پھیکا پڑا ہوا تھا آنکھیں غم میں ڈوبی ہوئی تھیں اس نے کہا۔ دغاباز۔ تم نے یہ برا کیا۔ افسوس کس قدر مکار ہو تم لوگ کہ تم نے اپنی ہمشیرہ کو فریب کا جال پھیلانے کے لئے بھیجا۔

قریاقوس نے ہنس کر کہا۔ اب اس تذکرہ کا کیا موقع ہے۔ تم آزاد کر دی گئی ہو۔ اپنی مرضی کی مختار ہو۔ سردست آرام کرو۔ تمہاری خدمت کے لئے عورتیں اور مرد مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ تم ان سے خدمت لو۔ اور بے تکلف ہو کر رہو۔

طاہرہ نے کہا۔ میں اس قوم کی عورت ہوں جو اپنا کام خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی ہیں۔ میں بھی آج تک اپنے کل کام آپ ہی کرتی رہی ہوں مجھے نہ خادموں کی ضرورت ہے اور نہ خادماؤں کی حاجت ہے۔

قریاقوس نے اس کے چاند سے چہرہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ اور کیا چاہتی ہو تم۔

طاہرہ:۔ میں آزادی چاہتی ہوں تم مجھے چھوڑ دو۔

قریاقوس:۔ یہ ناممکن ہے۔

طاہرہ:۔ کیوں میں نے تمہارا کیا قصور کیا ہے۔

قریاقوس:۔ تم نے ...... ہاں تم نے قصور کیا ہے۔

طاہرہ نے غم و حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر دریافت کیا کیا؟

قریاقوس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ تم نے چوری کی۔

طاہرہ اور بھی حیران ہوئی۔ اس نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ میں نے چوری کی ہے۔

قریاقوس:۔ ہاں چوری کی ہے۔

طاہرہ:۔ کیا چرایا ہے میں نے؟

قریاقوس:۔ بہت سی چیزیں۔

طاہرہ:۔ یا اللہ ...... میں یقین دلاتی ہوں کہ میں نے کچھ نہیں چرایا ہے۔

قریاقوس:۔ تم نے ...... معصوم دوشیزہ! تم نے صبر و قلب لوٹ لئے ہیں ضبط و قرار پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ دل ...... دل چرا لیا ہے۔

طاہرہ یا تو غمگین تھی۔ حسرت زدہ تھی یا ایک دم غصہ میں بھر گئی۔ اس کے چہرہ پر جوش سے سرخی دوڑ گئی۔ اس نے غضبناک لہجہ میں کہا۔ "زبان روکئے۔ آپ شاید واقف نہیں ہیں کہ ہم مسلم عورتیں جان سے زیادہ اپنی آبرو کو عزیز سمجھتی ہیں۔

قریاقوس اس کے تاباں چہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں اس کے پھول سے گالوں پر جمی ہوئی تھیں وہ ان کا تیز شہابی رنگ دیکھ دیکھ کر للچا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ رشک حور دوشیزہ" تم ہر حالت میں پیاری معلوم ہوتی ہو تمہاری غمگین صورت اگر دلفریب تھی۔ تو جوش و غصہ کی حالت نظر فریب ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ تم اس قدر حسین ہو۔

طاہرہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ میں متنبہ کرتی ہوں کہ آپ ایک عربی دوشیزہ کی توہین نہ کریں۔

قریاقوس نے مسکرا کر کہا۔ اطمینان رکھو۔ اس کا موقع ہی نہ آئے گا۔

طاہرہ نے غضبناک ہو کر کہا۔ تم ہنستے ہو۔ مکار ...... دغاباز کہیں یہ تمہاری ہنسی تمہیں رونے پر مجبور نہ کر دے۔ یاد رکھو جو زیادہ ہنستا ہے وہ زیادہ ہی روتا بھی ہے۔

قریاقوس کو کچھ غصہ آ گیا۔ اس نے کہا۔ گستاخ لڑکی۔ غنیمت سمجھ کر مجھے غصہ نہیں آیا ہے ورنہ بولنے سے پہلے تیری زبان کاٹ ڈالی جاتی۔

طاہرہ:۔ مسلمان تھی۔ ایسی مسلمان جو خدا کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے کہا۔ توبہ کرو توبہ۔ خدائی کا دعویٰ کرنے والی بڑی بڑی مغرور اور طاقتور ہستیوں کو خدا نے جسے تم قدرت کہتے ہو آنکھ جھپکاتے مٹا دیا ہے۔

قریاقوس:۔ میں اس وقت نہ بحث کرنا چاہتا ہوں اور نہ گفتگو کو طول دینا منظور ہے مجھے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ میرے پجاریوں نے تمہیں آزاد کر دیا ہے۔ تم اس بت خانہ کے اندر جہاں چاہے جاؤ کوئی تمہاری مزاحمت نہ کرے گا۔ چاہے جسے جو حکم دو تمہارے ہر فرمان کی تعمیل کی جائے گی۔ مگر ...... اس بت خانہ سے باہر نکلنے کا ارادہ بھی نہ کرنا ورنہ تمہاری آزادی پھر چھین لی جائے گی اور تمہیں باندھ دیا جائے گا۔ مجھے دیکھنا ہے کہ وحشی مسلمان اس وقت کیا کر رہے ہیں یہ کہتے ہی وہ بغیر جواب کا انتظار کئے اٹھا اور چلا گیا۔

غمزدہ طاہرہ اسی کوچ پر بیٹھ گئی۔ جس پر قریاقوس بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت وہ نقشہ پھر گیا۔ جو اس نے منذر کو دیکھا تھا۔

اسے معلوم نہیں تھا کہ منذر زندہ رہا یا مر گیا۔ اسے یاد کرتے ہی اس کے دل پر چوٹ لگی۔ اور وہ غمزدہ ہو گئی۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا اور غم و فکر کے بھنور میں غوطے کھانے لگی۔

قریاقوس وہاں سے چل کر زینہ کو طے کرنے لگا جب وہ سب سے اوپر کی سیڑھی پر پہنچا تو اس نے زینہ کے دروازہ پر پتھر لگا ہوا دیکھا۔ ساتھ ہی اوپر لوگوں کے قدموں کی بھاری آواز آئی۔

یہ وہی وقت تھا جب حضرت خالدؓ گرجا کی تلاشی لینے کے لئے آئے تھے اور وہ قربان گاہ کے کمرہ کو دیکھ رہے تھے۔

قریاقوس اور اس کے ساتھیوں کے بت خانہ میں جاتے ہی چند پادری آ گئے تھے۔ اور انہوں نے دروازہ پر پتھر رکھ کر اس پر حضرت عیسیٰ کی تصویر رکھ دی تھی۔

اسی لئے مسلمانوں کو اس بت خانہ کا علم نہ ہوا۔ اور وہ تلاشی لے کر واپس چلے گئے۔

ان کے جاتے ہی پادریوں نے پھر تصویر ہٹا کر پتھر اٹھایا فوراً ہی قریاقوس باہر نکلا۔

اس نے آتے ہی دریافت کیا۔ یہ کن لوگوں کے قدموں کی آواز تھی۔

ایک پادری نے جواب دیا۔ کمبخت مسلمان آ گئے تھے۔

قریاقوس:۔ کیا وہ چلے گئے۔

پادری:۔ جی ہاں چلے گئے۔

قریاقوس بڑھ کر گرجہ سے نکلا۔ اس نے خالد کو باتیں کرتے ہوئے دیکھا وہ جلدی سے واپس ہو کر لوٹ گیا۔

جب خالد کیلوس سے باتیں کر کے چلے گئے تب وہ مسکراتا ہوا آیا اور اسنے کیلوس سے کہا۔ خوب چکمہ دیا آپ نے۔"

اس کے بعد کیلوس اور اس کی جو گفتگو ہوئی وہ ناظرین ملاحظہ کر چکے ہیں۔

قریاقوس کیلوس سے باتیں کر کے گرجہ کے اندر چلا گیا۔ اور رات تک وہیں کمروں میں چھپا بیٹھا رہا۔

جب رات ہو گئی تب اس نے اپنے تمام سپاہیوں کو مع طاہرہ کے تہ خانہ سے باہر نکالا اور گھاٹیوں اور دروں میں سے گزر رہا تھا۔

طاہرہ کو بڑا رنج اور کمال صدمہ تھا وہ سمجھ رہی تھی۔ کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی اس لئے چپ چاپ صبرو شکر کر کے اس کے ساتھ روانہ ہو گئی۔

نامہ و پیام

شہزادی طاریون۔ سوئی۔ ریغون اور لشکر کی معیت میں برابر سفر کر رہی تھی۔ وہ لیقا سے دور نکل گئی تھی۔ اسے رہ رہ کر افسوس آرہا تھا کہ وہ سوئی سے تنہائی میں گفتگو نہ کر سکی تھی۔ حالانکہ وہ دل سے یہی چاہتی تھی۔

اسے ریغون پر بڑا غصہ آرہا تھا مگر اس سے دبتی تھی اس لئے چپ تھی۔ اور اس کی مداخلت اور زیادتیوں کو برداشت کر رہی تھی۔

سوئی بھی ریغون کو بری بری نظروں سے دیکھتا تھا۔ اسے بھی بڑا غصہ اور بڑا رنج تھا خدا خدا کر کے اسے طاریون سے تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع ملا تھا۔ مگر ریغون نے اس وقت جب کہ ان باتوں کا آغاز ہوا آکر مداخلت کر کے اس کی آرزوؤں کا خون کر دیا تھا۔ اور یہی وجہ اس کے غصہ اور رنج کی تھی۔

لیکن ریغون کو ان دونوں سے زیادہ صدمہ۔ رنج اور ملال تھا۔ پہلے تو اسے یہ شک ہی تھا۔ کہ سوئی سے طاریون کو کچھ دل لگاؤ ہے مگر لیقا میں ان دونوں کو ایک جگہ دیکھ کر یہ شک یقین سے بدل گیا اور اب وہ سمجھ گیا کہ سوئی کو طاریون سے اور طاریون کو سوئی سے محبت ہے۔

اس خیال یا یقین نے اس کے دل کو رشک رقابت کے خنجر سے مجروح کر دیا۔ وہ جب بھی تنہا بیٹھتا اور اسے سوئی اور طاریون کے باتیں کرنے کا نظارہ یاد آجاتا تو اس کے دل پر سانپ سا لوٹ جاتا اور اس قدر ملال ہوتا کہ اس کا سینہ غم و غصے سے بھر جاتا۔ اور اس صدمہ سے اس کی روح گھلنے لگتی۔

اس نے اور بھی شدت سے ان دونوں کی نگرانی شروع کر دی تھی۔ نہ دونوں کو آپس میں ملنے دیتا تھا۔ نہ ان کے پاس ان کے خادموں کو آنے جانے دیتا تھا۔

اس کی اس شدید نگرانی سے سوئی اور طاریون دونوں تنگ آگئے تھے۔ مگر مجبور تھے اس وجہ سے نہ کچھ کہہ سکتے تھے نہ کر سکتے تھے کہ ریغون شہزادی طاریون کا عم زاد بھائی تھا اسے اس پر رشتہ داری کا استحقاق تھا۔ اور سوئی کو اس پر کوئی حق نہ تھا۔

ریغون کو سوئی سے کوئی شکایت نہ تھی۔ کیونکہ وہ خوب جانتا تھا۔ کہ طاریون خود اس کی طرف مائل ہے اور اس سے باتیں کرنا چاہتی ہے یا اسے باتیں کرنے کا موقع دیتی ہے۔ اسے طاریون کا شکوہ تھا۔ مگر وہ اس سے بھی شکوہ نہ کرتا تھا البتہ وہ کسی گہری تجویز یا فکر میں مشغول رہتا تھا۔

سوئی اور طاریون دونوں اس بات کو خوب جانتے تھے کہ ریغون نہایت سمجھدار اور ذی فہم ہے اور بہادر اور جری بھی ہے اس لئے وہ یہ تو سمجھ گئے تھے کہ وہ کسی گہری فکر میں ہے۔ لیکن وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ کیا فکر کر رہا ہے۔

لشکر کے افسروں کو اس کے متعلق کوئی علم نہ تھا البتہ ریغون نے اپنی فوج کے بعض سرداروں کو سوئی اور طاریون کی محبت کا حال سنا دیا تھا مگر انہیں نہ اس سے کوئی تعلق تھا نہ انہوں نے کسی دلچسپی کا اظہار کیا۔ لشکر کوچ و قیام کرتا قلعہ باشتاج میں پہنچا۔ یہ قلعہ ایک چشمہ کے کنارے پر آباد تھا۔ نہایت مضبوط۔ وسیع اور خوبصورت قلعہ تھا۔

چونکہ قلعہ کے باہر کا منظر نہایت ہی دلفریب تھا۔ اس لئے لشکر بجائے قلعہ کے اندر ٹھہرنے کے باہر ہی چشمہ کے کنارہ پر جا اترا۔ اور سبزہ زار میدان میں خیمے نصب کر دیئے گئے۔

طاریون کا لشکر چشمہ کے عین کنارہ پر قلعہ کی فصیل کے نیچے ہی ٹھہرا۔ اس سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ریغون کا لشکر مقیم ہوا اور ان دونوں لشکروں سے قدرے فاصلے پر سوئی نے پڑاؤ ڈال دیا۔

تینوں لشکروں میں کافی فاصلہ تھا۔ لیکن تھے ایک دوسرے کے سامنے۔

قلعہ بالشاج کے عیسائیوں نے قلعہ سے باہر نکل کر قلعہ کے دروازہ کے عین سامنے بازار لگا دیا تھا۔ اور اس بازار سے تینوں لشکروں کے لئے ضروریات کی چیزیں خرید رہے تھے۔

چشمہ چوڑا تھا۔ اس میں شیریں آب موجیں لیتا بہہ رہا تھا اس کے دونوں کناروں پر ملائم اور زردی مائل سبز گھاس کھڑی تھی جو دیکھنے والوں کو نہایت بھلی معلوم ہوتی تھی۔

چشمہ کا یہ دامن جس میں لشکر فروکش ہوئے کسی قدر نشیب میں واقع تھا لیکن تھا مسطح۔ صرف کہیں کہیں معدودے چند اونچے اونچے ٹیلے یا گہرے گہرے کٹاؤ تھے جو کسی وقت پانی نے کاٹ کاٹ کر بنا دیئے تھے۔

یہ تینوں لشکر دوپہر ڈھلنے کے بعد اس میدان میں آگئے تھے اور اسی لئے شام تک سارے میدان میں خوب چہل پہل رہی۔ سپاہی ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر آتے جاتے رہے۔

دن چھپنے کے بعد اس لشکر گاہ میں سینکڑوں جگہ آگ روشن ہو گئی اس آگ کی روشنی میں دور سے خیمے۔ گھوڑے اور سپاہی نظر آتے تھے۔

ابھی تھوڑی ہی رات گئی تھی کہ شہزادی طاریون چشمہ کے کنارے سے واپس آکر اپنے خیمہ میں داخل ہوئی فوراً ہی اس کی کنیزوں نے بڑھ کر اس کی پوشاک اتار کر دوسرے کپڑے پہنا دیئے جو کسی قدر سادہ تھے مگر سادہ کپڑے بھی بہت زیادہ بیش قیمت تھے ان کے حاشیوں پر بھی سنہری لیس لگی ہوئی تھی اور اس لئے انہیں سادہ کہا ہی نہیں جا سکتا تھا۔

طاریون لباس بدل کر بیٹھی ہی تھی کہ ایک کنیز آئی اور جب طاریون اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ تو اس نے کہا۔ حضور ایک شخص باریاب ہونا چاہتا ہے۔

طاریون نے دریافت کیا۔ کون ہے وہ؟"

کنیز نے جواب دیا۔ "وہ شہزادہ سوسیٰ کا قاصد ہے۔

طاریون کے چہرہ پر سوئی کا نام سن کر بجلی سرخی دوڑ گئی اس نے کہا۔ کس لئے آیا ہے۔

کنیز: کچھ حضور سے عرض کرنا چاہتا ہے۔

طاریون: کیا سفارش کرانا چاہتا ہے۔

کنیز: نہیں حضور بلکہ وہ کوئی پیغام لایا ہے۔

پیغام لایا ہے! طاریون نے جلدی سے کہا۔ اس کا ننھا سا دل.... مسرت سے دھڑکنے لگا۔ اس نے کہا۔ اچھا بلا لاؤ اسے۔"

کنیز چلی گئی۔ طاریون سنبھل کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں کنیز کے ہمراہ ایک نوجوان خیمہ کے اندر آیا اس نے آتے ہی سجدہ میں گر کر سلام کیا۔

جب طاریون سلام لے چکی تب وہ اٹھا۔ طاریون نے دریافت کیا۔ کیسے آئے ہو تم۔

نوجوان نے کہا مجھے کچھ عرض کرنا ہے حضور۔"

طاریون: کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

نوجوان: حضور میں کچھ تنہائی میں عرض کروں گا۔

طاریون نے کنیزوں سے کہا۔ تم سب خیمہ کے باہر چلی جاؤ۔ لیکن زیادہ دور نہ جانا۔

کنیزیں چلی گئیں۔ طاریون نے کہا۔ اب کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

نوجوان نے آہستگی سے کہا۔ حضور والا میں قاصد ہوں اور مجھے شہزادہ سوئی نے بھیجا ہے۔

طاریون: کیا پیغام لے کر آئے ہو تم۔

نوجوان: میں ایک خط لایا ہوں۔

طاریون: لاؤ۔

نوجوان نے اپنی وردی کھول اور سینہ کے پاس سے ایک بند لفافہ نکال کر شہزادی کو دیتے ہوئے کہا۔ "یہ ہے حضور! آپ اسے اطمینان سے پڑھ لیں۔

طاریون نے لفافہ لے کر چاک کیا۔ خط نکالا اور کھول کر پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

از جانب سوئی ولی عہد جبل السنات۔

بجانب رشک حور حسن و جمال کی ملکہ شہزادی طاریون۔

حضور شہزادی صاحبہ! میں عرض نہیں کر سکتا کہ مجھے حضور سے کس قدر محبت ہو گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اب میں بغیر حضور کے زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ لیکن آپ کی تغافل شعاری نے مجھے اس بات پر آمادہ کر دیا ہے کہ میں نامراد اور پرارمان ہی دنیا سے اٹھ جاؤں۔ میں حضور سے چند باتیں تنہائی میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کیا اچھا ہو کہ حضور آج رات ہی کو مجھے حاضر خدمت ہو کر عرض حال کرنے کی اجازت عطا فرما دیں۔ یہ اطمینان رکھئے کہ میں ریغون سے چھپ کر

آؤں گا۔ اور اسے میرے آنے کا مطلق بھی علم نہ ہو گا اگر آپ نے انکار کیا تو میں فوراً ہی اپنے آپ کو چشمہ میں ڈال دوں گا۔ اور صبح میری موت کی خبر حضور کے نازک کانوں تک پہنچ جائے گی۔

مجبور سوئی۔

طاریون خط پڑھتی جاتی تھی اور کبھی خوشی اور کبھی غمگین ہوتی جاتی تھی جب اس نے خط ختم کیا تو نظر اٹھا کر نوجوان کو دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کیا تم اس خط کے مضمون سے خبردار ہو۔

نوجوان نے ادب سے جھک کر کہا۔ نہیں حضور۔"

طاریون:۔ اچھا ٹھہرو! میں تمہیں ابھی جواب لکھے دیتی ہوں۔

یہ کہتے ہی اس نے ہتھیلی بجائی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک کنیز آئی۔ طاریون نے اسے کاغذ اور قلم دوات لانے کا حکم دیا اس نے فوراً ہی سب چیزیں لا کر پیش کر دیں۔ اور خود چلی گئی۔

طاریون نے اس طرح خط لکھنا شروع کیا۔

از جانب شہزادی طاریون وائی قلعہ طاریون ا۔

بجانب ولی عہد جلیل السلطنت شہزادہ سوئی۔

شہزادہ آپ کا خط آیا۔ میں خود اس فکر میں تھی۔ کہ کسی طرح آپ سے تنہائی میں ملاقات کروں۔ لیکن بدبخت برغون کی نگرانی کی وجہ سے مجبور تھی۔ اور مجبور ہوں۔ جس قدر آپ کو مجھ سے محبت ہے اسی قدر مجھے آپ سے ہے میں ایک صاف گو لڑکی ہوں اور اس لئے اس صاف گوئی پر مجھے بالکل بھی حجاب نہیں ہوتا۔ مجھے رہ رہ کر افسوس ہوتا ہے کہ میں نے کیوں نہ اس وقت ہی آپ کو قبول کر لیا جب تم سے جنگ کرنے سے قبل میرے والد بزرگوار نے مجھ سے آپ کی سفارش کی تھی۔ کاش میں اسی وقت منظور کر لیتی۔ مگر میری عقل پر پردہ پڑ گیا تھا اور میں نے اپنی ضد قائم رکھی۔ لیکن اب بھی کچھ نہیں گیا۔ میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔ اور آپ مجھ سے لیکن آپ کی طرح میں بھی یہ چاہتی ہوں کہ عہد و اقرار کر لوں اس لئے آپ ہوشیاری سے آج رات کو جب موقع سمجھیں آجائیں۔

لیکن برغون کی نگاہوں سے چھپ کر اور سیاہ لبادہ اوڑھ کر آنا۔ میں پچھلی رات تک آپ کی منتظر رہوں گی۔

منتظر دید "طاریون"

طاریون نے ختم کر کے پڑھا۔ اور لفافہ میں بند کر کے نوجوان کو دیتے ہوئے کہا۔ دیکھو یہ خط سوائے شہزادہ کے نہ اور کسی کو دینا نہ دکھانا۔

نوجوان نے خط لے کر چوما اور کہا۔ حضور اطمینان رکھیں۔ میں اس خط کی اپنی جان سے زیادہ حفاظت کروں گا۔

طاریون:۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ تمہیں اس کا کافی معاوضہ دیا جائے گا۔

نوجوان:۔ حضور میں اس صلہ میں کوئی انعام لینا نہیں چاہتا۔

طاریون:۔ رہے چشم نوجوان! تمہیں تمہاری خدمت کا صلہ ضرور دیا جائے گا۔ اور وہ اس قدر ہو گا۔ کہ تم دنیاوی تفکرات سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔ جاؤ اس خط کو جلد سے جلد اپنے آقا کو پہنچا دو۔

بہت اچھا۔ نوجوان نے کہا اور سجدہ میں گر کر پھر سلام کیا۔ سلام کر کے اٹھا اور خیمہ سے باہر نکل کر اپنے لشکر کی طرف روانہ ہو گیا۔

شہزادی طاریون نے شمع کی روشنی میں پھر سوئی کے خط کو پڑھنا شروع کر دیا جس شوق و شغف سے وہ پڑھ رہی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے اس کے پڑھنے میں بڑا ہی لطف آرہا ہے۔

سولھواں باب
عیسائی لشکر کی آمد

اسلامی لشکر کو رغبان میں آئے ہوئے چند ہی روز ہوئے تھے کہ عیسائی لشکر کے قریب سے قریب تر آجانے کی خبریں آنے لگیں۔

یہ خبریں نہایت ہی پریشان کن تھیں۔ بیان کیا جا رہا تھا۔ کہ عیسائی لشکر لاتعداد ہے۔ بڑے سروسامان سے آرہا ہے۔ عیسائیوں کا ارادہ آتے ہی حملہ کر دینے کا ہے۔

مسلمان ان متوحش خبروں کو صبروسکون سے سن رہے تھے۔ ان کے مشاغل میں کوئی فرق نہ آرہا تھا۔

رغبان ایک سرسبز و شاداب چراگاہ تھی جو میلوں لمبی اور چوڑی تھی چونکہ یہاں بھی

اچھی خاصی سردی پڑتی تھی اس لئے کھانا پکانے اور رات کو تاپنے کے لئے لکڑیوں کی زیادہ ضرورت ہوتی تھی اور اس لئے مسلمانوں نے دور دور تک کے درخت کاٹ کاٹ کر ذخیرہ کر لئے تھے۔

دن بھر مسلمان مختلف کاموں میں مصروف رہتے تھے بعض ہتھیاروں کی صفائی کرتے تھے۔ بعض نئے کپڑے سیتے تھے۔ بعض پیوند لگاتے تھے بعض دریا کے کنارے پر جا کر کپڑے دھوتے تھے۔

لیکن یہ کام صبح سے دوپہر تک کئے جاتے تھے اور ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد جو لوگ حافظ تھے وہ قرآن شریف کا دور شروع کر دیتے تھے کچھ لوگ ان کے گرد بیٹھ کر سننے لگتے تھے۔

بعض بعض مسئلے مسائل شروع کر دیئے جاتے تھے اور لوگ انہیں نہایت ہی توجہ سے سنا کرتے تھے۔

کہیں کہیں آنحضور صلعم کی زندگی کے زریں واقعات بیان کئے جاتے تھے اور سب سے زیادہ مجمع وہیں ہوتا تھا۔

بعض جگہ گذشتہ لڑائیوں کے واقعات بیان کئے جاتے تھے اور پرجوش نوجوان ان واقعات کو سن کر اپنے جوش کو تازہ کرتے رہتے تھے۔

مسلمان لشکر گاہ میں سے نکل نکل کر سبز سبز گھاس پر گروہ در گروہ بیٹھ جاتے تھے اور ان مختلف مشاغل میں مصروف ہو جاتے تھے۔ ایک مسلمان بھی نہ بیکار بیٹھتا تھا نہ بیکار کام کرتا تھا۔

عجب زمانہ تھا اور عجب لوگ تھے۔ یہ مشاغل ان کے اس وقت تھے جبکہ دشمن سر پر بڑھا چلا آرہا تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ اس کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ جاسوس اس کا شمار ہی نہیں کر سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ حیرت ہوتی ہے ان مسلمانوں کی جرات پر۔ استقلال پر۔ جفا کشی پر۔ اور عزم و ارادہ پر۔

منذر کو اب بالکل آرام ہو گیا تھا۔ کسی قسم کی کوئی شکایت باقی نہ رہی تھی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس کی صحت بحال ہوتی چلی جاتی۔ وہ اور کمزور ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اسے طاہرہ کا خیال ہر وقت ستاتا رہتا تھا۔ اور یہی وجہ اس کی کمزوری کی تھی۔

آرام ہو جانے پر اس کا ارادہ بالکل یہ ہو گیا تھا۔ کہ وہ خود طاہرہ کو عیسائیوں کے

چنگل سے چھڑانے کے لئے روانہ ہو جائے۔ لیکن حارث نے اسے سمجھا دیا تھا کہ پروینہ اسے لانے کے لئے روانہ ہو گئی ہے اور یقین ہے کہ وہ اسے ضرور لے آئے گی۔ اس لئے وہ دل پر جبر کئے ہوئے اس کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا مگر اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اپنا وعدہ وفا کرے گی۔

حارث کو پروینہ پر اب بھی اعتماد تھا اور اس لئے اسے یقین ہی نہیں۔ بلکہ حق الیقین تھا کہ وہ طاہرہ کو لے کر واپس لوٹ آئے گی۔

عیاضؓ کو ان مسلمانوں کا فکر تھا جو رسد فراہم کرنے کے لئے گئے تھے۔ یہ فکر اس وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ کہ عیسائیوں کا لشکر بہت ہی قریب آگیا تھا۔

ایک روز کئی جاسوس کچھ گھبرائے ہوئے آئے اور سیدھے عیاض کے خیمہ پر پہنچے۔

ظہر کی نماز ہو چکی تھی۔ عیاضؓ نماز پڑھ کر آ کے بیٹھے ہی تھے کہ جاسوس آگئے عیاض ان کی گھبرائی ہوئی صورتیں دیکھ کر کچھ کھٹک گئے۔ انہوں نے ان سے دریافت کیا۔ تم کیوں پریشان ہو۔ کیسے اور کہاں سے گھبرائے ہوئے آرہے ہو۔

ان میں سے ایک نے کہا۔ ہم عیسائیوں کے لشکر میں سے آرہے ہیں۔

عیاضؓ:۔ کیا خبر لائے ہو۔

جاسوس:۔ عیسائی اس قدر قریب آگئے ہیں کہ شاید آپ ان کے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سن رہے ہوں۔

عیاضؓ:۔ کیا وہ آج ہی یہاں پہنچ جائیں گے۔

جاسوس:۔ نہیں۔ کیونکہ انہوں نے قیام کر دیا ہے۔ لیکن کل دوپہر سے پہلے یہاں آجائیں گے۔

عیاضؓ:۔ کس قدر لشکر ہے ان کا؟

جاسوس:۔ لاتعداد اور بے شمار ہے۔

عیاضؓ:۔ کچھ پتہ نہیں چلایا تم نے۔

جاسوس۔ بہت کوشش کی لیکن معلوم نہ ہو سکا۔

عیاضؓ:۔ جھنڈوں سے اندازہ کر لیا ہو گا۔

جاسوس:۔ لشکر دور تک پھیلا ہوا ہے شاید کئی روز تک آتا رہے گا اس لئے اندازہ نہ لگایا جا سکا۔

عیاضؓ:۔ تم اتنا زیادہ لشکر دیکھ کر گھبرا گئے۔

جاسوس:۔ جی ہاں۔ لشکر اتنا زیادہ ہے کہ آپ بھی دیکھ کر گھبرا جائیں گے

عیاض نے مسکرا کر۔ اطمینان رکھو۔ ہم سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ڈرتے۔

جاسوس:۔ یہ ٹھیک ہے مگر اس لشکر کے ساتھ ملک کے تمام بہادر اور جنگجو لوگ آئے ہیں۔

عیاضؓ:۔ ہمارا خدا پر بھروسہ ہے اور وہی ہماری مدد کرے گا۔

جاسوس:۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم عیسائیوں نے تم مسلمانوں سے زیادہ نڈر۔ بہادر اور جفاکش قوم ہی نہیں دیکھی۔ اگر کوئی اور قوم ہوتی اور خصوصاً ہماری قوم تو اس خبر کے سنتے ہی گھبرا جاتی۔

عیاضؓ:۔ گھبرانے سے فائدہ کیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ موت کا وقت مقرر ہے وہ اپنے وقت پر آئے گی اور ضرور آئے گی۔ پھر اس سے ڈرنا کیا۔

جاسوس:۔ اس بات کو ہم بھی جانتے اور مانتے ہیں لیکن پھر ڈرتے ہیں۔

عیاضؓ:۔ خیر اس ذکر کو چھوڑو۔ اب یہ بتاؤ۔ کہ کیا لشکر کے ساتھ کا بادشاہ شرباص بھی آیا ہے۔

جاسوس:۔ جی ہاں۔ بڑی تیاریوں اور جوش و خروش کے ساتھ آیا ہے اس کے تمام ہمسایہ بادشاہوں نے اسے پوری مدد دی ہے۔ اسی لئے اس قدر عظیم الشان جمع ہو گیا ہے۔

عیاضؓ:۔ شاید بعض بادشاہ خود بھی شریک ہوئے ہوں۔

جاسوس:۔ اس کا ہمیں پتہ نہیں چلا۔

عیاضؓ:۔ اچھا اب تم جاؤ۔

جاسوس اٹھ کر چلے گئے۔ عیاضؓ نے اپنے غلاموں کے ذریعہ سے اعلان کرا دیا۔ کہ کوئی مسلمان اب ادھر ادھر نہ جائے۔ عیسائی لشکر قریب آگیا ہے۔

دوسرے روز جبکہ آفتاب بہت کچھ اونچا ہو گیا تھا اور دھوپ تمام چراگاہ یا میدان میں پھیلی ہوئی تھی۔ نقاروں کی آواز آئی۔

تمام مسلمان سمٹ کر لشکر گاہ کے قریب آگئے۔ عیاضؓ۔ خالدؓ۔ اور دوسرے سردار وہ لوگ ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو گئے اور عیسائی لشکر کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

یہ نقاروں کی آواز عیسائیوں کے لشکر کی ہی آئی تھی جو دمبدم گرجتی اور بڑھتی چلی آرہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں عیسائی لشکر نمودار ہوا اور پیدلوں کی پلٹنوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

پیدلوں کے دستے آآ کر میدان میں پھیلنے لگے۔ جس راستہ سے وہ آرہے تھے اس پر حد نگاہ تک ان کا تانتا لگا ہوا تھا۔ گویا انسانوں کا سیلاب تھا جو موجیں لیتا بڑھا چلا آرہا تھا۔

مسلمان عصر کے وقت تک انہیں آآ کر میدان میں پھیلتے اور خیمے نصب کرتے دیکھتے رہے۔ چونکہ نماز کا وقت آگیا تھا اس لئے وہ نماز پڑھنے چلے گئے اور نماز پڑھ کر پھر آکر دیکھنے لگے۔

عیسائی پیدلوں کا سلسلہ برابر جاری تھا اور وہ شام تک شعور کے ساتھ آتے رہے۔

مسلمانوں نے عصر اور عصر کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ اگرچہ اب دن چھپ گیا تھا۔ مگر پیدلوں کی پلٹنیں اب بھی برابر آرہی تھیں اور کچھ رات گئے تک مسلسل آتی رہیں۔

آج تمام دن پیدل ہی آتے رہے اور ان سے میدان کا بڑا حصہ ڈھک گیا

دوسرے روز بھی دوپہر سے ہی عیسائی لشکر کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا آج سواروں کی آمد شروع ہوئی اور برابر رات تک جاری رہی۔

تیسرے روز بھی سوار آئے اور میدان میں پھیلتے رہے اور آج کچھ رات آتے رہے۔

تین دنوں میں اس قدر لشکر آگیا کہ ۸ میل کا میدان ان سے بھر گیا چوتھے روز شرباص بادشاہ آیا اور وہ لشکر کے درمیان میں ٹھہرا۔ اب اس میدان میں جو صاف پڑا ہوا تھا ہر طرف اور جہاں تک نگاہ جاتی تھی خیموں کی چوٹیاں۔ گھوڑے اور سپاہی نظر آنے لگے۔

اس عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر بھی مسلمانوں میں کسی قسم کا ہراس طاری نہ ہوا۔ بلکہ وہ اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ عیسائی بادشاہ لڑنے کے لئے میدان جنگ میں نکل آئے۔ لیکن معلوم ہوتا تھا کہ عیسائی ابھی آرام کرنا چاہتے تھے اور اس لئے وہ ابھی میدان میں نہیں نکلے تھے۔

چونکہ مسلمانوں کو کسی طرف سے بھی مدد آنے کی امید نہیں تھی اور ان کا صرف خدا ہی پر انحصار تھا۔ اس لئے وہ خدا ہی کو یاد کر رہے تھے اور اسی سے امداد کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

سیاہ پوش کون تھا؟

اگرچہ سوسیٰ کا خط کچھ زیادہ طویل نہیں تھا نہ ایسا بدخط لکھا ہوا تھا جس کے پڑھنے میں دقت ہوتی نہ ایسی پیچے دار عبارت تھی جس کے بار بار پڑھنے میں لطف آتا مگر شہزادی طاریون اس خط کو لئے شمع کی روشنی میں بیٹھی بڑے انہماک کے ساتھ پڑھ رہی تھی جیسے مبتدی ہجے کر کر کے پڑھا کرتے

شمع کی روشنی کا عکس اس کے خوبصورت رخساروں پر پڑ رہا تھا جس سے اس کے آتشیں رخسارے آئینے کی طرح چمک رہے تھے۔

اس میں شک نہیں۔ کہ طاریون نہایت خوبصورت تھی اس کا چہرہ آفتاب کی طرح روشن تھا۔ شمع کی روشنی نے اسے اور جگمگا دیا تھا۔ اور وہ اب اور بھی دلربا معلوم ہونے لگی تھی۔

اس نے اس کے خط کو کئی مرتبہ پڑھا۔ گویا اتنا پڑھا کہ اس کا ایک ایک لفظ اسے حفظ یاد ہو گیا۔

کچھ دیر کے بعد کھانے کی اطلاع ہوئی اور وہ دوسرے خیمہ میں کھانا کھانے چلی گئی۔

اپنے گداز زانوؤں پر رکھ کر ہاتھ کی ہتھیلیوں میں حسین چہرہ رکھ لیا۔ اور حسین نگاہوں کو دروازہ کی طرف جما دیا۔

وہ دیر تک اس عالم میں بیٹھی رہی۔ چند کنیزیں اس کے سامنے نیم دائرہ میں کھڑی رہ کر اسے دیکھتی رہیں۔

چونکہ شہزادی خاموش تھی اس لئے کنیزیں بھی چپ تھیں اور ان سب کے خاموش رہنے کی وجہ سے کمرہ میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

کنیزیں چاہتی تھیں کہ شہزادی شب خوابی کے کپڑے بدل لے تو ان کا کام ختم ہو جائے اور وہ بھی جا کر دو گھڑی آرام کر لیں۔

لیکن شہزادی خیالات میں کھوئی ہوئی تھی اور آج وہ کپڑے بدلنے شاید بھول گئی تھی۔

یہ کنیزوں کی مجال نہ تھی کہ وہ شہزادی کو متوجہ کر کے اسے کپڑے بدلنے کے کہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ملازم بھی غلام ہی ہوتا ہے اس کی بھی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے آقا کی مرضی پر چلنے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔

کچھ دیر کے بعد طاریون چونکی سنبھلی اور اس نے دروازہ کی طرف سے نگاہیں ہٹا کر

کنیزوں کو دیکھا اور کہا آج کچھ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے شاید مجھے کچھ رات گئے تک جاگنا پڑے میں تنہائی چاہتی ہوں تم باہر ٹھہرو جب تمہاری ضرورت ہو گی میں بلا لوں گی۔

کنیزیں تعظیم کے لئے جھکیں اور خیمہ سے باہر چلی گئیں۔

اب طاریون سوسیٰ کا انتظار کرنے لگی اسے یقین تھا کہ سوسیٰ آنے والا ہے۔

کچھ دیر کے بعد خیمہ کے پشت کی طرف سے قدموں کی چاپ ہوئی۔ طاریون سنبھل کر بیٹھ گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ سوسیٰ آرہا ہے اور اس کی اس عقلمندی سے وہ خیمہ کے پشت کی طرف سے آرہا تھا بہت خوش ہوئی۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کے سامنے اس سے ملے یا کسی کو اس کے ساتھ ملاقات کرنے کا علم ہو۔

اس نے اپنا رخ پشت کی طرف ہی کر لیا۔ اور کان آواز کی طرف اور نگاہیں پچھلے سے دروازے کی طرف لگا دیں۔

اس کے دیکھتے ہی دیکھتے دروازہ پر پڑا ہوا پردہ اٹھا۔ اور کوئی سیاہ نقاب پوش جھانکنے لگا۔

طاریون کا نازک دل دھڑکنے لگا۔ سوسیٰ کی آمد کے خیال سے نہیں۔ کسی خوشی کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی نامعلوم خوف کی وجہ سے۔ یا اس سیاہ نقاب پوش کو دیکھ کر۔

حالانکہ اس نے سوسیٰ کو ہدایت کی تھی کہ وہ سیاہ لبادہ اوڑھ کر آئے اس لئے وہ خوب سمجھتی تھی کہ یہ سیاہ پوش سوسیٰ ہی ہے۔

نقاب پوش خیمہ کا جائزہ لے کر بڑھا اور خیمہ کے اندر گیا وہ سر سے پیر تک سیاہ لبادہ میں چھپا ہوا تھا۔

طاریون اسے دیکھتے ہی بے اختیار اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کہا۔ بہت دیر کر کے آئے سوسیٰ۔

لبادہ پوش نے انگشت شہادت اپنے منہ میں رکھ کر شہزادی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ شہزادی نے مسکرا کر کہا۔ "اطمینان رکھو۔ یہاں کوئی نہیں ہے۔ آؤ بیٹھو۔ میں تو تمہارا دیر سے انتظار کر رہی تھی۔

لبادہ پوش بڑھ کر اس کے قریب آکھڑا ہوا۔ شہزادی نے پھر کہا۔"

تم بولتے کیوں نہیں۔ میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ آج عہد کر لیں کہ ہم دوسرے کے وفادار رہیں گے۔

وہ اب بھی نہیں بولا۔ شہزادی نے چند ثانیہ انتظار کر کے کہا۔ "شاید آپ مجھ سے

اس لئے خفا ہیں کہ میں نے آج تک تمہاری طرف التفات نہیں کیا۔ شہزادہ! تم خوب جانتے ہو کہ میں مجبور تھی اور اب بھی مجبور ہوں میرا چچازاد بھائی ریغون کچھ مشکوک ہو گیا ہے اور وہ میری اور تمہاری دونوں کی نگرانی کر رہا ہے ...... تم چپ کیوں ہو۔ بولتے کیوں نہیں ...... آؤ ہم عہد محبت کی ......

لبادہ پوش نے آہستہ سے کہا۔ "عہد محبت کی ......

طاریون نے جلدی کہا۔ تجدید کر لیں۔"

لبادہ پوش پھر چپ ہو گیا۔ طاریون نے کچھ وقفہ کے بعد کہا۔

سوی! مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہاری درخواست پہلے ہی کیوں منظور نہ کر لی۔ کیوں تم سے لڑی۔ کیوں ناعاقبت اندیشی کی۔"

لبادہ پوش:۔ اور اب ......

طاریون نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اب میں پچھتا رہی ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے میرے غرور نے مجھے نیچا دکھایا۔"

لبادہ پوش: کیا۔

طاریون:۔ میری خودداری جاتی رہی۔ اب میں تم سے زیادہ تمہارے لئے مضطرب ہوں۔ میرے غرور کو زبردست شکست ہوئی ہے۔

لبادہ پوش:۔ کیوں۔

طاریون:۔ اس دل ناصبور نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔

لبادہ پوش:۔ لیکن ریغون ......

طاریون نے ذرا تیز اور کسی قدر غصہ بھری نگاہوں سے لبادہ پوش کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں ریغون سے محبت کرتی ہوں۔

لبادہ پوش:۔ ہاں۔

طاریون نے جوش میں آ کر کہا۔ اس خیال کو اپنے دل سے نکال ڈالو نہ مجھے اس سے محبت تھی نہ ہے نہ کر سکتی ہوں۔

لبادہ پوش:۔ لیکن

طاریون:۔ لیکن میں اس سے دبتی ہوں۔

لبادہ پوش:۔ ہاں۔

طاریون:۔ دبتی نہیں بلکہ مصلحتاً ایسا کرتی ہوں۔

لبادہ پوش:۔ اور وہ مصلحت ......

طاریون نے جلدی سے کہا اسے دھوکا دینا ہے۔" ......

لبادہ پوش نے طیش میں آ کر کہا۔" دھوکا ......

لبادہ پوش کی آواز سن کر طاریون حیران ہو کر چونکی۔ کسی فوری خیال سے ایک قدم ہٹی اور سرو قد کھڑی ہو کر حیرت بھری نگاہوں سے لبادہ پوش کو دیکھنے یا گھورنے لگی۔

دیر تک دیکھتی رہی کچھ دیر کے بعد بولی "تم کون ہو۔ دغاباز بولو۔ جواب دو۔

لبادہ پوش نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ طاریون اس کی طرف بڑھی اس نے کہا۔ بولو فریبی تم کون ہو تمہاری بھاری آواز بتا رہی ہے کہ تم سوی نہیں ہو۔"

لبادہ پوش نے اب کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ وہ جواب دینے کے بجائے واپس لوٹا۔

اسے واپس لوٹتے دیکھ کر طاریون جھپٹی۔ اس نے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ کر زور سے ہلاتے ہوئے کہا۔ مکار! تم کون ہو۔ تم بولتے کیوں نہیں! تو بولو۔ تم نے دھوکا دے کر میرا راز اگلوا لیا۔"

لبادہ پوش نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے جانے دو۔ خیریت اس میں ہے۔

طاریون نے جوش سے بل کھاتے ہوئے کہا۔ کبھی نہ جانے دوں گی۔ اپنا نقاب اٹھاؤ ...... اٹھاؤ جلدی اٹھاؤ۔

یہ کہتے ہی اس نے اپنا ہاتھ اس کے نقاب کی طرف بڑھایا۔

لبادہ پوش نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ طاریون نے غصہ میں بھر کر کہا۔ "تمہاری یہ جرات ......"

لبادہ پوش نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ نقاب اٹھانے کے لئے بڑھایا۔ طاریون اس کا بازو چھوڑ کر عین اس کے سامنے کھڑی ہو کر اس کی طرف غور سے دیکھنے لگی۔

لبادہ پوش نے جلدی سے نقاب الٹ دیا۔ وہ ریغون تھا اس کا چچا زاد بھائی۔ وہی جس کی اس نے ابھی اس کے سامنے توہین کی تھی سخت سست کہا تھا۔ سوی کا رقیب۔

طاریون پر حیرت چھا گئی۔ وہ حیرت، غم اور افسوس بھری نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

ریغون نے کڑک کر کہا۔ "ہلاک حسینہ! دیکھا میں کون ہوں۔

یہ کہتے ہی اس نے غضبناک نگاہوں سے اسے گھورنا شروع کیا۔ ایسی تیز اور غصہ کی نظروں سے جیسے وہ نگاہوں ہی نگاہوں میں اسے کھا جائے گا۔

طاریون حیرت اور خوف بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ بجائے سوئی کے یہ تھون اس طرح آجائے گا۔

اسے غضبناک دیکھ کر طاریون کا غصہ۔ جوش اور حیرت جاتے رہے اور اب اس پر غم و فکر کا غلبہ ہو گیا۔ اور وہ خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

ہولناک مظالم

قریاقوس معصوم طاہرہ کو ساتھ لے کر چل پڑا تھا۔ اس نے ایسا راستہ اختیار کیا تھا جو چکر لگا کر انطاکیہ پہنچتا تھا۔ اسے خوف تھا کہ مسلمان مجاہد طاہرہ کی جستجو کریں گے۔ عجب نہیں جو یہ پتہ انہیں بتا دے کہ اسے لے جانے والا انطاکیہ کا وزیراعظم ہے اور وہ اس کا تعاقب کریں اس لئے اس نے ایسا راستہ اختیار کیا جس پر ان کا سامنا ہونے کا ہی اندیشہ نہ رہے۔

اس کی یہ تدبیر کامیاب ہو گئی اور وہ بغیر کسی خطرہ کے انطاکیہ پہنچ گیا۔ وہاں جا کر اسے معلوم ہوا کہ شہزادی طاریون چار ہزار لشکر لے شہنشاہ شہر ریاض کی امداد کرنے گئی ہے۔

جب انطاکیہ کے بادشاہ نے اس سے مسلمانوں کے متعلق واقعات پوچھے تو اس نے کہا۔ "مسلمان بہادر نہیں ہیں۔ جیسے ہم انسان ہیں ایسے ہی وہ بھی ہیں۔ میرا ان کا سامنا بھی ہو چکا ہے۔ میں نے ان میں کوئی بات بھی نہیں دیکھی جس سے انہیں دنیا کے بہادروں میں شمار کیا جا سکے البتہ ایک بات ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں اتفاق و اتحاد بڑا زبردست ہے۔ شاید ان کی فتوحات کا یہی راز ہو۔"

انطاکیہ کا بادشاہ اس کی اس گفتگو سے مطمئن ہو گیا اور وہ یہ سمجھ گیا کہ شہر ریاض انہیں ضرور شکست دے کر بھگا دے گا۔ اس یقین کی زیادہ تر وجہ یہ بھی تھی کہ اسے معلوم تھا کہ عیسائی لشکر دو لاکھ کے قریب ہے اور مسلمان کل آٹھ ہزار ہی ہیں۔

اس کے علاوہ اسے معلوم ہو چکا تھا۔ کہ سارے جزیرہ میں سے بہادر اور جنگجو لوگ چھانٹ چھانٹ کر لئے گئے ہیں۔ مسلمان کسی طرح بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور شکست کھا کر بھاگ جائیں گے۔

قریاقوس کی بیوی زندہ تھی۔ اس لئے اسے یہ جرأت نہ ہوئی۔ کہ وہ طاہرہ کو اپنے محل میں لے جاتا۔ کیونکہ وہ اپنی بیوی سے ڈرتا تھا اس لئے اس نے اسے ایک اور محل میں ٹھہرایا۔ اور کنیزوں کی اچھی خاصی پلٹن اس کی خدمت کے لئے مقرر کر دی۔

طاہرہ ایک خوبصورت پرندے کی طرح ایک قفس میں بند کر دی گئی۔

اگرچہ قریاقوس نے اس کے لئے عیش و آرام کا تمام سامان مہیا کر دیا تھا۔ ریشمی کپڑے۔ اعلیٰ قسم کی کوچیں۔ ضروریات کی دوسری چیزیں حتیٰ کہ بیش قیمت زیورات سب ہی کچھ اس کے پاس لا رکھا تھا۔ مگر اس نے کپڑے تو بدل لئے تھے اور وہ اس لئے کہ اس کے پہلے کپڑے میلے ہو گئے تھے۔ لیکن زیورات نہیں پہنے تھے۔ حالانکہ قریاقوس نے زیورات پہننے کے لئے بہت کچھ اصرار کیا تھا۔ لیکن اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ عربی لڑکی ہے اور عربی لڑکیاں ایسے زیور نہیں پہنتیں۔ جو لڑکیاں اس کے ساتھ رہتی ہیں اور وہ ان سے کچھ مانوس ہوتی جاتی تھیں اور چونکہ بیٹھنے کے لئے کوئی اور جگہ نہ تھی اس لئے کوچوں اور کرسیوں پر بیٹھتی تھیں۔

قریاقوس زیادہ تر اس کے پاس ہی رہتا تھا۔ وہ اسے اپنے دام فریب میں پھنسانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن طاہرہ جس قدر نیک طینت۔ پاک باطن اور خدا شناس تھی۔ اسی قدر زود فہم اور ذی عقل بھی تھی۔ ہر بات کی تہ کو پہنچ جاتی تھی۔

وہ خوب سمجھ گئی۔ کہ قریاقوس کی نیت خراب ہے اس کی بدنیتی سے وہ کھٹک گئی تھی۔ اور اس لئے نہ وہ اس کے پاس جاتی تھی۔ نہ اسے اپنے پاس آنے دیتی تھی۔

اگر وہ بیٹھی ہوتی۔ اور وہ اس کے پاس آجاتا تو چند ہی منٹ کے بعد اسے چھوڑ کر چلی جاتی اور مکان کے ایسے گوشہ میں جا بیٹھتی جہاں کوئی اس کی تنہائی میں مخل نہ ہو سکتا۔

قریاقوس کو اس کی اس حرکت پر بڑا غصہ آتا۔ لیکن وہ اس کی تالیف قلوب کرنا چاہتا تھا اس لئے طرح دے جاتا تھا۔

لیکن جب کئی روز ہو گئے اور طاہرہ اس سے مانوس ہونا تو درکنار اس کی طرف ملتفت بھی نہ ہوئی تو اسے بڑا افسوس ہوا اور وہ یہ سمجھ گیا۔ کہ وہ آسانی سے اس کے قابو میں نہ آئے گی۔ چنانچہ اب اس نے جور و جبر سے کام نکالنا چاہا۔ اور پہلے معمولی طریقہ پر دھمکیاں دیں کچھ سختیاں بھی کیں۔ کھانا بند کر دیا۔ کبھی پانی نہ دیا۔ کبھی تیرہ و تار کوٹھری میں بند کر دیا۔

لیکن طاہرہ پر اس کی ان پابندیوں اور سختیوں کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بھوکی پیاسی اندھیری کوٹھری میں تنہا پڑی رہتی۔ کئی کئی دن گزر جاتے لیکن بدذات کی طرف نہ جھکتی۔ قریاقوس کی مرضی پر چلنے کے لئے تیار نہ ہوتی وہ سمجھ گئی تھی۔ کہ خدا اسے آزما رہا ہے اور اس کی آزمائش نے انہیں تکلیفوں اور سختیوں میں ڈال دیا ہے۔

اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ زندگی کے آخری سانس تک وہ مظالم برداشت کرتی رہے گی اور مرتے دم تک بھی تلاوہ صیباں نہ ہو گی۔

باوجودیکہ وہ سخت پریشان تھی زندگی سے تنگ آ رہی تھی۔ لیکن نماز ایک وقت کی بھی نہ چھوڑی تھی۔ لیکن جب نماز کا وقت آتا تھا اگر پانی میسر آجاتا تو وضو کر لیتی پانی نہ ملتا تو تیمم کر کے نماز پڑھتی۔

قریاقوس نے آخری مرتبہ اسے خوب سمجھا دیا تھا۔ کہ اگر اس نے اس کی بات نہ مانی اور اس کی مرضی پر نہ چلی تو اب وہ وحشیانہ ستم ظرافی پر اتر آئے گا اور سوچنے سمجھنے کے لئے اس نے اسے صرف تین دن کی مہلت دی تھی۔

چنانچہ جب یہ مہلت کے دن ختم ہو گئے تو قریاقوس آیا اس وقت چار گھڑی دن باقی رہا تھا۔ دھوپ کی سفید سی سنہرے پن میں تبدیل ہو گئی تھی۔

طاہرہ عصر کی نماز پڑھ رہی تھی۔ اسی تنگ اور اندھیری کوٹھری میں جس میں وہ قید کی گئی تھی۔

یہ کوٹھری اس قدر تاریک تھی۔ کہ باوجودیکہ ابھی دن باقی تھا۔ لیکن کوٹھری کے اندر کالی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

قریاقوس دروازہ سے ایک قدم آگے بڑھ کر دیکھنے لگا۔

طاہرہ کو اس کے آنے کی خبر نہ ہوئی۔ وہ اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ نماز پڑھتی رہی۔

جب وہ نماز پڑھ کر اور دعا مانگ کر کھڑی ہوئی۔ اور اس نے پلٹ کر دیکھا تو اسے قریاقوس کھڑا ہوا نظر آیا۔

وہ اسے دیکھ کر کچھ گھبرا گئی۔ اس کے چہرہ کا گلابی رنگ اڑ گیا آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا۔

قریاقوس مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھا اور اس کے قریب پہنچ کر اس کے سہمے ہوئے چہرہ پر نظریں گاڑھ کر کہا۔ "او مست شباب! تم میرے آنے سے خوفزدہ کیوں ہو گئیں۔

طاہرہ کا خوف فوراً ہی دور ہو گیا۔ اسے اپنے اوپر غصہ آیا۔ کہ کیوں اس نے اپنے چہرہ پر خوف کی علامتیں ظاہر ہونے دیں۔

عربی خون اس کے آئینہ جیسے صاف و شفاف چہرہ کی رگوں میں دوڑنے لگا جسے اس کے سفید چہرہ پر سرخی جھلک آئی۔ آنکھوں میں جوش کی وجہ سے چمک پیدا ہو گئی۔ اس نے

نظریں اٹھا کر کہا۔ خوفزدہ...... ایک عربی لڑکی اور خوفزدہ ہو جائے۔

قریاقوس اس کی حالت میں فوراً ہی یہ تبدیلی دیکھ کر کچھ متعجب ہوا۔ لیکن وہ مکر و فریب کا جال بچھانے اور معصوم عربی دوشیزہ کو نفس پرستی کا شکار کرنے آیا تھا۔ اس لئے اس کی تعریف کر کے اس کے دل میں اپنا خیال پیدا کرنے کے لئے کہا۔ بیشک تم خوفزدہ نہیں ہو سکتی ہو۔ نہایت بہادر اور سمجھدار لڑکی ہو۔ جس قدر تم خوبصورت ہو اسی قدر سنجیدہ بھی ہو۔

طاہرہ نے اسے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا خاموش ہو گئی کچھ وقفہ کے بعد قریاقوس نے کہا۔ "حسین طاہرہ! میں اس وقت تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تم سے اپنی اس زیادتی کی معافی مانگوں جو میں نے تمہارے ساتھ کی ہے۔

طاہرہ نے دلفریب نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کیا خدا نے تمہیں ہدایت کی۔ کیا تم نیک اور شریف انسان بن گئے۔

قریاقوس کا چہرہ کہہ رہا تھا۔ کہ اسے جو روش طاہرہ کی گفتگو سخت ناگوار گزری ہے مگر اس نے ضبط کر کے کہا۔ "میں شریف انسان ہوں سارے عیسائی اس بات سے خوب واقف ہیں مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ مجھے تم پر سختیاں کرنا مناسب نہ تھا۔

طاہرہ۔ اگر تمہارے دل میں یہ خیال انسانی ہمدردی کی وجہ سے ہوا ہے تو قابل قدر ہے۔

قریاقوس نے گویا اس کی بات سنی ہی نہیں۔ اس نے کہا۔ میں نے عہد کر لیا ہے کہ تمہیں جس قدر آرام میں پہنچا سکتا ہوں پہنچاؤں تمہارے قدموں پر زر و جواہر کے ڈھیر لگا دوں تمہارے پھول سے جسم کو بیش قیمت لباس اور اعلیٰ قسم کے زیورات سے لاد دوں تمہاری کنیزوں کی تعداد بڑھا دوں۔ تمہیں شہزادیوں سے زیادہ شان کے ساتھ رکھوں۔

طاہرہ نے سنجیدگی کے ساتھ قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ مگر میں ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں چاہتی۔ میں عربی اور مسلمان لڑکی ہوں سادہ طریقہ پر رہنا پسند کرتی ہوں۔ سادہ کپڑے پہنتی ہوں۔ زیورات کی خواہشمند نہیں ہوں سیم و زر۔ ہیرے جواہرات۔ ان چیزوں کی مجھے ضرورت نہیں ہے اور چونکہ میں اپنا کام خود پسند کرتی ہوں۔ اس لئے مجھے کنیزوں کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

قریاقوس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ پھر کیا چاہتی ہو تم۔

طاہرہ۔ میں عزت۔ عصمت اور آزادی چاہتی ہوں۔

قرياقوس نے بگڑ کر کہا۔ عصمت! عزت۔ آزادی ...... ہاں تمہیں آزادی دی جائے گی۔ لیکن عصمت کا نام نہ لو۔

طاہرہ نے جوش میں آ کر کہا۔ بغیر عصمت کے آزادی کس کام کی عورت کا جوہر اس کی عصمت ہے۔ اگر عصمت جاتی رہی تو پھر آزادی دولت اور حکومت سب ہیچ ہیں۔

قرياقوس:۔ تم بے وقوف ہو۔ دنیا دولت و حکومت ہی سے عزت ملتی ہے۔

طاہرہ:۔ ایسی عزت پر۔ ایسی دولت پر۔ ایسی حکومت پر۔ ایسی زندگی پر لعنت ہے جو عصمت کھو کر ملے۔

قرياقوس نے غصہ میں آ کر کہا۔ بے وقوف اور بدقسمت لڑکی تیرے دماغ سے ابھی عصمت کا جنون نہیں گیا۔

طاہرہ نے غصہ سے سرخ ہو کر کہا۔ عصمت کا خیال نہ گیا ہے نہ مرتے دم تک جا سکتا ہے۔

قرياقوس نے غصہ میں آ کر کہا۔ ابھی جاتا رہے گا۔ ابھی۔

اب تک تو میں خوشامد سے انسانیت سے اور شرافت سے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اب ...... اب میں وہ ہولناک ستم وہ لرزہ خیز ظلم۔ وہ عبرتناک بیداریاں کروں گا۔ کہ تو خود میرے قدموں پر گر کر میری خواہشوں کی تکمیل کی درخواست کرے گی۔

طاہرہ نے نرمی اور ملامت سے کہا۔ تم مجھے شاید عیسائی لڑکیوں کی طرح سمجھ رہے ہو جو ذرا سی سختی سے گھبرا کر یا ادا سے لالچ میں آ کر عصمت فروشی پر آمادہ ہو جاتی ہیں مگر ...... تم مسلمان لڑکیوں اور عورتوں سے واقف نہیں ہو۔ وہ مر جاتی ہیں مگر عصمت فروشی پر آمادہ نہیں ہوتیں۔

قرياقوس نے طیش میں آ کر کہا ہاں ہاں دیکھوں گا اچھی طرح دیکھوں گا کہ تو جان کو زیادہ عزیز سمجھتی ہے یا عصمت کو۔"

یہ کہتے ہی اس نے تالی بجائی فوراً ہی دو خونخوار سپاہی داخل ہوئے دونوں سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ قرياقوس نے ان سے کہا۔ عذاب دینے کا سامان لے آؤ۔

دونوں جلدی سے چلے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں ایک بڑی پیتل کی انگیٹھی لائے اس انگیٹھی میں انگارے دہک رہے تھے۔ ایک بڑا نیزہ تھا۔ ایک بڑا سا تھی ایک موٹے حلقوں کی لوہے کی زنجیر تھی۔

یہ سب سامان لا کر انہوں نے رکھ دیا۔ قرياقوس نے کہا۔ تو نے دیکھا یہ سامان۔

طاہرہ اس سامان کو دیکھ کر پھر سہم گئی۔ لیکن فوراً ہی دل کو قوی کر کے بولی۔ ہاں دیکھ لیا۔

قرياقوس:۔ اچھا تو اب تو عذاب کے برداشت کی طاقت پیدا کر لے۔"

طاہرہ:۔ خدا طاقت دے گا۔

قرياقوس نے سخت غضبناک ہو کر کہا۔ دیکھوں گا تیرے خدا کو اور تجھے بھی۔ دونوں کو دیکھوں گا۔

طاہرہ نے جوش میں آ کر کہا۔ دیکھنا اور اچھی طرح دیکھنا۔

قرياقوس نے سپاہیوں سے کہا۔ نیزہ گرم کرو۔

فوراً سپاہیوں نے نیزہ انگاروں پر رکھ دیا۔

انگیٹھی میں اس قدر آگ تھی کہ اس کی تپش سے تمام کوٹھری گرم ہو گئی تھی۔

اس وقت آفتاب چھپ گیا تھا۔ مغرب کی نماز کا وقت آ گیا تھا۔ طاہرہ نے کہا۔ اتنے تم عذاب کا سامان تیار کرو۔ اتنے میں نماز پڑھ لوں۔

قرياقوس نے کرخت آواز سے قہقہہ لگا کر طنزاً کہا۔ ہاں ضرور نماز پڑھ لینا شاید تجھے یہ نماز ہی بچا لے گی۔

طاہرہ نے کہا۔ نماز خدا کی بندگی ہے۔ خدا اپنے یاد کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ عبادت کرنا انسان کا فرض ہے۔ میں اس لئے عبادت کرتی ہوں کہ زندگی میں عبادت کا قرض باقی نہ رہ جائے اور حشر کے روز پروردگار عالم بازپرس نہ کرے۔

یہ کہتے ہی وہ قبلہ رو کھڑی ہو گئی۔ اور اطمینان کے ساتھ نماز پڑھنے لگی۔

جب نماز پڑھ چکی۔ تو اس نے دعا مانگی۔ کہ خداوند عالم مجھے توفیق دے کہ میں صبر اور استقلال کے ساتھ اس عذاب کو برداشت کروں جو مجھ پر کیا جانے والا ہے مجھے زندگی کی پرواہ نہیں۔ لیکن آبرو عزیز ہے۔ زندگی رہے یا نہ رہے۔ مگر میری آبرو رہ جائے تو میری عصمت کی حفاظت کر

دعا مانگ کر وہ کھڑی ہوئی۔ اور قرياقوس کی طرف گھوم کر کھڑی ہو گئی

قرياقوس نے کہا۔ احمق لڑکی اب بھی مان جا۔

طاہرہ نے کہا۔ اگر میری جان لینا چاہتے ہو تو لے لو۔ لیکن خدا کے لئے میری آبرو نہ لو۔

قرياقوس نے سخت برافروختہ ہو کر کہا۔ وہی ضد۔ وہی احمقانہ خیال۔ اچھا تو تیار ہو

جا۔

طاہرہ خاموش رہی۔ قراقوس نے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا نیزہ نکالو۔

سپاہیوں نے نیزہ نکالا۔ وہ اس قدر سرخ ہو گیا تھا کہ انگاروں میں اور اس میں کوئی فرق نہ رہا تھا۔

قراقوس نے ایک سپاہی سے کہا۔ تم اس لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اس کی ہتھیلی پھیلا دو (دوسرے سپاہی سے) اور تم یہ نیزہ اس کی ہتھیلی پر رکھ دو۔

طاہرہ نے جرات کر کے کہا۔ میرے بدن کو کوئی شخص ہاتھ نہ لگائے میں خود ہتھیلی پھیلاتی ہوں۔

یہ کہتے ہی اس نے نازک ہتھیلی پھیلا دی۔ بے درد بے رحم سپاہی نے اس کی پھول سی ہتھیلی پر انگارہ جیسے گرم نیزہ کی انی رکھ دی۔

طاہرہ کی ہتھیلی جل گئی۔ اس کے سارے جسم میں آگ سی لگ گئی۔ چہرہ سفید پڑ گیا۔ شدت تکلیف سے آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ اس نے ضبط کرنے کے لئے اپنے لبوں کو دانتوں میں دبا لیا۔

اس نے بلا ارادہ ہاتھ جھٹک دیا۔ اور زور سے جھٹکا کہ سپاہی کے ہاتھ سے نیزہ چھوٹ گیا اور انی اس کے پیروں پر جا پڑی۔

اس کا پیر بھی جل گیا۔ اس نے بے اختیار ایک خوفناک چیخ ماری۔

قراقوس نے اسے ملامت کرتے ہوئے کہا تو مرد ہو کر چلانے لگا۔ اور یہ عورت ہو کر برداشت کر گئی۔

سپاہی بیٹھ گیا اور کرب و بے چینی سے تڑپنے لگا۔

قراقوس نے دوسرے سپاہی سے کہا۔ تم طاہرہ کا پیر انگیٹھی میں رکھ دو

اس شقی القلب نے سراپا حسن طاہرہ کا پیر انگیٹھی میں رکھ دیا۔ فوراً ہی انگلیاں اور تلوے جلنے لگے۔ اور درد و تکلیف اس قدر بڑھ گئی کہ اس پر غشی طاری ہونے لگی۔

جس وقت وہ بے ہوش ہو رہی تھی۔ اس نے پرویز کو آتے ہوئے دیکھا لیکن وہ خوب جانتی تھی کہ پرویز وہاں نہ تھا اس لئے وہ سمجھی کہ اس کے خیال نے اسے دھوکا دیا ہے اس میں کچھ سمجھنے اور دیکھنے کی قوت باقی نہ رہی تھی اس پر غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔

آخر کار وہ بے ہوش ہو گئی۔

گرفتاری

طاریون کو سوسی کا انتظار تھا۔ اس نے سیاہ پوش کو دیکھتے ہی یہ سمجھ لیا تھا کہ وہی آیا ہے اسی کا خط آیا تھا۔ اسے ہی اس نے جواب دیا تھا۔ مگر جب اس نے نقاب الٹا اور طاریون نے اسے دیکھا اور وہ یرغون نظر آیا تو وہ گھبرا گئی۔

یرغون کو یہ شبہ تھا کہ سوسی اور طاریون چھپ چھپ کر ملتے۔ اور خط و کتابت کرتے ہیں اس نے ان دونوں کی سختی سے نگرانی شروع کر دی تھی اپنے خاص خاص آدمیوں کو جاسوسی پر لگا دیا تھا۔ اور خود بھی تگ و دو میں لگا رہتا تھا۔

آج وہ خود طاریون سے ملنے کے لئے اس وقت آیا تھا جب اس نے سوسی کے قاصد کو خط کا جواب دے کر روانہ کیا تھا۔

قاصد کو خیمے سے نکلتے ہوئے دیکھ کر یرغون کھٹکا۔ اور فوراً پیچھے ہٹ کر خیموں کے سایہ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔

جب قاصد اس کے برابر سے گزر کر آگے نکل گیا تو وہ آہستگی سے اس کے پیچھے چل پڑا۔ قاصد کو یہ شبہ بھی نہ ہوا کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔

وہ نہایت اطمینان سے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ طاریون کے لشکر سے باہر نکل گیا اور اب سوسی کے لشکر کی طرف بڑھا۔

اب تک یرغون کو یہ شبہ ہی شبہ تھا۔ کہ یہ شخص جو طاریون کے خیمہ سے نکل چلا تھا سوسی کا قاصد ہے لیکن جب وہ سوسی کے لشکر کی طرف بڑھا تو اس کا شبہ یقین سے بدل گیا اور وہ برابر اس کے پیچھے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ جب طاریون کے لشکر سے دور نکل گیا اور سوسی کا لشکر بھی فاصلہ پر رہ گیا تو وہ بڑھا اور اچانک قاصد کے پاس جا پہنچا۔

قاصد اسے دیکھ کر گھبرا گیا۔ یرغون نے ڈپٹ کر کہا۔ کون ہو تم۔

قاصد نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ میں قاصد ہوں میرے مالک۔

یرغون نے قاصد کو غور سے دیکھا۔ اس نے کہا۔ اہا تم ہو [illegible]۔

[illegible] نے جواب دیا۔ "جی ہاں میں ہوں آپ کا غلام"

[illegible] ایک غلام زادہ تھا۔ اسے یرغون نے ہی پرورش کیا تھا۔ کسی بات پر اس سے ناخوش ہو کر نکال دیا تھا اور اب وہ سوسی کے پاس رہنے لگا تھا۔ یرغون نے دریافت کیا۔

طاریون [illegible] میں تو وہ وہاں ہے۔

ریغون کو خط کے متعلق کچھ بھی علم نہ تھا اس نے قیاسی تیر مارا تھا جو نشانہ پر لگا۔

نقولا نے خط نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "یہ رہا حضور۔"

اس نے خط لے کر اس سے کہا۔ "میں نے تمہارا قصور معاف کر دیا اب تم میرے ہی پاس رہا کرو۔"

نقولا اس سے خوش تھا۔ سوئی کے پاس مجبوری سے گیا تھا۔ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا۔ میں حضور ہی کا خادم ہوں۔ اور حضور ہی کے پاس رہنا چاہتا تھا۔

ریغون:۔ میرے ہی پاس رہنا۔ اچھا آؤ۔

دونوں واپس لوٹے اور ریغون کے لشکر کی طرف چلے۔ جو وہ اپنے خیمہ پر پہنچا تو اس نے نقولا کو ایک پھولداری میں ٹھہرایا۔ اور تنہائی میں بیٹھ کر طاریون کا خط پڑھنے لگا۔

خط پڑھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے فوراً اپنے چند خاص خادموں کو بلا کر انہیں کچھ ہدایتیں کیں۔ اور ایک سیاہ لبادہ لے کر خیمہ سے نکلا اور طاریون کے لشکر کی طرف چلا۔ جب وہ طاریون کے خیمہ کے پاس پہنچا۔ تو خیمہ کے پشت کی طرف جا کر لبادہ اوڑھ کر خیمہ کے کھلے دروازہ سے طاریون کے پاس پہنچ گیا۔

سوئی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ ریغون نے کیا چالاکی اختیار کی اور کیسے اس کے قاصد کو اپنے قابو میں کر لیا وہ قاصد کی واپسی ہی کا انتظار کرتا رہا۔

اس طرح ریغون کو سوئی اور طاریون کی خط و کتابت کا علم ہوا اور وہ طاریون کے خیمہ میں جا پہنچا۔

طاریون کو اس کی ان عیاریوں کا کچھ بھی علم نہ تھا۔ اس لئے وہ اسے اپنے خیمہ میں دیکھ کر پہلے حیران ہوئی۔ اور پھر اسے غضبناک دیکھ کر سہم گئی۔ اور خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

ریغون غضبناک نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے غصہ کے لہجہ میں کہا۔ شہزادی، یہ کیا حرکت ہے تمہاری۔

طاریون پر اب ندامت چھا گئی اس نے نگاہیں جھکا کر کہا۔ میں نے کوئی حرکت خلاف تہذیب نہیں کی ہے۔

ریغون کو حد درجہ غصہ آ رہا تھا اس نے کہا۔ سوئی کو بلا کر عہد وفا کرنا بھی تہذیب ہی میں داخل ہے۔"

طاریون:۔ یہ دونوں [illegible] ہے۔

ریغون نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ گویا تمہارا دل سوئی کی طرف راغب ہے۔

طاریون نے نظریں اٹھا کر ریغون کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ہاں کچھ ہے۔"

ریغون:۔ اور تم اس سے عقد کرنا چاہتی ہو۔

طاریون:۔ اس کے متعلق میں نے ابھی غور نہیں کیا ہے۔

ریغون:۔ پھر سوئی کو کیوں بلا رہی تھیں تم۔

طاریون:۔ عہد محبت کو استوار کرنے کے لئے۔

ریغون نے کڑک کر کہا۔ "مکار شہزادی! تو سوئی سے محبت بھی کرتی ہے محبت کے عہد کو مضبوط کرنا بھی چاہتی ہے۔ لیکن عقد کرنے کے متعلق ابھی تک بھی تو نے کچھ نہیں سوچا۔

طاریون کو کچھ غصہ آ گیا۔ اس نے کہا۔ ادب و شرافت سے گر کر باتیں نہ کرو۔

ریغون:۔ میں کیا غلط کہہ رہا ہوں۔ کون سی میری حرکت شرافت کے خلاف ہوئی ہے۔

طاریون:۔ تم مجھے مکار کہہ رہے ہو۔

ریغون:۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔

طاریون:۔ کیا مکاری کی ہے میں نے۔

ریغون:۔ کیا تو نے سوئی کو اپنی محبت کا یقین دلانے اور اس سے اپنی محبت کا اقرار کرانے کے لئے اسے نہیں بلایا تھا۔

طاریون:۔ ہاں اسی لیے بلایا تھا۔

ریغون:۔ کیا محبت کا انجام عقد نہیں ہوتا۔

طاریون:۔ ہوتا ہے مگر میرا ایسا خیال نہیں ہے۔

ریغون نے حیرت سے اسے دیکھ کر دریافت کیا۔ اگر اس کے ساتھ عقد کرنا نہیں چاہتی ہو تو پھر اقرار محبت کیسا۔

طاریون:۔ ریغون دراصل تم نے سب کچھ غلط سمجھا۔

ریغون:۔ کیا مطلب ہے اس سے تمہارا۔

طاریون:۔ میرا مطلب یہ ہے کہ سوئی اس جنگ میں محض اسی وجہ سے شریک ہوا ہے کہ میں شریک ہو رہی ہوں۔ میں اور میرے والد یہ چاہتے ہیں کہ تمام عیسائی مل کر

مسلمانوں سے لڑیں اور انہیں شکست دے کر اپنے ملک سے نکال دیں۔ ہم اس مہم میں کامیاب ہو جائیں گے تب ہی سوئی کو دعا بتادوں گی۔

یرغون:۔ کیا یہ فریب نہیں ہے۔

طاریون:۔ فریب ضرور ہے لیکن مصلحت اس کی متقضی ہے۔

یرغون:۔ پھر آپ کا ارادہ کس کے ساتھ عقد کرنے کا ہے۔

طاریون نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔ تمہارے ساتھ ہے یرغون۔"

یرغون اس سحرکار کی ہوشربا نگاہیں دیکھ کر مسرور ہو گیا۔ اور اس کے روئے انور کو دیکھنے لگا۔

طاریون مسکرا رہی تھی۔اس کے بے نقاب چہرہ سے حسن کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ وہ بے حد حسین معلوم ہو رہی تھی۔

کچھ دیر تک یرغون دیکھتا رہا۔ طاریون بھی اس پر نگاہ ناز کے تیر برساتی رہی لیکن فوراً ہی وہ سنبھلا اور اس نے کہا۔ کہ اس کی کیا ضمانت ہے۔ کہ تم مجھے بھی فریب نہیں دے رہی ہو۔

طاریون کو اس کی یہ بات سخت ناگوار گزری۔ اس نے چاہا کہ اپنی ناگواری کا الفاظ کے ذریعہ سے اظہار کرے مگر کچھ سوچ کر بولی۔ کیا تم مجھے فریب کار سمجھے ہو۔

یرغون:۔ سوچو جو ایک شخص کو فریب دیتا ہے۔ کیا وہ دوسرے کو فریب نہیں دے سکتا۔

طاریون:۔ تم سچ کہتے ہو۔ لیکن سوئی کو فریب دینے میں تو ایک مصلحت ہے ہی۔ مگر تمہیں فریب دینے میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے۔

یرغون:۔ میری اس وقت کی گرفت سے رہائی۔

طاریون نے یرغون کو دیکھتے ہوئے کہا۔ تو کیا تم مجھے گرفتار کرنے کا خیال رکھتے ہو۔

یرغون:۔ مجبوراً مجھے ایسا ہی کرنا پڑے گا۔

طاریون:۔ مگر جانتے ہو اس کا انجام کیا ہو گا۔

یرغون:۔ کیا ہو گا۔

طاریون:۔ خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ تمہیں اپنی جان مشکل ہو جائے گی۔

یرغون:۔ میں ایسی تدبیر کروں گا۔ کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے گی۔

طاریون اس کے تیور اور اس کا استقلال دیکھ کر گھبرا گئی۔ اس نے کہا اور تم جو تیغ جفا سے میرے دل پر چرکے لگا رہی ہو۔

طاریون نے عاجزی سے کہا۔ اب ایسا نہ کروں گی۔

یرغون:۔ کیسے یقین آئے مجھے۔

طاریون:۔ میری بات کا یقین کرو۔

یرغون:۔ اچھا قسم کھاؤ۔ کہ تم میرے ساتھ عقد کرو گی۔

طاریون پس و پیش کرنے لگی۔ اس کی نگاہیں جھک گئیں۔ وہ کچھ سوچنے لگی دفعۃً اس نے نگاہیں اٹھائیں۔ اس کی آنکھیں عیاری کے ساتھ چمکنے لگیں۔ اس نے کہا۔ میں حضرت مسیح کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ جنگ کے بعد تم سے عقد کر لوں گی۔

یرغون برابر اس کے چہرہ اور آنکھوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ لیکن شہزادی! جو کچھ تم کہہ رہی ہو تمہاری آنکھیں اسے غلط بتا رہی ہیں۔ اور چونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ تمہاری کوئی کنیز یہاں نہ آجائے اس لئے میں اب زیادہ فضول باتوں میں نہیں کھو سکتا۔

یہ کہتے ہی اس نے ہتھیلی بجائی فوراً ہی چار سپاہی اس دروازے سے جس سے یرغون آیا تھا خیمہ کے اندر گھس آئے۔

طاریون ان سپاہیوں کو دیکھتے ہی سخت خوفزدہ ہو گئی۔

یرغون نے ان سے کہا۔ اس مکار شہزادی کو گرفتار کر لو۔ سپاہی بڑھے۔ طاریون پیچھے ہٹی۔ اس نے چلانے کے لئے اپنے لب کھولے۔ لیکن ابھی اس کی آواز نکلی بھی نہ تھی کہ یرغون نے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

سپاہیوں نے جلدی سے اسے ریشم کی ڈور میں باندھ کر اس کے منہ میں کپڑے کی گیند ٹھونس دی۔

طاریون بے بس ہو کر رہ گئی۔ یرغون نے کہا۔ اسے اٹھاؤ۔ اور جلدی لے چلو۔

سپاہیوں نے اسے اٹھایا خیمہ سے باہر آئے اور یرغون کے لشکر کی طرف چلے۔ یرغون بھی ان کے پیچھے چلا۔ خیموں کی قطار کے پیچھے دبے قدموں چل کر وہ لشکر گاہ سے نکلے اور رات کے تاریک پردہ میں غائب ہو گئے۔

مظلوم حور

مظلوم دوشیزہ طاہرہ کو جب ہوش آیا۔ اور اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو خود کو

ایک وسیع کمرے میں ایک گدے دار لوچ پر پڑا پایا۔

کمرہ کے دریچوں میں سے دھوپ آ آ کر دیوار پر پڑ رہی تھی۔ اسے یہ بات خوب یاد تھی۔ کہ جس وقت وہ بے ہوش ہوئی تھی اس وقت دن چھپ رہا تھا اور اس نے مغرب کی نماز پڑھی تھی۔ اور اس وقت سورج نکل آیا تھا۔

وہ یہ سمجھ گئی کہ غالباً وہ ساری رات بے ہوش پڑی رہی ہے۔ اس کے جسم کے جو حصے آگ سے جل گئے تھے ان میں سوزش اور جلن اس قدر پیدا ہو رہی تھی جس سے اسے سخت تکلیف تھی۔

اس کے چہرہ کا پھول سے زیادہ گلابی رنگ اڑا ہوا تھا اور دھلے ہوئے لٹھا کی طرح سفید تھا۔ نازک اور تیز گلابی ہونٹ ہلکے پیازی رنگ کے ہو گئے تھے۔ آنکھیں درد و غم میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

اس نے آہ آہ کر کے عالم کرب میں کروٹ لی جس طرف اس نے کروٹ لی اس طرف پریونہ بیٹھی تھی۔

پریونہ کے چہرے سے بھی غم و فکر کی علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں۔

طاہرہ۔ پریونہ کو دیکھ کر چونک پڑی۔ اس نے نحیف آواز سے کہا۔ پریونہ! کیا تم ہی ہو یا میری آنکھیں دھوکا دے رہی ہیں۔

پریونہ نے کہا۔ ""معصوم دوشیزہ" اس وقت بدبخت و چالاک پریونہ ہی تمہارے سامنے موجود ہے۔

طاہرہ۔ تم نے تو! ...... پریونہ تم نے اس کے زخموں میں پھر جلن شروع ہو گئی اور وہ آہ کر کے خاموش ہو گئی۔ فقرہ پورا نہ کر سکی۔

پریونہ نے ندامت آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہاں میں نے تمہارے ساتھ ظلم کیا ہے۔"

طاہرہ نے افسوسناک لہجہ میں کہا۔ مجھے تم سے ایسی توقع نہ تھی۔

پریونہ۔ میں خود شرمندہ ہوں۔ اور اس وحشیانہ ظلم کو دیکھ کر میرا دل لرز اٹھا ہے۔

طاہرہ۔ میں عیسائیوں کو اس قدر ظالم نہیں سمجھتی تھی۔

پریونہ۔ مجھے بھی خیال نہیں تھا کہ اس قدر سنگدلی کی جائے گی۔

طاہرہ۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ میں نے شاید خدا کی کوئی نافرمانی کی تھی۔ جس کے پاداش میں دنیا میں آگ سے جلنے کی سزا پائی۔

طاہرہ کو اس قدر تکلیف تھی۔ کہ وہ رک رک کر آہ کر کر کے تکلیف کو ضبط کرنے کے لئے لبوں کو دانتوں میں بھینچ بھینچ کر گفتگو کر رہی تھی۔

پریونہ نے کہا۔ "یہ بات نہیں ہے۔ میں نے تمہیں پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے۔ قرآن شریف کی تلاوت کرتے اور روزے رکھتے دیکھا ہے میرے خیال میں تم نے خدا کی کوئی نافرمانی نہیں کی ہے۔ بلکہ خدا نے تمہیں آزمائش میں ڈالا ہے۔

طاہرہ۔ ممکن ہے یہی بات ہو اور اسی لئے مجھے کسی سے بھی کوئی شکوہ نہیں ہے۔

پریونہ سمجھ گئی کہ مظلوم طاہرہ اس سے شکایت کر رہی ہے کہ اس نے اسے دھوکا دے کر گرفتار کرایا۔ فور وہ اسی کی وجہ سے مبتلائے مصیبت ہوئی اس نے کہا۔ ""معصوم طاہرہ! تم شریف ہو۔ اس لئے شکایت زبان پر نہیں لاتی ہو۔ مگر میرا سر آج ذلت و ندامت سے تمہارے سامنے جھک گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہیں دھوکا دیا۔ میں نے تمہیں گرفتار کرایا ہے۔ میری وجہ سے تمہیں تکلیف پہنچی ہے۔ لیکن میں یقین دلاتی ہوں کہ جس قدر تکلیف کی شدت سے تمہارے دل کو صدمہ پہنچا ہے۔ اسی قدر تمہاری کیفیت دیکھ کر مجھے دکھ ہوا ہے۔

پریونہ نے کہا۔ "میں نے جو سلوک تمہارے ساتھ کیا ہے اس کا اقتضا یہی ہے کہ تم میری کسی بات پر یقین نہ کرو۔ لیکن میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ جس وقت میں اس کمرہ میں داخل ہوئی جس میں تم پر وحشیانہ ظلم کیا جا رہا تھا تو میں کانپ گئی تھی اور میں نے ہی بے رحم قرا قوس جو میرا بھائی ہے مگر اب اسے بھائی کہتے مجھے شرم آتی ہے تمہاری سفارش کی اور تمہیں اس بے رحم کے ہاتھوں سے بچا کر یہاں اٹھوا لائی۔ یہ میرا کمرہ ہے۔ جب تک تمہیں آرام ہو بے فکری سے یہاں رہو اور جب آرام ہو جائے تب جہاں کہو گی پہنچا دیا جائے گا۔

طاہرہ کی ہتھیلیاں اور تلوے جل گئے تھے۔ بلکہ یہ کہئے کہ جلا دئے گئے تھے اگرچہ پریونہ نے اس کا علاج شروع کرا دیا تھا ایک ہوشیار جراح نے مرہم لگا دیا تھا۔ مرہم اس قدر ٹھنڈا تھا کہ اس سے سوزش میں کمی ہو گئی تھی۔ اور کسی ایک پہلو چین نہ پڑتا تھا اس لئے وہ بار بار کروٹیں بدلتی تھیں چنانچہ اس نے اب بھی کروٹ بدل کر کہا۔ کیا تم یہ اطمینان دلاتی ہو مجھے۔

پریونہ۔ ہاں میں اطمینان دلاتی ہوں۔

طاہرہ۔ مگر تمہارا بھائی۔

پرویند:۔ اسے خبر بھی نہ ہو گی۔ کہ تم کہاں چلی گئی ہو۔

طاہرہ:۔ لیکن کیا وہ میری نگرانی نہ کرا رہا ہو گا۔

پرویند:۔ اسے مجھ پر اعتبار ہے اس لئے اس نے چوکی پہرہ قائم نہیں کیا ہے۔

طاہرہ:۔ لیکن تم نے مجھے گرفتار کرایا۔ مصیبت میں پھنسایا۔ میں کیسے مان لوں کہ تم مجھے رہا بھی کرا دو گی۔

پرویند:۔ میں یہاں تمہیں رہائی دلانے کے لئے آئی ہوں۔

طاہرہ نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔ مجھے رہائی دلانے کے لئے آئی ہو۔

پرویند نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہاں۔"

طاہرہ:۔ یہ تو عجیب بات ہے۔

پرویند:۔ تم اس لئے عجیب بات سمجھ رہی ہو کہ تمہارے چلے جانے کے بعد جو واقعات پیش آئے تو ان سے ناواقف ہو

طاہرہ:۔ ٹھیک ہے۔ ایسی کیا نئی بات ہوئی .... آہ! میرے زخموں میں سخت سوزش ہو رہی ہے۔

پرویند:۔ بھولی طاہرہ! جب تم آہ کرتی ہو۔ یا بے چین ہو کر کروٹ بدلتی ہو یا ضبط کرنے کے لئے دانتوں میں ہونٹ دباتی ہو تو میری روح پر صدمہ ہوتا ہے جی چاہتا ہے کہ تمہاری تکلیف میں شریک ہو جاؤں۔ لیکن درد غم اور تکلیف بانٹنے کی چیزیں نہیں ہیں اس لئے مجبور ہو کر رہ جاتی ہوں۔

طاہرہ:۔ اس وقت مجھے ناقابل برداشت تکلیف ہو رہی ہے۔ لیکن میں ضبط کر رہی ہوں۔ جانتی ہوں نہ یہ بانٹنے کی چیز ہے نہ آہ و واہ کرنے سے کم ہو سکتی ہے۔ مگر جب تکلیف کی شدت بڑھ جاتی ہے تب بے ساختہ آہ نکل جاتی ہے۔

پرویند:۔ میں جانتی اور سمجھتی ہوں۔

طاہرہ:۔ ہاں کیا بات نئی ہو گئی ہے۔

پرویند:۔ میں مسلمان ہو گئی ہوں طاہرہ۔

طاہرہ کو یہ سن کر بڑی حیرت اور بہت ہی خوش ہوئی۔ وہ اس خوشی سے اپنی تکلیف بھول گئی۔ اس نے کہا۔ تم مسلمان ہو گئی ہو پرویند۔

پرویند:۔ ہاں۔ لیکن ابھی اس بات کو چھپانا۔ میں اپنے بھائی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی ہوں۔

طاہرہ:۔ میں احتیاط رکھوں گی۔ اب تم میری بہن ہو گئی ہو مجھے یہ بات سن کر بڑی خوشی ہوئی ہے اب میں تم پر اعتبار کروں گی۔

پرویند:۔ میرا طرز عمل خود تمہیں مجھ پر اعتبار کرنے پر مجبور کر دے گا۔

طاہرہ:۔ میرے بھائی کا کیا حال ہے۔

پرویند:۔ اچھے ہیں۔ لیکن تمہاری وجہ سے بہت پریشان اور غمگین رہتے ہیں۔

طاہرہ:۔ اور .... میں ....

طاہرہ منذر کے متعلق دریافت کرنا چاہتی تھی۔ لیکن شرم نے اجازت نہ دی اور اس لئے وہ فقرہ پورا نہ کر سکی۔

پرویند سمجھ گئی۔ اس نے کہا۔ شریف اور نوجوان منذر اچھا ہو گیا ہے وہ تمہارے لئے بڑا بے چین اور فکرمند رہتا ہے۔

طاہرہ نے جلدی سے دریافت کیا۔ "کیا وہ زندہ ہے۔

پرویند:۔ ہاں زندہ ہے اگرچہ وہ بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ مگر تمہارے بھائی جان نے بڑی توجہ سے اس کا علاج کیا اسے اب آرام ہو گیا ہے۔

طاہرہ:۔ خدا کا شکر ہے۔ ہزار ہزار احسان ہے۔

پرویند:۔ طاہرہ! اب تم غم اور فکر چھوڑ دو۔ کوشش کرو۔ کہ جلدی اچھی ہو جاؤ۔ جب تمہیں آرام ہو جائے گا تب یہاں سے نکل چلنے کی کوشش کریں گے۔

طاہرہ:۔ جو خدا کو منظور ہے وہ ہو گا۔ آئندہ کی باتیں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ میں خوش رہنے کی کوشش کروں گی۔ عجب نہیں جو خدا مجھے بھی صحت عطا فرما دے۔

پرویند:۔ تمہارا معالج کہتا تھا کہ تمہیں دو ہفتے کے اندر آرام ہو جائے گا۔

طاہرہ:۔ خدا ایسا ہی کرے۔

اب طبیب آگیا ہے۔ اس نے پرویند کو سلام کیا۔ اور فرش پر بیٹھ کر طاہرہ کی پٹیوں کھول کر زخم دیکھا۔ دھویا۔ دوا لگائی اور پھر پٹیاں کس دیں۔ پرویند نے اس سے دریافت کیا۔ "زخموں کی کیا کیفیت ہے۔

طبیب نے جواب دیا۔ "نہایت اچھی ہے۔ فکر کی بات کوئی نہیں رہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ میں زخم مندمل ہو جائیں گے۔

یہ سن کر پرویند کو بے حد مسرت ہوئی۔ طاہرہ بھی خوش ہوئی۔ پرویند نے کہا۔ "میں تمہاری محنت کا صلہ دوں گی۔

طبیب:۔ میں صلہ کا خواہشمند نہیں ہوں۔ مجھے اس لڑکی سے خود محبت ہو گئی ہے۔ میں اسے اپنی بیٹی سمجھنے لگا ہوں۔

طاہرہ نے مشکورانہ نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔ "میں آپ کی بہت زیادہ مشکور ہوں۔ اگر میری زندگی ہے اور میں کسی قابل ہوئی تو آپ کی خدمت کروں گی۔

طبیب ضعیف العمر تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "بیٹی! مجھے تجھ سے ایسی ہی توقع ہے۔ میں نے سنا تھا کہ مسلمان وحشی ہیں۔ بداخلاق ہیں۔ بے رحم ہیں۔ لیکن تجھے دیکھ کر میں سمجھ گیا ہوں کہ متعصب عیسائیوں نے مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے غلط خبریں اڑا دی ہیں۔ اچھا اب میں جا رہا ہوں تو دو روز اور بالکل آرام کر۔ اٹھنے بیٹھنے کی کوشش نہ کر۔

طاہرہ:۔ میں احتیاط کر رہی ہوں اور احتیاط کروں گی۔ طبیب اٹھ کر چلا گیا۔ طاہرہ اور پروینہ باتوں میں مشغول ہو گئیں۔

سوئی کا عزم

سوئی نے نقولا کو محبت نامہ دے کر شہزادی طاریون کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ شہزادی اس کے خط کا جواب دے گی چنانچہ وہ اس کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ مگر جب رات زیادہ آگئی اور وہ واپس نہ آیا تب اسے فکر ہوا۔ اسے خیال ہوا کہ کہیں شہزادی نے خفا ہو کر اسے قید تو نہیں کر دیا۔ یا وہ بریغون کے ہاتھوں میں تو نہیں پڑ گیا۔ اور اس نے اسے ٹھکانے تو نہیں لگا دیا۔

چونکہ اس نے خفیہ طریقہ پر اسے بھیجا تھا اور وہ اس بات کو کسی سے کہنا بھی نہ چاہتا تھا اس لئے باوجود فکر و پریشانی کے ابھی تک بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

جب انتظار کرتے کرتے تھک گیا تو اٹھ کر خیمہ سے باہر نکلا اور چہل قدمی کرنے لگا۔ جہاں تک اس کی نظر گئی۔ اسے آگ جگہ جگہ روشن نظر آئی۔ آگ کی روشنی میں خیموں کی چوٹیاں اور ادھر ادھر جانے والے سپاہی نظر آئے۔ اس کی نگاہیں اس راستہ کی طرف لگی ہوئی تھیں جو طاریون کے لشکر گاہ کی طرف جانے کے لئے رکھا گیا تھا۔

جب اسے اس طرف سے کوئی آنے والا نظر آتا تھا تو وہ اسے نقولا سمجھ کر دیکھنے لگتا تھا مگر جب وہ کسی قریب کے خیمہ میں گھس جاتا تھا تب اسے تکلیف ہوتی تھی۔

دیر تک وہ کھڑا رہ کر اس کا انتظار کرتا رہا۔ آخر تھک کر پھر خیمہ میں چلا گیا اور بیٹھ کر خیالات کی گہرائیوں میں اتر گیا۔

خدا جانے کب تک بیٹھا رہا۔ جب چونکا تو کچھ شور کی آواز کانوں میں آئی اس نے سر اٹھا کر کان شور کی طرف لگا دئے۔ جب اس نے غور کیا تو اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کہیں دور کچھ غل ہو رہا ہو۔

اسے اب یقین ہونے لگا۔ کہ شاید نقولا کو طاریون نے کوئی سزا دینا تجویز کر لیا ہے اور یہ شور شہزادی کے سپاہی کر رہے ہیں۔

وہ جلدی سے گھبرا کر خیمہ سے باہر نکلا۔ اس وقت اس کے لشکر میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی سوائے پہرہ والے سپاہیوں کے اور سب سو رہے تھے۔ آگ بھی بجھ چکی تھی۔

چاند کی درمیانی تاریخیں تھیں۔ آدھی رات کے وقت چاند نکلا کرتا تھا جب سوئی نے خیمہ سے باہر نکل کر دیکھا تو افق مشرق سے چاند جھانکتا نظر آیا۔ اس کی روشنی سے تمام افق روشن ہو رہا تھا اور خیموں کی چوٹیاں چاندنی میں چمکنے لگی تھیں۔

چاند کے نکلنے کا منظر نہایت ہی پیارا معلوم ہو رہا تھا جوں جوں چاند بڑھتا جاتا تھا چاندنی پھیلتی جاتی تھی۔ چاندنی کے پھیلنے سے ہر چیز چمکتی جا رہی تھی۔

سوئی نے پہرہ والوں سے دریافت کیا۔ "یہ کیسا شور ہے۔"

ایک پہرہ والے نے جواب دیا۔ "معلوم نہیں حضور۔"

سوئی:۔ تم میں سے ایک آدمی بڑھ کر دریافت کر آؤ۔

فوراً ایک پہرہ والا دوڑا گیا۔ سوئی کھڑا رہ کر اس کا انتظار کرنے لگا تھوڑی دیر میں پہرہ دار واپس آیا۔ اس نے کہا۔ "حضور والا۔ بریغون کا لشکر کوچ کر رہا ہے۔

سوئی یہ سن کر کچھ حیران رہ گیا۔ اس نے حیرت ناک لہجہ میں کہا۔ اس وقت...... آدھی رات کو؟ کیا وہ واپس جا رہا ہے۔

پہرہ دار:۔ نہیں حضور واپس نہیں جا رہا۔ بلکہ سور کے قلعہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔

سوئی:۔ مگر آدھی رات کو چوروں کی طرح بھاگنے کے کیا معنے ہیں۔

پہرہ دار:۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

سوئی نے ہنس کر کہا وہ یا تو بے وقوف ہے یا پاگل یہ وقت آرام کا ہے یا سفر کرنے کا۔

پہرہ دار:۔ اس کے پاگل ہونے میں شک ہی کیا ہے حضور۔

سوئی:۔ اچھا اس پاگل کو جانے دو۔ تم اپنا کام کرتے رہو۔

یہ کہہ کر سوئی خیمہ کے اندر گھس گیا اور بغیر لباس بدلے کوچ پر پڑ گیا۔ چونکہ اسے نقولا کے آنے کا خیال تھا اس لئے وہ اس کے آنے کا انتظار کرتا اور دیر ہو جانے کی

وجوہات سوچتا رہا۔ آخر اسی انتظار اور سوچ بچار میں اسے نیند آگئی اور ایسی نیند آئی کہ کسی بات کا ہوش نہ رہا۔

صبح جب وہ اٹھا تو دن چڑھ آیا تھا وہ جلدی سے اٹھا اور ضروریات سے فراغت کر کے خیمہ سے باہر نکلا۔

چونکہ ایک روز پہلے ہی یہ طے ہو چکا تھا۔ کہ آج صبح ہی لشکر کوچ کرے گا اس لئے جب اس نے باہر نکل کر دیکھا تو تمام خیمے اکھاڑے جا کر گاڑیوں میں لادے جا چکے تھے اور سپاہی مسلح ہو کر کوچ پر تیار کھڑے تھے۔

وہ بھی واپس خیمہ میں گیا اور سفری پوشاک پہن کر باہر نکلا۔ ایک خادم اس کا گھوڑا لئے کھڑا تھا وہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ چند سپاہیوں نے اس کا خیمہ بھی گرا کر ایک گاڑی میں لادا اور بار برداریوں کے چھکڑے روانہ ہوئے۔

لشکر کے کوچ کا یہ قاعدہ تھا کہ پہلے طاریون کا لشکر روانہ ہوتا تھا اس کے بعد برقون کا اور پھر خود اس کا۔

برقون کا لشکر رات ہی روانہ ہو چکا تھا۔ طاریون کا لشکر تیار کھڑا تھا یہ اس لئے رکا ہوا تھا کہ جب شہزادی کا لشکر چل پڑے تو وہ بھی روانہ ہو۔

لیکن سورج بہت کچھ اونچا ہو گیا۔ دھوپ پھیل گئی اور شہزادی کے لشکر نے حرکت بھی نہ کی۔ سوئی کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا اس کے پاس اس وقت اس کے لشکر کے چند سردار آکھڑے ہوئے تھے اس نے ان سے دریافت کیا۔ آج کیا بات ہے شہزادی کے لشکر نے کیوں اب تک کوچ نہیں کیا۔

ایک سردار نے جواب دیا کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ تمام لشکر کو اس بات پر حیرت ہو رہی ہے۔

سوئی:۔ اگر آج کوچ کا ارادہ نہ ہوتا تو شہزادی کا لشکر تیار بھی نہ ہوتا۔

دوسرا سردار:۔ بیشک معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابھی شہزادی صاحبہ اپنے خیمہ سے برآمد نہیں ہوئی ہیں۔

سوئی:۔ مگر وہ تو بہت سویرے اٹھنے کی عادی ہیں۔

دوسرا سردار:۔ شاید ناشتہ کر رہی ہوں۔

سوئی:۔ یہ ممکن ہے۔

ان دونوں کی نگاہیں شہزادی کے لشکر کی طرف تھیں۔ انہوں نے اس طرف سے چند

سواروں کو گھوڑے دوڑاتے آتے دیکھا۔ سوئی نے کہا۔ یہ کون لوگ آرہے ہیں۔

سردار نے کہا۔ شہزادی کے لشکر کے افسر معلوم ہوتے ہیں۔

سوئی:۔ یہ کیوں آرہے ہیں کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی۔

سردار:۔ ایسا ہی خیال ہوتا ہے حضور۔

سوئی:۔ آؤ بڑھ کر ان سے دریافت کریں۔

سردار:۔ چلئے۔

سوئی مع اپنے تمام افسروں کے اس طرف بڑھا۔ جس طرف سے وہ سوار گھوڑے دوڑائے چلے آرہے تھے وہ لشکر گاہ سے باہر نکل کر رک گیا۔ کچھ ہی دیر میں آنے والے سوار بھی اس کے قریب آکر رک گئے۔

جب سوئی نے ان کے چہروں کی طرف دیکھا تو وہ اسے پریشان حال اور متفکر معلوم ہوئے۔ سوئی نے دریافت کیا۔

تم کیوں گھبرائے ہوئے آرہے ہو۔ خیریت تو ہے۔

ایک افسر نے کہا۔ خیریت کہاں ہے۔ حضور۔ بڑا غضب ہو گیا۔

سوئی نے گھبرا کر دریافت کیا۔ کیا ہوا؟؟"

افسر:۔ شہزادی صاحبہ غائب ہیں۔

سوئی پر حیرت اور غم نے ایک ساتھ ہی حملہ کیا۔ اس کی آنکھیں پھٹی۔ اور منہ کھلا رہ گیا۔ اس نے کچھ وقفہ کے بعد کہا۔ شہزادی صاحبہ غائب ہیں۔

افسر:۔ جی ہاں۔

سوئی:۔ کب اور کیسے غائب ہو گئیں۔

افسر:۔ یہ خدا ہی کو خبر ہے حضور۔ صبح جب لشکر کوچ کے لئے تیار ہو گیا اور شہزادی صاحبہ خیمہ سے برآمد نہ ہوئیں۔ تب کنیزوں نے جا کر دیکھا تو وہ غائب تھیں۔

سوئی:۔ عجیب بات ہے یہ۔ ان کی پیش خدمتوں سے تمہیں دریافت کیا تم نے۔

افسر:۔ دریافت کیا تھا۔ وہ کہتی ہیں کہ رات شہزادی صاحبہ کچھ پریشان اور متفکر تھیں۔ انہوں نے شب خوابی کے کپڑے بھی نہیں بدلے تھے۔ کچھ رات گئے تک کنیزیں ان کے پاس رہیں۔ پھر انہوں نے کنیزوں کو باہر بھیجا دیا۔ اور کہہ دیا تھا کہ جب آرام کرنا چاہیں گی تب انہیں بلا کر کپڑے بدل لیں گی۔ کنیزیں آدھی رات تک انتظار کرتی رہیں لیکن انہوں نے نہیں بلایا۔ کنیزوں کو خفگی کے خوف سے ان کے پاس جانے کی جرات نہ

ہوئی اور وہ خیمہ کے باہر ہو گئیں۔ صبح کو یہ گل کھلا۔

سونی: بڑا تعجب ہے۔

افسر: جی ہاں نہایت حیرت ہے۔ کنیزوں کا بیان ہے کہ وہ کسی کا انتظار کر رہی تھیں۔

سونی کے دماغ میں فوراً ہی یہ خیال گزرا کہ کہیں یرغون نے شہزادی کو نہ پھسلا لیا ہو۔ اس خیال سے اسے قلبی صدمہ ہوا۔ اب اسے یہ یقین ہونے لگا کہ ضرور شہزادی یرغون کے ساتھ بھاگ گئی۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ ایک سوار آیا اس نے آتے ہی سونی کو سلام کر کے کہا۔ حضور غضب ہو گیا۔

سونی اور تمام افسران اس کی طرف دیکھنے لگے۔ سونی نے دریافت کیا۔ "کیا ہوا۔"

سوار: بے رحم و ظالم یرغون نے شہزادی صاحب کو گرفتار کر لیا۔

اس کی یہ بات سن کر سب حیران رہ گئے اور حیران ہو ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد جب ذرا حیرت کا غلبہ دور ہوا تو سونی نے دریافت کیا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا یہ؟

سوار نے جواب دیا۔ "حضور میں رات پہرہ پر تھا۔ آدھی رات کے وقت میں نے کچھ آدمیوں کو جاتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے دو آدمی ایک پشتارہ سا اٹھائے ہوئے تھے مجھے شبہ ہوا۔ میں جب ان کی طرف بڑھا تو ان میں سے ایک سپاہی میری طرف آیا اور جب وہ بالکل ہی پاس آگیا تو میں نے پہچانا وہ یرغون تھا۔ اس نے مجھے باتوں میں لگا لیا اور اس کے ہمراہی بڑھے چلے گئے جب وہ دور نکل گئے تب یرغون بھی چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد میں نے اس کے لشکر کے روانہ ہونے کا شور سنا مجھے شک پیدا ہوا اور میں دوڑ کر اس کے لشکر میں جا ملا۔ اور ان کے ساتھ چلتا رہا۔ صبح ہوتے ہی مجھے معلوم ہوا کہ یرغون رات شہزادی صاحبہ کو گرفتار کر کے لایا تھا اور اب سوس کے قلعہ کی طرف لے جا رہا ہے۔ میں یہ معلوم کرتے ہی واپس لوٹا اور اب حضور کے پاس یہ خبر بیان کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔"

اس سوار کے بیان سے شہزادی کے غائب ہونے کا حال معلوم ہو گیا۔ افسر پر اور حیرت اور غم نے غلبہ کیا لیکن سونی کو جوش اور غصہ آگیا اس نے غضبناک لہجہ میں کہا۔

بدمعاش باغی ...... خیر کچھ پرواہ نہیں جاتا کہاں ہے سب چلو۔ تیزی سے چلو اور اس مکار کو راستہ میں گھیر کر مار ڈالو۔

سونی کی اس مختصر تقریر نے سب کے دلوں کو گرما دیا۔ شہزادی کے لشکر کے افسر روانہ ہوئے انہوں نے لشکر میں جاتے ہی یرغون کی غداری اور شہزادی کی گرفتاری کا حال سنا دیا۔ ہر سپاہی اس خبر کو سن کر نہایت غضبناک ہو گیا۔

فوراً ہی اس لشکر نے کوچ کر دیا۔ اس کے پیچھے سونی کا لشکر بھی روانہ ہوا۔ کچھ دور چل کر یہ دونوں لشکر گرد و غبار کے دامن میں چھپ گئے۔

اٹھارہواں باب

عجیب شور

قارئین کرام بھولے نہیں ہوں گے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سرکردگی میں سو دلاوران صف شکن رسد کے انتظام کے لئے روانہ ہوئے تھے۔

یہ مختصر دستہ برج رغیان سوس کے قلعہ کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اگرچہ یہ لوگ جانتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ ان کا ہر قدم دشمن کے ملک کی طرف اٹھ رہا ہے۔ قدم قدم پر دشمنوں کا خطرہ ہے پھر دشمن بھی کثرت سے ہیں لیکن انہیں کوئی اندیشہ نہ تھا وہ بڑی بے فکری سے نہایت اطمینان کے ساتھ بڑھے جا رہے تھے۔

جزیرہ کے جس حصہ ملک میں اس وقت وہ سفر کر رہے تھے۔ وہ نہایت پربہار اور سبزہ زار تھا۔ جہاں سے جہاں تک نظر جاتی تھی گھاس سبز مخمل کا فرش بچھا ہوا نظر آتا تھا۔ تھوڑے تھوڑے سے فاصلہ پر چشمے۔ ندیاں اور دریا بہہ رہے تھے۔ باغات بھی کثرت سے تھے۔ باغوں میں مختلف قسم کے پھل آ رہے تھے۔

ایک روز مسلمانوں کو چلتے چلتے عصر کا وقت ہو گیا۔ سارا دن نہ کوئی گاؤں یا آبادی ملی نہ کھانا نصیب ہوا البتہ جب انہوں نے وضو کیا دو چار گھونٹ پانی کے ضرور پی لئے۔

عصر کے وقت انہیں بھوک زیادہ معلوم ہوئی۔ وہاں کیا رکھا تھا۔ چپ چاپ بڑھتے رہے کچھ دور چل کر وہ ایک ایسے جنگل میں جا گھسے جس کی زمین ناہموار تھی کہیں پہاڑ کی چٹانوں کی طرح اونچے اونچے ٹیلے تھے اور کہیں غاروں کی طرح گہرے شگاف تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پانی کے پھیر نے زمین کو کاٹ کاٹ کر کٹاؤ کر دئے ہوں۔ کہیں کہیں گنجان اور خاردار جھاڑیاں تھیں اور کہیں کہیں ٹیلوں پر نہایت موٹے اور لمبے درخت کھڑے تھے۔

یہ لوگ آہستہ آہستہ بڑھتے اور اس دشوار گزار جنگل کو طے کرتے رہے۔ تقریباً ایک میل چل کر یہ جنگل تمام ہوا اور اس کے اختتام پر ایک دریا نظر آیا۔ اس دریا کا وہ کنارہ جس پر یہ لوگ جا کر رکے بہت زیادہ اونچا تھا۔ کنارہ کے اوپر سے دریا میں کود پڑنا آسان نہ تھا۔

یہ لوگ رک گئے اور دریا میں اترنے کی تدبیر سوچنے لگے۔

جیتا بھی ان کے ساتھ کھڑا سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا ہم نے اس طرف سے آنے میں غلطی کی۔ ہمیں واپس لوٹ کر دوسرے راستہ سے آنا چاہئے تھا۔

حضرت عبدالرحمن نے کہا۔ "اگر ہم واپس لوٹیں تو کتنی مسافت طے کرنی پڑے گی ہمیں۔

جیتا:۔ دو تین کوس کی۔

عبدالرحمن:۔ فضول ہے۔ کیوں نہ ہم گھوڑوں سے نیچے اتر کر پہلے خود اتریں پھر گھوڑوں کو اتارنے کی کوشش کریں۔

جیتا:۔ یہ کوشش اس لئے بے سود رہے گی۔ کہ یہ کنارہ سیدھا اٹھا ہوا ہے۔

جیتا۔ نے ٹھیک کہا تھا کنارہ اونچا اور سیدھا تھا۔ اور کنارے کے بالکل نیچے دریا بہہ رہا تھا۔

اگر کنارہ سے نیچے اترنے کی کوشش کی جاتی تو دریا میں گر پڑنا یقینی تھا۔ مگر عبدالرحمن نے اس خطرہ کی پرواہ نہیں کی۔

انہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا چلا۔ کودا اور اچھل کر دریا میں جاگرا۔ گرتے ہی سنبھلا اور تیرنے لگا۔

عبدالرحمن کے بعد ضرار نے اور ان کے بعد ایک دو دو کر کے تمام مسلمانوں نے گھوڑوں کی ایمیزیں لگا لگا کر دریا میں ڈال دیئے۔ تمام گھوڑے ایک ایک کر کے کود گئے اور تیرنے لگے اگرچہ جیتا کی ہمت نہ پڑی کہ وہ اپنے گھوڑے کو کوداتا اور دریا میں ڈال دیتا مگر اس کا گھوڑا اور گھوڑوں کی دیکھا دیکھی خود ہی کود گیا۔ اور وہ بھی دریا میں جا کر تیرنے لگا۔

اگرچہ یہ کام نہایت ہی خطرناک تھا۔ گھوڑوں کے چوٹ آجانے اور سواروں کے گر جانے کا اندیشہ تھا مگر مسلمان ایسا عزم صمیم رکھتے تھے۔ کہ انہوں نے نہ اندیشہ کی پرواہ کی اور نہ خطرے سے ڈرے اور جو کام ناممکن تھا اسے ممکن کر دکھایا۔

بڑھا جیتا مسلمانوں کی یہ جرات دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگوں کا خدا مددگار ہے۔ ورنہ تم سب اتنے اونچے کنارے

کے اوپر سے گھوڑے کودا کر دریا میں گر پڑتے۔ اور تم اور تمہارے گھوڑے سب ڈوب جاتے۔

حضرت عبدالرحمن نے مسکرا کر کہا۔ "یہ سچ ہے کہ خدا ہمارا حامی و ناصر ہے لیکن ساتھ ہی ارادہ اور ارادہ میں استقلال بھی شرط ہے۔ اگر ہم ارادہ نہ کرتے اور استقلال سے اس ارادہ کی تکمیل کی کوشش ہی نہ کرتے تو خدا کیسے مدد کرتا۔ خدا کا ارشاد ہے کہ تم ارادہ کرو۔ میں مدد کروں گا تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

جیتا:۔ ٹھیک ہے۔ اگرچہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ مگر ابھی میرے دل میں مسلمانوں کا سا استقلال۔ عزم اور خدا پر اعتماد پیدا نہیں ہوا۔

ضرار:۔ رفتہ رفتہ ہو جائیں گے۔

جیتا:۔ انشاء اللہ (اگر خدا نے چاہا)

یہ سب نہایت اطمینان سے گھوڑوں پر سوار رہے اور گھوڑے سینہ سے پانی کو چیر کر بڑھتے رہے۔

دریا چوڑا اور گہرا تھا۔ بڑی جدوجہد کے بعد یہ لوگ دوسرے کنارہ پر پہنچے۔

یہ کنارہ بتدریج سطح آب سے اٹھتا چلا گیا تھا۔ اس پر بے تکلف گھوڑے چڑھ گئے اور انہوں نے اس سطح میدان کو طے کرنا شروع کیا۔

اس تمام میدان میں گہرے سبز رنگ کی چھوٹی چھوٹی گھاس کھڑی تھی۔

چونکہ اس وقت آفتاب غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا تھا اس لئے شام کا سا جھٹ پٹا ہو گیا تھا۔ اور یہ گہرے رنگ کی سبز گھاس سیاہی مائل نظر آنے لگی تھی۔

دریا کا نیلا پانی بھی سیاہ معلوم ہونے لگا تھا۔

چونکہ آفتاب غروب ہونے لگا تھا اس لئے مسلمان مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے رک گئے۔

سردی کا موسم تھا۔ سرد ملک تھا۔ ٹھنڈا پانی تھا۔ شام ہونے کی وجہ سے ٹھنڈ اور بھی بڑھ گئی تھی۔ لیکن خدا پرست مسلمانوں نے کسی بات کی بھی پرواہ نہ کی۔ سب گھوڑوں سے نیچے اتر آئے اور گھوڑوں کو چھوڑ چھوڑ کر دریا کے کنارے پر جا بیٹھے اور وضو کرنے لگے۔

وضو کر کے اٹھے۔ حضرت ضرار نے بلند آواز سے اذان کہی اور سب نے جماعت سے نماز پڑھی۔

نماز پڑھ کر پھر سوار ہوئے اور آگے چلے۔ تھوڑی دور چل کر ڈھلوان میدان ختم ہو کر ہموار زمین آگئی۔

تقریباً دو میل چلنے کے بعد ایک باغ سر راہ آیا۔ یہ لوگ سارے دن کے بھوکے تھے درختوں میں پھل آرہے تھے۔ یتا نے کہا۔ آؤ اس باغ میں سے کچھ پھل توڑ کر کھا لیں۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ کچھ تو سہارا ہو جائے گا۔

حضرت عبدالرحمٰن نے کہا۔ اگر باغ کا مالک موجود ہو اور وہ قیمت لے کر پھل دے دے تو ہم کھا سکتے ہیں۔

یتا:۔ اطمینان رکھئے۔ ایسے ہو کے مقام پر رات کے وقت کوئی بھی باغ میں نہ ہو گا۔

عبدالرحمٰن:۔ کیوں!

یتا:۔ اس لئے کہ عیسائی رات کو ایسے مقام پر رہتے ڈرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن:۔ تو ہم بغیر مالک کی اجازت کے پھل کیسے توڑ اور کھا سکتے ہیں۔ یہ چوری ہے۔ اگرچہ مالک اس وقت یہاں نہ ہو اور وہ ہمیں نہ دیکھتا ہو مگر وہ جو سب کا مالک ہے جو ہر جگہ موجود ہے جو سب کچھ دیکھتا ہے یعنی خدا وہ تو موجود ہے اس کی موجودگی میں ہم چوری نہیں کر سکتے۔

یتا:۔ تو سمجھ لیجئے۔ کہ جس طرح آپ دن بھر بھوکے رہے ہیں۔ اسی طرح رات بھر بھی بھوکے رہیں گے۔

عبدالرحمٰن:۔ پرواہ نہیں۔ ایک دن اور ایک رات کیا۔ اگر ہم کئی دن اور کئی رات بھی بھوکے رہیں تب بھی چوری جیسا برا کام ہرگز نہ کریں گے۔

یتا:۔ معاف کرنا میں نے آپ کو اس لئے آزمایا تھا۔ کہ میں نے سنا تھا کہ مسلمان کسی وقت میں بھی کوئی برا کام کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ آج اطمینان ہو گیا۔ میں خود اسے برا سمجھتا ہوں۔ اور جب سے مسلمان ہوا ہوں اس وقت سے تو اور بھی برا سمجھنے لگا ہوں۔

باغ سے آگے بڑھ کر یہ لوگ کھلے ہوئے میدان میں پہنچے۔ یہاں یہ گھوڑوں سے اترے۔ زین کھولے۔ گھوڑوں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور پہلے سب نے عشاء کی نماز پڑھی اور پھر گھاس پر کمبل بچھا بچھا کر اور ایک ایک دو دو کمبل جیسے جس کے پاس تھے اوڑھ اوڑھ کر بھوکے پڑے ہی سو گئے۔

صبح سویرے اٹھ کر ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی اور سورج نکلنے سے پہلے ہی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس وقت یہ ایک ایسے میدان کو طے کر رہے تھے جو بالکل کھلا ہوا تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی میدان اور اس میں ہری ہری گھاس لہلہاتی نظر آتی تھی۔

انہیں دور سے ایک اونچا اور زبردست قلعہ نظر آیا۔

عبدالرحمٰن نے یتا سے دریافت کیا۔ کیا یہی سور کا قلعہ ہے۔ جو سامنے نظر آرہا ہے۔

یتا نے غور سے دیکھ کر جواب دیا۔ جی ہاں یہ سور ہی کا قلعہ ہے۔

ان لوگوں نے گھوڑوں کو اور ذرا تیز کر دیا۔ اور دوپہر سے پہلے پہلے قلعہ کے نیچے پہنچ گئے۔

یہ سور ہی کا قلعہ تھا۔ اس کا مالک یا والی طالوت تھا۔ طالوت نے مسلمانوں سے صلح کر لی تھی۔ اول تنہا یتا قلعہ کے اندر گیا اور طالوت سے جا کر ملا۔ جوں ہی اس نے مسلمانوں کے آنے کی خبر سنی فوراً ان کے استقبال کے لئے مع وزراء اور اراکین سلطنت کے باہر نکل آیا۔ اور بڑے تپاک سے خیر مقدم کر کے قلعہ کے اندر لے گیا۔

اس نے جاتے ہی سب سے پہلے مسلمانوں کو کھانا کھلایا۔ ان کے لئے خیمے نصب کروائے کھانا کھلا کر ان میں انہیں ٹھہرا دیا اور خود ان کے لئے غلہ فراہم کرنے لگا۔

مسلمان آرام اور اطمینان سے ٹھہر گئے۔ ان کے سامنے ہی غلوں کے بوروں کے انبار لگائے جا رہے تھے۔ طالوت کے آدمی غلہ خریدتے تھے۔ اور قیمت مسلمان دے دیتے تھے۔

تین روز تک غلہ کی خرید و فروخت جاری رہی۔ چوتھے دن کی رات کو مسلمانوں نے قلعہ کے باہر کچھ شور سنا وہ حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے قلعہ کے عیسائی بھی شور و غل سن کر حیرت زدہ ہو رہے تھے۔

تقریباً آدھی رات کے بعد انہوں نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ سنا۔

صدائے تکبیر کے سنتے ہی وہ بے چین ہو گئے اور کمبل پھینک پھینک کر چلے۔ قلعہ کے دروازے پر پہنچ کر دروازہ کھلوایا اور قلعہ سے باہر نکلے۔

قمری مہینہ کی وسطی تاریخیں تھیں۔ اس وقت چاند افق مشرق سے سر نکالے ان قلعہ سے نکلنے والوں کو دیکھ رہا تھا اگرچہ ابھی اچھی طرح سے چاندنی نہ چٹکی تھی اور کافی روشنی نہ پھیلی تھی مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ اجالا ہو ہی گیا تھا۔

اس طرف سے [illegible] مسلمانوں نے تلواریں چمکتی دیکھیں اور مختلف قسم کا شور

سنا۔ وہ سمجھ گئے کہ جنگ ہو رہی ہے۔

انہوں نے اپنے گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی کر دیں اور جس طرف جنگ ہو رہی تھی اس طرف دوڑے۔

اسلام کا عالمگیر تاثر

ریغون شہزادی طاریون کو لے کر اپنے لشکر میں پہنچا۔ اسے کامیاب واپس آنے سے بڑی خوشی ہوئی۔

وہ سیدھا اپنے خیمہ پر گیا۔ سپاہیوں نے طاریون کو ایک کوچ پر لٹا دیا اس نے ان سے کہا۔ تم جاؤ افسروں سے کہہ دو کہ وہ سپاہیوں کو جگا کر کوچ کرنے پر تیار کر دیں۔

سپاہیوں نے سلام کیا اور چلے گئے۔

ریغون کا یہ خیمہ ذرا بڑا تھا۔ آراستہ بھی خوب ہو رہا تھا۔ روشنی بھی کافی تھی۔ شہزادی کا چہرہ اس روشنی میں چمک رہا تھا۔

ریغون شہزادی کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اس کے منہ سے کپڑا نکالا۔ شہزادی کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ حواس پراگندہ ہوتے جا رہے تھے۔ کپڑا نکالے جانے سے ہوش ٹھکانے ہوتے اس نے اپنی نرگسی آنکھیں کھول کر ریغون کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "بدمعاش! یہ تم نے کیا کیا۔

ریغون اس کے روشن چہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ تمہارے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ برا کہو اور گالیاں دو۔"

ابھی ریغون نے شہزادی کے بند نہیں کھولے تھے وہ بندھی پڑی تھی۔ البتہ اپنی رہائی کے لئے جدوجہد کر رہی تھی۔ خفا ہو کر پہلو بدل رہی تھی۔ اس نے کہا۔

اور یہ تمہارے لئے زیبا تھا کہ تم مجھے گرفتار کر کے لے آئے۔

ریغون:۔ میں یہ بات کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ تم سوسی کی ہو جاؤ۔

طاریون نے بگڑ کر کہا۔ اپنی اور اپنے لشکر کی خیریت چاہتے ہو تو مجھے فوراً رہا کر دو۔

ریغون نے مسکرا کر کہا۔ "اطمینان رکھو اب میرا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

طاریون نے گھور کر غصہ بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے بھروسہ نہ رہنا جس وقت میری گرفتاری کی خبر مشہور ہو گی فوراً میرا لشکر تم پر حملہ کر دے گا۔ بلکہ سوسی کا لشکر بھی اور پھر تمہاری اور تمہارے لشکریوں کی جانیں خطرہ میں پڑ جائیں گی۔

ریغون:۔ میں اس کی نوبت ہی نہ آنے دوں گا۔ تمہارے ہوا خواہوں کو تمہاری گم شدگی یا گرفتاری کی خبر ہونے سے پہلے میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔

طاریون خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ ریغون نے کہا۔ اگر تم خوشی سے میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو جاؤ میں تمہیں آرام سے لے چلوں اور اگر بیجا ضد کرو شور مچاؤ اور اپنی رہائی کی فضول جدوجہد کرو۔ تو جس طرح اور جس شان سے تمہیں یہاں تک لایا ہوں اسی طرح یہاں سے بھی لے چلوں گا۔

طاریون سمجھ گئی کہ وہ مجبور ہے ایسے کے پھندہ میں پھنس گئی ہے جو رحم اور مہربانی کرنا ہی نہیں جانتا۔ اس نے کہا۔ نہیں۔ نہیں۔ میرا منہ بند نہ کرنا اس سے مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ میں خاموشی سے تمہارے ساتھ چلوں گی۔

ریغون:۔ اچھا تو تیار ہو جاؤ۔

طاریون نے حیرت سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کیا اسی وقت چلو گے۔

ریغون:۔ ہاں۔ تم خوب جانتی ہو کہ صبح ہوتے ہی تمہاری گم شدگی کی خبر عام ہو جائے گی۔ لوگ تمہیں تلاش کرنے کے لئے یہاں آئیں گے اور تمہیں یہاں دیکھ کر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ فضول خونریزی ہو اس لئے اسی وقت کوچ کرنے کا ارادہ ہے۔

طاریون:۔ کیا واپس جانے کا قصد ہے۔

ریغون:۔ نہیں۔ میں جہاد کے لئے نکلا ہوں۔ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بغیر لڑے واپس جانا بزدلی سمجھتا ہوں اس لئے ملک شریش کے پاس جانا چاہتا ہوں۔

طاریون:۔ اچھا تو چلئے میں بھی تیار ہوں۔ لیکن میری بندش کھول دیجئے۔ اس سے مجھے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔

ریغون:۔ بہت خوب۔ میری سرتاج بہت خوب۔

ریغون نے اس کی بندشیں دور کر دیں۔ طاریون رہائی پا کر اٹھی اور بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ سانس لینے لگی۔

ریغون خیمہ سے باہر نکلا۔ اس وقت چاند بہت کچھ اونچا ہو گیا تھا۔ چاندنی میدان میں پھیل گئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ اس کے سارے کیمپ میں ہل چل سی مچی ہوئی ہے۔ خیمے اور چھولداریاں اکھاڑے جا کر بار برداریوں میں لادے جا رہے تھے۔ سپاہی مسلح ہو ہو کر گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔ اس نے دو گھوڑے لانے کا حکم دیا۔ اور واپس خیمہ میں

کر خود بھی مسلح ہوا اور طاریون کو ساتھ لے کر خیمہ سے باہر نکلا۔ اسے دو گھوڑے تیار ملے ایک پر وہ اور دوسرے پر شہزادی سوار ہو گئے۔ اس کا خیمہ بھی اکھاڑ کر لاد لیا گیا۔ سپاہیوں نے صفیں مرتب کیں اور سور کے قلعہ کی طرف چلنا شروع کر دیا یہ دونوں بھی لشکر میں شامل ہو گئے۔

چونکہ یرغون کو اندیشہ تھا کہ شہزادی اور سوئی کے لشکر ان کا تعاقب نہ کرے اس لئے اس نے لشکر کو تیزی سے چلنے کا حکم دیا۔ سپاہی نہایت تیز چلے۔

رات کو سفر کرنے سے تکان نہیں ہوتا اور فاصلہ بھی زیادہ طے ہو جاتا ہے اس لشکر نے صبح ہوتے ہوتے کافی مسافت طے کر لی۔ اور تعاقب کے خوف سے برابر سفر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ شام کے وقت وہ سور کے سامنے والے میدان میں پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔

چونکہ پچھلی رات سے انہوں نے سفر کیا تھا اور سارے دن بھی چلتے رہے تھے۔ اس لئے قیام کر کے کھانا کھا کر جو پڑے تو کسی کو بھی سرپا کا ہوش نہ رہا۔ نہایت آرام سے غفلت کی نیند سو گئے۔

آدھی رات تک وہ اطمینان سے سوتے رہے۔ ہر طرف سکوت اور سکون طاری رہا۔ لیکن آدھی رات کے طلسم خاموشی ٹوٹ گیا۔ زمین زلزلہ کے خفیف سے جھٹکے سے ہلتی ہوئی معلوم ہونے لگی۔

یرغون اور اس کے لشکری فوراً بیدار ہو گئے۔ وہ گھبرا گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے انہوں نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی فوراً یرغون خیمہ سے باہر نکل آیا اس نے دروازہ خیمہ پر کھڑا ہو کر اپنے لشکر کے افسروں کو آواز دی۔ تمام سردار اس کی آواز سن کر دوڑے اور اس کے سامنے آکھڑے ہوئے۔

یرغون نے کہا "اے مسیحی جانبازو! جن گھوڑوں کے ٹاپوں کی تم آوازیں سن رہے ہو وہ طاریون اور سوئی کا لشکر ہے جو تمہیں مار ڈالنے کے لئے اڑا چلا آرہا ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ میں مسیحی شہنشاہ شیراقس کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمانوں سے جنگ کروں۔ لیکن اب میرا یہ ارادہ بدل گیا ہے۔ شاید تمہیں تعجب ہو گا کہ میں نے اپنا ارادہ کیوں بدل لیا ہے سنو......

اس وقت علاوہ لشکر کے سرداروں کے ہزاروں سوار بھی اس کے سامنے آکھڑے ہوئے تھے اور وہ سب خاموش کھڑے یرغون کی تقریر سن رہے تھے۔

گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ ابھی چاند نہیں نکلا تھا۔ ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ البتہ افق مشرق سے روشنی کی لو اٹھنے لگی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ عنقریب چاند نکلنے والا ہے۔

یرغون نے سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا "تم سب خوب جانتے ہو کہ عیسائی دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ ایک خدا کو پوجتے اور مانتے ہیں لیکن انہوں نے ایک خدا کے تین خدا مان لئے ہیں۔ ایک خدا۔ ایک خدا کا بیٹا (حضرت عیسیٰ) ایک روح القدس (حضرت جبرئیل) جب ہم خدا کا بیٹا مانتے اور روح القدس کو خدا کی خدائی میں شریک جانتے ہیں تو ہم توحید پرست کہاں رہے۔ خدا اس اتہام سے بری ہے۔ نہ اس کا بیٹا ہے نہ کوئی اس کی خدائی میں شریک ہے۔ وہ اکیلا ہے۔ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ مسلمانوں کا یہی اعتقاد ہے وہ صرف خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ اسی کو قادر مطلق مانتے ہیں۔ وحدانیت مسلمانوں میں ہے نہ کہ عیسائیوں میں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا مسلمانوں کا حامی اور مددگار ہے انہیں ان کے دشمنوں پر فتح دیتا ہے۔ مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ لڑائی میں جو مسلمان قتل ہوتا ہے وہ شہید ہے جنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور جو غیر مسلم قتل ہوتا ہے وہ جہنم میں جاتا ہے اگر تم چاہتے ہو کہ خدا کی وحدانیت کے سایہ میں آجاؤ اور جنت کے حقدار بن جاؤ۔ تو مسلمان ہو جاؤ دیکھو میں تمہیں سب کو گواہ کر کے کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہوں اگر تم مسلمان ہونا چاہتے ہو تو تم بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ اگر مسلمان ہونا نہیں چاہتے تو میرا ساتھ چھوڑ دو۔ اور واپس چلے جاؤ۔

یہ کہتے ہی اس نے صدق دل سے کہا۔ **اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد الرسول الله** یعنی گواہی دیتا ہوں میں۔ کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے اور اس بات کی بھی میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلعم خدا کے رسول ہیں۔"

جو لوگ اس کے سامنے کھڑے تھے وہ بلا کسی جبر و اکراہ اور ترغیب کے اپنی خوشی سے خلوص دل سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

غیر مسلم تاریخوں کا مطالعہ کریں اور بتائیں کہ اسلام تلوار کے زور سے یا فطرت کے عین مطابق ہونے اور وحدانیت کی منادی کرنے سے عالمگیر ہوا اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں جا پہونچا۔

آج عیسائیوں کی سینکڑوں نہیں ہزاروں انجمنیں اور لاکھوں مبلغ کروڑوں روپے خرچ کر کے لوگوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن دنیا جانتی ہے کہ انہیں کچھ بھی

کامیابی نہیں ہو رہی ہے لوگ عیسائیت کی طرف جھکتے ہی نہیں۔ جانتے ہیں کہ اس مذہب میں سچائی نہیں رہی ہے حضرت عیسیٰ کے جانشینوں نے دین کو محض کھیل بنا لیا ہے۔ کیا کوئی عقلمند شخص مان سکتا ہے کہ خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ کس قدر بعید از عقل خیال ہے کہ خدا کا بیٹا حضرت عیسیٰ تھا۔ اور انہیں یہودیوں نے پھانسی دے دی۔ گویا خدا دیکھتا رہا اور اس کے بیٹے کو اس کے بندوں نے پھانسی چڑھا دیا۔ اس سے خدا کی کس قدر بے بسی ظاہر ہوتی ہے عیسائیوں کو ایسا لچر اور پوچ عقیدہ رکھتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

اس کے مقابلہ میں اسلام کو دیکھئے۔ کہ دنیا بھر میں کوئی بھی ایسی انجمن نہیں ہے جو غیر مسلموں میں تبلیغ کر کے انہیں مسلمان ہونے کی دعوت دے۔ لیکن اسلام کا تاثر پھر بھی سعید روحوں کو کھینچ رہا ہے اور لوگ جوق جوق مسلمان ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

ہمیں غیر مسلموں کے ہونے پر اس لئے حیرت نہیں ہے کہ خدا نے آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے اپنے کلام پاک قرآن شریف میں اپنے پیارے نبی حضرت صلعم سے ارشاد فرمایا تھا یدخلون فی دین اللہ افواجا۔ یعنی داخل ہوں گے دین اسلام میں فوج فوج۔

چنانچہ خدا کا قول پورا ہو رہا ہے اور لوگ جوق جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کے بندوں کو مسلمان ہونے سے نہ روک سکے گی۔

آج سے ۲۰، ۲۵ سال پہلے دنیا بھر کے مسلمانوں کی تعداد صرف چالیس کروڑ تھی اور اب ستر کروڑ ہے اگر اسلام اسی طرح بڑھتا رہا تو کیا ایک ہی صدی کے اندر ساری دنیا مسلمان نہ ہو جائے گی یقیناً ایسا ہی ہو گا۔ یہاں تک دنیا نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے۔ کہ سوائے اسلام کے اور کسی مذہب میں بھی وحدانیت اور صداقت نہیں ہے جب ریغون کے ساتھی بھی مسلمان ہو گئے تو اس نے کہا۔ میرے جانباز بہادرو! میں نے اور تم نے خدا کا مذہب اختیار کر لیا ہے جو لشکر ہم سے لڑنے کے لئے آ رہا ہے اب ہمیں اس سے ذرا بھی نہ ڈرنا چاہئے۔ کیونکہ انہیں اپنی طاقت اور کثرت پر گھمنڈ ہے۔ اور ہمیں خدا پر ناز ہے۔ ہم خدا کے ہو گئے ہیں اور خدا ہماری مدد کرے گا تم سب مسلح ہو کر لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔

تمام لشکر اور سارے افسر واپس لوٹے اور مسلح ہو کر صفیں مرتب کر کر کے کیمپ سے باہر جا کھڑے ہوئے۔

اس وقت مشرق کی طرف سے روشنی کی جھلک نمودار ہونے لگی تھی۔ اگرچہ چاند نکل آیا تھا مگر ابھی افق ہی میں تیر رہا تھا۔ اور اس لئے چاندنی افق مشرق ہی کو روشن کئے ہوئے تھی۔ اور چاند سرخ رنگ کا گولہ سا نظر آ رہا تھا۔ پھر بھی تاریکی بہت کچھ دور ہو چکی تھی اور اس قدر اجالا پھیل گیا تھا کہ قریب کی چیز صاف نظر آنے لگی تھی۔

اب گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز بہت قریب آ گئی تھی۔ اور غور کرنے سے آنے والے سوار بھی نظر آنے لگے تھے۔

ریغون اور اس کا لشکر آنے والوں کو دیکھ رہے تھے انہوں نے جان دینے اور جان لینے کا تہیہ کر لیا تھا۔

آنے والے سواروں کے دستے گرد و غبار کے تاریک دامن میں سے اس طرح نکل رہے تھے جیسے یہ جادو کے پتلے سیاہ چادر کو پھاڑ پھاڑ کر نکل رہے ہوں۔ وہ آ آ کر میدان میں پھیلتے جاتے تھے۔ ریغون اور اس کے سوار ان آنے والوں کو دیکھ رہے تھے۔

غیبی مدد

تھوڑی ہی دیر میں تمام لشکر آ آ کر ریغون کے لشکر کے سامنے صف بستہ ہو گیا۔

اب چاند کسی قدر اونچا ہو گیا تھا اور چاندنی کھلے ہوئے میدان میں پھیلنے لگی تھی۔

ایک سوار آنے والے لشکر میں سے بڑھ کر ریغون کے قریب آیا۔ ریغون نے پہچان لیا وہ سوسی کے لشکر کا ایک افسر تھا اس نے کہا۔ "آپ شہزادی طاریون کو ان کی مرضی کے خلاف گرفتار کر کے لے آئے ہیں۔ آپ کی اس حرکت نے شہزادہ سوسی اور شہزادی طاریون کے سپاہیوں کو اس قدر ناراض کر دیا ہے کہ وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ آپ عقلمند آدمی ہیں اس وقت جب کہ مسلمانوں سے لڑائی شروع ہونے والی ہے خانہ جنگی ٹھیک نہیں ہے تمام افسروں نے مشورہ کر کے مجھے آپ کی خدمت میں اس لئے بھیجا ہے کہ اگر آپ شہزادی کو رہا کر دیں تو سوسی اور سب آپ کا قصور معاف کر دیں گے اور اگر آپ نے انکار کیا تو میں یہ پیغام آپ تک پہنچا دوں کہ اس وقت تک جنگ جاری رہے گی جب تک آپ کا خاتمہ نہ کر دیا جائے گا۔

ریغون کو اس کی گفتگو سن کر بڑا طرارہ آیا۔ اس نے کہا ان نامرد بزدلوں سے کہہ دو کہ میں شہزادی کو رہا نہیں کر سکتا۔

آنے والے افسر نے جو قاصد تھا۔ متانت سے کہا۔ لیکن یہ سوچ لیجئے کہ آپ کا لشکر

تھوڑا ہے اور ہمارا زیادہ ہے۔

یرغون:۔ میں خوب جانتا ہوں۔ لیکن فتح و شکست قلت و کثرت پر منحصر نہیں ہے بلکہ حوصلہ اور جرات پر حق ہے۔

قاصد:۔ گویا آپ اور آپ کا لشکر بہادر ہے۔

یرغون:۔ اگر تم اور تمہارا لشکر لڑے تو اس کا امتحان ہو جائے گا۔

قاصد:۔ کیا آپ اسے مناسب سمجھتے ہیں کہ عیسائی آپس ہی میں لڑ کر کٹ مریں۔

یرغون:۔ میرا ایسا ارادہ نہیں ہے۔ لیکن اگر تم نے ایسی حماقت کی تو مجبوراً لڑنا ہی پڑے گا۔

قاصد:۔ مگر انجام کیا ہو گا۔

یرغون:۔ جو خدا کو منظور ہے۔

قاصد:۔ خدا کو کیا منظور ہو گا۔ جب کوئی شخص پہاڑ سے سر ٹکرانے لگے تو پہاڑ ٹوٹے گا یا سر۔

یرغون:۔ یہ مثالیں فضول ہیں۔

قاصد:۔ بہتر ہوتا کہ آپ شہزادی کو رہا کر دیتے۔

یرغون:۔ یہ ناممکن ہے۔

قاصد:۔ گویا آپ اپنے بھائیوں سے لڑنے کے لئے تیار ہیں۔

یرغون:۔ عیسائی اب میرے بھائی نہیں رہے ہیں۔

قاصد نے حیرت سے اسے دیکھ کر کہا" اور کون ہیں۔

یرغون:۔ وہ عیسائی ہیں اور میں مسلمان ہو گیا ہوں۔

قاصد کو اور بھی حیرت ہوئی۔ اس نے دریافت کیا۔ کس نے مسلمان کیا ہے تمہیں؟

یرغون:۔ میں خود مسلمان ہو گیا ہوں۔

قاصد:۔ ایسا مذاق نہ کیجئے۔

یرغون:۔ یہ مذاق نہیں ہے۔

قاصد:۔ جب تو آپ سے لڑنا ضروری ہو گیا ہے۔

یرغون:۔ میں تیار ہوں۔

قاصد نے بگڑ کر کہا۔ "بہتر ہے آپ شہزادی کو گرفتار کرانے اور مسلمان ہو جانے کا خمیازہ بھگتنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

یہ کہتے ہی وہ واپس لوٹ گیا۔ اور اس نے اپنے لشکر میں پہنچ کر یرغون سے جو گفتگو ہوئی تھی وہ سب سرداروں اور سوئی کو سنا دی تمام عیسائی یہ باتیں سن کر نہایت غضبناک ہوئے۔

سوئی نے ایک مختصر پرجوش تقریر کر کے انہیں اور بھی گرما دیا اور جب لشکر کا ہر سپاہی غیظ و غضب میں بھر گیا تو اس نے حملہ کرنے کا حکم دیا۔

ناظرین بھولے نہیں ہوں گے کہ سوئی کے ساتھ چھ ہزار لشکر تھا اور طاریون کے ہمراہ چار ہزار گویا سارا لشکر دس ہزار تھا۔ اور یرغون کے لشکر کی تعداد صرف تین ہزار تھی۔

چنانچہ دس ہزار کا جرار لشکر تین ہزار کے قلیل لشکر کو پیس ڈالنے کے لئے ایک عظیم شور کے ساتھ بڑھا۔

یرغون نے اپنے سپاہیوں کو جوش دلانے کے لئے کہا۔

دلیرو! تم مسلمان ہو گئے ہو۔ تم نے مسلمانوں کی بہادری کی داستانیں سنی ہیں۔ وہ ہمیشہ ہر معرکہ میں کم رہے اور ہر محاذ پر عیسائیوں کی کثیر تعداد سے لڑے اور فتحیاب ہوئے۔ جانتے ہو کیوں ایسا ہوا اور ہو رہا ہے۔ صرف اس لئے کہ خدا مسلمانوں پر مہربان ہے۔ وہ غیب سے مسلمانوں کی مدد کرتا ہے یقین رکھو ہم بھی مسلمان ہو گئے ہیں اور خدا ہماری بھی غیب سے مدد کرے گا جو عیسائی ہم پر حملہ کر رہے ہیں وہ ڈرپوک اور بزدل ہیں ...... اور ہم مسلمان ہو کر نڈر اور بہادر بن گئے ہیں مسلمانوں کی شان یہ ہے کہ جب جنگ شروع کرے تو موت اور زندگی کے خیال کو چھوڑ دے فتح اسی کو نصیب ہوتی ہے جو مرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے ہم نے خدا کا دامن پکڑا ہے خدا ہماری مدد کرے گا۔ بے خوف ہو کر بڑھو اور دشمنوں کو دکھا دو کہ تم کیا بن گئے ہو۔

اس مختصر تقریر نے اس کے ہمراہیوں میں جوش کا طوفان برپا کر دیا انہوں نے تلواریں کھینچ لیں اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔

سوئی کے لشکر نے بڑھ کر نہایت جوش سے حملہ کیا اس کے سواروں کی تلواریں چاندنی میں جگمگاتی ہوئی اٹھیں اور یرغون کے سواروں پر جھکیں۔

یرغون کے ہمراہیوں نے نہایت صبر اور استقلال سے ان کے حملہ کو رد کیا اور پھر خود بھی حملہ کر دیا۔

جنگ شروع ہو گئی۔ تلواریں جلد جلد اٹھنے اور جھکنے لگیں۔ سرفروشوں نے شور و غل

بچانا شروع کر دیا۔ زخمی چلانے لگے شور اس قدر بڑھ گیا کہ دور دراز تک آواز پہنچنے لگی۔

چونکہ فریقین جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے اس لئے نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے تلواریں خون میں ڈوب ڈوب کر اٹھ رہی تھیں خون کی چھینٹیں پڑ رہی تھیں۔ ہاتھ۔ پیر۔ اور سر کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔

شور دار و گیر بلند ہو رہا تھا۔ رات کا قدرتی سکوت ٹوٹ گیا تھا۔ فضا میں تلاطم آ گیا تھا میدان جنگ کانپتا ہوا معلوم ہونے لگا تھا۔

سرفروش نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ ترتیب اور ضابطہ قائم نہ رہا تھا صفیں درہم برہم ہو گئی تھیں۔ ایک فریق دوسرے فریق میں گھس گیا تھا اور جو جہاں پہنچ گیا تھا وہیں لڑنے لگا تھا۔

چونکہ ریکون کے ہمراہی کم تھے اس لئے سمٹے ہوئے لڑ رہے تھے اور سوئی کے سوار ان کے چاروں طرف چھا گئے تھے۔

ریکون شمشیر برہنہ لئے گھوڑا دوڑائے صفیں چیرتا پھر رہا تھا وہ نہایت ہی جوش و غضب میں بھرا ہوا تھا۔ لیکن ابھی تک اس کا سامنا نہیں ہوا تھا۔

سوئی بھی کہیں دبکا نہ بیٹھا تھا وہ بھی لڑ رہا تھا مگر ریکون سے دور تھا اور چونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ ریکون بہادر اور اس سے زیادہ جری ہے اس لئے وہ سامنے نہ آتا تھا۔ اس سے بچا ہوا اور دور رہتا تھا جب وہ قریب سے ریکون کی آواز سنتا تو وہاں سے نکل جاتا اور فاصلہ پر پہنچ کر جنگ شروع کر دیتا۔

شہزادی طاریون کے لشکری شہزادی کو رہائی دلانے کے لئے نہایت شدومد سے لڑ رہے تھے۔ وہ ریکون اور اس کے ہمراہیوں کا جلد سے جلد خاتمہ کر کے شہزادی کو رہائی دلانے کے متمنی تھے۔

وہ خوب جانتے تھے کہ اگر وہ بغیر شہزادی کو چھڑائے واپس لوٹے تو اطلاط کا بادشاہ غصہ میں آ کر انہیں سب کو قتل کرا دے گا۔ گویا ان کی زندگی کا انحصار ہی اس پر تھا کہ وہ لڑ بھڑ کر شہزادی کو رہائی دلائیں۔

اس لئے وہ نہایت جوش اور بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ سچ پوچھو تو ان کی ہی جرات و ہمت سے سوئی کا لشکر میدان میں ڈٹا ہوا لڑ رہا تھا۔ ورنہ ممکن تھا اور بہت ممکن کہ ریکون کے ہمراہی اسے مار بھگاتے۔

ریکون کے لشکر کا ہر سردار اور ہر سپاہی ریکون ہی کی سی دلیری اور بہادری سے لڑ رہا تھا۔

نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ دلاوران صف شکن قتل ہو ہو کر گر رہے تھے۔ سبزہ زار گھاس خون کے چھینٹے پڑنے سے سرخ ہو گئی تھی۔

جگہ جگہ انسانی اعضاء کے ڈھیر لگ رہے تھے اور انسانوں کے قابل تعظیم جسم گھوڑوں کے سموں میں کچلے جا رہے تھے۔

اگرچہ ریکون کے ساتھی بہت ہی کم تھے مگر پھر بھی وہ نہایت بے جگری اور بڑی جرات سے لڑ رہے تھے یہ ان کی ہی ہمت تھی کہ اپنے ہی بھائیوں سے مقابل ہوتے ہوئے بھی خوب خوب مقابلے کر رہے تھے۔

سوئی اور طاریون کے لشکری سمجھ رہے تھے کہ وہ بہت جلد ریکون کے لشکر کا خاتمہ کر ڈالیں گے لیکن جب جنگ نے طول کھینچا تو انہیں بڑا غصہ آیا اور انہوں نے نہایت شدت سے حملہ کیا۔

اگرچہ ریکون کے ہمراہیوں نے بڑی جوانمردی اور استقلال سے ان کا حملہ روکا لیکن پھر بھی وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے اور اس پیچھے ہٹنے سے ان کے بہت سے آدمی شہید ہو گئے۔

ریکون نے یہ کیفیت دیکھ کر آسمان کی طرف اپنا سر اٹھا کر جوش کے لہجہ میں کہا۔ اے کل نعمت والے خدا! ہم تیرے پاک مذہب اسلام میں داخل ہو گئے ہیں تو ہمیشہ مسلمانوں کی مدد کرتا رہا ہے کیا ہماری مدد نہ کرے گا۔ غیب سے مدد بھیج۔ بچا۔ ہمیں ان درندوں کے ہاتھوں سے بچا۔

یہ دعا مانگ کر اس نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اس کے نعرہ کی آواز سن کر اس کے تمام ہمراہیوں نے بڑے جوش اور پوری طاقت سے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ بلند کیا۔

یہی وہ شور اور یہی وہ نعرہ تھا جسے حضرت عبدالرحمن اور ان کے ہمراہیوں نے سمور کے قلعہ کے اندر سنا تھا۔

ریکون کے سواروں نے نعرہ لگا کر نہایت جوش سے حملہ کیا۔ انہوں نے سوئی اور شہزادی کے لشکر والوں کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا سر کٹ کٹ کر گیندوں کی طرح اچھلنے لگے۔ دھڑ زمین پر گر گر کر تڑپنے لگے خون کا فوارہ ابل آیا۔

سوئی کے سواروں نے جم کر حملہ کیا ان کے پاس بھی چمکتی تلواریں تھیں انہوں نے بھی شمشیر زنی کرتے ہوئے ریکون کے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

رغون کے ہمراہی پیچھے ہٹنے لگے۔ اب سوئی کے چند سردار بڑھے اور انہوں نے رغون کے گرد گھیرا ڈال کر کہا۔ احمق نہ بنو۔ شہزادی کو ہمارے حوالہ کر دو۔ ورنہ سمجھ لو کہ موت قریب ہے۔

رغون نے کہا۔ "مرد موت سے نہیں ڈرا کرتے۔ میری زندگی میں تم شہزادی کو نہیں لے جا سکتے۔

ایک سردار بے شک تم سچ کہہ رہے ہو۔ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو قتل کر کے شہزادی کو چھڑائیں گے۔

رغون ہاں اگر خدا کو یہی منظور ہوا۔

دوسرا سردار گویا تمہیں خدا سے اعانت کی امید ہے۔

رغون بیشک۔ میرا عقیدہ ہے کہ خدا میری مدد کرے گا۔

وہی سردار اور یہ عقیدہ کیوں ہے تمہارا۔

رغون اس لئے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ اور خدا مسلمانوں کی ہمیشہ مدد کرتا ہے۔

سردار نے ہنس کر کہا۔ "منہ دھو رکھو۔ مسیحیت سے منکر ہو کر اسلام کے دامن میں پناہ لینے سے خدا خوش ہو گا؟ بیوقوف! اس احمقانہ خیال میں پڑ کر کیوں اپنی جان گنواتا ہے۔

رغون کچھ کہنا چاہتا تھا کہ سور کے قلعہ کی طرف سے اللہ اکبر کے پرزور نعرہ کی آواز آئی۔

اس آواز سے تمام میدان زیر و زبر ہو گیا۔ عیسائی لرز گئے۔ رغون نے خوش ہو کر کہا اے خدا کے منکرو! دیکھ لو خدا کی مدد آ گئی۔

وہ سردار جو اسے گھیرے ہوئے تھے نعرہ کی آواز سن کر حیران رہ گئے۔

انیسواں باب

فتح

یہ حقیقت ہے کہ جب انسان خلوص دل سے خدا کو یاد کرتا ہے اور اس سے مدد چاہتا ہے تو خدا اس قدر مہربان اور رحیم ہے کہ باوجود بندہ کی نافرمانیوں کے اس کے یاد کرتے ہی اس کی اعانت کرتا ہے اور جو مصیبت اس پر ہوتی ہے اسے ٹال دیتا ہے۔

لیکن صدا میں درد۔ نیت میں خلوص۔ دل میں درد۔ اور زبان پر اس کا نام ہو۔ خدا خود فرماتا ہے کہ جب بندہ نافرمانی کرتا ہے مجھے بھول جاتا ہے مجھ سے دور ہو جاتا ہے اور جب مجھے یاد کرتا ہے میری طرف جھکتا ہے میں اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔

یہ قصور بھی انسان ہی کا ہے کہ وہ اس کا بندہ ہوتے ہوئے اسے بھول جائے۔ کس قدر ہستیاں ہیں وہ جو خدا کو یاد کرتی رہتی ہیں۔

رغون ابھی مسلمان ہوا تھا۔ مسلمان ہوتے ہی خدا پر اس کا اعتقاد اس قدر پختہ ہو گیا تھا کہ اس پر اعتقاد کرنے کی وجہ سے دشمنوں کی کثرت کا اس پر کوئی اثر ہی نہ ہوا اور جب وہ گرفتار بلا ہونے لگا تو اس نے خلوص دل سے خدا کو یاد کیا۔ اس سے اعانت چاہی۔ خدا نے مدد بھیج دی۔

کہا جا سکتا ہے کہ یہ اتفاق تھا اس لئے کہ مسلمان سور کے قلعہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ رغون قلعہ کے باہر لڑ رہا تھا۔ مسلمان شور و غوغا اور اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز سن کر قلعہ سے نکل آئے اور بروقت رغون کی مدد کے لئے پہنچ گئے۔

لیکن اس اتفاق کو اتفاق بنانے والی بھی تو قدرت ہی تھی۔ خدا ہی کو تو یہ منظور تھا چونکہ وہ عالم الغیب اور آئندہ کا حال جاننے والا ہے اس لئے اسے معلوم تھا کہ رغون مسلمان ہو کر اس سے امداد چاہے گا اس نے پہلے ہی مسلمانوں کو وہاں بھیج دیا تھا۔

یہ سچ ہے کہ ہم نہ اس کی حکمتوں کو سمجھ سکتے ہیں نہ پہنچ سکتے ہیں یہ بہت ممکن ہے کہ ہم جس بات کو آج اپنے لئے بہتر سمجھ رہے ہوں۔ وہ آگے چل کر ہمارے لئے مضر ثابت ہو۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس بات کو آج ہم اپنے لئے بری سمجھ رہے ہیں یا مصیبت اور تکلیف ہونے سے خدا کی شکایت کر رہے ہیں کل وہی زحمت ہمارے لئے رحمت بن جائے۔

اسی لئے انسان کا فرض ہے کہ وہ نہ عارضی مسرت پر خدا کو بھول جائے اور نہ تکلیف و پریشانی میں اس کی شکایت کرنے لگے۔

اس وقت برقون اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں کے نعرے کی آواز سنی تو ان کے حوصلے بلند ہو گئے انہوں نے جوش میں آکر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور نہایت شدت سے حملہ کر دیا۔

برقون نے جلدی سے ان افسروں پر جو نعرۂ تکبیر سن کر حیران کھڑے رہ گئے تھے حملہ کیا پہلے ہی حملہ میں اس نے ایک افسر کا سر اڑا دیا ابھی اور لوگ سنبھلے بھی نہ تھے کہ اس نے دوسرے پر وار کیا اور اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ان دو افسروں کے مارے جانے سے باقی سردار گھبرا گئے۔ انہیں برقون پر حملہ کرنے کی جرات نہ ہوئی وہ پیچھے ہٹے اور بھاگنے کو مڑے۔

ان کے لوٹتے ہی برقون نے جھپٹ کر حملہ کیا اور افسر کو مار ڈالا۔

اب بقیہ افسر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔

اس وقت چاند بہت کچھ اونچا ہو گیا تھا اور چاندنی اچھی طرح پھیل گئی تھی۔ چاندنی کے پھیلنے سے اس قدر اجالا ہو گیا تھا کہ صرف قریب ہی کی چیزیں نہیں بلکہ دور کی بھی صاف نظر آنے لگی تھیں۔

برقون نے رکابوں پر کھڑا ہو کر دیکھا اسے کچھ مسلمان رزم گاہ کے کنارہ پر نظر آئے وہ سمجھ گیا کہ مسلمان اس فکر و تشویش میں ہیں کہ کن لوگوں نے نعرے لگائے تھے اور کس کی مدد کرنی چاہئے۔

چونکہ لڑنے والے عیسائیوں کا سا لباس پہنے تھے اس لئے ایک مسلمان کو یہ سمجھنا مشکل تھا کہ مسلمان کون ہیں اور کن کی انہیں مدد کرنی چاہئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہب نہیں یہ بتاتا ہے کہ دوسری قوموں کی وضع قطع اختیار نہ کرو۔ نہ ان کا لباس پہنو نہ ان کی سی صورت بناؤ۔ لیکن مسلمان اس شرعی حکم پر بہت کم عمل کرتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ اس حکم میں مصلحت کیا ہے اگر وہ ذرا بھی غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی موت دفعتاً واقع ہو جاتی ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص مسلمان ہے اور پردیس میں ہے وہ غیر مسلموں کا سا لباس پہنے ہے۔ اگر وہ اچانک مر جائے تو کیا مسلمان اس کی تجہیز و تکفین کریں گے۔ نہیں۔ کبھی ایسا نہ ہو گا۔ اسے غیر مسلم اپنی برادری کا سمجھ کر لے جائیں گے اور اس طرح وہ مسلمانوں کے گورستان میں بھی دفن نہ ہو سکے گا۔ اسی لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ صورت بھی مسلمانوں کی سی رکھیں اور لباس بھی مسلمانوں ہی کا سا پہنیں۔

حقیقت وہی تھی جو برقون نے کہی تھی۔ مسلمان نعرہ تکبیر سن کر آ تو گئے تھے مگر جب میدان جنگ میں آکر عیسائیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا تو تذبذب میں پڑ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ مسلمان کون ہیں اور وہ کس کی مدد کریں۔

برقون گھوڑا دوڑا کر ان کے قریب آیا۔ اس نے کہا۔ "مسلمانو! میں اور میرے ساتھ والے مسلمان ہو گئے ہیں۔"

عبدالرحمٰن نے دریافت کیا۔ "کس نے مسلمان کیا ہے تمہیں۔"

برقون نے جواب دیا۔ "خدا نے۔ یہ بات ہمارے دل میں پیدا ہوئی۔ اور ہم خود ہی مسلمان ہو گئے۔"

عبدالرحمٰن: یہ تم کس سے لڑ رہے ہو۔

برقون: جبل الطارق کے والی سوسی سے۔

عبدالرحمٰن: کیا سوسی یہاں ہے۔

برقون: جی ہاں۔

عبدالرحمٰن: شاید اس کے ساتھ شہزادی طاریون بھی ہے۔

برقون: اس کا لشکر سوسی کے ہمراہ ہے۔

عبدالرحمٰن: اور شہزادی۔

برقون: اسے میں نے گرفتار کر لیا ہے۔

عبدالرحمٰن: یہ تم نے خوب کیا۔ تمہارا کیا نام ہے۔

برقون: میرا نام برقون ہے۔

عبدالرحمٰن: اچھا تم شہزادی کے چچا زاد بھائی ہو۔

برقون کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے کہا۔ آپ نے ٹھیک سمجھا لیکن یہ بات کیسے سمجھ گئے آپ؟

عبدالرحمٰن: مسلمانوں کو عام طور پر تمہارے۔ شہزادی کے اور سوسی کے تمام واقعات معلوم ہیں۔ اس وقت ان باتوں کا موقعہ نہیں ہے۔ جنگ ہو رہی ہے ہم تمہاری مدد کے لئے آئے ہیں اپنے سپاہیوں کی شناخت بتاؤ تاکہ ہم حملہ کرتے وقت ان کا خیال رکھیں۔

برقون۔ میرے سپاہیوں کی وردی میں ہری گھاس لگی ہوئی ہے اور دونوں شانوں پر سرخ رنگ کی پٹیوں کا نشان ہے۔

عبدالرحمٰن نے بلند آواز سے تمام مسلمانوں کو برقون کے لشکر کی شناخت بتا کر انہیں

حملہ کرنے کا اشارہ کیا۔

سب سے پہلے حضرت ضرارؓ نیزہ لے کر حملہ آور ہوئے۔ یہ وہ بزرگ تھے جو ہمیشہ صرف ایک تہ بند باندھ کر ننگے بدن گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر لڑا کرتے تھے۔

چونکہ اس وقت سردی تھی۔ اس لئے انہوں نے گاڑھے کی عبا پہن رکھی تھی۔ لیکن گھوڑے پر زین نہیں تھی ننگی پیٹھ پر بیٹھے تھے۔

انہوں نے جوش میں آکر سوئی کے ہمراہیوں پر حملہ کیا اور نیزہ کو چرخ دے کر اس زور سے مارا کہ انی سپاہی کا سینہ توڑ کر پشت کے پار نکل گئی۔

انہوں نے جلدی سے نیزہ کھینچا اور دوسرے پر حملہ کیا دوسرے کا خاتمہ کر کے تیسرے پر اور پھر چوتھے پر غرض وہ نیزہ سے سواروں کے سینے چھیدتے بڑھے چلے گئے۔

ادھر عبدالرحمٰن نے جوش میں آکر تلوار سے حملہ کیا جو بھی ان کے سامنے آگیا اسی کو انہوں نے مار ڈالا۔ جس طرف حملہ کیا صف کی صف اڑا دی۔

اور صرف ان دونوں ہی نے نہیں بلکہ تمام مسلمانوں نے بڑے جوش اور بڑی دلیری سے حملہ کیا۔ شیران اسلام جس طرف جھکے کشتوں کے پشتے لگا دئے جس صف پر حملہ کیا اسے درہم برہم کر دیا۔

اگرچہ سوئی اور شہزادی کا لشکر نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے لیکن مسلمانوں کی قوت و طاقت کے سامنے ان کی ایک پیش نہ جاتی تھی۔ ان میں جو کوئی بھی جرات کر کے کسی مسلمان پر حملہ کرنے کے لئے بڑھتا تھا قبل اس کے کہ وہ حملہ کرے خود ہی قتل ہو کر رہ جاتا تھا۔

پرجوش مسلمانوں نے ہر اس شخص کو مار ڈالا جو ان کی تلواروں کی زد میں آگیا۔

چونکہ ہر مسلمان یہ چاہتا تھا کہ وہی دشمنوں کو سب سے زیادہ قتل کرے اس لئے ہر مجاہد نہایت جوش سے لڑ رہا تھا اور بڑی پھرتی سے قتل کر رہا تھا۔

ادھر مسلمان انہیں قتل کر رہے تھے ادھر یرقون اور اس کے سوار لڑ رہے تھے نہایت خون ریز جنگ ہو رہی تھی جنگجو بڑی تیزی سے قتل ہو رہے تھے کسی کی جان محفوظ نہ تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ موت کب اسے اچانک آدبوچے گی۔

حضرت عبدالرحمٰن مارتے کاٹتے حضرت ضرار کے قریب پہنچ گئے۔

جوں ہی ضرارؓ نے انہیں اپنے پاس آتے ہوئے دیکھا وہ جلدی سے عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں بے دریغ قتل کرتے بڑھنے لگے۔

تیزی سے مار دھاڑ شروع کر کے آگے نکل جائے۔

آخر یہ دونوں لڑتے۔ مارتے سوئی کے قریب پہنچ گئے۔ سوئی انہیں موت کی لڑائی لڑتے ہوئے دیکھ کر سہم گیا اسے ان کا مقابلہ تو کیا ان کے سامنے کھڑا رہنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ اس نے فوراً گھوڑا لوٹایا اور بے تحاشا بھاگ کھڑا ہو گیا۔

اسے بھاگتے ہوئے دیکھ کر تمام افسر اور پھر سارا لشکر بھاگ پڑا اور کچھ ایسا بے اوسان ہو کر بھاگا کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔

یرقون۔ اس کے ہمراہیوں اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور دور دور تک انہیں مارتے کاٹتے چلے گئے۔

جب سوئی اور اس کا لشکر بہت دور نکل گئے تب یرقون اور مسلمان مظفر و منصور ہو کر واپس لوٹے۔

خدمت اسلام کی ترغیب

یرقون کو اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ جس وقت اس نے خدا سے اعانت کی دعا مانگی اس نے اس کی مدد کی اور وہ دشمنوں پر فتح یاب ہوا۔ اس سے اس کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔

اسے معلوم ہی نہ تھا کہ یہ کون مسلمان ہیں۔ قلعہ سور میں کیوں ٹھہرے ہوئے تھے اور کیسے اس کی مدد کے لیے آئے۔

جب وہ معہ اپنے لشکر اور مجاہدین اسلام کے واپس لوٹ کر اپنے کیمپ میں پہنچا تو صبح صادق ہو چکی تھی۔

چاند بے نور ہو گیا تھا اور چاندنی پھیکی پڑنے لگی تھی۔ شفق ظاہر ہو گئی تھی اور افق مشرق پر آگ سی لگی ہوئی تھی۔

کیمپ میں آتے ہی ضرار بن الازور نے اذان دی۔ تمام مسلمانوں نے جن میں یرقون اور اس کے ساتھی بھی شامل تھے وضو کیا اور ایک کھلے ہوئے میدان میں جمع ہو کر صبح کی نماز پڑھی۔

جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کافی روشنی پھیل چکی تھی عبدالرحمٰن نے یرقون سے کہا۔ اپنے آدمیوں کو دیکھو کہ کتنے شہید ہوئے ہیں اور اس کا اندازہ کرو کہ دشمن کس قدر مارے گئے ہیں؟

برغون نے اپنے لشکر کے سپاہیوں کو بھی اس جنگ میں روانہ کیا۔ اور انہیں ہدایت دی کہ اگر ان کے ساتھیوں میں سے کوئی زخمی ہو جائے تو اسے اٹھا لائیں۔

اب عبدالرحمن نے اس سے کہا۔ میں تم سے تمہاری تمام داستان یہاں آنے اور لڑنے کی سننا چاہتا ہوں۔

برغون نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ جیسے اسے طاریون سے محبت ہوئی جیسے سوسی اور طاریون لڑے۔ طاریون نے سوسی کی بدخصالی کے بال کاٹ دیئے کیوں سوسی اور طاریون اپنے اپنے لشکر لے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے چلے۔ کیوں برغون ان کے ساتھ شامل ہوا۔ کیسے اسے طاریون اور سوسی پر یہ شک ہوا کہ وہ دونوں آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ کیوں وہ شہزادی طاریون کو گرفتار کر لایا۔ کیسے مسلمان ہوا۔ اور کیوں جنگ ہوئی۔

یہ تمام واقعات اس نے ایک دلچسپ افسانہ کی طرح بیان کئے۔

مسلمان اس کی داستان نہایت خاموشی سے بیٹھے سنتے رہے۔ جب وہ سب کچھ بیان کر چکا تب عبدالرحمن نے کہا۔ ایک طرف خدا نے تم پر مہربانی کی ہے اور دوسری طرف مسلمانوں پر۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی باتیں خدا ہی جانتا ہے۔ بہت ممکن تھا کہ ہم کسی اور طرف رسد فراہم کرنے کے لئے چلے جاتے لیکن چونکہ قدرت کو ہم سے تمہاری اعانت کرانی تھی اس لئے اس طرف بھیجا اور اس طرح جہاں تم فتح یاب ہوئے وہاں مسلمانوں کو بھی یہ فائدہ ہوا کہ عیسائیوں کا ایک زبردست لشکر شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اور وہ اپنے بادشاہ کی مدد کرنے کے لئے مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ جا سکا۔

برغون: جی ہاں دس ہزار لشکر پراگندہ ہو گیا۔ مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ خدا نے اسلام جیسی دولت عطا فرمائی۔

عبدالرحمن: ہاں یہ اس کا خاص انعام ہے۔

اسی عرصہ میں وہ لوگ بھی آ گئے جو مردوں کو شمار کرنے اور زخمیوں کو دیکھنے گئے تھے۔

وہ ایسے تین زخمی میدان جنگ سے اٹھا کر لائے جن میں زندگی کے آثار تھے یہ تینوں برغون کے ساتھی تھے فوراً ان کے زخم دھو کر دوا لگائی اور پٹی کسی گئی۔

ان لوگوں نے آ کر بیان کیا۔ کہ برغون کے ساتھیوں میں سے ایک سو سترہ شہید ہوئے ہیں اور سوسی اور طاریون کے دو ہزار سات سو تیئس آدمی مارے گئے ہیں۔

عبدالرحمن نے افسوس کے لہجے میں کہا۔ یہ برا ہوا۔ کہ تمہارے اتنے آدمی شہید ہو گئے۔ لیکن خدا کو یہی منظور تھا۔ شہزادی طاریون کہاں ہے۔

برغون: میرے خیمہ میں ہے کیا بلاؤں اسے۔

عبدالرحمن: نہیں۔ ہم ایک غیر عورت کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہمارا ارادہ ابھی واپس جانے کا ہے اگر تم ہمارے لشکر کے ساتھ چلنا چاہتے ہو تو تیار ہو جاؤ۔

برغون: اب میں مسلمان ہو گیا ہوں تو اب مسلمانوں ہی کے ساتھ رہوں گا۔

عبدالرحمن: اچھا تو ہم اسے رسد بار کرا لائیں اتنے تم تیار ہو جاؤ۔

برغون: بہتر ہے۔

عبدالرحمن معہ اپنے ساتھی مسلمانوں کے چلے اور قلعہ سور میں داخل ہو گئے۔

برغون نے خیمے اکھاڑ کر بار کرنے کا حکم دیا۔ اس کے سپاہیوں نے جلد جلد خیمے گرا گرا کر باربرداریوں میں لاد دئے اور یہ سامان کے چھکڑے قلعہ ماردین کی طرف روانہ کر دیئے گئے۔

چونکہ ابھی لشکر کے روانہ ہونے میں دیر تھی اس لئے سپاہیوں نے کھانا تیار کرنا شروع کر دیا۔

جب آفتاب بہت کچھ اونچا ہو گیا اور دھوپ میں گرمی آ گئی۔ تب مسلمان سور کے قلعہ میں سے نکلے ان کے ساتھ ہزاروں خچر تھے جن پر غلہ کی بوریاں لدی ہوئی تھیں۔

برغون کا لشکر بھی کھانا کھا کر تیار ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کو دیکھتے ہی وہ بھی گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور ان کے ساتھ چلنے لگے۔

چونکہ برغون کے ساتھی راستے سے خوب واقف تھے۔ اس لئے وہ اس لشکر کو ایسے راستے سے لے گئے جو ہموار اور کشادہ تھا ظہر کے وقت یہ لشکر اسی دریا پر پہنچا جسے پار کرنے کے لئے مسلمانوں نے اونچے کنارہ سے گھوڑے ڈالے تھے۔

دریا پار ہو کر سب نے نماز پڑھی نماز پڑھ کر پھر روانہ ہو گئے۔ اور اب اسی دشوار گزار جنگل کو طے کرنے لگے جس میں جھاڑیاں اور درخت کثرت سے کھڑے تھے اور راستہ بھی ناہموار تھا۔

کچھ دور چل کر یہ لشکر ایک کھلے ہوئے میدان میں خیمہ زن ہو گیا۔ اور وہاں شب باش ہو کر پھر روانہ ہوا اور شام کے وقت قلعہ ماردین میں جا پہنچا۔

قلعہ ماردین ان کو فتح کر لیا تھا اور اب وہ مسلمانوں ہی کے قبضہ میں تھا۔

اس قلعہ میں پہنچ کر ان لوگوں نے آرام اور اطمینان سے رات گزاری جب صبح ہوئی اور انہوں نے نماز پڑھ لی تو بتا برغون کے پاس پہنچا اس وقت برغون۔ عبدالرحمن کے پاس بیٹھا تھا اور عبدالرحمن کے پاس ضرارؓ۔ مقداد بن الاسود۔ معمر بن ماجدؓ اور سعد بن خثیم الاسدی بیٹھے تھے۔

جتا بھی ایک طرف بیٹھ گیا۔ عبدالرحمٰن روانہ ہونے کے احکام صادر کر رہے تھے۔
جتا نے کہا۔ شہزادہ یرغون! میں کچھ آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔
یرغون نے جتا کی طرف دیکھ کر کہا۔ فرمایئے۔
جتا آپ مسلمان ہو گئے ہیں اور اس لئے آپ پر اسلام اور مسلمانوں کی اعانت فرض ہو گئی ہے۔
یرغون بے شک۔
جتا آپ کو معلوم ہے کہ اس قلعہ کے قریب ایک قلعہ کفرتوتا ہے۔
یرغون ہاں مجھے معلوم ہے۔
جتا کیا تم کسی تدبیر سے اسے فتح کر سکتے ہو۔
یرغون میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی ہے۔
جتا کیا۔
یرغون معاف کیجئے میں اس کا اظہار کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔
جتا اگر کوئی راز کی بات ہے تو ہم بھی دریافت کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔
یرغون بات یہ ہے کہ جو تدبیر اس وقت میرے دماغ میں آئی ہے اگر میں نے بتا دی تو اندیشہ ہے کہ کہیں دشمنوں تک نہ پہنچ جائے۔
جتا تمہارا یہ خیال دانشمندی پر مبنی ہے۔ ہونٹوں سے نکلی کوٹھوں پر چڑھی کی مثل مشہور ہے آپ نہ بتائیں مگر کب عمل کریں گے آپ اس پر۔
یرغون میں آج رات کو روانہ ہو جاؤں گا۔
عبدالرحمٰن کیا ہماری امداد کی کچھ ضرورت پڑے گی۔
یرغون نہیں۔ انشاء اللہ میں خود ہی سب کچھ کر لوں گا۔
عبدالرحمٰن شہزادی طاریون کو بھی اپنے ہمراہ لے جاؤ گے۔
یرغون اس کا لے جانا مناسب نہیں ہے۔
عبدالرحمٰن تو اسے یہیں قلعہ ماردین میں چھوڑ جانا۔
یرغون میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اسے آپ اپنے ساتھ لے جائیں۔
عبدالرحمٰن مناسب ہے۔
جتا کیا میں آپ کے ساتھ چلوں۔
یرغون آپ سے لوگ واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ مسلمان ہو گئے ہیں۔

اس لئے آپ کا چلنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔
جتا بہت خوب تو آپ اپنے لشکر والوں کو سمجھا دیں کہ وہ ابھی اپنے اسلام کو لوگوں پر ظاہر نہ کریں۔
یرغون میں سمجھا دوں گا۔
عبدالرحمٰن چونکہ ہمیں جلد سے جلد رسد پہنچانا ہے اس لئے میں آج ہی روانہ ہو جاؤں گا۔
یرغون آپ تشریف لے جایئے میں رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر روانہ ہوں گا۔
عبدالرحمٰن نے اپنے ساتھیوں کو تیار ہو جانے کا حکم دیا تھوڑی ہی دیر میں وہ تیار ہو گئے۔ شہزادی طاریون بھی تیار ہو گئی اور یہ مختصر گروہ غلہ لے کر روانہ ہو گیا۔
یرغون نے اپنے تمام سپاہیوں کو سمجھا دیا کہ وہ بالکل خاموش رہیں اور کسی سے اپنے مسلمان ہو جانے کا ذکر نہ کریں۔
سارا دن یہ لوگ قلعہ ماردین میں مقیم رہے۔ رات کو کھانا کھا کر عشاء کی نماز پڑھی اور نماز پڑھتے ہی قلعہ سے باہر نکلے اور قلعہ کفرتوتا کی طرف روانہ ہو گئے۔

فرار

معصوم دوشیزہ طاہرہ کو آرام ہو گیا تھا۔ اگرچہ ہتھیلی اور تلوا دونوں اچھے ہو گئے تھے مگر ان میں زخم کی جگہ سیاہ داغ رہ گئے تھے۔ لیکن یہ عجیب بات تھی کہ یہ داغ بدنما نہیں معلوم ہوتے تھے بلکہ جس طرح گورے گال پر سیاہ تل خوش نما معلوم ہوا کرتا ہے اسی طرح گوری ہتھیلی پر یہ سیاہ داغ اچھا معلوم ہوتا تھا۔
چنانچہ پریونہ اکثر اس کی ہتھیلی اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا کرتی تھی۔ پریونہ نے طاہرہ کی بڑی خدمت کی تھی۔ جب وہ مجروح پڑی ہوتی تھی اور طبیب نے اسے حرکت کرنے کی بھی ممانعت کی ہوئی تھی اس وقت پریونہ ہی تھی جو ہر وقت اس کے پاس بیٹھی رہتی۔ ساری ساری رات جاگتی اور اس کی طبیعت بہلانے کی کوشش کرتی۔
دراصل پریونہ نے اس کی خدمت کر کے اپنی وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔
اول تو ہر مسلمان میں یہ بات ہے کہ وہ کسی سے سوئے ظن رکھتا ہی نہیں۔ اور اگر کسی سے کسی بات پر مشکوک یا بدظن بھی ہو جاتا ہے اور اس کی طرف سے کوئی ایسی بات دیکھتا ہے جس سے ہمدردی ظاہر ہوتی ہو تو فوراً اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ کسی کو مت ستاؤ۔ یہ بھی حکم دیا ہے۔ اگر آپس میں لڑائی ہو تو تین روز سے زیادہ بغض یا کینہ نہ رکھو اگر ایسا نہ کرو گے تو خدا تم پر ناخوش ہو جائے گا۔

ایک تو طاہرہ مسلمان تھی دوسرے نہایت ہمدرد اور بھولی بھالی تھی۔ پریوشہ کی خدمت نے اس کے دل سے ملکہ کا ڈر بھی دور کر دیا۔ خصوصاً اس بات نے کہ وہ مسلمان ہو گئی ہے۔ وہ اسے اپنی حقیقی بہن سمجھنے لگی۔

پریوشہ نے بھی کوئی بات ایسی نہیں کی جس سے طاہرہ کو شکایت کا موقع ملتا اس نے اسے آزاد کرنے کی جو تاکید کی تھی اس پر قائم تھی اور اب اس کی خدمت کر کے اپنی غلطی کا ازالہ کر رہی تھی۔

اس نے قریاقوس کو بھی سمجھا رکھا تھا کہ وہ طاہرہ پر سختیاں نہ کرے یہ مسلمان ہے۔ اور جو مسلمان ہو وہ سختی سے رام نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ قریاقوس نے بھی وحشیانہ مظالم اور بے رحمانہ سلوک سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ لیکن اس نے پریوشہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ اسے یقین طاہرہ کو اس کی طرف مائل کرے۔ اس کا اس نے وعدہ کر لیا تھا۔

لیکن یہ وعدہ ایسا ہی تھا جس سے شرمندہ ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی اس نے طاہرہ سے کہہ دیا تھا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ وہ قریاقوس سے نفرت کا اظہار نہ کرے۔

اگرچہ طاہرہ پر قریاقوس نے انتہائی سنگدلانہ مظالم کئے تھے اسے اس سے نفرت ہونا بھی ایک فطری بات تھی لیکن وہ ایسی سادہ لوح اور نیک منش تھی کہ اس سے بھی نفرت نہ کرتی تھی۔ البتہ وہ کچھ ہوتی شرم کی وجہ سے اس سے باتیں کرتی شرماتی تھی۔

البتہ پریوشہ کی موجودگی میں پریوشہ کے کہنے سے اس سے کبھی کبھی باتیں کر لیا کرتی تھی۔

چونکہ پریوشہ نے قریاقوس کو اطمینان دلایا ہوا تھا کہ طاہرہ کے دل سے وہ نفرت اور غصہ دور ہو رہے ہیں جو اس کی سختیوں کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے اور اب وہ تسکین پا رہی ہے اس لئے قریاقوس کچھ اس کی زیادہ نگرانی نہ کرتا تھا۔ اس نے اجازت دے دی تھی کہ وہ پریوشہ کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر ہوا خوری کر آیا کرے۔

دراصل یہ اجازت بھی پریوشہ کے بہت کچھ کہنے سننے ہی سے دی گئی تھی اور وہ بھی اس وقت جبکہ قریاقوس کو یقین ہو گیا تھا کہ طاہرہ بھاگنے والی نہیں ہے اور اگر بھاگے بھی

تو راستے سے ناواقف ہونے کی وجہ سے نہیں جا سکتی۔

چونکہ طاہرہ نماز کا بڑا خیال رکھتی تھی کبھی ایک وقت کی بھی نماز قضا نہ کرتی تھی۔ وہ اس وقت بھی برابر نماز پڑھتی رہی تھی۔ جب زخمی تھی اور زخموں کی وجہ سے چلنا پھرنا تو کیا کروٹ بھی نہ لے سکتی تھی۔ اس لئے پریوشہ پر بھی کچھ اثر پڑا تھا اور وہ بھی نماز کی پابند ہو گئی تھی۔

ایک روز شام کے وقت دونوں قلعہ سے باہر چشمہ کے کنارے پر ہری ہری گھاس کے اوپر بیٹھی تھیں۔ پانی خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ دھوپ مدھم ہو گئی اور درختوں کی چوٹیوں پر پہنچ گئی تھی۔ خفیف ہوا کے جھونکے چل رہے تھے اور ان جھونکوں سے گھاس اور درخت کے پودے لہلہا رہے تھے ان دونوں کے گھونگریالے بال ان کی گوری پیشانیوں پر پڑے ہوئے تھے وہ دونوں اپنی نرگسی آنکھیں جھکائے خاموشی سے بہنے والے پانی کو دیکھ رہی تھیں۔

ان کے سامنے چشمہ کے دوسرے کنارہ پر کھلا ہوا میدان ان کی حد نگاہ تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس تمام میدان میں دوب کی قسم کی گھاس اگی ہوئی تھی جو کہ سبز رنگ کی تھی اور وہ میدان اس گھاس کی وجہ سے نہایت ہی دلفریب معلوم ہو رہا تھا۔

کچھ وقفہ کے بعد طاہرہ نے سر اٹھا کر پریوشہ کو دیکھا۔ اتفاق سے پریوشہ کی نظر بھی عین اسی وقت اٹھ کر طاہرہ پر جا پڑی اس نے مسکرا کر کہا

طاہرہ! کیا تم کچھ کہنا چاہتی ہو۔

طاہرہ نے جواب دیا۔ "ہاں۔"

پریوشہ: میرے دل نے مجھے پہلے ہی خبر دے دی تھی۔

طاہرہ: اور یہ اس لئے کہ جب دو دلوں میں محبت پیدا ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے کے آئینہ دار ہو جاتے ہیں۔

پریوشہ: بالکل درست کہا تم نے ...... کہو کیا کہنا چاہتی ہو تم؟

طاہرہ: تم جانتی ہو کہ میں اپنے دل پر جبر کئے ہوئے یہاں پڑی ہوں۔

پریوشہ: ہاں میں جانتی ہوں۔

طاہرہ: تم نے کہا تھا کہ تم مجھے اسلامی لشکر میں پہنچا دو گی۔

پریوشہ: میں نے کہا تھا۔

طاہرہ: کیا تم اپنا وعدہ بھول گئی ہو۔

پریوشہ: نہیں بھولی بہن۔ مجھے خوب یاد ہے۔

طاہرہ یاد ہے تو پورا کیوں نہیں کرتی ہو۔

پریوشہ دراصل مجھے یہ خیال ہوا تھا کہ تم خاموش ہو اور اس لئے کچھ نہیں کہتی ہو کہ شاید تمہیں یہ قلعہ اور اس کے مناظر پسند آگئے ہیں۔

طاہرہ خوب خیال کیا تم نے۔

پریوشہ اگر یہ بات نہ تھی تو تم اب تک خاموش کیوں رہیں۔

طاہرہ محض اس وجہ سے کہ مجھے تم سے کہنے کی ہمت نہ پڑی۔

پریوشہ اس میں ہمت کی کیا ضرورت تھی۔

طاہرہ تمہارے احسانات سے میں پہلے ہی دبی جا رہی ہوں۔

پریوشہ نے افسردہ خاطر ہو کر کہا۔ "میرے احسانات سے ...... آہ! بھولی

طاہرہ۔ میں وہ بدبخت ہوں جس نے تمہیں دھوکے سے گرفتار کرا کر مبتلائے مصیبت کیا۔ میری حماقت کی وجہ سے تم نے تکلیفیں اٹھائیں۔ ظلم سہے۔ کیا یہ میں نے تم پر احسان کیا۔ خدا کی قسم جب میں اپنی اس حماقت آمیز غلطی کا خیال کرتی ہوں تو شرم سے پانی پانی ہو جاتی ہوں۔ میرے دل پر ایک گھونسہ سا لگتا ہے اور میں وہ منظر جب تمہارا نازک پیر شکنجے میں ٹوکوں پر رکھا تھا اور تمہارا چہرہ سفید ہو رہا تھا یاد کرتی ہوں تو دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔

طاہرہ گزری ہوئی باتوں کو یاد کرنے سے سوائے غم کو تازہ کرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ مانا تم نے غلطی کی۔ اور تمہاری غلطی سے میں نے تکلیفیں اٹھائیں لیکن تم نے میری خدمت کر کے اس کا ازالہ کر دیا۔

پریوشہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ اگر میری جان تمہارے کام آجائے تب سمجھوں کہ میں اپنے فرض سے ادا ہوئی۔

طاہرہ ایسی بات نہ کہو۔ اس کے سننے ہی سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

پریوشہ تم کس قدر صاف دل اور محبت والی لڑکی ہو۔

طاہرہ ...... مجھے تعلیم دی گئی تھی کہ مسلمان وحشی ہیں۔ ان کے مرد عورتیں اور بچے سب وحشی درندوں سے زیادہ خونخوار ہوتے ہیں میرے دماغ میں یہی سفیہانہ اور رکیک خیال تھا۔ اسی خیال نے مجھے تمہارے ساتھ فریب دہی پر آمادہ کیا۔ لیکن جب تم چلی آئیں تب واقعات نے اور تمہارے بھائی کی ہم نشینی نے مجھے بتایا کہ میں غلطی پر تھی مجھے غلط تعلیم دی گئی تھی عیسائیوں نے مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے جھوٹی باتیں اور جھوٹی

افواہیں اڑا دی ہیں ...... خیر جو ہو چکا اب اس پر پچھتانا لاحاصل ہے۔ میں تمہارے بھائی سے کہہ کر آئی ہوں کہ میں نے ہی طاہرہ کو گرفتار کرایا تھا اور میں ہی رہا کرا کر لاؤں گی۔ اب تم سے بھی یہی کہتی ہوں کہ میں نے ہی تمہیں مصیبت میں پھنسایا تھا اور میں ہی تمہیں رہائی دلاؤں گی۔

طاہرہ پر کب۔

پریوشہ میں فکر میں ہوں۔ تم یہ نہ سمجھو کہ میں غافل ہوں۔ نہیں۔ غافل نہیں ہوں اپنا کام کر رہی ہوں اور وہ کام قریب قریب مکمل ہو گیا ہے۔

طاہرہ کیا کام کیا ہے تم نے۔

پریوشہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میرے بھائی قریاقوس نے بظاہر مجھے اور تمہیں آزادی دے دی ہے۔ ہم تم جہاں چاہتے ہیں آتے جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ نہیں ہے ہماری نگرانی کی جاتی ہے ایک خاص دستہ ہر وقت ہمارے گرد و پیش اس لئے رہتا ہے کہ اگر ہم بھاگنا چاہیں تو وہ نکل بھی نہ جائیں۔

طاہرہ نے حیران ہو کر کہا۔ تمہیں یہ کیسے معلوم ہو گیا تھا۔

پریوشہ اس دستہ کا جو افسر ہے (شرما کر) وہ مجھ سے محبت کرتا ہے ایک روز محبت کے جوش میں آکر اس نے خود ہی مجھ سے کہا تھا۔

طاہرہ مگر میں نے تو کبھی سپاہی یا سوار کو اپنے یا تمہارے قریب نہیں دیکھا۔

پریوشہ انہیں حکم دیا ہوا ہے کہ وہ ہم سے دور رہیں اور دور ہی سے نگرانی کریں۔ ہماری آزادی میں۔ ہماری باتوں میں مخل نہ ہوں البتہ اگر ہم بھاگنے کی کوشش کریں تو وہ فوراً ہمیں گرفتار کر لیں۔

طاہرہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے بھائی کو بھی تم پر اطمینان نہیں ہے۔

پریوشہ نہیں بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ عربی لڑکیاں نہایت چالاک ہوتی ہیں کہیں تم مجھے ہموار کر کے نہ بھاگ جاؤ۔ یا مجھے بھی اپنے ساتھ نہ لے جاؤ۔

طاہرہ اگر ہم اس وقت بھاگ چلیں۔

پریوشہ ناممکن ہے۔ دیکھو قلعہ کی طرف سامنے والے میدان میں کچھ سوار تیر اندازی کی مشق کر رہے ہیں۔ بظاہر یہ لوگ کام میں مصروف ہیں لیکن دراصل وہ ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔

طاہرہ نے سر اٹھا کر دیکھا اسے بہت دور چند سوار تیر اندازی کی مشق کرتے نظر

پروین بے ساختہ ہنس پڑی۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اچھا...... یہ بات تھی۔ میں بھی کہوں ایسی مجھ سے کیا حرکت ہو گئی وہ تو تم ہی میرے اوپر جھکی ہوئی تھیں میں نے منہ ذرا ادھر کیا تم نے فوراً ہی اپنا......۔"

طاہرہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اچھا بس رہنے دو۔

پروین: گویا خفا ہو گئیں۔ خفا ہونے سے تو یہ اچھا ہے کہ تم مجھے سزا دے دو

طاہرہ نے اسے دیکھ کر قدرے متبسم ہو کر کہا۔ کیا سزا دوں میں تمہیں۔

پروین: جو جی چاہے یا مناسب سمجھو تو معاف کر دو۔

طاہرہ: خیر اب تو معاف کر دیا۔

پروین نے مسکرا کر کہا۔ "بڑی مہربانی کی۔"

طاہرہ: اب چلو۔ آفتاب ڈوبنے والا ہے۔ مغرب کی نماز کا وقت قریب آ رہا ہے۔

پروین نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "چلو۔"

دونوں اٹھ کر گھوڑوں پر سوار ہوئیں اور چلیں۔ جب وہ قلعہ کے قریب پہنچیں تو انہیں قلعہ کے اندر رونے پیٹنے کی آوازیں آئیں۔ یہ دونوں بین و بکا کی آوازیں سن کر حیران ہوئیں۔ جب وہ اس جگہ پہنچیں جہاں کچھ سوار تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے تو انہوں نے دیکھا۔ کہ وہ سوار بھی ان کے آنے سے پہلے ہی قلعہ میں داخل ہو چکے ہیں۔

جب وہ عین قلعہ کے بالمقابل پہنچیں تو انہیں پروین کا ایک ملازم دروازہ سے نکلتا ہوا ملا۔ پروین نے اس سے دریافت کیا۔ کیا حادثہ ہو گیا قلعہ کے اندر

ملازم نے کہا۔ قلعہ کے اندر کوئی حادثہ نہیں ہوا......

پروین: پھر یہ لوگ کیوں چلا رہے ہیں۔

ملازم: سوسی اور شہزادی طاریون کا لشکر شکست کھا کر واپس آیا ہے۔

پروین: کس نے شکست دی انہیں۔

ملازم: کچھ مفصل معلوم نہیں ہوا۔ سنا ہے مسلمانوں نے شکست دی ہے اور شہزادی کو بھی گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔

یہ سن کر طاہرہ اور پروین دونوں کو تعجب بھی ہوا۔ اور خوشی بھی ہوئی۔ پروین نے دریافت کیا۔ شاید اس وقت قلعہ کے اندر ہلچل مچی ہوئی ہو گی۔

ملازم: جی ہاں ایک کو دوسرے کی کچھ خبر نہیں ہے۔

پروین: اچھا تم واپس جاؤ۔ اور ہم دونوں کے لئے دو دو لباس کے جوڑے اور

آئے۔ اس نے کہا۔ ہاں سوار ہیں تو سہی۔ میں نے بھی یہ خیال نہیں کیا کہ ہماری گھوڑی کی یاد رہی ہے۔

پروین: پہلے میں نے بھی اس کا خیال نہیں کیا تھا وہ تو اس وقت [illegible] نے بتایا۔

طاہرہ: اب تو بڑی مشکل ہوئی۔

پروین: مگر میں نے اس مشکل کو حل کر لیا ہے۔

طاہرہ: کس طرح۔

پروین: ذرا پاس سرک آؤ۔ کان میں بتاؤں گی۔

طاہرہ اس کے پاس جا کر اس کی طرف جھک گئی۔ پروین نے سرگوشی کے لہجہ میں کہنا شروع کیا وہ کہتی جاتی تھی اور طاہرہ مسکراتی جاتی تھی۔ جب وہ ختم کر چکی تو اسے شرارت سوجھی اور اس نے اور جھک کر طاہرہ کا حسین گال چوم لیا۔

طاہرہ نے دزدیدہ شرمیلی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ کیا کیا تم نے

پروین نے ایسی حسین اور بھولی صورت بنالی جیسے کچھ جانتی ہی نہیں۔ اس نے کہا۔ کیا کیا میں نے۔

طاہرہ: شریر پروین اب بناؤں گی میں بھی۔

پروین نے متانت سے کہا۔ نہ بتاؤ تو بس رہنے دو۔

طاہرہ: مگر تمہاری یہ شرارت......

پروین: باللہ! اس میں نے کیا شرارت کر ڈالی۔

طاہرہ: بڑی شوخ ہو تم۔

پروین نے لجانے کی شان سے کہا۔ خوب! پہلے شریر کہا۔ اب شوخ۔ اور کچھ کہہ لو۔

طاہرہ: اچھا میں تم سے کچھ کہتی۔

پروین: نہیں کہیے۔ خوب کہیے۔ جی بھر کے کہیے۔ مگر بتا تو دیجئے کہ کس بات پر خفگی ہے۔

طاہرہ: تمہیں کچھ معلوم ہی نہیں۔

پروین: معلوم ہوتا تو پوچھتی ہی کیوں۔

طاہرہ: آخر تم نے......

اپنی چادریں لے آؤ۔ جاؤ۔ جلدی کرو۔ ہم ذرا آگے بڑھ کر کھڑی ہوں گی تم وہیں آجانا۔

ملازم بہت اچھا کہہ کر چلا گیا۔ طاہرہ نے دریافت کیا۔ کیا اسی وقت بھاگ چلنے کا ارادہ ہے؟

پروین نے جواب دیا اور اس سے اچھا موقع کب مل سکتا ہے۔ آؤ ذرا بڑھ کر آگے تک چلیں۔"

طاہرہ۔ چلئے۔

دونوں آگے بڑھ کر قلعہ کی دیوار کے سایہ میں کھڑی ہو گئیں۔ اس وقت آفتاب غروب ہو چکا تھا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ دونوں نے گھوڑوں سے اتر کر مغرب کی نماز پڑھی جب وہ نماز سے فارغ ہو گئیں تو ملازم کو سامنے سے آتے ہوئے دیکھا۔ وہ مطلوبہ کپڑے لا رہا تھا۔

دونوں جلدی سے گھوڑوں پر سوار ہو گئیں اور بڑھ کر ملازم سے کپڑے لے کر اپنے شانوں پر ڈال کر چل پڑیں۔

چلتے وقت پروین نے ملازم سے کہا۔ کسی سے ہمارے چلے جانے کا تذکرہ نہ کرنا یہ کہتے ہی وہ گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا کر غائب ہو گئیں۔ بے چارہ ملازم کچھ بھی نہ سمجھا وہ ان کی طرف ہکا بکا ہو کر تکتا رہ گیا۔

ایک قاصد

یرغون اپنا لشکر لے کر رات کو روانہ ہو گیا تھا۔ کفر توتا کا قلعہ ماردین کے قلعہ سے کچھ دور نہ تھا پھر بھی ایک منزل ضرور تھا وہ چاہتا تھا کہ صبح ہونے سے پہلے قلعہ کے قریب پہنچ جائے اور کوئی ایسا تیر۔ چلے جس سے قلعہ والے قلعہ کا دروازہ کھول دیں۔

اسے یقین تھا کہ سوسی اور ماردین کا لشکر شکست کھا کر گیا ہے وہ کسی ایک طرف نہ گیا ہو گا۔ بلکہ مختلف اطراف میں۔ مختلف قلعوں میں اور مختلف شہروں اور قصبوں میں پہنچا ہو گا۔ اور جہاں کہیں بھی جو شخص گیا ہو گا وہاں اس نے یہ سنا دیا ہو گا کہ یرغون مسلمان ہو گیا ہے اور اس نے شہزادی کو گرفتار کر لیا ہے۔

یہ بھی اسے یقین تھا کہ کفر توتا والوں نے بھی اس خبر کو سن لیا ہو گا اور اس لئے وہ آسانی سے قلعہ کا دروازہ اس کے لئے نہ کھولیں گے۔

مگر وہ جب سے مسلمان ہوا تھا خدا پر بھروسہ کرنے لگا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر خدا کو

اسلام اور مسلمانوں کی اعانت اور فلاح منظور ہے تو کوئی نہ کوئی ایسی سبیل نکال دے گا جس سے وہ قلعہ کے اندر داخل ہو جائے گا۔

وہ اس کا لشکر خاموشی مگر تیزی کے ساتھ بڑھا چلا جا رہا ہے۔

چونکہ رات اندھیری تھی اس لئے ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اور کچھ اس غضب کا اندھیرا تھا کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی کوئی چیز صاف نظر نہ آتی تھی۔

آسمان کا رنگ سیاہ ہو رہا تھا سارے آسمان پر ستارے جڑے پڑے تھے اور چونکہ اندھیرا تھا اس لئے نہایت آب و تاب سے چمک رہے تھے۔

رات زیادہ آجانے کی وجہ سے ہر سمت سکوت طاری تھا۔ ایسی خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ ہوا سے پتوں کے ٹکرانے کی آواز بھی صاف سنائی دی جاتی تھی۔

ایسے وقت میں یہ لشکر راستہ پر بغیر کچھ دیکھے بھالے چلا جا رہا تھا کائنات پر سکوت و سکون طاری ہونے کی وجہ سے گھوڑوں کے سموں کی آواز دور تک جا رہی تھی۔ اگرچہ سڑک پختہ نہیں تھی۔ کچی تھی مگر گھوڑوں کی زیادہ تعداد ہونے کی وجہ سے آواز اونچی اٹھ رہی تھی۔

رات کے سیاہ پردے پھاڑتا ہوا یہ لشکر قلعہ ماردین سے دور نکل گیا تھا لیکن سوار باوجود راستہ سے واقف کے ہونے ابھی اندھیرا ہونے کی وجہ سے یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ اس وقت کہاں اور کس مقام پر سفر کر رہے ہیں۔

جب رات آدھی سے کچھ زیادہ گزر گئی تو چاند نمودار ہوا۔ اور آہستہ آہستہ ابھرنے لگا جوں جوں وہ اونچا اٹھتا تھا چاندنی پھیلتی جاتی تھی اور چاندنی کے پھیلنے سے اندھیرے کی سیاہ چادر سمٹتی اور روشنی بڑھتی جاتی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں چاند اچھی طرح اونچا ہو گیا۔ چاندنی ہر طرف پھیل گئی ہر طرف اجالا ہو گیا۔ تاریکی کا مہیب منظر دور ہو گیا۔

اس وقت یرغون مع اپنے چند افسروں کے لشکر سے آگے بڑھا ہوا جا رہا تھا۔ اس کی نظر سامنے راستہ پر تھی۔ اسے دور پر ایک سوار جاتا ہوا نظر آیا۔ یرغون نے اسے دیکھ کر اپنے افسروں سے کہا۔ یہ آگے کون شخص جا رہا ہے۔

سب نے اسے دیکھا۔ وہ دور تھا پہچانا نہ جا سکا۔ ایک افسر نے کہا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

یرغون نے۔ دو ہی قسم کے آدمیوں میں سے یہ کوئی ہو سکتا ہے۔ یا تو یہ جاسوس ہے

اور ہمارے روانہ ہونے کی خبر کفرتوتا کے قلعہ والوں کو بتانے جا رہا ہے اور یا یہ قاصد ہے اور مرعش۔ رقہاں سے ملک شرواش کے پاس سے آ رہا ہے۔

دوسرا افسر: حضور کا خیال صحیح ہے۔

ریغون: میں چاہتا ہوں کہ اسے روکا جائے۔

"بہت بہتر" افسروں نے کہا۔ اور گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی کر دیں۔ باگیں ڈھیلی ہوتے ہی گھوڑے سرپٹ دوڑ پڑے۔

جو شخص آگے جا رہا تھا اس نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سن کر حیرت سے پیچھے کی طرف دیکھا۔ وہ خلاف وقت اور خلاف توقع چند سواروں کو اپنے پیچھے آتا دیکھ کر گھبرا گیا۔

ابھی اتنا فاصلہ تھا کہ اگر وہ گھبرا نہ جاتا تو گھوڑا اڑا کر ان کی گرفت سے باہر نکل جاتا۔ مگر بدحواس ہونے کی وجہ سے وہ کچھ بھی نہ کر سکا بلکہ گھوڑا روک کر کھڑا ہو گیا۔

ریغون کے سوار گھوڑے دوڑا کر اس کے قریب پہنچے۔ اور اس کے چاروں طرف کھڑے ہو گئے اس نے حیرت اور خوف بھری نظروں سے انہیں دیکھا ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ گھبراؤ مت ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔"

سوار نے کہا۔ مگر آپ نے مجھے نرغہ میں کیوں لے لیا ہے۔

ایک افسر: شہزادہ ریغون تم سے کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔

سوار: بہت خوب چلئے میں ان کے پاس چلنے کو تیار ہوں۔

افسر: کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ یہیں تشریف لا رہے ہیں۔

یہ لوگ خاموش ہو کر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ریغون ان کے پاس آ پہنچا۔ اسے دیکھتے ہی سوار گھوڑے پر ہی [illegible] کی شان سے سلام کرنے کے لئے جھک گیا۔

ریغون نے اس سے دریافت کیا۔ "تم کون ہو؟"

سوار نے جواب دیا۔ "حضور والا! میں قاصد ہوں۔"

ریغون: کہاں سے آ رہے ہو؟

قاصد: ملک شرواض کے پاس سے۔

ریغون: کیا [illegible] سے؟

قاصد: جی ہاں۔

ریغون: کہاں جا رہے ہو۔

قاصد: قلعہ کفرتوتا میں۔

ریغون: کس لیے۔

قاصد: ایک پیغام پہنچانے کے لیے۔

ریغون: کیا پیغام ہے؟

قاصد: حضور! کفرتوتا کے والی نے یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ مسلمان قلعہ ماردین میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ کہیں کفرتوتا پر حملہ نہ کر دیں اس لئے مدد بھیجی جائے۔

ریغون: پھر بادشاہ نے کیا جواب دیا۔

قاصد: مجھ سے پہلے ایک قاصد اور گیا ہے۔ اور اس کا جواب وہ لے گیا ہے۔

ریغون: تم کیا پیغام لے جا رہے ہو۔

قاصد: میں یہ پیغام یا خبر لے جا رہا ہوں۔ کہ لشکر آج رات کو نہیں بلکہ کل رات کو آئے گا۔

ریغون: کس قدر لشکر آنے والا ہے۔

قاصد: مجھے اس کا علم نہیں ہے حضور۔

ریغون: شاید پہلا قاصد یہ خبر لے گیا ہے کہ لشکر آج ہی رات کو پہنچنے والا ہے۔

قاصد: ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

ریغون: اچھا تمہارے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم خود کفرتوتا ہی جا رہے ہیں تمہارا پیغام پہنچا دیں گے۔

قاصد: تو کیا میں واپس چلا جاؤں؟

ریغون: نہیں۔ تمہیں قلعہ ماردین میں جانا ہو گا۔

قاصد نے حیرت سے ریغون کو دیکھ کر کہا۔ وہاں کیا کروں گا میں حضور۔

ریغون: ہمارے وہاں آنے تک تم وہیں رہنا۔

قاصد: لیکن ملک شرواض خفا ہو جائیں گے۔

ریغون: ہونے دو۔ وہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتے۔

کہتے ہی وہ افسروں کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ اس قاصد کو اپنے سواروں کے ہمراہ کر کے انہیں ہدایت کر دو۔ کہ اسے قلعہ ماردین میں حفاظت سے اس وقت تک رکھیں جب تک ہم وہاں پہنچیں۔

قاصد سخت حیران ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "کیا حضور! مجھے گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

ریغون: ہاں تم حراست میں لے لئے گئے ہو۔

قاصد: بندہ نواز میرا قصور کیا ہے۔

برغون: قصور کچھ نہیں ہے۔ ایک مصلحت سے گرفتار کئے جاتے ہو۔

قاصد: اور وہ مصلحت کیا ہے حضور؟

برغون: زیادہ مت بولو۔

قاصد نے ادنیٰ آواز سے کہا "غریب پرور! میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ وہ برباد ہو جائیں گے۔

برغون: اطمینان رکھو تمہیں قتل نہ کیا جائے گا بلکہ کفر توتا سے واپس آنے پر رہا کر دیا جائے گا۔

قاصد نے ہاتھ جوڑ کر نہایت عاجزی سے کہا۔ جہاں پناہ! ابھی رہا کر دیجئے۔

برغون نے بگڑ کر کہا۔ فضول بک بک کر کے اپنی موت کو نہ بلاؤ جو کہہ دیا گیا ہے چپ چاپ اس کی تعمیل کرو۔"

قاصد یہ تہدید آمیز حکم سن کر لرز گیا۔ اس نے کہا۔ "بہت خوب میں تعمیل حکم کے لئے تیار ہوں۔"

اس عرصہ میں برغون کا لشکر بھی اس کے قریب آ کر رک گیا تھا ایک افسر نے دس سوار لشکر میں سے علیحدہ کر کے قاصد کو ان کے حوالہ کر کے سمجھا دیا۔ کہ وہ اسے قصر ماروین میں لے جا کر قید کر دیں اور برغون کی واپسی تک اس کی نگہداشت کریں۔

آدمی قاصد کو نرغہ میں لے کر روانہ ہوئے۔ ان کے جاتے ہی برغون نے مع لشکر کے کفر توتا کی طرف کوچ کیا۔

بیسواں باب
بھوتوں کا مسکن

دونوں حسین اور دلربا لڑکیاں موقع اور وقت سے فائدہ اٹھا کر تنہا چل پڑی تھیں۔

رات کا وقت تھا نہ ان کے ساتھ کوئی راہبر تھا نہ ان کے پاس کوئی ہتھیار تھا۔ تنہا اور محض خدا پر بھروسہ کر کے نکل کھڑی ہوئی تھیں۔

رات اندھیری تھی۔ چاند آدھی رات کے بعد نکلنے والا تھا۔ ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا اس وقت پرندے اور درندے سب پناہ گاہوں میں چھپ گئے تھے۔ فضا ساکن اور کائنات خاموش تھی۔ ہر سمت سکوت طاری تھا۔

جنگل جس میں یہ ماہ پارہ لڑکیاں سفر کر رہی تھیں سائیں سائیں کر رہا تھا آسمان میں تارے جڑے ہوئے تھے اور ان کی چمک دمک پردہ ظلمات کو چاک کرتی کرہ ارض تک پہنچ رہی تھی۔

یہ دونوں گھوڑوں کو تیز دوڑائے چلی جا رہی تھی۔ سردی کا وقت تھا عجلت میں انہوں نے سردی سے بچنے کے لئے کافی کپڑے بھی نہ پہنے تھے۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ان کے نازک بدن میں تیر کی طرح لگ رہے تھے مگر یہ نہ سردی کی پرواہ کر رہی تھیں نہ تنہائی کی۔ انہیں صرف چلنے کا خیال تھا اور چلی جا رہی تھیں۔

کچھ دور چل کر طاہرہ نے کہا۔ اب ہم قلعہ سے دور نکل آئے ہیں تعاقب کا اندیشہ کم ہو گیا ہے بہتر ہے کہ نماز پڑھ لیں پھر اطمینان سے ساری رات چلتی رہیں گی۔"

پروینہ نے کہا۔ کہتی تو ٹھیک ہو مگر اس وقت ذرا سردی زیادہ معلوم ہو رہی ہے گھاس پر نماز پڑھنی پڑے گی وہ اور بھی ٹھنڈی ہو رہی ہو گی کہیں سردی نقصان نہ دے جائے۔"

طاہرہ: سردی ہوا کی ہے چلنے میں زیادہ ہوا لگتی ہے۔ ٹھہرنے یا بیٹھنے سے ہوا نہ لگے گی اور اگر سردی معلوم بھی ہو تو اس کے خوف سے نماز نہیں چھوڑی جا سکتی ہے۔ دنیا کی تکلیف سے عاقبت کی تکلیف زیادہ ہے اگر آج ہم اس ذرا سی تکلیف کا خیال کر کے نماز نہ پڑھیں تو کل حشر کے روز کیا جواب دیں گی قیامت کے دن سب سے پہلے نماز ہی کے متعلق پوچھا جائے گا۔ جو نماز پڑھتا رہا ہو گا اسے کوئی خوف نہ ہو گا۔ اور جس کی نمازیں قضا ہو گئی ہوں گی یا جس نے نماز نہ پڑھی ہو گی وہ سخت بدحواس اور پریشان ہو گا۔

پروینہ نے مسکرا کر کہا۔ اچھا اچھا حسین واعظ! چلئے نماز ہی پڑھ لو۔

دونوں نے ایک درخت کے پاس پہنچ کر گھوڑے روکے گھوڑوں سے نیچے اتریں۔ وضو انہیں تھا ہی نماز پڑھنی شروع کر دی۔

چونکہ زمین اور گھاس سب ٹھنڈی ہو رہی تھیں اس لئے انہیں نماز پڑھتے وقت زیادہ سردی معلوم ہوئی۔ ان کے نازک جسم برابر کانپتے رہے مگر انہوں نے پرواہ نہیں کی۔

نماز سے فارغ ہو کر دونوں نے شالیں اوڑھیں گھوڑوں پر سوار ہوئیں اور پھر چل پڑیں۔

طاہرہ نے کہا۔ "ذرا تیز چلو پروینہ!"

پروینہ نے "اچھا" کہا اور گھوڑے کو تیز کر دیا۔

طاہرہ کا تھوڑا خوف بھی ختم ہو گیا۔

یہ جنگل جس میں یہ سفر کر رہی تھیں نہایت خوفناک تھا اس کے متعلق افواہ اور جنگل طاریوں کے دلوں میں عجیب عجیب افواہیں مشہور تھیں۔ بعض کا خیال تھا کہ کچھ خبیث روحیں اس جنگل میں دورہ کرتی رہتی ہیں اور وہ رات کے وقت آنے جانے والوں کو ستاتی ہیں بعض کہتے تھے کہ پرانے زمانہ میں یہاں جنگ ہوئی تھی اور جو لوگ اس جنگ میں مارے گئے تھے ان کی روحیں تکراتی پھر رہی تھیں۔ بعض اس بات کے قائل تھے کہ بھوتوں نے اس جنگل کو اپنا مسکن بنا لیا ہے۔ بہت کم لوگ یہ بھی مانتے تھے کہ نیک لوگوں کی روحیں یہاں آکر آباد ہو گئی ہیں۔

بہرحال خیالات مختلف تھے مگر یہ سب مانتے تھے کہ اس جنگل میں روحیں یا بھوت رہتے ہیں۔

پروینہ کو یہ بات معلوم تھی۔ وہ روحوں یا بھوتوں کے خوف سے ڈری اور سہمی جا رہی تھی۔ فرط دہشت سے بات تک نہ کرتی تھی۔ طاہرہ نے اسے چپ چپ دیکھ کر کہا۔ پروینہ! خاموش کیوں ہو باتیں کرو۔

پروینہ نے آہستگی سے کہا۔ چپ رہو۔ چپ۔ نام نہ لو۔ تم نہیں جانتی ہو یہ جنگل کس قدر خوفناک ہے۔"

طاہرہ:۔ کیا بات ہے اس جنگل میں۔؟

پروینہ:۔ یہاں روحیں رہتی ہیں۔ جس شخص کا نام لیا جاتا ہے اور وہ اس جنگل میں ہوتا ہے روحیں اسے تکلیف اور نقصان پہنچائے بغیر نہیں رہتیں۔

طاہرہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ پروینہ کو اس کی ہنسی پر غصہ بھی آیا اور حیرت بھی ہوئی اس نے کھسی ہوئی آواز سے کہا۔ "تم ہنس رہی ہو۔"

طاہرہ نے کہا۔ "نہ ہنسوں تو کیا کروں۔ تم روحوں کے خیالی خوف سے اس قدر ڈر رہی ہو کہ تمہاری آواز تک نہیں نکلتی۔ بھلا ڈر کس بات کا۔

پروینہ:۔ اگر روحیں آجائیں ....

طاہرہ:۔ تو کیا کریں گی۔

پروینہ نے جلدی سے کہا۔ "خدا کے لئے چپ رہو چپ۔ تم روحوں کی توہین کرتا جاتی ہو اس سے وہ خفا ہو جائیں گی اور پھر بغیر نقصان پہنچائے نہ مانیں گی۔

طاہرہ:۔ انہیں نقصان پہنچانے کی قدرت ہی کب ہے یہ ممکن ہے کہ یہاں روحیں رہتی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ چلتی پھرتی بھی نظر آتی ہوں لیکن وہ مجسم نہ ہونے کی وجہ سے نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔

پروینہ:۔ شاید مسلمان اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ روحیں انسانوں کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

طاہرہ:۔ بے شک۔ مسلمان اس بات کا قائل نہیں ہے کہ روح کسی کو تکلیف یا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ زندہ آدمی نقصان پہنچا سکتا ہے لیکن روح بے بس ہو جاتی ہے وہ نہ تکلیف دے سکتی ہے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

پروینہ:۔ خیال تو تمہارا صحیح ہے۔ مگر عیسائی روحوں سے بہت زیادہ ڈرتے ہیں۔

طاہرہ:۔ یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ تمہارے مرد بچوں کے سامنے روحوں کے واقعات خوف دلانے والے لہجہ میں بیان کرتے ہیں اس سے بچوں کے دلوں میں ڈر بیٹھ جاتا ہے اور وہ بڑے ہو کر بھی ڈرتے رہتے ہیں ہم مسلمانوں کے نہ بڑے لوگ روحوں سے ڈرتے ہیں نہ بچے وہ جانتے ہیں کہ روحیں کچھ نہیں کر سکتیں۔

پروینہ نے خوفزدہ لہجہ میں کہا۔ "خاموش! دیکھو وہ کیسی روشنی نظر آرہی ہے۔

طاہرہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اسے کچھ فاصلہ پر روشنی نظر آئی۔ اس نے کہا۔ ہاں روشنی ہے لیکن اس سے روحوں کا کیا تعلق۔

پروینہ نے اپنے گرد و پیش دیکھتے ہوئے کہا۔ "طاہرہ! افسوس ہم راستہ بھول گئے۔ اور یہ روحوں نے ہی بھلایا ہے۔

طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ کس قدر توہم پرست اور ضعیف الاعتقاد ہو تم افسوس تم تو روحوں کی طاقت خدا کی طاقت سے زیادہ مانتی ہو میری بھولی بہن یہ شرک ہے اور شرک کو خدا کبھی معاف نہ کرے گا۔ سوچو یہ طاقت صرف خدا ہی کو ہے کہ وہ دلوں کو پھیر دے۔ ارادوں کو بدل دے۔ روحوں کو اس میں مطلق اختیار نہیں ہے۔ رات کے اندھیرے کی وجہ سے ہم راستہ بھول گئیں تو اس میں روحوں کا دخل جانتی ہو۔

پروینہ:۔ یہ روحیں پہلے راستہ ہی بھلا دیتی ہیں اور پھر وہاں لے جاتی ہیں جہاں ان کا مسکن ہوتا ہے۔ میں نے ایسے بہت سے واقعات سنے ہیں۔

طاہرہ:۔ اور ان جھوٹے واقعات ہی کا یہ اثر ہے کہ تم اس وقت ڈری مری جا رہی ہو۔

پروینہ:۔ اچھا یہ روشنی کیسی ہے۔

طاہرہ نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ بھوتوں اور روحوں کے مسکن میں چراغ جل رہا ہے۔

پروینؔ۔ یہی بات ہے۔ جب ہم روشنی کے پاس پہنچیں گی تو روحیں ہمیں اپنی گرفت میں لے کر ہمارا خاتمہ کر دیں گی۔

طاہرہ نے ذرا جوش میں آ کر کہا۔ اطمینان رکھو۔ میں ان سب ہی کا خاتمہ کر دوں گی۔

پروین نے ملامت آمیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔ کہیں روحوں کا بھی خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

طاہرہؔ۔ میری بھولی کہیں روحیں بھی نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

پروینؔ۔ اب تم خود ہی دیکھ لو گی۔

طاہرہؔ۔ میں ہی نہیں تم بھی دیکھ لو گی اور قائل ہو جاؤ گی۔

اب یہ دونوں روشنی کی طرف بڑھنے لگیں۔ ان کے داہنے اور بائیں جانب ذرا ذرا فاصلہ پر جنگلی درختوں کے بن کھڑے تھے۔ ایک تو اندھیرا تھا ہی اور ان درختوں کی گھنی شاخوں نے اور بھی خوفناک اندھیرا پھیلا رکھا تھا۔

روشنی سامنے نظر آ رہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چراغ جل رہا ہو۔ کبھی روشنی غائب ہو جاتی تھی اور کبھی صاف نظر آنے لگتی تھی۔

اس وقت جس راستہ پر یہ دونوں چل رہی تھیں اس پر گھاس کھڑی تھی معلوم ہوتا تھا کہ یا تو یہ راستہ ہی نہ تھا اور یا آمدورفت کے استعمال میں نہ آیا تھا اس لئے گھاس جم آئی تھی۔

گھاس کی وجہ سے گھوڑوں کے سموں کی آواز نہ ہوتی تھی۔ انہوں نے ایک بات یہ عجیب دیکھی کہ جب دور سے انہوں نے روشنی کو دیکھا تھا تو سامنے اور نیچے معلوم ہوتی تھی لیکن جوں جوں یہ بڑھتی رہیں روشنی اونچی ہوتی چلی گئی اس بات کا ان دونوں کو تعجب ہوا۔

جب یہ اور زیادہ قریب پہنچیں تو انہیں پہاڑ کی چٹان نظر آئی۔ اس وقت آدھی رات سے زیادہ گزر گئی تھی۔ چاند نکل آیا تھا۔ چاندنی پھیلنے لگی تھی اندھیرا دور ہونے لگا تھا۔

انہوں نے اس خفیف سی روشنی میں دیکھا کہ چٹان کے اوپر ایک گرجا بنا ہوا ہے۔ چاند کی شعاعیں گرجا کی اونچی لاٹ پر پڑ رہی ہیں چونکہ وہ چٹان کے نیچے جا کھڑی ہوئی تھیں اس لئے اب روشنی غائب ہو گئی تھی۔

انہوں نے گھوڑے وہیں چھوڑ دیے اور دونوں نے چٹان پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اس

چٹان کو کاٹ کر چڑھنے کے لئے ڈھلوان بنا دیا گیا تھا۔ چنانچہ انہیں چڑھنے میں کوئی دقت نہ ہوئی اور یہ اوپر پہنچ کر گرجا کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔

اگرچہ گرجا مختصر اور چھوٹا تھا لیکن بنا نہایت خوبصورت تھا گرجا کے دروازے میں ایک شمع جل رہی تھی۔ یہی وہ روشنی تھی جو ان دونوں لڑکیوں کو دور سے نظر آئی تھی۔

طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ "دیکھا تم نے روحوں یا بھوتوں کا مسکن۔

پروین نادم ہو گئی۔ اس نے کہا۔ "ہاں دیکھا۔ شاید لوگ اس روشنی کو دور سے دیکھ کر ہی ڈر جاتے ہوں گے۔

طاہرہؔ۔ یہی بات ہے۔ آؤ گرجا کے اندر چل کر دیکھیں شاید کوئی رحم دل پادری اندر ہو اور وہ ہمیں بقیہ شب ٹھہرنے کے لئے جگہ دے دے۔

پروینؔ۔ آؤ۔

دونوں گرجا میں داخل ہوئیں۔ گرجا کے ہر کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ یہ کئی کمرے طے کر کے جب ایک کمرے سے دوسرے میں جانے لگیں تو انہوں نے باتیں کرنے کی آواز سنی۔ دونوں ٹھٹک کر وہیں کھڑی ہو گئیں اور باتیں سننے لگیں۔ کوئی کہہ رہا تھا۔

"میں اس لڑکی کو چاہتا ہوں اسے جس طرح بھی ہو یہاں لانا چاہیے۔

دوسری آواز آئی۔ "مقدس باپ! اس کا لانا مشکل ہے۔"

پہلے نے کڑک کر کہا۔ میں نہیں جانتا۔ جب میں تمہیں خاطر خواہ روپیہ دے چکا ہوں پھر کیوں تم اسے نہیں لاتے۔

دوسراؔ۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں مشہور ڈاکو ہوں۔ جس کام کو جس وقت چاہا کر کے چھوڑا لیکن اس لڑکی کو لانا میرے اختیار سے باہر ہے اس کی کافی نگہداشت کی جاتی ہے اور جس لڑکی کو کہو لا کر حاضر کر دوں۔

ان کی گفتگو سے ان دونوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ باتیں کرنے والوں میں ایک پادری ہے اور دوسرا ڈاکو۔

پادری نے کہا۔ مگر میں اس کی محبت میں جل رہا ہوں۔"

ڈاکوؔ۔ آپ کسی اور لڑکی کو پیار کرنا شروع کر دیجئے۔

پادری نے کڑک کر کہا۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔ یا تو اس لڑکی کو لاؤ۔ ورنہ میری رقم میرے حوالے کرو۔

ڈاکو نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دے کر کہا۔ "بدکار پادری! تو مجھے دھمکیاں دیتا ہے۔

تیں ہے اور تیرے تقویٰ کو خوب جانتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تو نے کس قدر معصوم لڑکیوں کی عصمت دری کر کے اپنی سیاہ کاری چھپانے کے لئے انہیں قتل کرنے کے بعد غاروں میں پھینک دیا ہے میں ....

پادری نے غصہ اور جوش سے دیوانہ ہو کر کہا۔ "مکار ڈاکو ٹھہر۔ تجھے تیری بدزبانی کی سزا دیتا ہوں۔

اس کے بعد خنجروں کے چلنے اور چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ یہ دونوں لڑکیاں خوفزدہ ہو کر بھاگیں گرجہ [illegible] سے باہر آئیں اور گرتی پڑتی چٹان سے نیچے اتر کر گھوڑوں پر سوار ہوئیں اور گھوڑوں کے مہمیزیں لگا کر تیزی سے اڑاتے چلی گئیں۔

ریغون کی دانشمندی

ریغون معہ لشکر کے ساری رات چلتا رہا۔ جب صبح کاذب کا وقت ہوا تو وہ قلعہ کفرتوثا کے سامنے جا پہنچا۔ اس نے اپنے تمام سپاہیوں کو راستہ میں ہی ہدایت کر دی تھی کہ اپنے مسلمان ہو جانے کا ذکر کسی سے نہ کریں۔

وہ قلعہ کے دروازہ پر پہنچ کر رک گیا۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے اپنے چند افسروں سے کہا کہ وہ قلعہ والوں سے دروازہ کھلوانے کے لئے کہیں۔

افسروں نے بلند آواز میں سپاہیوں سے بات چیت کرنے کو کہا۔ چند سپاہیوں نے مل کر زور سے آواز دی۔

تھوڑی دیر کے بعد فصیل کے اوپر شمع کی روشنی نمودار ہوئی اور چند نوجوانوں نے جھانک کر دیکھا۔

چونکہ چاند نکلا ہوا تھا۔ چاندنی پھیل رہی تھی۔ اس لئے فصیل کے اوپر والوں نے اس لشکر کو دیکھ لیا ان میں سے ایک شخص نے زور سے پکار کر دریافت کیا تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔

ریغون نے کہا۔ "انہیں جواب دو کہ ہم رومیان سے ملک شہریاض کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔

ریغون کے سپاہیوں نے چیخ کر یہی بات کہہ دی۔

یہ بات سن کر فصیل والے پیچھے ہٹ گئے۔ شمع بھی ہٹا لی گئی۔ یہ لوگ بھی خاموش ہو کر کھڑے رہ گئے۔

کچھ ہی وقفہ کے بعد قلعہ کے دروازہ کا پھاٹک کھول دیا گیا اور ریغون معہ لشکر کے اندر داخل ہوا۔

اس وقت صبح ہو گئی تھی۔ اگرچہ ابھی آفتاب نہیں نکلا تھا لیکن عنقریب نکلنے والا تھا اس لئے کافی روشنی پھیل گئی تھی۔

جوں ہی ریغون قلعہ کے اندر داخل ہوا فوراً ہی قلعہ دار اس کے سامنے آیا۔ اس نے آتے ہی ریغون کو سلام کیا۔ ریغون نے سلام کا جواب دے کر کہا۔ یہ لشکر جو میرے ساتھ ہے تمہاری اور اس قلعہ کی حفاظت کے لئے بھیجا گیا ہے۔ غالباً تمہیں پہلے سے اس کی اطلاع ہو چکی ہو گی۔

قلعہ دار نے ادب سے جواب دیا۔ جی ہاں ہمیں اطلاع ہو چکی ہے۔ کل ہی حضور شہریاض کا قاصد آیا تھا۔

ریغون۔ مگر تمہیں کیا خوف ہوا تھا جو تم نے قلعہ کی حفاظت کے لئے لشکر طلب کیا۔

قلعہ دار۔ ہم نے سنا تھا کہ اس نواح میں یوقنا آیا ہے۔ ہم نے اس کے کارنامے سن رکھے تھے۔ ہم اس سے ڈر گئے۔ چونکہ قلعہ کے اندر لشکر کم تھا اس لئے مزید لشکر طلب کرنا پڑا۔

ریغون نے مسکرا کر کہا کیا عیسائی یوقنا کو کوئی جن سمجھنے لگے ہیں۔

قلعہ دار۔ حضور اول تو ہر مسلمان جن ہے لیکن یوقنا جب سے مسلمان ہوا ہے نہایت مکار جن بن گیا ہے۔ آپ نے سن لیا ہو گا کہ اس نے ملک شام میں اعزاز کا قلعہ اور ارض رحبہ میں قرقیسا وغیرہ کو کس چالاکی سے فتح کیا ہے اس کا نام سن کر ہی خوف سا طاری ہونے لگتا ہے۔

[illegible]

[illegible]

برغون۔ لوگ اس سے فضول ڈرتے ہیں جس روز اس کا مجھ سے مقابلہ ہو گیا اس روز اسے چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔

قلعہ دار۔ مگر وہ ایسی چالاکیاں چلتا ہے کہ چالاک سے چالاک آدمی بھی اس کی تہہ کو نہیں پہنچتے۔

برغون۔ لیکن میں اس سے زیادہ چالاک ہوں۔

قلعہ دار۔ اور بہادر بھی۔

برغون۔ اگر بہادر نہ ہوتا تو اس قلعہ میں کیوں آتا۔

قلعہ دار۔ اب آپ کے آنے سے ہمیں اطمینان ہوا ہے۔

برغون۔ بالکل اطمینان سے رہو۔ غالباً تمہیں یہ بھی اطلاع دے دی گئی ہو گی کہ اس قلعہ کی حفاظت اور اس کا انتظام میرے سپرد ہوا ہے۔

قلعہ دار۔ جی ہاں ہمیں اس کی اطلاع دی جا چکی ہے۔

برغون۔ اچھا تو آپ اپنے لشکر کو فصیل کے اوپر سے علیحدہ کر دیجئے اور اس سے کہہ دیجئے کہ وہ بارکوں میں بند ہو جائے اور جس قدر فوجی یا شہر کا انتظام کرنے والے افسران ہیں ان کو بھی حکم دے دیجئے کہ وہ اپنے اپنے کاموں سے سبکدوش ہو کر گوشہ نشین ہو جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص میرے انتظام میں خلل ڈالے۔

قلعہ دار۔ لیکن کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ آپ اور میں دونوں مل کر قلعہ کی حفاظت کریں۔

برغون۔ میں اور تم حفاظت کر سکتے ہیں لیکن ہمارے سپاہی جاہل ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں تو تو میں میں ہو اور کوئی معمولی واقعہ بڑی خونریزی کا باعث بن جائے۔ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ [illegible] سپاہی ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو کھڑے [illegible] حفاظت کریں۔

قلعہ دار۔ آپ نہایت دور اندیش ہیں۔ اور آپ کا خیال [illegible] پر مبنی ہے۔ میں فصیل کے اوپر سے فوج کو ہٹا دوں گا لیکن برجوں میں جو دیدبان* ہیں۔ وہ ملک شہر واقف کے آدمی ہیں۔ انہیں ہٹانے کی جرات نہیں کر سکتا۔

---

* دیدبان: ملک میں شہر کے برجوں میں کچھ آدمی مقرر کئے جاتے تھے جو رات اور دن بیٹھے یہ دیکھتے رہتے تھے کہ کسی طرف سے کوئی لشکر، کوئی فوج یا ڈاکو اور لوگ تو نہیں آ رہے۔ ان کا فرض تھا کہ جس کسی کو جس طرف سے آتے دیکھتے فوراً اپنے افسر سے اس کی اطلاع کر دیتے۔ انہیں دیدبان کہتے تھے۔

برغون۔ ان کے ہٹانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ وہ برجوں میں رہیں گے میں اپنے سپاہیوں کو ہدایت کروں گا کہ وہ برجوں میں نہ جائیں۔

قلعہ دار۔ بہتر ہے میں آپ کے حکم کی تعمیل ابھی کئے دیتا ہوں۔

قلعہ دار چلا گیا اور اس نے تمام فوج کو فصیل سے نیچے اتر کر بارکوں میں چلے جانے کا حکم دیا۔ سول افسروں کو بھی شہر کے انتظام سے ہٹا دیا۔ اور خود بھی اپنے قصر میں چلا گیا۔

سپاہی جو چوبیس گھنٹے مسلح فصیل پر بیٹھے رہتے تھے۔ ان کی آزادی جاتی رہی تھی۔ ان کی جان ضیق میں تھی وہ یہ حکم سن کر بڑے خوش ہوئے اور فوراً فصیل سے اتر اتر کر بارکوں میں چلے گئے۔

برغون ابھی تک قلعہ کے دروازہ میں کھڑا تھا۔ اس کا لشکر قلعہ کے باہر تھا جب فصیل کے اوپر سے فوج ہٹ گئی تب اس نے اپنے لشکر کو بڑھ کر فصیل پر پہنچ جانے کا حکم دیا۔

فوراً فوجی دستے بڑھے اور قلعہ کے اندر ہو کر فصیل پر جا پہنچے جب ساری فوج فصیل کے اوپر پہنچ گئی تب برغون بھی گیا۔ اس نے قرینہ سے سپاہیوں کو متعین کر دیا اور انہیں کمریں کھول کر آرام کرنے کا حکم دیا خود بھی آرام کرنے لگا۔

شام کے وقت وہ پھر فصیل پر پہنچا۔ اور اس نے دیدبانوں کو بلا بلا کر ایک ایک کر کے سب کو قتل کرا دیا اور ان کے بجائے برجوں میں بھی اپنے ہی آدمی مقرر کر دئے۔

اس نے اس خاموشی سے یہ کارروائی کی کہ کسی کو بھی کچھ علم نہ ہوا۔ لیکن بدقسمتی سے تھوڑی ہی دیر بعد قلعہ دار آگیا۔

برغون کو اس کے آنے سے افشاء راز کا خطرہ لاحق ہو گیا لیکن وہ پریشان نہیں ہوا بلکہ حسب معمول اطمینان خاطر سے بیٹھا رہا۔

قلعہ دار نے کہا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ دیدبان آپ کا لشکر آنے سے کچھ ناخوش ہو گئے ہیں۔ غالباً انہوں نے معاملہ کو سمجھا نہیں ہے۔ میں سمجھانے آیا ہوں۔

یہ سن کر برغون کچھ پریشان ہو گیا لیکن فوراً ہی اس نے پریشانی دور کر کے اطمینان کے لہجہ میں کہا۔ آپ اس کا فکر نہ کریں میں خود ہی سمجھا دوں گا۔

قلعہ دار۔ وہ لوگ نہایت جاہل اور بڑے اجڈ ہیں۔ ممکن ہے آپ کو کوئی سخت جواب دے دیں اور پھر معاملہ طول پکڑ جائے۔

برغون۔ میں سپاہیوں کی جہالت سے خوب واقف ہوں۔ مجھے ان کی کوئی بات بھی ناگوار نہ گزرے گی۔

قلعہ دار:۔ مگر اب جبکہ میں آ ہی گیا ہوں تو خود ہی کیوں نہ سمجھتا جاؤں۔

ریغون:۔ آپ کی خوشی۔

قلعہ دار وہاں سے چل کر شمالی جانب کے برج میں پہنچا وہاں اس نے شمباش کے سپاہیوں کے بجائے ریغون کے سپاہی دیکھے وہ کچھ کھٹکا اسے خوف ہوا کہ کہیں انہوں نے شاہی سپاہیوں کو ٹھکانے تو نہیں لگا دیا۔

جب اس کی نظر دیواروں پر پڑی تو ان پر تازہ خون کے دھبے نظر آئے اب اس کا شک یقین سے بدل گیا وہ واپس لوٹنے کے لئے مڑا ہی تھا کہ ریغون کا سامنا ہو گیا۔

اس نے ریغون کو دیکھتے ہی کہا یہ کیا کیا آپ نے۔"

ریغون نے دریافت کیا۔ میں نے کیا کیا۔

قلعہ دار:۔ آپ نے دربانوں کو کیوں قتل کرا دیا۔

ریغون نے سنجیدگی کے لہجہ میں کہا۔ اس لئے مجھے ان پر اطمینان نہ تھا۔

قلعہ دار:۔ آپ نے ان کی بے اطمینانی کی کیا بات دیکھی تھی۔

ریغون:۔ کچھ نہیں۔ مگر مجھے شک تھا۔

قلعہ دار۔ اور آپ نے محض شک کی بنا پر بے گناہ عیسائیوں کو قتل کر ڈالا۔

ریغون:۔ میری جگہ آپ ہوتے تو آپ بھی ایسا ہی کرتے۔

قلعہ دار:۔ لیکن اب مجھے آپ کی طرف سے شک ہو گیا ہے۔

ریغون۔ کیا شک ہو گیا ہے آپ کو۔

قلعہ دار:۔ آپ یا تو یوقنا کے بھیجے ہوئے ہیں یا یوقنا ہی جیسے ہیں۔

ریغون:۔ پہلی بات تو ٹھیک نہیں ہے لیکن دوسری بات ضرور ٹھیک ہے۔

قلعہ دار نے حیرت کی نظروں سے ریغون کو دیکھتے ہوئے کہا۔ یعنی تم مسلمان ہو گئے ہو۔

ریغون:۔ ہاں۔

قلعہ دار:۔ اور تم دھوکہ سے اس قلعہ پر قبضہ کرنے کے لئے آئے ہو۔

ریغون:۔ یہی بات۔

قلعہ دار کے چہرے سے غم و فکر کی علامتیں ظاہر ہو گئیں اس نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔ خدایا یہ عیسائیوں کو کیا خبط ہو گیا ہے کیوں وہ مسلمان ہو کر اپنی ہی قوم کو تباہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

ریغون:۔ اس لئے کہ عیسائیوں میں وہ تمام برائیاں پیدا ہو گئی ہیں جو شیطانوں میں بھی نہیں ہیں۔ نہ وہ توحید کے قائل رہے ہیں نہ خدا کو مانتے ہیں نہ خدا کی عبادت ضروری سمجھتے ہیں۔ عشرت پرستی۔ جھوٹ بولنا۔ زنا کاری ان کا شیوہ ہو گیا ہے۔

قلعہ دار:۔ اور مسلمان .... وحشی مسلمان۔

ریغون:۔ انہیں وحشی کہنے والے خود وحشی ہیں۔ وہ تہذیب کے علمبردار ہیں۔ خدا کی توحید کی منادی کرتے ہیں۔ برائیوں سے دور رہتے ہیں۔ جس ملک میں بھی ان کے قدم آگئے ہیں وہاں رحمت الٰہی کا نزول ہونے لگا ہے۔

قلعہ دار:۔ افسوس ایک عیسائی کس قدر بدل گیا ہے۔

ریغون:۔ تم بھی بدل جاؤ۔ تین خداؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کے قائل ہو جاؤ۔ اصلی توحید اسلام میں ہی ہے۔ بولو کیا تم مسلمان ہونے کے لئے تیار ہو۔

قلعہ دار:۔ نہیں۔ کبھی نہیں۔ آخری وقت تک نہیں۔

ریغون نے مسکرا کر کہا۔ یہ تمہارا آخری ہی وقت ہے۔ اب بھی سوچ سمجھ لو۔

قلعہ دار:۔ سوچ لیا۔ خوب سمجھ لیا۔ میں کبھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

ریغون:۔ تمہاری قسمت۔

یہ کہہ کر اس نے اپنے ایک سپاہی کو اشارہ کیا۔ اس نے فوراً تلوار کھینچ لی اور قلعہ دار کو قتل کرنے کے لئے بڑھا۔

قلعہ دار اپنے سر کے قریب ننگی تلوار دیکھ کر کانپ گیا۔ اس نے کہا۔ "ٹھہرو..... میں بھی.........

ابھی اس کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ سپاہی کی تلوار اس کے سر پر پڑی اور اس کے سر کو پھاڑ کر۔ حلق کو چیر کر سینہ تک اترتی چلی گئی۔ اس نے ایک چیخ ماری اور مردہ ہو کر گرا۔

ریغون نے کہا۔ "اس کی لاش فصیل سے نیچے گرا دو۔"

دو سپاہیوں نے اس کی لاش اٹھا کر برج سے نیچے دھکیل دی۔ اور جلدی جلدی خون دھو کر صاف کر دیا۔

ریغون نے کہا۔ قدرت ہماری مدد کر رہی ہے راستہ خود بخود صاف ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اب صرف اس لشکر کا انتظار رہ گیا ہے جو شمباش کی طرف سے آج رات کو آنے والا ہے اگر ہم نے اسے بھی اپنے قابو میں کر لیا تو پھر قلعہ پر مکمل قبضہ ہو جائے گا۔ میں چاہتا

ہوں کہ قلعہ کے دروازہ پر بھی اپنے ہی سپاہی مقرر کر دوں۔

ایک افسر نے جو قریب کھڑا تھا۔ کہا۔ نہایت مناسب رائے ہے حضور کی۔

ریغون نے۔ اچھا تم پچاس سپاہی لے جاؤ اور دروازہ پر چھوڑ دو اور جو سپاہی وہاں ہیں انہیں وہاں سے ہٹا دو۔

افسر نے۔ بہت اچھا حضور۔

ریغون واپس چلا گیا۔ افسر پچاس سپاہیوں کو لے کر فصیل سے نیچے اترا اور دروازہ پر پہنچ کر سابقہ سپاہیوں کو سبکدوش کر کے انہیں وہاں تعینات کر دیا اور اس کام سے فارغ ہو کر وہ فصیل کے اوپر پہنچا اور اپنی کارگزاری کی ریغون کو اطلاع دے دی۔

ریغون نے کہا۔ "اب کچھ دیر آرام کر لو۔ عنقریب تمہاری اور سب کی خدمات کی ضرورت پیش آنے والی ہے۔

افسر نے کہا۔ "ہم جاں نثاری کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔

وہ سلام کر کے چلا گیا۔ ریغون فصیل کے اوپر گشت لگانے لگا۔



اکیسواں باب

آغاز جنگ

ہمارے ناول کا آغاز ماہ ذی الحجہ ۲۱ ہجری سے ہوا ہے۔ اور اب ہم واقعات لکھتے لکھتے ماہ صفر ۲۲ ہجری تک پہنچ گئے ہیں۔

جو واقعہ اس سے پہلے باب میں لکھا گیا وہ ماہ صفر ۲۲ ہجری کو واقع ہوا تھا۔ اسی روز جنگ قلعہ کفرتوثا میں وہ واقعہ ہوا۔ رغبان کے میدان میں عیسائیوں کے لشکر کو حرکت ہوئی۔

شہریاض نے ایک روز پہلے ہی تمام لشکر میں منادی کرا دی تھی کہ کل جنگ ہو گی۔ آفتاب طلوع ہوتے ہی آدھا لشکر میدان جنگ میں پہنچ کر صف بستہ ہو جائے۔

شہریاض کے لشکر کی تعداد دو لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اتنا بڑا لشکر کبھی ایک موقعہ پر جزیرہ میں جمع نہیں ہوا تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس قدر کثیر لشکر جمع ہوا۔

یہ لشکر چار میل چوڑے اور پانچ میل لمبے میدان میں پڑا ہوا تھا۔

شہریاض کو بخوبی معلوم تھا کہ اسلامی لشکر کل آٹھ ہزار ہے۔ اس قلیل لشکر کے مقابلہ میں تمام عیسائی لشکر کو صف بستہ کرنا شہریاض کو مناسب معلوم نہ ہوا چنانچہ اس نے صرف ایک لاکھ لشکر کو صف بستہ ہونے کا حکم دیا تھا۔

آفتاب طلوع ہوتے ہی عیسائی مسلح ہو ہو کر میدان جنگ میں پہنچنے لگے چونکہ ایک لاکھ کی تعداد بھی بہت کچھ ہوتی ہے اس لئے انہوں نے اپنی صفیں دور تک لمبی پھیلا دیں۔

سب سے آگے بارہ ہزار آہن پوش لوہے کا زرہ بکتر پہننے والے' پہلی صف میں کھڑے ہوئے۔ ان کے پیچھے ایک اور صف سواروں کی کھڑی ہوئی اور اس دوسری صف سے تقریباً ایک فرلانگ پیچھے ہٹ کر ایک تخت بچھایا گیا جس پر چاندی کا پتر چڑھا ہوا تھا اور اس تخت پر ایک سیاہ صلیب رکھی گئی۔

صلیب کے گرد مقدس انجیلیں لا کر رکھی گئیں اور تخت کے چاروں طرف سفید پوش پادری آ کھڑے ہوئے ان تمام پادریوں کے جبے بالکل سفید اور ٹخنوں تک لمبے تھے سفید ڈوروں سے کمریں کسی ہوئی تھیں او ران ڈوروں میں لمبی لمبی تسبیحیں اڑی ہوئی تھیں۔ سینوں پر سرخ رنگ کے ریشم کی صلیبیں لگی ہوئی تھیں۔ سروں پر اونچی ٹوپیاں تھیں۔ ان کی داڑھیاں لمبی سینوں کو ڈھکتی ہوئی ناف تک پہنچ گئی تھیں۔

ان سے اور کسی قدر دور ہٹ کر بقیہ لشکر صف در صف کھڑا تھا۔ ملک شہریاض اسی

لشکر میں ایک اونچے تخت پر بیٹھا تھا۔ اس کے سر پر ریشمی سائبان کھینچا ہوا تھا جس میں زر بفت کی جھالر لگی ہوئی تھی۔

آفتاب کے طلوع ہوتے ہی پادریوں نے انجیلیں اٹھا اٹھا کر نہایت شوق۔ خلوص اور انہماک سے پڑھنی شروع کیں۔

مسلمانوں نے جب عیسائیوں کو صف بستہ ہوتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی اپنے اپنے خیموں کی طرف دوڑے اور جلدی جلدی مسلح ہو ہو کر میدان جنگ میں جانے لگے۔

مسلمانوں میں سے کسی ایک کے پاس بھی پوری زرہ بکتر بھی نہ تھی ان کے پیچھے مسلم بچے چھوٹی چھوٹی کمانیں ہاتھوں میں لئے اور اپنی پشتوں پر ترکش لٹکائے خاموش کھڑے تھے۔

عیاضؓ لشکر کے درمیان میں کھڑے ہوئے ان کے ایک طرف مقدادؓ اور دوسری طرف نعمان ان کے دائیں جانب تقریباً ایک ہزار سوار چھوڑ کر حضرت عبدالرحمٰن تھے۔ اور ان کے داہنی طرف عامر اور بائیں طرف ضرار ان سے ذرا فاصلہ پر حضرت خالد مع اپنے پانچ سو سواروں کے کھڑے ہوئے۔ اسی طرح عیاض کے بائیں جانب ایک ہزار سپاہیوں کے بعد یوقنا(ان کا اصل نام عبداللہ تھا) ان کے دائیں بازو پر حمزہ اور بائیں بازو پر ہشامؓ تھا ان سے فاصلہ پر سہیلؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف کھڑے ہوئے۔

مسلمانوں کے اس مختصر لشکر نے جب اپنی صف بندی کر لی تو عیسائیوں کے لشکر میں بگل جنگ بجا۔

حضرت عیاضؓ صف سے آگے نکلے اور انہوں نے صف کے سامنے گھوڑا دوڑا کر ایک سرے سے دوسرے تک دیکھا کہ مسلمان سیدھی صف میں کھڑے ہیں یا کہیں صف ٹیڑھی ہو گئی ہے۔

مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور نماز میں صف بندی کی تعلیم قدرت ہی نے دی ہے ان میں سے ہر ایک اپنا شانہ دوسرے کے شانہ سے ملا کر کھڑا ہوتا ہے۔

اس طرح کھڑے ہونے والوں کی صف کبھی ٹیڑھی ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ مسلمانوں کی صف بالکل سیدھی تھی۔

حضرت عیاض نے بلند آواز سے کہا۔

مسلمانو! آج وہ دن آگیا ہے جس کی تم تمنا رکھتے تھے۔ یعنی جہاد کرنے کا دن۔ وہ مسلمان بڑا ہی قسمت والا ہے جو جہاد میں شریک ہو اور وہ شخص اس سے بھی زیادہ خوش قسمت ہے جو شہید ہو جائے شہادت قسمت والوں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ خدا نے اپنے کلام پاک قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ شہید مرتے نہیں ہیں۔

خدا فرماتا ہے **تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون۔** یعنی جو لوگ راہ خدا میں جہاد کرتے قتل ہو جائیں انہیں مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں اور خدا کے یہاں سے رزق پاتے ہیں۔

جو لوگ مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ جو قیامت کے روز بلا حساب و کتاب کے جنت میں جائیں گے وہ وہی شہید ہوں گے جو خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے مارے جائیں گے۔ سوچو کس قدر خوش قسمت ہوں گے وہ اور ایسا کون مسلمان ہے جو شہادت کی خواہش نہ رکھتا ہو اور اگر فتح یاب ہو کر لوٹے تو غازی ہو گے۔ غازی بھی جنت کے حقدار ہو جاتے ہیں۔

مسلمانو! اس بات کی پرواہ مت کرو کہ دشمن زیادہ ہے اور بہت زیادہ۔ تم تھوڑے ہو اور بہت تھوڑے۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ مسلمان تھوڑے اور دشمن زیادہ ہوتے ہیں اور پھر فتح مسلمانوں کی ہوئی ہے۔ یہ محض اس لئے کہ پروردگار عالم نے مسلمانوں کی اعانت کا وعدہ فرمایا ہے۔ قرآن پاک میں باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

وکان حقا علینا نصر المومنین

یعنی مومنوں کی مدد کرنا ہم پر یعنی خدا پر لازم اور ضروری ہے۔ یہ وجہ ہے جس سے مسلمان فتح پاتے ہیں۔

مسلم شیرو! خدا پر بھروسہ رکھو۔ وہ یقیناً تمہیں فتح دے گا ایک بات اور سن لو۔ اگر کوئی مسلمان لڑائی کے وقت دشمنوں سے ڈر کر بھاگتا ہے تو خدا اس سے ناخوش ہو جاتا ہے محروم رہ جائے گا۔

خداوند عالم کلام مجید میں ارشاد فرماتا ہے **فلا تولوا ھم الادبار ومن یولھم لوسط یومہ** یعنی اے مسلمانو! کافروں سے اپنی پشت نہ پھیرو اور جو کوئی ایسا کرے گا تو خدا اس سے ناخوش ہو جائے گا اور وہ دوزخ میں داخل ہو گا۔

خدا کا یہ کلام سننے کے بعد کون ایسا بدقسمت مسلمان ہو گا جو لڑائی کے وقت پشت پھیر کر بھاگ پڑے گا اور بھاگ کر دوزخ خریدے گا۔

مسلمان وہی ہے جو اس وقت تک لڑے جب تک یا تو فتح ہو جائے یا خود شہید ہو جائے۔ مسلمان کی شان ہی یہی ہے کہ وہ مر جائے۔ لیکن پشت نہ دکھائے۔

اسلام کے مایہ ناز فرزندو! صبر و استقلال سے نیچی نظریں کر کے لڑو خدا تمہیں فتح دے گا۔

اس تقریر نے مسلمانوں کے دلوں میں ایسا جوش بھر دیا۔ کہ وہ خود ہی بڑھ کر حملہ

کرنے پر تیار ہو گئے۔

لیکن چونکہ اسلامی لشکروں میں یہ قاعدہ تھا کہ جب تک سپہ سالار تین نعرے نہ لگا عام حملہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے مسلمان جوش و غضب میں بھر کر بھی اپنی اپنی جگہ کھڑے رہے۔

جس وقت عیاضؓ واپس لوٹ کر اپنی جگہ پہنچے ٹھیک اسی وقت عیسائی لشکر میں سے ایک گرانڈیل سوار نکل کر دونوں لشکروں کے درمیان میں آکھڑا ہوا۔ اور اپنے ساتھ لڑنے والے کو طلب کرنے لگا۔

اسے دیکھتے ہی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیقؓ بڑھ کر عیاض کے پاس آئے اور عیسائی سے لڑنے کی اجازت طلب کی۔

عیاض نے انہیں اجازت دے کر خلوص دل سے ان کی فتح یابی کی دعا مانگی۔

عبدالرحمٰن نے اپنا گھوڑا بڑھایا۔ دونوں لشکروں نے ابھر ابھر کر انہیں دیکھنا شروع کیا۔

چونکہ تمام مسلمان ان سے خوب واقف تھے۔ جانتے تھے کہ وہ خلیفہ اول کے صاحبزادے ہیں اس لئے سب ان کی عزت کرتے تھے اور ان سے بے حد محبت رکھتے تھے۔

چنانچہ تمام مسلمانوں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر ان کی فتح کے لئے دعا کی نہ صرف مردوں نے بلکہ عورتوں اور بچوں نے بھی۔

دعا مانگ کر سب ان کی جنگ کا تماشہ دیکھنے کے لئے ہمہ تن متوجہ ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

شیران عرب دام بلا میں

جو عیسائی لڑنے کے لئے آیا تھا وہ بڑے ڈیل ڈول کا اور بڑا لمبا تڑنگا تھا۔ نہایت بہادر اور مشہور جنگجو تھا۔ تمام ارض ربیعہ اور سارے جزیرہ میں اس کی شہرت تھی۔ عیسائی اسے شیر جزیرہ کہا کرتے تھے۔

عبدالرحمٰنؓ معمولی تن و توش کے تھے جب وہ گرانڈیل عیسائی کے سامنے پہنچے تو وہ انہیں دیکھ کر ہنسا۔ اس نے کہا۔ تم آئے ہو مجھ سے لڑنے کے لئے۔

عبدالرحمٰنؓ نے کہا۔ ہاں۔

عیسائی پہلوان نے کہا۔ واپس چلے جاؤ۔ اپنی جان گنواتے ہو۔

عبدالرحمٰنؓ:۔ جب مسلمان لڑنے کے لئے میدان جنگ میں نکل آتا ہے تو پھر واپس نہیں لوٹا کرتا۔

عیسائی:۔ بہت اچھا معلوم ہوتا ہے موت تمہاری ناک میں ہے تو میرا حملہ روکو۔

یہ کہتے ہی اس نے تلوار کھینچی اور گھوڑا بڑھا کر اپنی پوری طاقت سے حملہ کیا۔

عبدالرحمٰن نے جلدی سے ڈھال سنبھالی۔ تلوار ان کی ڈھال پر پڑی۔

عیسائی سمجھتا تھا کہ تلوار ڈھال کو کاٹ کر سر کے ٹکڑے اڑا دے گی لیکن عبدالرحمٰن نے کچھ ایسے طریقہ سے ڈھال پر وار روکا کہ ڈھال پر خط بھی نہ پڑا۔ یہ دیکھ کر عیسائی حیران رہ گیا۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی حیرت دور کی اور پھر دوسرا حملہ کیا۔

عبدالرحمٰن نے اس کا یہ حملہ بھی روک دیا۔ اور جبکہ وہ تیسرا حملہ کر رہا تھا انہوں نے بائیں ہاتھ سے ڈھال سامنے کر کے داہنے ہاتھ سے خود بھی تلوار ماری۔

عیسائی کی ساری توجہ حملہ کرنے کی طرف تھی وہ حملہ روکنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کی تلوار عبدالرحمٰن کی ڈھال پر پڑی اور کچھ حصہ ڈھال کا اڑا گئی لیکن عبدالرحمٰن کی تلوار اس کی گردن پر پڑی اور ان چاندی کی زنجیروں کو جو خود اور زرہ بکتر میں شانہ کے اوپر کان کے برابر لگی پڑی ہوئی تھی کاٹتی ہوئی تقریباً نصف گردن تک تیرتی چلی گئی۔

عیسائی گھبرا گیا۔ اس کے تمام بدن میں آگ سی لگ گئی اس نے فوراً گھوڑا لوٹایا اور جان بچانے کے لئے بھاگا۔

چونکہ زخم تازہ تھا۔ اس لئے کچھ دور دوڑا کر ہوا لگتے ہی روح کھینچنے لگی۔ خون اس کثرت سے بہنے لگا کہ اس کی زرہ بکتر اور اس کے اوپر کا ریشمیں لباس سب رنگتے جا کر سرخ ہو گئے۔

عبدالرحمٰن نے جب دیکھا کہ عیسائی زخم کھا کر بھی بھاگا جاتا ہے تو انہیں غصہ آگیا اور انہوں نے ایڑ لگا کر گھوڑا اس کے پیچھے چھوڑ دیا۔ جب وہ اس کے قریب پہنچے تو انہوں نے تلوار اٹھائی اور پوری قوت سے اس پر حملہ کیا۔

عیسائی گھوڑے پر شرابیوں کی طرح جھومتا جا رہا تھا۔ جوں ہی عبدالرحمٰن نے حملہ کیا وہ خود ہی گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ عبدالرحمٰن کا وار خالی گیا۔ وہ حیرت اور غصہ بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

عیسائی نیچے گر کر تڑپنے لگا۔ عبدالرحمٰن گھوڑے سے کودے اور خنجر کھینچ کر اس کی طرف بڑھے۔ اس نے حیرت بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔ اس کے لب کھلے وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کی آواز نہ نکل سکی اور اس عرصہ میں خنجر اس کے سینہ میں اتر گیا۔ وہ نہایت زور سے اچھلا۔ تڑپا۔ اور پھر اکٹھا ہو کر گٹھری کی صورت میں ہو گیا۔

عبدالرحمٰن نے نہایت اطمینان سے اس کا چاندی کا خود اور لوہے کی زرہ بکتر اتاری۔

اس کی تلوار اور ڈھال لی اور اس کا گھوڑا جو خوف و دہشت سے کھڑا کانپ رہا تھا پکڑا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے لشکر کی طرف چل پڑے۔

جب وہ لشکر قریب پہنچے تو تمام مسلمانوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا۔

ابھی اس نعرہ کی آواز فضا میں گونج رہی تھی کہ ایک اور عیسائی غصہ سے بل کھاتا۔ دانت پیستا گھوڑا دوڑا کر مردہ عیسائی کے پاس آکھڑا ہوا۔ اور لڑنے والے کو طلب کرنے لگا۔

اب حضرت ضرار بڑھ کر حضرت عیاض کے پاس اجازت طلب کرنے کے لئے آئے۔

انہیں بھی اجازت دے دی گئی۔ وہ میدان جنگ کی طرف چلے۔ عجیب شان سے چلے۔ صرف ایک تہ بند باندھے ہوئے تھے۔ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے۔ داہنے ہاتھ میں نیزہ تھا۔

چونکہ آپ روزے کثرت سے رکھتے تھے۔ یوں بھی چھریرے بدن کے تھے۔ اس لئے آپ کی ایک ایک پسلی ظاہر ہو رہی تھی۔

جب وہ عیسائی کے پاس پہنچے اور اس نے انہیں دیکھا تو نفرت و حقارت سے بولا۔ جاؤ۔ سوکھے آدمی واپس جاؤ۔ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔

ضرارؓ نے نہایت اطمینان سے کہا۔ کیوں کیا تم ڈر گئے ہو۔

عیسائی کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے جلدی سے تلوار نکال کر حملہ کیا۔ ضرارؓ نے نیزہ پر تلوار کو روک کر پیچھے ہٹ کر نیزہ کو چرخ دے کر حملہ کیا انہوں نے کچھ ایسی تیزی سے نیزہ کو چکر دیا کہ عیسائی کی آنکھیں جھپک گئیں۔

انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر حملہ کیا۔ نیزہ عیسائی کے سینہ میں پیوست ہو گیا۔ جب انہوں نے نیزہ کھینچا تو عیسائی بھی ساتھ جھکتا چلا آیا اور ایک خوفناک چیخ مار کر گھوڑے سے نیچے گر کر تڑپنے لگے۔

ضرار بھی فوراً گھوڑے سے کودے اور خنجر لے کر اس کے سینہ پر جا چڑھے ایک ہی وار میں خنجر سینہ کے پار ہو گیا۔

انہوں نے بھی اس کا خود۔ زرہ بکتر۔ ہتھیار اور گھوڑا لیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چلے اور اپنے لشکر میں پہنچ گئے۔

عیسائیوں کو اپنے دو بہادر اور مشہور جنگجو دلیروں کے مارے جانے سے بڑا جوش اور غصہ آیا۔ شہواش بھی یہ تمام واقعات دیکھ رہا تھا اسے بھی طراوہ آگیا۔ اس نے تمام لشکر کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔

نقاروں پر چوب پڑی۔ فضا تھرا گئی۔ میدان جنگ زیر و زبر ہونے لگا۔

بارہ ہزار آہن پوش عیسائی مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے لئے بڑھے مسلمانوں کی صف کو بھی حرکت ہوئی۔ انہوں نے بھی پیش قدمی شروع کی۔ دونوں فریق جوش میں تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو غصہ بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

بڑھتے بڑھتے جب دونوں قریب پہنچ گئے تو تلواریں میانوں میں سے کھنچ آئیں صاف و شفاف تلواریں بلند ہو ہو کر آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے جگمگانے لگیں۔

ان کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرنے لگیں۔

حضرت عیاض نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تمام سرداروں نے اس نعرہ کی تکرار کی۔ مسلمان مستعد ہو گئے۔ پھر دوسرا نعرہ لگایا۔ اور پھر تیسرا بلند ہوا اس تیسرے نعرہ کی تکرار تمام مسلمانوں نے کی۔

اس پر شور نعرہ سے تمام میدان ہل گیا۔ عیسائی بھی چونک پڑے ان کے گھوڑے بھڑکنے لگے۔

عیسائیوں نے ہر محاذ پر ہر طرف حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی جوابی حملے شروع کر دیئے۔

جنگ شروع ہو گئی۔ شوروغل بلند ہونے لگا۔ تلواریں جلد جلد اٹھنے اور انسانوں میں ڈوبنے لگیں۔ جہاں سے جہاں تک نظر جاتی تھی تلواریں کھنچی ہوئی نظر آتی تھیں۔

اگرچہ مسلمان بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے لیکن عیسائی غرق آہن تھے سر سے پیر تک لوہے کا لباس پہنے ہوئے تھے ان کے اوپر مسلمانوں کی تلواریں اثر ہی نہ کرتی تھیں۔

ہر مسلمان اپنے مقابل والے سے جنگ کرنے میں مصروف تھا۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی لیکن یہ ہر شخص خیال رکھے ہوئے تھا کہ کوئی عیسائی اس کے برابر سے پشت کی طرف نہ نکل جائے۔

عیسائی بھی بڑے جوش سے حملے کر رہے تھے۔ لیکن ان کے حملے بھی بیکار ہی ثابت ہو رہے تھے۔ ایک مسلمان بھی اب تک نہ مرا تھا۔

اس وقت آفتاب ایک تہائی حصل طے کر کے سرفروشوں کے سر پر پہنچ گیا تھا۔ دھوپ ہر طرف ہر جگہ اچھی طرح پھیل گئی تھی اور اس کی تیزی سے لوگوں کے جسم گرم ہو گئے تھے۔

یوں تو ہر مسلمان ہی نہایت دلیری اور جوش سے لڑ رہا تھا لیکن ضرارؓ۔ عبدالرحمٰنؓ۔

مقدادؓ۔ نعمانؓ۔ علیؓ۔ عامرؓ۔ ہشامؓ۔ خالدؓ اور خود عیاضؓ انتہائی جوش اور انتہائی دلیری سے لڑ رہے تھے۔

وہ پوری قوت سے حملہ کرتے تھے اور جب ان کی تلواریں زرہ بکتروں پر پڑ کر اچٹ آتی تھیں تو انہیں بڑا غصہ آتا تھا اور وہ پھر جوش میں آکر حملہ کرتے تھے۔

لیکن کسی کے حملہ کا بھی اس وقت تک کوئی نتیجہ نہیں ہوا تھا کہ وہ ایک عیسائی کو بھی قتل نہیں کر سکتے تھے۔

ضرارؓ ننگے بدن لڑائی میں مصروف تھے۔ بڑی چالاکی سے دشمنوں کے وار روکتے تھے اور نہایت دلیری سے اپنا حملہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ جب کہ وہ ایک اور عیسائی کی طرف متوجہ تھے دوسرے عیسائی نے ان پر وار کیا۔ دھوپ میں سایہ پڑنے کی وجہ سے وہ جلدی سے خبردار ہو گئے اور انہوں نے پلٹ کر اس کا وار روکا۔ لیکن روکتے روکتے بھی اس کی تلوار ان کے شانہ سے چھو گئی اور خفیف سا زخم لگ گیا۔

اگرچہ ان کے زخم سے خون نہیں نکلا لیکن اس معمولی زخم نے ان کی رگ شجاعت کو بھڑکا دیا۔ انہوں نے جوش میں آکر نیزہ گھوڑے کے پہلو میں گھونپ دیا۔

زخمی گھوڑا ایک دم اچھلا۔ کھڑا ہوا گر پڑا۔ اس کے گرنے سے اس کا سوار اس کے نیچے دب گیا۔

ضرار نے اس عرصہ میں دوسرے گھوڑے کو زخمی کر کے گرا دیا۔ اس کا سوار بھی دب گیا۔

مسلمانوں نے ضرار کی یہ کاروائی دیکھی انہیں عیسائیوں کو ہٹانے گرانے اور بھگانے کا ایک ذریعہ یا طریقہ ہاتھ لگ گیا۔

اب ہر مسلمان نے گھوڑوں کو زخمی کرنا شروع کر دیا۔ اس سے گھوڑوں پر ہراس طاری ہو گیا اور وہ باوجود سواروں کے قابو میں رکھنے کے بے قابو ہو گئے اور ڈر کر گھبرا کر پیچھے لوٹ پڑے ان کے لوٹتے ہی مسلمانوں نے بڑے جوش سے ان پر حملے کر دیے اس کاروائی سے عیسائیوں میں ابتری پڑ گئی۔ ان کی صف قائم نہ رہ سکی اور ان کے سوار پشت دے کر پیچھے ہٹے۔

مسلمانوں نے بڑھ کر حملہ کیا وہ تیزی سے بھاگے۔ مسلمان ان کے تعاقب میں چلے اور انہوں نے بھاگتے ہوئے عیسائیوں کی اچھی خاصی تعداد قتل کر ڈالی۔

حضرت خالدؓ جوش و غضب میں بھرے ہوئے حملے کرتے بڑھتے چلے جا رہے تھے انہوں نے دسیوں عیسائیوں کو قتل کر ڈالا تھا اور آہن پوش عیسائیوں سے گزر کر دوسری صف پر حملہ کر دیا تھا۔

ان کے ساتھ تقریباً سو سوار ان کے ہمراہ مارتے کاٹتے بڑھتے چلے جا رہے تھے انہوں نے عیسائیوں کا ایک بازو توڑ کر ان کی کافی تعداد قتل کر ڈالی تھی۔

بائیں جانب سے یوقنا (عبداللہؓ) مغیرہؓ اور ہشامؓ نے ایسا سخت حملہ کیا کہ عیسائیوں کی اگلی صف کو الٹ کر پچھلی صف میں ملا دیا۔

اس طرح عیسائیوں کے دونوں بازو ٹوٹ گئے اور ان کی کثیر تعداد موت کے گھاٹ اتر گئی۔

آہن پوشوں کی صف تو قریب قریب ساری درہم و برہم ہو گئی اور دوسری صف کے بھی بہت سے آدمی مار ڈالے گئے۔

اب جنگ نہایت زور شور سے ہو رہی تھی۔ ہر مسلمان بڑے جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔ عیسائی بھی غیظ و غضب میں بھرے ہوئے لڑ رہے تھے تلواریں جلد جلد اٹھ اٹھ کر چمک رہی تھیں۔ سروں۔ ہاتھوں۔ پیروں اور دھڑوں کے انبار لگتے جا رہے تھے۔

شور و غل اس قدر بلند ہو رہا تھا کہ کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ زخمی چیخ رہے تھے۔ لڑنے والے نعرے لگا رہے تھے دور کھڑے ہوئے لڑنے والوں کو چلا چلا کر لڑائی پر برانگیختہ کر رہے تھے ان مختلف آوازوں سے سارا میدان گونج رہا تھا۔ نہایت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔

خالدؓ نے دوسری صف کو بھی توڑ دیا تھا۔ جو عیسائی بھی ان کے سامنے آیا انہوں نے اسے قتل کر ڈالا۔ جب وہ دوسری صف کے پار پہنچے تب انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا انہیں ایک تخت پر صلیب رکھی اور تخت کے گرد پادری کھڑے نظر آئے۔ وہ سمجھ گئے کہ عیسائی صلیب کی پرستش کر رہے ہیں انہیں صلیب پرستی کا یہ منظر دیکھ کر جوش آ گیا۔ وہ صلیب کو اپنے قابو میں کرنے کے لئے بڑھے۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ دو صفوں کے بعد تقریباً ایک فرلانگ میدان چھوڑ دیا گیا تھا۔

خالدؓ اور ان کے ہمراہی اس [illegible] ن کو طے کرنے لگے انہوں نے جلدی میں یہ نہیں دیکھا کہ اس میدان میں کچھ عیسائی [illegible] گڑھے پڑے ہیں۔

ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئے [illegible] ن کا گھوڑا جھکا۔ انہوں نے باگ سنبھالی لیکن گھوڑا نہ سنبھلا بلکہ گر پڑا۔ وہ بھی [illegible] گئے جب وہ زمین پر گرے تو ان کے کوئی چیز چبھ گئی

انہوں نے زمین پر دیکھا تو ہر طرف لوہے کے بنے ہوئے خاردار گوکھرو بکھرے پڑے تھے۔

عیسائیوں نے اس تمام میدان میں گوکھرو اس لئے بکھیر دیئے تھے یہ گوکھرو گھوڑوں کے سموں کو توڑ گئے گھوڑے زخمی ہو کر گر پڑے۔ سواروں نے گر کر اٹھنا چاہا تھا کہ ان پر عیسائی آپڑے اور قبل اس کے وہ اٹھیں ان کے سر و پہنچے۔ بازو اور ہاتھ ریشمیں کمندوں میں جکڑے گئے۔

وہ عیسائی جو اس میدان میں پھیلے ہوئے تھے لوہے کے جوتے پہنے ہوئے تھے اور اس طرح سنبھل سنبھل کر چل رہے تھے کہ انہیں گوکھرو نقصان نہ پہنچا سکے۔

خالدؓ اور ان کے ساتھ اور بہت سے مسلمان گرفتار کر لئے گئے۔

مسلمانوں کا ایک گروہ اس طرف جا پہنچا۔ مگر خیریت ہوئی کہ انہوں نے دور ہی سے گوکھروں کو دیکھ لیا اور وہ اس میدان کے کنارے پر ہی کھڑے ہو کر آگے بڑھنے کی تجویز سوچنے لگے۔

اس عرصہ میں مسلمانوں نے یلغار کر کے ان دونوں صفوں کا خاتمہ کر دیا جو ان کے سامنے تھی۔

اب عیاض اور دوسرے تمام مسلمانوں نے خالدؓ اور ان کے ساتھیوں کو کمندوں میں جکڑے ہوئے دیکھا۔ وہ تڑپ گئے۔ انہوں نے بڑھنا چاہا لیکن گوکھروں کو دیکھ کر وہ بھی ٹھٹک کر رہ گئے۔

جن عیسائیوں نے مسلمانوں کو گرفتار کیا تھا وہ انہیں کھینچتے ہوئے اپنے لشکر کی طرف لے چلے۔

ان اسیر مسلمانوں کو گوکھروں پر چلنے سے بڑی تکلیف ہوئی لیکن مجبور تھے اور مجبوراً چلے جا رہے تھے۔

اب آفتاب ڈھل کر مغرب کی طرف جھک گیا تھا بہت تھوڑا دن باقی رہ گیا تھا اس وقت کوئی تدبیر خالد اور ان کے ساتھیوں کو رہا کرانے کی نہ کی جا سکتی تھی۔ اس لئے مسلمان افسردہ خاطر واپس لوٹے اور اپنی لشکر گاہ میں داخل ہو گئے۔

ایک اور فتح

ریغون نے تعداد کو ایسے وقت اور اس طرح قتل کیا کہ اس کی اطلاع کفرتوثا والوں میں سے کسی کو بھی نہ ہوئی۔

ریغون کے آنے سے پہلے ملک شہراض نے ایک قاصد بھیجا تھا اور اس کے ذریعہ یہ لکھلا دیا تھا کہ بس شخص کو ہم روانہ کر رہے ہیں قلعہ کا انتظام وہی کرے گا۔

کفرتوثا والوں نے ریغون کو شہراض کا فرستادہ سمجھ کر قلعہ کا انتظام اس کے سپرد کر دیا اور خود گھروں میں جا بیٹھے۔

جب رات ہو گئی تو ریغون کھانا کھا کر فصیل پر اس طرف چہل قدمی کرنے لگا جس طرف رغبان کے آنے کا راستہ تھا۔ اسے معلوم تھا کہ شہراض کا بھیجا ہوا لشکر آج رات کو کسی نہ کسی وقت ضرور آئے گا وہ چاہتا تھا کہ اس لشکر پر بھی قبضہ کر لے۔

جن لوگوں کے دماغوں میں یہ خبط یا جنون ہے کہ وہ اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلا سمجھتے ہیں وہ بتائیں کہ ریغون کے سر پر کون سی تلوار لٹک رہی تھی۔ کس نے اور کس وقت اور کس طرح اسے مجبور کیا کہ وہ مسلمان ہو جائے ورنہ قتل کر ڈالا جائے گا۔ فتوح عرب اور فتوح العجم جیسی مستند تاریخوں میں یہ تمام فسانہ یا واقعہ بالکل اس طرح مرقوم ہے جس طرح ہم نے لکھا ہے۔ جو اصحاب چاہیں تاریخیں منگا کر ان واقعات کو دیکھ لیں یہ صدیوں کی لکھی ہوئی نہایت پرانی تاریخیں ہیں۔

ظاہر ہے کہ ریغون خود مسلمان ہوا۔ خود اس نے اپنے آدمیوں کو مسلمان کیا اور خود ہی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت بلا کسی لالچ اور خوف کے کرنے لگا۔

بات یہ ہے کہ دنیا اس بات کو خوب جانتی ہے کہ صداقت اور توحید صرف اسلام ہی میں ہے۔ اسلام ہی فطرت کے عین مطابق مذہب ہے اسی لئے عالمگیر ہوتا جاتا ہے۔

جو شخص بھی اسلام کی تعلیم پر غور کرتا ہے۔ اسلامی کتابیں پڑھتا ہے قرآن شریف کا مطالعہ کرتا ہے خود بخود مسلمان ہو جاتا ہے۔

اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو چھوت چھات کی لعنت سے مبرا ہے جس میں ادنیٰ و اعلیٰ سب برابر ہیں۔ غلام اور آقا کی ایک حیثیت ہے ایک جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں ایک جگہ بیٹھ کر کھاتے ہیں دنیا بھر کے مسلمان ایک ہی مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں کسی کو کوئی روک نہیں سکتا۔

یہ نہیں کہ عیسائیوں کی طرح یورپ والوں کے گرجے الگ ہیں اور مشرق والوں کے الگ۔ رومن کیتھولک کے الگ ہیں اور پروٹسٹنٹ کے الگ کیا مجال جو ایشیا والا یورپ والوں کے گرجے میں قدم بھی رکھ سکے۔

یا ہندو مذہب میں یہ قانون ہے کہ اگر مقدس وید کے منتر کسی شودر کے کانوں میں پڑ جائیں تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر بھر دو (از منو سمرتی)۔

کیا ایسے مذہب خدائی مذہب ہو سکتے ہیں جو اپنے پیروؤں میں تفریق روا رکھیں۔ کالے

ایک معمولی عقل رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایسے مذہب خدائی مذہب ہرگز نہیں ہو سکتے۔

جس طرح خدا ایک ہے۔ اس کا مذہب ایک ہے اسی طرح مذہب کے جاننے والے ایک ہیں۔

دنیا میں ایسا مذہب صرف اسلام ہی ہے جو ایک خدا کی عبادت کا حکم دیتا ہے برائیوں سے منع کرتا ہے۔ پرہیزگاری کا حکم دیتا ہے جو ظلم و ستم کو برا بتاتا ہے۔ ہمدردی کی تلقین کرتا ہے۔

اس لئے یرغون نے اسلام کو پسند کر کے اسے قبول کر لیا اور اب اسلام کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

ابھی اسے فصیل پر کھڑے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اس نے گھوڑوں کی سموں کی آواز سنی۔

وہ ایک ہزار سپاہیوں کو لے کر فصیل سے نیچے اترا اور دروازہ پر جا کھڑا ہوا۔

اس کے پہنچتے ہی کسی نے دروازہ باہر کی طرف سے کھٹکھٹا دیا۔ اس نے کھڑکی کھول کر دریافت کیا۔ تم کون ہو۔

کسی نے کہا۔ میں اس لشکر کا افسر ہوں جو اس قلعہ کی حفاظت کے لئے بھیجا گیا ہے۔

یرغون:۔ کس نے بھیجا ہے آپ کو...... معاف کرنا کہ میں ایسا سوال کر رہا ہوں۔

وہی شخص:۔ مجھے ملک شہرباض نے بھیجا ہے۔

یرغون:۔ اچھا میں سمجھ گیا۔ آپ قلعہ کے اندر آنا چاہتے ہیں۔

وہی شخص:۔ جی ہاں۔ میرے سپرد قلعہ کی حفاظت کی گئی ہے۔

یرغون:۔ بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں۔ آپ ہمیں ملک شہرباض نے پہلے ہی مطلع کر دیا ہے۔ لیکن اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو ایک بات عرض کروں۔

وہی شخص:۔ کیا۔

یرغون:۔ آپ جانتے ہیں کہ جنگ کا زمانہ ہے۔ آپ نے یوقنا کا نام سنا ہو گا یا شاید آپ اسے جانتے بھی ہوں۔

یرغون:۔ جب آپ اسے جانتے ہیں تو یہ بات بھی جانتے ہوں گے کہ وہ بڑا مکار ہے۔

وہی شخص:۔ میں نے اس کے تمام حالات سن رکھے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس بدبخت نے دھوکہ سے اعزاز اور قرقیسا وغیرہ کے قلعے فتح کرا دیے ہیں۔

یرغون:۔ یہی بات ہے چونکہ ہمیں شبہ ہے اور اندیشہ ہے کہ آپ کی جماعت کے ساتھ کہیں وہ بھی نہ ہو تو اس لئے ہم تمہیں سب کو ایک ساتھ قلعے کے اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

وہی شخص:۔ اور کیسے اجازت دے سکتے ہیں۔

یرغون:۔ ہم تھوڑا سا پھاٹک کھولے دیتے ہیں۔ پہلے آپ آجایئے۔ اور پھر آپ کا ایک ایک سپاہی آتا رہے اور آپ اسے شناخت کراتے رہیں۔ اس طرح یوقنا اور اس کے ساتھیوں کے قلعہ میں داخل ہو جانے کا اندیشہ نہیں رہے گا۔

وہی شخص:۔ نہایت مناسب تدبیر ہے آپ کی۔ اچھا آپ پھاٹک کھلوائیں۔ پہلے میں آتا ہوں اور پھر ایک ایک سپاہی آتا رہے گا میں سپاہیوں کو ہدایت کئے دیتا ہوں۔

یرغون:۔ ہاں ہدایت کر دیجئے۔ میں پھاٹک کھلواتا ہوں۔

یرغون نے کھڑکی بند کر دی اور دروازہ سے نکل کر اپنے سپاہیوں کے پاس آیا۔ سپاہی اسے دیکھ کر مؤدب کھڑے ہو گئے۔ اس نے کہا دیکھو شہرباض کا بھیجا ہوا لشکر آیا ہے۔ میں اسے گرفتار کرنا چاہتا ہوں اور اس کی گرفتاری کی میں نے یہ تدبیر کی ہے کہ ان کا ایک ایک سپاہی یہاں آئے تم اسے فوراً گرفتار کر کے یہاں سے دور لے جاؤ تاکہ اگر وہ چلاتا یا غل مچا کر اپنے ساتھیوں کو خبردار کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔

ایک افسر نے کہا۔ آپ اطمینان رکھئے ایسا ہی ہو گا۔

یرغون:۔ سب سے پہلے ان کا افسر آئے گا۔

افسر:۔ یہ اور بھی اچھا ہے۔

اب یرغون واپس لوٹ کر پھاٹک کے پاس پہنچا اور اس نے پھاٹک کھولنے کا حکم دیا۔

قلعہ کا دروازہ نہایت عالیشان اور بلند تھا۔ اس پر بڑے موٹے اور لمبے چوڑے کواڑ چڑھے ہوئے تھے ایک دو آدمی تو ان کواڑوں کو دھکیل کر کھول بھی نہیں سکتے تھے۔

چنانچہ تالا کھول کر موٹی موٹی زنجیریں علیحدہ کر کے لوہے کی سلاخیں نکال کر دس بارہ آدمیوں نے زور کر کے ایک پٹ تھوڑا سا کھولا۔ صرف اتنا کہ اس میں سے ایک سوار آ سکے۔

یرغون نے بڑھ کر کہا۔ ہاں صاحب آپ آ جایئے۔

یرغون نے ایک سوار کو بڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔ سوار اندر داخل ہوا۔ یرغون نے کہا۔ آگے تشریف لے چلئے میرے سپاہی آپ کو شناخت کریں گے۔

یہ اس لشکر کا افسر تھا جو شہرباض نے بھیجا تھا وہ بے دھڑک بڑھا۔ جب دروازہ کے

دوسری طرف پہنچا تو اسے چاروں طرف سے رغون کے سپاہیوں نے گھیر لیا اور شمع اس کے منہ کے سامنے کر کے بغور اسے بڑے غور و خوض سے دیکھنا شروع کیا۔

جب دیکھا وہ قاتل ہو گیا۔ فوراً کئی سپاہی اسے لپٹ گئے انہوں نے اسے گھوڑے سے کھینچ کر نیچے اتار لیا اور جلدی جلدی مشکیں کس کر گرفتار کر لیا۔

افسر کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس کے ساتھ کیا حرکت کر رہے ہیں وہ ہکا بکا ہو کر دیکھتا رہا۔

سپاہیوں نے اسے گرفتار کر کے سب سے قریب والے برج میں قید کر دیا۔

اس کے بعد ایک سپاہی آیا اور اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ وہ بھی افسر کے پاس قید کر دیا گیا۔

غرض اس طرح سے ایک ایک کر کے تمام سوار گرفتار کر لئے گئے اس لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی۔ یہ ایک ہزار سوار اور ان کا افسر سب ایک ایک کر کے گرفتار کر لئے گئے اور انہیں برج میں قید کر دیا گیا۔

اس کام میں بہت وقت صرف ہو گیا۔ جب اس سے فراغت ہو گئی تو انہوں نے پھاٹک بند کیا۔ سلاخیں لگائیں۔ زنجیریں چڑھائیں اور تالے ڈال دیئے۔

اب رغون نے اطمینان کا سانس لیا اور اس نے سپاہیوں کو آرام کرنے کا حکم دیا خود بھی اپنے جائے قیام پر آرام کرنے کے لئے چلا گیا۔

صبح سویرے اٹھ کر اس نے تین شخصوں کو اذان دینے کے لئے کہا تینوں نے مل کر نہایت بلند آواز سے اذان دی۔

کفرتوثا کے عیسائیوں نے حیرت سے اذان کی آواز کو سنا اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ لیکن کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ تحقیق حال کے لئے رغون کے پاس آتا انہیں شبہ ہو گیا کہ یا تو رغون مسلمان ہو گیا ہے اور یا دھوکے سے مسلمان قلعہ کے اندر داخل ہو گئے ہیں۔

اذان کے بعد ان لوگوں نے جماعت سے نماز پڑھی۔ کیونکہ آج سے پہلے وہ افشاء راز کے خوف سے نماز پڑھنے کی جرات نہ کر سکتے تھے۔

نماز پڑھتے ہی وہ اپنے تمام لشکر کو لے کر شہر میں جو قلعہ کے اندر تھا گیا اور اس نے بیچ شہر کے کھڑے ہو کر اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا۔ اس کے تمام ساتھیوں نے اس نعرہ کی تکرار کی۔

نعرہ کی آواز سے تمام شہر اور سارا قلعہ گونج اٹھا عیسائی ڈر گئے عورتیں کانپ گئیں۔ بچے لرز گئے۔

رغون نے منادی کرا دی کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور خدا نے میرے ذریعہ سے اس قلعہ کو فتح کرا دیا ہے کوئی شخص شہر سے باہر نہ نکلے ورنہ قتل کر ڈالا جائے گا۔ البتہ جو مسلمان ہونا چاہے وہ ہمارے پاس آنے کے لئے باہر نکل سکتا ہے مگر اسے چاہئے کہ وہ سب سے قریب کے پہرہ والوں کے پاس چلا جائے اور وہ اسے بحفاظت ہمارے پاس پہنچا دیں گے۔

اس منادی کو سن کر تمام عیسائی ڈر گئے۔ وہ جلدی سے گھروں میں جا گھسے اور دلوں سے اپنی زندگیوں کی دعا مانگنے لگے۔

دوپہر کے قریب رغون نے شہر کے تمام رئیسوں امیروں اور حکومت کے کارکنوں۔ فوجی افسروں اور شرفاء کے جاسوسوں کو گرفتار کر کے مع ان ایک ہزار قیدیوں کے جو گزشتہ رات کو قلعہ کی حفاظت کرنے کے لئے آئے تھے۔ رطبان میں حضرت عیاض کے پاس اپنے سواروں کی حراست میں بھیج دیا اور ایک خط میں تمام واقعات لکھ کر ایک افسر کو دے کر ہدایت کر دی کہ وہ اس خط کو مسلمانوں کے امیر کو دے دے۔ ساتھ ہی قلعہ میں سے جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا تھا وہ بھی بھیج دیا۔

جب قیدی وغیرہ جا چکے۔ تب اس نے پھر منادی کرائی کہ اب ہر شخص کو امان ہے۔ سب کاروبار شروع کر دیں۔ اب کسی سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے گا۔

اس منادی کو سنتے ہی لوگوں کی جان میں جان آئی وہ گھروں سے نکلے اور کاروبار میں مشغول ہو گئے۔

اس طرح سے کفرتوثا کا قلعہ رغون کے ہاتھ سے فتح ہوا۔



بائیسواں باب

رہائی کی تدبیر

یوں تو حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھیوں کے گرفتار ہو جانے کا ملال سارے ہی مسلمانوں کو تھا۔ مگر سب سے زیادہ رنج حضرت عیاضؓ کو تھا وہ نہایت ہی بے چین اور بہت زیادہ بے کل تھا۔

اگر رات نہ ہو جاتی تو وہ شاید ان کی رہائی کے لئے پوری جدوجہد کرتے مگر رات ہو جانے کی وجہ سے کوئی بھی کوشش نہ کر سکے۔

البتہ انہوں نے کیمپ میں پہنچتے ہی چند جاسوسوں کو عیسائیوں کے لشکر میں یہ معلوم کرنے کے لئے بھیج دیا تھا کہ حضرت خالدؓ کے ساتھ انہوں نے کیا سلوک کیا ہے اور وہ کہاں قید کئے گئے ہیں۔

اگرچہ آج کی جنگ میں عیسائی تقریباً اٹھارہ ہزار مارے گئے تھے اور مسلمان صرف ڈیڑھ سو ہی شہید ہوئے تھے۔ پلہ مسلمانوں ہی کا بھاری رہا تھا۔ مگر حضرت خالدؓ وغیرہ کی گرفتاری سے ہر مسلمان افسردہ خاطر اور ملول و محزون ہو گیا تھا۔ عورتوں اور بچوں پر بھی افسردگی چھا گئی تھی۔

مسلمانوں نے واپس لوٹ کر سب سے پہلے وضو کیا۔ نماز پڑھی اور پھر زخمیوں کی مرہم پٹی کر کے کھانا پکانے اور کھانے کا انتظام کرنے لگے۔

جب تمام کاموں سے فارغ ہو گئے۔ تب حضرت عیاضؓ نے یوقنا ضرارؓ۔ عبدالرحمنؓ۔ مقدادؓ اور چند اور سربر آوردہ لوگوں کو مشورہ کرنے کے لئے بلایا۔

یہ سب لوگ فوراً ہی آ گئے۔ حضرت عیاضؓ نے کہا۔ اگرچہ آج کی جنگ میں ہم ہی کامیاب کہلائے جا سکتے ہیں۔ لیکن حضرت خالدؓ اور ان کے ہمراہیوں کی گرفتاری نے ہماری کامیابی کو ناکامیابی میں بدل دیا ہے۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ میرے علم کے بغیر۔ میری دوری میں وہ اسیر ہو گئے۔

ضرار نے کہا۔ ہم خدا کی حکمتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت ہم سب ملول و محزون ہیں۔ خالدؓ کی گرفتاری ہماری بہبودی کا باعث نہ ہو اور ہمارا غم خوشی سے بدل جائے۔ ہمیں راضی برضا رہنا چاہئے۔

عیاضؓ:۔ انسان اس قدر بے بس اور لاچار ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا ہے۔ خدا کی مرضی پوری ہوتی ہے۔ انسان کی مرضی کبھی پوری نہیں ہوا کرتی۔ لیکن یہ بالکل سچ ہے کہ خدا کا ہر کام حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ چونکہ ہمیں آئندہ کا کوئی علم نہیں دیا گیا ہے اس لئے ہم اس کی حکمتیں سمجھنے سے قاصر ہیں۔

یوقنا:۔ جب ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ جو ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے بہتر کرتا ہے پھر ہم کیوں غمگین ہوں کیوں رنج کریں۔ سمجھ لیں کہ جو خدا کو منظور تھا ہوا اور جو کچھ ہوا وہ اچھا ہوا۔

عیاضؓ:۔ بالکل سچ کہا تم نے۔ مجھے اگر اندیشہ ہے تو یہ کہ کہیں شمیاطس انہیں اور ان کے ساتھیوں کو شہید نہ کرا دے۔

یوقنا:۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ جوش انتقام میں انہیں شہید کرا دے مگر ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔

عیاض نے جوش میں آ کر کہا۔ ہم مسلمانوں کو شہید ہونے سے تو نہیں روک سکتے مگر ان کا انتقام لے سکتے ہیں۔

یوقنا:۔ ہاں ہم انتقام لینے کی کوشش کر سکتے ہیں اور یہ ہم کریں گے۔

ضرارؓ:۔ جب ہمیں انتقام لینا ہی ہے تو کیوں نہ آج شب ہی کو چھاپہ ماریں۔

مقدادؓ:۔ چاہتا تو میں بھی یہی ہوں۔ مگر اس طرح دل کے حوصلے نہ نکلیں گے۔

عبدالرحمنؓ:۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ جنگ بند ہی نہ کی جاتی اگر ہم برابر لڑتے رہتے تو یا تو انہیں چھڑا لیتے۔ عیسائیوں کو شکست دے دیتے اور یا خود شہید ہو جاتے۔

عیاضؓ:۔ لیکن حکم یہ ہے کہ کوئی انسان اپنی طاقت سے زیادہ کام نہ کرے۔ مسلمان سارے دن لڑنے کی وجہ سے تھک گئے تھے۔ رات کو لڑنا ان کی طاقت سے باہر تھا۔ اگرچہ یہ ضرور ہے کہ جنگ بند نہ کی جاتی تو وہ برابر لڑتے۔ لیکن کم اس جوش و خروش سے نہیں جس سے وہ دن میں لڑے تھے۔

ضرارؓ:۔ یہ سچ ہے۔ سارے دن لڑنے کی وجہ سے مسلمانوں کے کس بل نکل چکے تھے۔

یوقنا:۔ میرے خیال میں شبخون کی تدبیر مناسب ہے ممکن ہے کہ ہم شبخون کر کر مسلمانوں کو رہا کرا لیں۔

عیاضؓ:۔ میں بھی اس تدبیر کو پسند کرتا ہوں۔ لیکن پھر وہی سوال رہ جاتا ہے کہ جب مسلمان تھک گئے ہیں تو شبخون میں کیسے شرکت کریں گے۔

عبدالرحمنؓ:۔ تمام مسلمانوں کو تو آرام کرنے دیجئے۔ خاص خاص دو سو ڈھائی سو مسلمانوں کو منتخب کر لیجئے۔

ضرارؓ:۔ اگر آپ حکم دیں تو میں اپنے دستہ کو لے جا کر شبخون مار سکتا ہوں۔

یوقنا:۔ میرے خیال میں آپ سب آرام کریں اور مجھے اجازت دیں۔

عبدالرحمن:۔ لیکن یہ تجویز میری ہے۔ اجازت مجھے ملنی چاہیے۔

مقداد:۔ اور گویا میں ڈرپوک اور آرام طلب ہوں۔ آپ ہی کیوں جائیں۔ میں کیوں نہ جاؤں۔

عیاض:۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سب تیار ہیں اچھا.........

ابھی ان کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ ایک جاسوس نے آکر سلام کیا۔ عیاض نے اس سے دریافت کیا کہ کوئی خبر ہے۔

جاسوس نے جواب دیا۔ عیسائیوں کو یہ اندیشہ تھا کہ مسلمان رات کو شبخون کریں گے اس لئے انہوں نے مسلمان قیدیوں کو راس العین کے قلعہ کی طرف کچھ لشکر کی حراست میں بھیج دیا ہے اور اپنے ایک تہائی لشکر کو شب بیدار رہنے اور حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔

عیاض:۔ معلوم ہوتا ہے کہ شمراخ تجربہ کار بادشاہ ہے اب شبخون مارنا تو لاحاصل ہے۔

عبدالرحمن:۔ بیشک۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے دستہ کو لے کر ان کا تعاقب کروں اور اگر خدا میری مدد کرے تو انھیں چھڑا لاؤں۔

جاسوس:۔ یہ ناممکن ہے۔

سارے مسلمان جاسوس کی طرف دیکھنے لگے۔ حضرت عیاضؓ نے دریافت کیا۔

"کیوں"

جاسوس۔ اس لئے کہ قیدی دن چھپتے ہی روانہ کر دیے گئے تھے اور انہیں تیزی سے چلنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس لئے وہ بہت دور نکل گئے ہوں گے۔

عیاض:۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ اب آدھی رات آگئی ہے اب تو وہ راس العین کے قریب پہنچ گئے ہوں گے۔

جاسوس:۔ جی ہاں۔ راس العین۔ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے ایک تیز رفتار گھوڑا ایک دن میں پہنچ سکتا ہے۔

عیاض:۔ خیر یہ تو اطمینان ہو گیا کہ شمراخ انہیں جنگ ختم ہونے سے پہلے شہید نہ کرے گا۔

جاسوس:۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ شمراخ نے قلعہ راس العین کے والی یا حاکم کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ انہیں اس کی واپسی تک حفاظت سے قید رکھے۔

یوقنا:۔ راس العین کا حاکم آج کل کون ہے؟

جاسوس:۔ مرسیوس ہے۔

یوقنا:۔ کون مرسیوس۔ کیا ارساوس کا بھائی۔

جاسوس:۔ جی ہاں۔

یوقنا:۔ مرسیوس نہایت ظالم اور بڑا سنگدل ہے۔ اسے مسلمانوں سے خدائی بیر ہے۔ کہیں وہ مردود شمراخ کے پہنچنے سے پہلے ہی مسلمانوں کو شہید نہ کر دے۔

جاسوس:۔ میرے خیال میں وہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرے گا۔

یوقنا نے عیاضؓ سے مخاطب ہو کر کہا۔ اب آپ مجھے اجازت دیں میں اپنے ساتھ ان چالیس سرفروشوں کو لے جاؤں گا جو میری قوم سے ہیں اور میرے ساتھ مسلمان ہوئے ہیں۔

عیاضؓ۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس ملک کے باشندے تم سے زیادہ ناخوش ہیں اور تمہیں گرفتار کر کے شہید کرنے کی فکر میں ہیں۔ اس لئے میں تمہیں بھیجنا مناسب نہیں سمجھتا

یوقنا۔ ایک مسلمان کی تمنا اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے۔ کہ وہ شہید ہو جائے۔ میں نے اپنی زندگی راہ خدا میں وقف کر دی ہے۔ میں شہادت کا طلب گار ہوں۔ میری آرزو بر آنے دیجئے۔ اس کے علاوہ میں عیسائیوں کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ ان کی چالاکیوں کو خوب سمجھتا ہوں۔ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ آپ کچھ اندیشہ نہ کریں مجھے جانے کی اجازت دیں

ضرارؓ۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے بھی ساتھ لے چلیں

یوقنا۔ کسی عرب کا میرے ساتھ ہونا مناسب نہیں ہے نہ معلوم مجھے کس وقت اور کیا چال چلنی پڑے

عیاضؓ۔ اچھا تم کب جانا چاہتے ہو

یوقنا۔ اسی وقت۔ میں چاہتا ہوں کہ رات کی تاریکی میں چھپ چھپا کر دونوں لشکروں سے دور نکل جاؤں

عیاضؓ۔ بہت اچھا۔ تم خدا کا نام لے کر جاؤ۔ ہم سب دعا کریں گے کہ خدا تمہیں کامیاب کرے۔

یوقنا بہت خوش ہوئے انہوں نے عیاض کا شکریہ ادا کیا اور اسی وقت اٹھ کر روانہ ہوئے۔ اپنے خیمہ پر آئے مسلح ہوئے اور اپنے ساتھ چالیس سواروں کو لے کر چلے۔ لشکر

سے باہر نکلے اور قلعہ راس العین کی طرف روانہ ہو گئے۔

ان کے جانے کے بعد عیاض نے مجلس شوریٰ برخاست کر دی۔ تمام مسلمان اٹھ اٹھ کر چلے گئے وہ بھی خیمہ میں جا کر کمبل کے فرش پر ایک کمبل اوڑھ کر سو گئے

زندہ در گور

آج کی لڑائی میں اگرچہ عیسائی زیادہ تعداد میں مارے گئے تھے۔ ان کی صفیں درہم برہم ہو گئی تھیں۔ مگر انہوں نے کچھ تعداد مسلمانوں کی گرفتار کر لی تھی۔ اس لئے وہ بجائے رنجیدہ اور غمگین ہونے کے خوش تھے۔

انہوں نے حضرت خالدؓ کا نام سنا تھا۔ ان کی بے مثل بہادری کی داستانیں سن رکھی تھیں۔ انہیں شیر عرب کہتے تھے مگر ان سے واقف نہیں تھے۔ اس لئے وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ گرفتار شدہ مسلمانوں میں خالدؓ ہیں۔

اگر انہیں معلوم ہو جاتا تو وہ اس وقت خالدؓ اور تمام مسلمان قیدیوں کو قتل کر ڈالتے۔ کیونکہ وہ ان کے بیحد دشمن تھے۔

چونکہ شمراض کو یہ اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ مسلمان اپنے ساتھیوں کو چھڑانے کے لئے شبخون ماریں گے۔ اس لئے اس نے شروع رات ہی میں انہیں اپنے مصاحب خاص قتیبہ کے ہمراہ ایک ہزار سواروں کی معیت میں راس العین کی طرف روانہ کر دیا۔ اور انہیں ہدایت کر دی تھی کہ وہ نہایت تیزی سے جائیں اور صبح ہوتے ہی راس العین میں پہنچ جائیں۔

اس نے ان قیدیوں کی روانگی سے پہلے پانچ آدمیوں کو ان قیدیوں کے آنے کی اطلاع کرنے چلتا کر دیا تھا۔ اور انہیں حکم دے دیا تھا کہ وہ دوڑے چلے جائیں اور مرعیوس کو قیدیوں کو آنے کی اطلاع دیں تاکہ وہ تمام راس العین میں منادی کرا دے کہ مسلمان قیدی آ رہے ہیں اور لوگ انہیں دیکھیں۔

اس سے اس کا یہ منشا تھا کہ اس کی رعایا میں اس کا کارنامہ مشہور ہو جائے کہ اس نے مسلمانوں کو گرفتار کر کے بھیجا۔ تاکہ وہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ ان کا بادشاہ یا تو تمام مسلمانوں کو مار ڈالے گا یا اس طرح گرفتار کر لے گا جس طرح ان قیدیوں کو گرفتار کیا ہے۔

قتیبہ قیدیوں کو لے کر روانہ ہوا۔ قیدی گھوڑوں پر سوار کئے گئے ان کے ہاتھ باندھ دئے گئے تھے اور ان کے شانے زنجیروں میں جکڑ دئے گئے تھے تاکہ وہ نہ بھاگ سکیں اور نہ لڑنے کی جرات کر سکیں۔

چونکہ اسے جلد سے جلد راس العین پہنچنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس لئے وہ نہایت تیزی سے چلا جا رہا تھا۔

اندھیری رات میں رات کے سیاہ پردے کو تار تار کرتا وہ اور اس کا لشکر اڑے جا رہے تھے۔ آدھی رات کے بعد وہ دریائے فرات پر پہنچے۔

یہ دریا نہایت پایاب تھا جس سے آسانی کے ساتھ دریا کو عبور کیا جا سکے چنانچہ یہ لشکر اسی گھاٹ کے ذریعہ سے دریا کے پار پہنچ گیا۔

جس وقت اس لشکر نے دریا کو عبور کیا تو ایک تہائی رات باقی رہ گئی تھی۔ چونکہ اندھیری رات تھی اس لئے ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور ایسا سخت اندھیرا تھا کہ چند قدم کی بھی کوئی چیز صاف نظر نہ آتی تھی۔

کھلے ہوئے آسمان پر ستارے بکھرے ہوئے چمک رہے تھے ستاروں کی خفیف سی روشنی سے اس قدر اجالا ہو رہا تھا کہ قریب کی چیزیں یا انسانوں کے چہرے نظر آ جاتے تھے۔

یہ لوگ پھر نہایت تیزی سے روانہ ہوئے جب وہ راس العین کے قریب پہنچے تو آفتاب طلوع ہو رہا تھا اور اس کی سنہری کرنیں قلعہ کی اونچی فصیل پر لوٹ رہی تھیں۔

اگرچہ قلعہ ابھی ذرا فاصلہ پر تھا۔ لیکن وہ اتنا اونچا تھا کہ دور سے بھی صاف نظر آ رہا تھا۔

جب وہ قلعہ کے اور قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ پھاٹک کھلا اور عیسائی لشکر باہر نکلنا شروع ہو گیا۔

قتیبہ کو معلوم تھا کہ شمراض نے اس کے اور قیدیوں کے آنے کی اطلاع کرنے کے لئے قاصد بھیج دئے تھے وہ سمجھ گیا کہ قاصدوں نے مرعیوس کو خبر دے دی اور وہ قیدیوں کے لینے اور اس کے استقبال کرنے کے لئے قلعہ سے باہر نکل آیا ہے۔

اس کا خیال صحیح تھا۔ مرعیوس کو رات ہی خبر پہنچ گئی تھی اور اس وقت وہ کچھ لشکر لے کر قتیبہ کے استقبال کے لئے قلعہ سے باہر نکلا تھا۔

جب قتیبہ اس کے قریب پہنچا تو اس نے اسے سلام کیا اور نہایت تپاک سے ملا

چونکہ مسلمان قیدیوں کے آنے کی خبر سارے قلعہ میں عام ہو گئی تھی۔ اس لئے عیسائی انہیں دیکھنے کے لئے راستوں، دوکانوں اور مکانوں کی چھتوں پر امنڈ آئے تھے۔ ہر

طرف عیسائی عورتوں، مردوں اور بچوں کی ریل پیل ہو رہی تھی۔

جب مسلمان قیدی ان کے درمیان میں سے گزرنے لگے تو ان پر شریر اور اوباش لوگوں نے آوازے کسنے شروع کر دیے۔

مسلمان سر جھکائے خاموش چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر یہ بھی نہ دیکھا کہ کتنے اور کیسے کیسے آدمی انہیں دیکھنے کے لئے اور کہاں کہاں کھڑے ہیں۔

مرسیوس نے چلتے چلتے تیطا سے کہا۔ ملک شہراض نے ان بدبخت قیدیوں کے رکھنے کے لئے بھی کوئی جگہ بتا دی ہے؟

تیطا نے جواب دیا۔ کوئی نہیں۔ اس بات کو آپ کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔

مرسیوس۔ تم جانتے ہو کہ یہ مسلمان چالاک شریر اور پورے شیطان ہیں۔ کبوتروں کو چاہے سات تالوں میں بند کر دو مگر نکل ہی بھاگتے ہیں اس لئے انہیں اپنی ذمہ داری پر نہیں رکھ سکتا۔

تیطا۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ لوگ قلعہ کے اندر سے بھی نکل بھاگیں گے۔

مرسیوس۔ میں نے کہا نہ کہ یہ سات تالوں میں سے نکل بھاگتے ہیں۔ قلعہ کی اونچی اونچی فصیلیں ان کے سد راہ نہیں ہو سکتیں۔

تیطا۔ مگر پھاٹک اور ان کے قفل۔

مرسیوس۔ ارے یہ تو جادوگر ہیں جادوگر۔ انہوں نے قفل کو دیکھا اور وہ کھلا۔ ملک شہراض کو انہیں گرفتار کرتے ہی قتل کروا دینا چاہیے تھا۔

تیطا۔ ابھی جنگ کا فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ اندیشہ ہے کہیں ہمارے لشکر کے بھی کچھ آدمی گرفتار نہ ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو قیدیوں کا تبادلہ ہی کریں گے۔ اسی لئے ملک نے انہیں قتل نہیں کیا اور یہاں بھیج دیا ہے۔

مرسیوس: مگر اس کا ابھی اطمینان ہے کہ اختتام جنگ پر یہ لوگ قید بھی رہیں گے۔

تیطا: اگر آپ حفاظت کریں گے تو کبھی نہ بھاگ سکیں گے۔

مرسیوس: میں تو ان کی حفاظت و نگرانی میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑوں گا۔ مگر مجھے اندیشہ ہی ہے۔

تیطا: اگر ایسا ہی اندیشہ ہے تو آپ انہیں بیعہ راس العین کا مشہور اور بڑا گرجا تھا، میں قید کرا دیں۔

مرسیوس نے خوش ہو کر کہا۔ یہ تجویز آپ نے نہایت مناسب بتائی ہے سارے قلعہ میں ایک وہی ایسی جگہ ہے جہاں انہیں قید رکھا جا سکتا ہے۔

تیطا: بس تو انہیں وہیں لے چلئے۔

مرسیوس: نہایت مناسب ہے۔

مرسیوس نے ایک سوار کو بلا کر کچھ کہا۔ وہ فوراً چلا گیا۔

مسلم قیدیوں کو جلوس کی صورت میں لے جایا جا رہا تھا۔ ہزاروں عیسائی مرد اور عورتیں اور بچے ان کے پیچھے پیچھے لگ گئے تھے۔

چلتے چلتے راستہ بدل دیا گیا۔ غالباً پہلے چھاؤنی میں جانا چاہتے تھے اب بیعہ کی طرف چل پڑے تھے۔

یہ گرجا جس کا نام بیعہ تھا نہایت عالی شان تھا۔ گرجا کیا تھا قلعہ کے اندر ایک مختصر سا قلعہ تھا۔ شاہی محلات کے قریب اور شہر کے کنارہ پر تھا۔

یہ جلوس تمام راستوں اور بڑے بڑے بازاروں میں ہوتا ہوا بیعہ کے دروازہ پر پہنچا۔ یہاں بہت سے پادری سفید لباس پہنے منتظر کھڑے تھے انہوں نے مرسیوس اور تیطا کا استقبال کیا۔

ان پادریوں میں ایک بڈھا پادری اپنے سفید لباس پر سرخ رنگ کے کپڑے کا قرغل ڈالے تھا۔ اس گرجا کا یہ سب سے بڑا پادری تھا۔ مرسیوس نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ مقدس و محترم باپ! ملک شہراض نے مرج رغبان میں ان مسلمانوں کو لڑائی کے وقت گرفتار کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ مسلمان کس قدر چالاک ہوتے ہیں قلعہ کے اندر انہیں رکھنے کا اندیشہ ہے کہ بھاگ نہ جائیں۔ اس لئے ہم سب چاہتے ہیں کہ انہیں بیعہ میں آپ کی زیر نگرانی رکھا جائے۔ کیا آپ اسے منظور کر کے ہمیں سب کو مشکور فرما دیں گے۔

پادری نے کہا۔ "میں بخوشی اس خدمت کے لئے حاضر ہوں لیکن میرے پاس لشکر نہیں ہے اگر آپ کچھ لشکر بیعہ کے چاروں طرف تعینات کر دیں تو پورے طور پر حفاظت کا انتظام ہو سکے گا۔

مرسیوس: میں دو ہزار سوار تعینات کر دوں گا وہ ہمہ وقت پہرہ دیتے رہیں گے۔

پادری۔ بس تو اطمینان رکھئے پھر یہ کہیں نہ جا سکیں گے۔

مرسیوس: بہتر ہے تو آپ انہیں اندر لے جائیں۔ میں باہر سپاہیوں کو مقرر کئے دیتا ہوں۔

پادری نے۔ بہت خوب۔

مرقیوس نے اپنے ہمراہیوں میں سے ہزار سواروں کو ہیبہ کے چاروں طرف پھیلا کر انہیں ہدایت کر دی کہ وہ ہر وقت ہوشیار رہ کر پہرہ دیتے رہیں۔ اور خود تھیتا اور تمام قیدیوں کو ساتھ لے کر واپس چلا گیا۔

پادری قیدیوں کو لے کر ہیبہ کے احاطہ کے اندر داخل ہوا۔ مسلمانوں نے اندر پہنچ کر دیکھا تو وہ حقیقت میں ایک مختصر سا قلعہ تھا۔ اتنا بڑا قلعہ کہ اس کے اندر دس بارہ ہزار آدمی بافراغت اطمینان اور آرام سے رہ سکتے تھے۔

گرجہ کے بیچ میں نہایت عالی شان عمارتوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ کہیں کاشت ہوتی تھی۔ کہیں باغات تھے۔ کہیں میدان پڑے تھے۔

پادری انہیں لے کر عمارتوں کے پاس پہنچا۔ اس نے مسلمان قیدیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ بد قسمت مسلمانو۔ یہ گرجہ وہ ہے جس کے اندر انسان داخل ہونے کے بعد اس وقت تک نہیں نکلتا جب تک میں اور بادشاہ دونوں یا تو اسے باہر نکالنے کے لئے رضامند نہ ہو جائیں اور یا وہ مر نہ جائے۔ باقی صورتوں میں ناممکن ہے کہ کوئی شخص کسی طرح بھی باہر نہ جا سکے۔ تم لوگ یہ سمجھ لو کہ تمہاری موت ہی تمہیں یہاں لائی ہے۔ اگر تم عیسائی ہو گئے تو تمہارے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا۔ دولت دی جائے گی۔ زرخیز زمینیں دی جائیں گی۔ جن عورتوں کو تم پسند کرو گے ان سے تمہاری شادیاں کر دی جائیں گی۔ بادشاہ کے مصاحب بنا دیے جاؤ گے۔ غرض دولت' عزت' عورت۔ جو اور جس قدر چاہو گے تمہیں دیا جائے گا۔ اور اگر تم نے عیسائی بننا منظور نہ کیا۔ تو پھر موت اور خوفناک طریقہ پر موت تمہارا کام آ جائے گی۔

سنو۔ اس ہیبہ کا نام سندوریہ ہے اسے سندوریہ ولی اللہ نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کے اندر ایسے ایسے عجائبات ہیں کہ تم دیکھ کر دنگ رہ جاؤ گے۔ آج تم تھکے ہوئے ہو۔ اس لئے آج تمہیں عجائبات کی سیر نہ کرائی جائے گی البتہ ایک دو روز میں جب تمہاری تھکان دور ہو جائے گی اس وقت تمہیں سب کچھ دکھا دیا جائے گا۔

اس عرصہ میں تم یہ بھی سوچ لینا کہ ذلت کی موت چاہتے ہو یا عزت کی زندگی پسند کرتے ہو۔ تمہیں یہ بھی دکھایا جائے گا کہ اگر تم مرنے کے لئے تیار ہوئے تو کس بری طرح مارے جاؤ گے۔ فی الحال تمہیں ہیبہ کے قید خانہ میں بند کیا جائے گا۔

اس قدر تقریر کرنے کے بعد پادری خاموش ہو گیا اور اس نے ان لوگوں کو جو قیدیوں کو اپنی حراست میں لئے آرہے تھے ایک طرف کچھ اشارہ کیا وہ انہیں لے کر اسی طرف چلے۔ کچھ دور چل کر ایک عالی شان دروازہ آیا جس پر چٹان ڈھکی ہوئی تھی۔ چند آدمیوں نے مل کر ایک لوہے کی سلاخ کو دبایا۔ سلاخ غائب ہو گئی اور چٹان ہٹ گئی اور دروازہ کھل گیا۔

سپاہیوں نے قیدیوں کو اندر دھکیل دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک ایسے غار میں ڈال دیے گئے ہیں جس کے چاروں طرف سربفلک چٹانیں کھڑی ہیں اور جو اتنی اونچی ہیں کہ پرندہ بھی اڑ کر مشکل ہی سے اوپر پہنچ سکتا۔

قیدیوں کو اندر دھکیلتے ہی سپاہیوں نے پھر کسی چیز کو دبایا۔ پھر چٹان چلی اور دروازہ کو ڈھک کر رہ گئی۔

اس طرح مسلم قیدی زندہ درگور کر دیے گئے۔

تیسواں باب

پریشان حال حوریں

طاہرہ اور پروینہ دونوں گرجہ میں سے نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوتے ہی پتہ توڑ بھاگیں۔ نہ انہوں نے پیچھا پھیر کر دیکھا نہ انہیں معلوم ہوا کہ پادری اور ڈاکو کی جنگ کا انجام کیا ہوا۔ کون مرا۔ اور کون زندہ رہا۔

انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ ان میں سے ایک تو ڈاکو ہے جو یقیناً سنگدل اور شقی القلب ہو گا۔ نہ معلوم اس نے کتنے خون کئے ہوں گے۔ کتنے بے گناہوں کو مارا ہو گا۔ دوسرا اگرچہ پادری تھا مگر اس کی گفتگو ہی سے معلوم ہو گیا تھا کہ تقدس کی آڑ میں شکار کھیلتا ہے۔ پرہیزگاری کے بدلے سیہ کاری کرتا ہے۔ ایک دولت کا ڈاکو ہے تو دوسرا حسن کا ڈاکو بنا ہوا ہے۔

غرض دونوں کی طبیعت ایک ہی ہے۔ اس لئے دونوں معصوم لڑکیاں حفظ عصمت و آبرو کے خوف سے فوراً ہی گرجہ سے نکل کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔

دونوں بھوکی تھیں۔ نہ معلوم دن میں کس وقت کھانا کھایا تھا۔ تھکی تھیں تنہا تھیں۔ اندھیری رات میں بھیانک جنگل میں ٹکراتی پھر رہی تھیں۔ نہ آرام کا خیال تھا نہ بھوک کا۔ صرف یہ چاہتی تھیں کہ کسی طرح احاطہ سے اتنی دور نکل جائیں کہ تعاقب کرنے

والوں کے ہاتھ نہ آسکیں یا کسی ایسی پناہ کی جگہ پہنچ جائیں کہ تعاقب کرنے والے نقصان نہ پہنچا سکیں۔

یہ دیکھا جاتا ہے کہ جنگل بیابان میں اندھیری رات کے وقت کمزور طبیعت والے مرد تک ڈر جاتے ہیں وہ تو بھلا کم سن لڑکیاں تھیں کیوں نہ ڈر رہی ہوں گی۔ مگر مصیبت پڑی ہوئی تھی تعاقب کا اندیشہ تھا اس لئے ان میں سے ایک یعنی طاہرہ اپنی عصمت بچانے کی اور دوسری یعنی پریونہ اس کی ہمدردی کرنے کی وجہ سے آدھی رات کے وقت خوفناک جنگل میں تنہا پھر رہی تھیں۔

بہت دور تک وہ گھوڑے دوڑاتے چلی گئیں جب اتنی دور نکل گئیں کہ گرجے کی روشنی نظر آنی بند ہو گئی تب انہوں نے گھوڑے روکے اور آہستہ آہستہ چلنے لگیں۔ چلتے چلتے طاہرہ نے پریونہ سے کہا بھلا یہ کون تھے۔

پریونہ نے کہا کیا کہوں مجھے بڑی شرم معلوم ہوتی ہے جب میں یہ دیکھتی ہوں کہ ہمارے مذہبی پیشوا ہماری قوم کے امیر اور باعزت لوگ سب ہی ایک کشتی میں سوار ہو گئے ہیں۔ گناہ کی طرف جھک گئے ہیں بدکاریاں کرنے لگے ہیں تو میرا سر شرم و ندامت سے جھک جاتا ہے اور میں عرق ندامت میں غرق ہو کر رہ جاتی ہوں جو تم نے سنا وہی میں نے بھی سنا ہے ان میں سے ایک کوئی بدذات ڈاکو تھا اور دوسرا عیاش پادری نہیں معلوم ان کمبختوں میں سے کون زندہ رہا۔

طاہرہ۔ توبہ توبہ کیسا زمانہ آگیا ہے مذہبی پیشوا تک گناہ کے سمندر میں غوطے کھانے لگے۔

پریونہ۔ دراصل میری قوم مذہب سمجھتی ہی نہیں میں مسلمان اسی وجہ سے ہوئی ہوں کہ میں نے مسلمانوں کو دیکھا ہے کہ ان کو سوائے خدا پرستی کے اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔

طاہرہ۔ اسلام میں ہر گناہ کی سزا مقرر ہے اور سزا ہر چھوٹے سے بڑے آدمی کو ملتی ہے۔

پریونہ۔ میری قوم میں ادنیٰ درجہ کے کمزور لوگوں کو تو سزا دی جاتی ہے اور بڑوں کی طرف کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا۔

طاہرہ۔ خیر ان باتوں کو جانے دو۔ اب یہ بتاؤ کہ کیا ساری رات چلتی ہی رہو گی۔

پریونہ۔ میں تو اس قدر تھک گئی ہوں کہ ایک ایک قدم بھاری ہو رہا ہے۔ لیکن کیا کروں تعاقب کے خوف سے چلی جا رہی ہوں۔

طاہرہ۔ کچھ بتا سکتی ہو۔ اس وقت ہم کس مقام پر سفر کر رہی ہیں۔

پریونہ۔ نہیں۔ میرے خیال ہم راستہ بھول گئی ہیں۔

طاہرہ۔ جب تو اور بھی مشکل ہوئی۔

پریونہ۔ مشکل نہیں بلکہ اس میں بھی کوئی خدا کی مصلحت ہے۔

طاہرہ۔ مناسب یہ ہے کہ راستہ سے ہٹ کر کسی درخت کے سایہ میں ٹھہر کر کچھ دیر آرام کر لیں۔ ہمارے ساتھ یہ بیچارے دو بے زبان گھوڑے بھی تو پریشان ہو رہے ہیں۔

پریونہ۔ اچھا تو آؤ۔ اس طرف چلیں۔ وہاں درخت بھی زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان درختوں کے سایہ میں آرام کریں گے۔

اب چونکہ چاند نکل آیا تھا اور چاندنی چھٹکنے لگی تھی۔ اس لئے درختوں کی مٹی مٹی سی صورتیں نظر آ رہی تھیں۔ دونوں ان درختوں کی طرف چلیں جب ان کے قریب پہنچیں تو دیکھا کہ واقعی بہت سے درخت کھڑے تھے وہ درختوں کے اندر گھس کر گھوڑوں سے نیچے اتریں۔ زین کھولے۔ گھوڑوں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور ایک شال بچھا کر دونوں ایک دوسری سے لپٹ کر دوسری شال اوڑھ کر پڑ گئیں۔

سردی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ لپٹ کر پڑنے اور شال اوڑھنے سے بھی گرمی نہ آئی بلکہ برابر جاڑا لگتا رہا۔

طاہرہ نے کہا۔ جس قدر سردی اس وقت معلوم ہو رہی ہے اگر بقیہ رات ایسی ہی معلوم ہوتی رہی تو عجب نہیں کہ ہم دونوں اکڑ کر رہ جائیں۔

پریونہ نے کہا۔ لیکن ہم پر کیا ہے جو ہم اوڑھ لیں۔

طاہرہ۔ پہننے کے جو کپڑے ہمارے پاس ہیں انہیں پہن لیں۔ دونوں نے اٹھ کر وہ کپڑے جو خادم لے کے آیا تھا پہنے اور پھر لپٹ کر لیٹ گئیں۔

اب ذرا ہوا کی رکاوٹ ہو گئی اور سردی کم معلوم ہونے لگی۔

پریونہ نے کہا۔ "طاہرہ! بھلا میری ایسی قسمت کہاں تھی کہ میں تمہارے ساتھ اس طرح لپٹ کر پڑتی۔

طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ اب شرارت تو کرو نہیں۔ چپ چاپ پڑی رہو۔

پریونہ۔ اچھا گویا آپ دھمکا رہی ہیں۔

طاہرہ۔ مجھے دھمکانے کا کیا حق ہے۔ میں تو تمہاری مشکور ہوں کہ تم نے میری وجہ سے گھر چھوڑا۔ آرام چھوڑا۔ رشتہ دار چھوڑے اور میرے ساتھ جنگلوں کی خاک چھان

پھر روانہ ہو۔

پریونہ۔ تم میری وجہ سے جتلائے مصیبت ہوئیں۔ میری ملاقات سے اذیتیں سہیں۔ اگر میں تمہارے لئے اپنی جان بھی دے دوں تب بھی تمہاری تکلیفوں کا بدل نہیں ہو سکتا۔ خیر ان باتوں کو جانے دو۔

طاہرہ:۔ بالکل ٹھیک ہے۔ چپ ہو کر سو رہو۔

پریونہ نے شوخی سے کہا۔ واہ وا! آج سونے کی رات ہے۔

طاہرہ:۔ اور کیا عبادت کرنے کی رات ہے۔

پریونہ:۔ شکوے شکایتیں کرنے کی رات ہے۔

طاہرہ:۔ مگر مجھے تو تم سے کوئی شکایت ہی نہیں۔

پریونہ:۔ لیکن مجھے تو ہے۔

طاہرہ نے تعجب کے لہجہ میں کہا۔ "کیا؟

پریونہ:۔ تم اسلامی لشکر میں پہنچ کر مغرور کی ہو جاؤ گی۔

طاہرہ نے ذرا تیز لہجہ میں کہا۔ اس قسم کی باتیں میری قوم میں بری سمجھی جاتی ہیں۔ میں بھی ناپسند کرتی ہوں۔ مسلمان لڑکیاں حیادار ہوتی ہیں وہ ایسی باتوں کو خلاف تہذیب سمجھتی ہیں۔

پریونہ:۔ معاف کرنا مجھے اس کا خیال نہیں تھا۔ اچھا تو سو رہیں۔ دونوں چپ ہو گئیں۔ تھوڑی ہی دیر میں انہیں نیند آ گئی اور صبح تک آرام سے سوتی رہیں۔ جب وہ اٹھیں تو صبح صادق کا وقت تھا ان کے وفادار گھوڑے ان کے پاس ہی چر رہے تھے۔ دونوں اٹھیں۔ ضرورت سے فراغت کی چند گڑھوں میں کچھ پانی بھرا ہوا تھا۔ شاید بارش کا پانی تھا اسی سے طہارت ہو کے وضو کیا اور نماز پڑھی۔

جب وہ نماز پڑھ کر آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ درختوں کے اوپر جنگلی انگور کی بیلیں چڑھی ہیں اور ان میں خوشے لٹک رہے ہیں انہوں نے خوشے توڑے اور بیٹھ کر کھائے جب خوب سیر ہو گئیں تو اٹھ کر گھوڑوں پر زین کسے اور ان پر سوار ہو کر چل پڑیں۔

فاتح مفتوح

یوقنا چالیس دلیر اور بہادر آدمیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ راس العین میں پہنچ کر خالد اور ان کے ہمراہیوں کو رہائی دلائیں۔ انہیں یہ بھی خدشہ تھا کہ جزیرہ کے لوگ ان سے بدظن ہو گئے ہیں۔ کہیں خود انہیں ہی گرفتار کر کے قتل نہ کر ڈالیں۔ مگر باوجود اس اندیشہ کے بھی وہ برابر راس العین کی طرف بڑھ رہے تھے۔

یہ تو وہ سمجھ گئے تھے کہ قیدی اور قیدیوں کو لے جانے والے راستہ میں نہیں مل سکتے۔ ایک تو اس لئے کہ انہیں روانہ ہوئے عرصہ ہوا۔ دوسرے اس لئے کہ وہ تیزی سے گئے ہیں۔

انہوں نے یہ خوب سمجھ لیا تھا کہ انہیں راس العین ہی میں جا کر رہائی کے لئے کوشش کرنی پڑے گی۔

چونکہ انہیں یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں مرعیوس قیدیوں کو ان کے پہنچنے سے پہلے ہی قتل نہ کرا دے۔ اس لئے وہ بھی تیزی سے چل رہے تھے۔

جب وہ اسلامی لشکر سے ۸-۱۰ میل کے فاصلہ پر پہنچ گئے تو انہیں دو اشخاص سیاہ کمبل میں لپٹے آتے ہوئے ملے۔

چونکہ یوقنا سب سے آگے تھا اس لئے اس نے انہیں دیکھ لیا تھا اور وہ آدمی ان لوگوں کو دیکھ کر درختوں کے سایہ میں چھپنے کی کوشش کرنے لگے۔

یوقنا کو کچھ شبہ ہو گیا۔ وہ گھوڑا دوڑا کر ان کے پاس جا پہنچے اور نرم لہجہ میں بولے۔ "تم فضول چھپنے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے سامنے آؤ اور بتاؤ تم کون ہو۔

دونوں نے سامنے آ کر سلام کر کے کہا۔ معاف کرنا ہم آپ کو عیسائی سمجھ کر چھپ رہے تھے۔"

یوقنا:۔ اچھا............ تم شاید جاسوس ہو۔

ایک شخص نے جواب دیا۔ "جی ہاں ہم جاسوس ہیں۔

یوقنا:۔ کہاں سے آ رہے ہو تم؟

وہی شخص:۔ ہم رہاوہ سے آ رہے ہیں۔

یوقنا:۔ کوئی خاص خبر لے کر آئے ہو۔

جاسوس۔ جی ہاں۔

یوقنا۔ کیا۔

جاسوس:۔ عاصم بن عرب روانہ ہو عرب ہے اور پہلے مسلمان تھا لیکن کسی وجہ سے

اسلام سے پھر کر عیسائی ہو کر قسطنطنیہ چلا گیا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کے خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ نے قسطنطنیہ کے بادشاہ ہرقل اعظم کو لکھا تھا کہ وہ اسے اپنے ملک سے نکال دیں چنانچہ اس نے اسے نکال دیا ہے وہ پانچ سو آدمیوں کے ساتھ ملک شہراض کے پاس آیا ہے اور مقام بیرہ میں ٹھہرا ہوا ہے۔ اس نے اپنی آمد کے متعلق شہراض نے اسے جواب دیا ہے کہ وہ راس العین میں چلا جائے۔

غالباً ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ جاسوس نے اس عاصم کا ذکر کیا تھا جس کے متعلق عمر فاروقؓ نے اپنے خط میں تذکرہ کیا تھا۔

یوقنا نے دریافت کیا۔ تم عاصم سے ملے تھے۔

جاسوس نے جواب دیا۔ نہیں حضور، ہم اس سے نہیں ملے بلکہ اس کے آدمیوں سے ہمیں یہ تمام واقعات معلوم ہوئے۔

یوقنا:۔ غالباً شہراض نے مرقیوس کو بھی اس کی اطلاع دے دی ہو گی۔

جاسوس:۔ جی ہاں۔ اس نے اسے ہدایت کر دی ہے کہ جب عاصم راس العین میں پہنچے تو اس کی خوب مدارات کی جائے۔ معلوم ہوا ہے کہ شہراض عاصم کو بہت مانتا اور اس سے محبت کرتا ہے۔

یوقنا:۔ اچھا اب تم کہاں جا رہے ہو۔

جاسوس:۔ اسلامی لشکر میں۔

یوقنا:۔ صرف یہی خبر پہنچانے۔

جاسوس:۔ جی ہاں۔

یوقنا:۔ کوئی اور بات تو نہیں ہے۔

جاسوس۔ نہیں حضور۔

یوقنا:۔ اچھا جاؤ۔ امیر لشکر سے یہ بھی کہہ دینا کہ یوقنا اس کے پاس گیا ہے۔

جاسوس:۔ آپ ہرگز اس کے پاس نہ جائیے۔

جاسوس:۔ اس لئے کہ اسے آپ کے کارنامے معلوم ہو گئے ہیں۔ شہراض کو خوش کرنے کے لئے آپ کو گرفتار کرنے کی کوشش کرے گا۔

یوقنا:۔ کچھ اندیشہ نہ کرو۔ میرا خدا پر بھروسہ ہے۔ وہی میرا مددگار ہے۔

جاسوس:۔ آپ کی مرضی۔ کوئی پیغام تو دینا نہیں ہے۔

یوقنا:۔ صرف میرا اسلام شوق مسلمانوں کو پہنچا دینا۔

دونوں جاسوس سلام کر کے آگے روانہ ہو گئے۔ یوقنا بھی آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ کچھ سوچ کر لوٹا اور جاسوسوں کو آواز دے کر پھر بلایا جب وہ آ گئے۔ تب اس نے دریافت کیا۔ کیا عاصم بیرہ ہی میں مقیم ہے۔

جاسوس:۔ جی نہیں۔ وہ روانہ ہو چکا ہے اور عنقریب اسی جگہ سے گزرے گا۔

یوقنا:۔ بس یہی دریافت کرنا تھا۔ اب تم جاؤ۔

جاسوس چلے گئے۔ یوقنا نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ مسلمانو! عاصم مع اپنے پانچ سو سپاہیوں کے آ رہا ہے کیا تم اس سے لڑنے کے لئے تیار ہو۔

سب نے ایک زبان ہو کر کہا۔ "بالکل تیار ہیں۔"

یوقنا:۔ دیکھو اس بات کا خیال نہ کرنا کہ تم تھوڑے ہو۔ اور وہ زیادہ ہیں۔ اگر تم نے ذرا بھی دلیری اور جرات سے کام لیا تو خدا کی ذات سے امید ہے کہ فتح تمہاری ہو گی۔

پھر سب نے کہا۔ "بالکل اطمینان رکھئے۔ ہم ڈرنے والے نہیں۔"

یوقنا:۔ میں چاہتا ہوں کہ تم کمینگاہ میں چھپ جاؤ اور جب دشمن سامنے آ جائے تو اچانک نکل کر گرفتار کر لو۔

سب:۔ ایسا ہی کریں گے۔

یوقنا:۔ اچھا تو ان درختوں کے پیچھے اس طرح چھپ جاؤ کہ کوشش کرنے پر بھی کوئی تمہیں نہ دیکھ سکے۔ جلدی کرو۔ دیکھو گھوڑوں کے سموں کی آواز آنے لگی ہے معلوم ہوتا ہے دشمن بہت قریب آ گیا ہے خود بھی خاموش رہو اور گھوڑوں کو بھی خاموش رکھنے کی کوشش کرو۔

یہ سنتے ہی سب لوگ درختوں کے پیچھے متفرق ہو کر چھپ گئے اور عاصم اور اس کے ساتھیوں کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

رات اندھیری تھی۔ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ چونکہ اس طرف درخت کثرت سے کھڑے تھے اس لئے اور بھی اندھیرا پھیلا ہوا تھا اندھیرے کے ساتھ ہی ساتھ کامل سکون و سکوت بھی طاری تھا۔ کائنات خاموش تھی صرف گھوڑوں کے سموں کی آواز آ رہی تھی جو دم بدم بڑھتی جاتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آنے والے قریب آ گئے ہیں۔ لیکن بڑھی ہوئی ظلمت کی وجہ سے نظر نہیں آتے تھے۔

یوقنا اور اس کے ساتھی نہایت خاموشی سے چھپے ہوئے تھے تھوڑی ہی دیر میں آنے والے بالکل ان کے سامنے ہی آ گئے۔

عاصم سب سے آگے آرہا تھا اس کے پیچھے چار چار سواروں کی قطار میں لشکر آرہا تھا جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔ سامان کے چھکڑے سب سے پیچھے آرہے تھے۔

جب یہ لوگ یوقنا اور ان کے ساتھیوں کے عین سامنے گزرنے لگے تو اچانک وہ کمین گاہ سے نکلے اور عاصم اور اس کے ساتھیوں کے اوپر جھپٹ پڑے۔

عاصم اور اس کا لشکر نہایت اطمینان اور بے خوفی سے چلے آرہے تھے وہ اس حملہ کی مدافعت کے لئے بالکل بھی تیار نہ تھے۔

یوقنا نے عاصم کو اور ان کے ساتھیوں نے چالیس سواروں کو جلدی سے قبضہ میں کر کے گرفتار کر لیا۔

عاصم اور اس کے ساتھی اس اچانک اقدام سے حیران رہ گئے۔ یوقنا نے بلند آواز سے کہا۔ عاصم! اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو باقی سپاہیوں کو حکم دو کہ وہ بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیں۔ ورنہ سب سے پہلے تم مار ڈالے جاؤ گے اور پھر تمہارا ہر سپاہی قتل کر دیا جائے گا۔

عاصم حیران بھی تھا اور خوفزدہ بھی اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ یہ بھی معلوم نہ کر سکا کہ یوقنا کے ساتھ کس قدر لشکر ہے۔ اس نے قیاس سے یہ سمجھ لیا کہ حملہ کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہی ہو گی۔ اس کے علاوہ وہ گرفتار ہو گیا تھا اسے خوف ہوا۔ کہ اگر اس نے گرفتار کرنے والوں کی بات نہ مانی تو قتل کر دیا جائے گا اس لئے اس نے اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر کہا۔ میرے ہوا خواہو! لڑنا بیکار ہے فضول خونریزی کو میں پسند نہیں کرتا۔ سب ہتھیار ڈال دو اور حملہ آوروں کی اطاعت قبول کر لو۔"

اس کی طرح اس کے ساتھی بھی ڈر گئے تھے۔ وہ خود ہی ہتھیار پھینک کر گرفتار ہونے پر تیار تھے۔ جب انہوں نے عاصم کا حکم سنا تو فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور بغیر کوئی جدوجہد رہائی کی کئے چپ چاپ گرفتار ہونے کے لئے کھڑے ہو گئے۔

یوقنا کے ساتھیوں نے جلدی جلدی انہیں سب کو خود ان کے ہی عماموں سے جکڑ کر گرفتار کر لیا۔

جب سب لوگ گرفتار کر لئے گئے تب عاصم نے یوقنا سے دریافت کیا آپ کون ہیں۔

یوقنا نے جواب دیا۔ "میرا نام یوقنا تھا۔ اور اب عبداللہ ہے۔ مگر اکثر مسلمان اب بھی مجھے یوقنا ہی کہتے ہیں۔

عاصم:۔ اور عیسائی بھی آپ کو اس نام سے یاد کرتے ہیں۔ میں نے تمہارے کارنامے سن رکھے ہیں۔

یوقنا:۔ ضرور سنے ہوں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ تم مسلمان ہو کر مرتد ہو گئے کس بات نے تمہیں اسلام سے روگرداں کیا۔

عاصم:۔ میری بدبختی نے۔

یوقنا:۔ بے شک یہی کہا جا سکتا ہے لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوئی ہو گی۔ آخر تمہیں عیسائیت میں کیا بات اچھی نظر آئی۔

عاصم:۔ دین عیسوی اسلام سے پہلا ہے۔ اس لئے میں نے پہلا مذہب اختیار کیا۔

یوقنا:۔ مگر یہ نہ دیکھا کہ عیسائی مذہب منسوخ ہو چکا ہے۔

عاصم:۔ کس وجہ سے۔

یوقنا:۔ اس وجہ سے کہ عیسائیوں نے مذہب کو کھیل کود بنا لیا ہے عیش پرستی کا ذریعہ قرار دے دیا ہے کیا تم نے انہیں دیکھا کہ گرجاؤں اور کلیسں میں نوجوان لڑکیاں داخل کی جاتی ہیں۔ زیادہ تر خوبصورت لڑکیوں کو لیا جاتا ہے ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ وہ عمر بھر کنواری رہ کر عبادت کا اقرار کر چکی ہیں۔ لیکن کیا ان کی عصمتیں قائم و باقی رہتی ہیں۔ کیا انہیں بدکار نہیں بنایا جاتا۔ کیا نوجوان پادری ان کی آبرو ریزی نہیں کرتے۔ کیا یہ مذہب کی توہین نہیں ہے۔

عاصم:۔ بے شک یہ مذہب کی توہین ہے۔ مگر اس سے مذہب پر کیا اثر پڑتا ہے۔ یہ تو پادریوں یا پادری پرستوں کی خود غرضی حماقت اور جہالت ہے۔

یوقنا:۔ تم نے ٹھیک کہا۔ مگر یہ بھی سمجھا۔ کہ عیسائی مذہب شرک کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا واحد نہیں ہے۔

عاصم:۔ یہ کیسے۔

یوقنا:۔ کیا عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا نہیں بتاتے۔

عاصم:۔ بیشک عیسائیوں کا یہی اعتقاد ہے۔

یوقنا:۔ سوچو۔ جب خدا کا بیٹا تسلیم کر لیا گیا تو وہ خدائی میں بھی شریک مانا جائے گا۔

عاصم:۔ بیشک۔

یوقنا:۔ پھر خدا واحد کہاں رہا۔ ہمیں خدا کو خوش کرنے کے لئے اس کے بیٹے کی بھی پرستش کرنی پڑے گی۔

عاصم:۔ صحیح ہے۔

یوقنا:۔ اس طرح ہم خدا کے علاوہ اوروں کی پرستش کرنے سے مشرک ہو گئے اسی

لئے خدا قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے کہ قیامت کے روز عیسیٰ سے دریافت کیا جائے گا۔ **وا ذ قال اللہ یا عیسیٰ بن مریم انت قلت للناس اتخذو و امی الھین من دون اللہ۔** یعنی یا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ تم مجھ کو اور میری ماں کو بھی سوائے خدا کے خدا ہی سمجھو۔ حضرت عیسیٰ انکار کریں گے۔

عاصم! سنو جب عیسائیوں نے شرک کیا خدا کے ساتھ اس کی خدائی میں حضرت عیسیٰ کو شریک گردانا تو خدا نے پھر ایک نبی بھیجا اور یہ نبی آخری نبی ہیں ان کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہ آئے گا۔ خدا نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔ **ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین۔** یعنی حضرت محمد صلعم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے پیغمبر ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں یعنی اب کوئی نبی نہ ہو گا۔

اے عاصم! اس دن کا خیال کرو جب کائنات کا ذرہ ذرہ فنا ہو جائے گا ہر چیز مٹ جائے گی۔ آسمان پھٹ جائیں گے وہ دن قیامت کا ہو گا اس روز اور انسانوں کی طرح حضرت عیسیٰ کا وجود باقی نہ رہے گا۔ صرف ایک اللہ رہ جائے گا۔ اس روز پروردگار فرمائے گا **لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار۔** یعنی جس کی آج بادشاہت ہے وہی اکیلا اور زبردست ہے۔"

اس کے بعد انسان زندہ کئے جائیں گے اور وہ سب سے اور گھبرائے ہوئے ہوں گے اس روز خدا مسلمانوں سے کافروں کو علیحدہ کر کے فرمائے گا **وامتازوالیوم ایہا المجرمون۔** یعنی اے کافرو! آج مسلمانوں سے الگ ہو جاؤ۔ حساب کتاب کے بعد مسلمان جنت میں بھیج دئے جائے گے اور کافر بدستور کھڑے رہیں گے۔ فرشتے عرض کریں گے کہ پروردگار عالم ان پر رحم کر خداوند فرما دے گا۔ **وقفوھم انھم مسئولون۔**" یعنی انہیں کھڑا رہنے دو۔ ان سے باز پرس کی جائے گی۔

عاصم! سوچو اس روز کافروں کی کس قدر ذلت ہو گی۔

عاصم پر یوقنا کی گفتگو کا کافی اثر ہو رہا تھا۔ جب یوقنا خاموش ہوئے تب عاصم نے کہا۔ لیکن اب میں کیا کروں۔ میں مسلمان ہوا لیکن بدقسمتی سے اسلام سے پھر گیا۔ اب پھر کیسے اسلام میں کیسے داخل ہو سکتا ہوں۔

یوقنا۔ کیوں نہیں ہو سکتے۔ اسلام ایسا مذہب ہے کہ وہ ہر وقت ہر شخص کو اپنی آغوش میں لینے کے لئے تیار ہے۔

عاصم اور کیا ایسی صورت میں بھی جب کہ ہم نے اپنی بدعقلی کی وجہ سے شرک کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی تصویروں کے سامنے سر جھکایا ہے۔

یوقنا۔ ہاں تم پھر پاک و صاف ہو سکتے ہو۔ توبہ کر لو۔ خدا کا حکم ہے کہ انسان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ توبہ کر لیا کرے توبہ کرنے سے انسان ایسا ہی پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ارشاد فرماتا ہے۔ **قل یا عبادی الذین اسرفو علی انفسھم لا تقنطو من رحمتہ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھوا الغفور الرحیم۔** یعنی اللہ نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلعم سے ارشاد فرمایا کہ میرے رسول میرے بندوں سے کہہ دو کہ تم نے جو گناہ کئے ہیں اور گناہ کر کے میری بخشش سے ناامید نہ ہو گئے ہو۔ ہرگز میری رحمت سے ناامید نہ ہو میں توبہ کرنے والے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہوں کیونکہ میں معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔

یہ سن کر عاصم کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے کہا۔ جب تو مجھے بھی ناامید نہ ہونا چاہئے۔

یوقنا۔ بالکل نہیں۔ جو گناہ تم نے کئے ہیں ان سے توبہ کر کے عہد کر لو کہ آئندہ ایسا نہ کرو گے۔ خدا معاف کر دے گا۔

عاصم نے۔ اچھا تو پھر تم مجھے اور میرے ہمراہیوں کو مسلمان کر لو۔

یوقنا اور ان کے ساتھی خوش ہو گئے انہوں نے فوراً سب کو کلمہ پڑھا پڑھا کر مسلمان کر لیا اور مسلمان کرتے ہی سب کو چھوڑ دیا۔

رہا ہو کر عاصم اور ان کے ساتھیوں نے یوقنا اور ان کے ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا۔

عاصم نے دریافت کیا۔ تم اس وقت رات کو کہاں جا رہے تھے؟

یوقنا نے کہا۔ ذرا ایک طرف چلئے۔ میں آپ سے مفصل سب کچھ بتا دوں گا۔

عاصم یوقنا کے ساتھ چلا گیا۔ دونوں تنہا سرگوشی کے لہجہ میں کچھ باتیں کرتے رہے جب باتیں ختم ہو گئیں تب لوٹ آئے۔

عاصم نے یوقنا سے کہا۔ میں اپنے ہمراہیوں کو کچھ ہدایتیں کر دوں۔ اور پھر آپ کے ہمراہ راس العین چلوں گا اور حضرت خالد اور ان کے ساتھیوں کو رہا کرانے کی کوشش کروں گا۔

یوقنا نے کہا۔ "ہم کھڑے ہیں آپ ہدایتیں کر آئیں۔

عاصم چلا گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے آہستہ آہستہ باتیں کیں اور پھر یوقنا کے پاس واپس آیا۔ اس نے کہا۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی تلواریں نہایت اچھی ہیں۔ کیا آپ مجھے انہیں دیکھنے کی اجازت دیں گے۔

یوقنا۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن اس وقت رات کو ان کا اچھا پن کیا نظر آئے گا۔

عاصم۔ جو چیز رات کو اچھی نظر نہیں آتی وہ بھی اچھی نہیں ہو سکتی۔

یوقنا۔ بہتر ہے آپ نہ دیکھیں۔

یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار عاصم کو دے دی۔ عاصم نے تلوار دیکھ کر بڑی تعریف کی اور اسے اپنے سامنے رکھ کر دوسرے سے تلوار لی اسے بھی دیکھ کر رکھ دیا۔

غرض اسی طرح وہ ایک ایک تلوار لے لے کر دیکھتا اور اپنے سامنے رکھتا رہا۔ جب اس نے سب کی تلواریں اپنے سامنے جمع کر لیں۔ تب اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا۔

اس کے سارے ساتھی چالیس مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور قبل اس کے کہ یوقنا اور اس کے ساتھی کچھ سمجھیں وہ سب گرفتار بھی کر لئے گئے۔

یوقنا نے عاصم کو دیکھ کر کہا۔ "یہ تم نے میری نیکی کا بدلہ دیا ہے۔"

عاصم نے اکڑ کر کہا۔ میری چالاکی کی تعریف کرو۔ کہ میں نے کس آسانی سے تمہیں گرفتار کر لیا ہے۔

یوقنا۔ لیکن یہ دغابازی تمہارے لئے خطرناک ثابت ہو گی۔

عاصم۔ یہ تم خود دیکھ لو گے کہ میرے لئے خطرناک ثابت ہوتی ہے یا تمہارے لئے

یوقنا۔ مگر تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔

عاصم۔ تم نے ہی کب اچھا کیا تھا کہ مجھے دھوکے سے گرفتار کر لیا تھا معافی کر کے آپ چپ رہئے۔ میں اطمینان دلاتا ہوں کہ راس العین پہنچنے تک تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ دوں گا۔

یوقنا۔ اور وہاں پہنچنے کے بعد۔

عاصم۔ شہزادہ جو مناسب سلوک سمجھے گا۔ تمہارے ساتھ کرے گا۔

یوقنا۔ خدا کی مرضی۔

عاصم نے اپنے ہمراہیوں کو اشارہ کیا وہ قیدیوں کو اپنے نرغہ میں لے کر راس العین کی طرف روانہ ہوئے۔ عاصم بھی ساتھ ساتھ چلا۔ اس طرح قلاع مفتوح ہو گئے۔

باغ ارم

حضرت خالد اور ان کے ساتھیوں کو قید خانہ سے نکالا گیا اور گرجہ کے اندرونی عمارت کی طرف لے جایا گیا۔

عمارت نہایت شاندار اور مصفا تھی۔ دھوپ میں سفید برف کی طرح چمک رہی تھی۔

ان مسلمانوں کے گرد نوجوان پادریوں کا مجمع تھا یہ سب پادری سرخ رنگ کے جبے پہنے تھے اور ایک ہرے رنگ کی چادر تہمد کی طرح باندھے تھے جس کے پلے اڑسے ہوئے نہیں تھے بلکہ بائیں ہاتھوں پر لپیٹ لئے گئے تھے۔ داہنے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی زنجیریں تھیں شاید ان زنجیروں سے وہ ریاضت کرتے وقت اپنی پشت پر ضربیں لگایا کرتے تھے۔

چونکہ عمارت کی سطح زمین کی سطح سے تقریباً چھ فٹ بلند تھی۔ اس لئے اس پر چڑھنے کے لئے نہایت لمبی اور اچھی چوڑی سیڑھیاں بنائی گئی تھیں۔

یہ لوگ سیڑھیوں پر چڑھ کر جب دروازہ کے اوپر پہنچے تو انہوں نے ایک پتھر کی تصویر دیکھی جو قد آدم تھی اور جس کا رنگ ڈھنگ عربوں جیسا تھا۔

مسلمان اس تصویر کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ اس تصویر کے اوپر لکھا تھا ھذا نبی العرب" یعنی یہ شخص عربوں کا نبی ہے۔"

عیسائیوں کے تعصب و جہالت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر مسلمانوں کا خون جوش و غضب سے کانپنے لگا۔

پادریوں نے مسلمانوں کو روک دیا۔ اور ایک بڈھے پادری نے کہا۔ مسلمانو! تم نے اپنے نبی کو دیکھا جس شخص کو تم نبی مانتے ہو وہ ہمارے گرجہ کا چوکیدار ہے کیا اس شخص کا کلمہ پڑھتے ہو تم؟

خالدؓ نے جوش میں آکر کہا۔ تمہاری جہالت۔ حماقت اور تعصب کا اس سے زیادہ اور کیا مظاہرہ ہو سکتا تھا۔ تم نے ایک بت کھڑا کر کے مسلمانوں کے دلوں کو دکھانے کے لئے اس پر یہ لکھ دیا ہے کہ یہ "عربوں کا نبی ہے" تم سمجھتے ہو گے کہ اس سے رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کی توہین ہو گی۔ یہ تمہاری بد عقلی ہے جو شخص بھی گرجہ میں داخل ہو گا اس کے دل میں ضرور یہ خیال ہو گا کہ عرب میں کوئی نبی پیدا ہوا ہے اس کے علاوہ

تمہارے اس کینہ پن کو کوئی بھلا آدمی اچھا خیال نہیں کر سکتا۔ یاد رکھو چاند پر خاک ڈالنے سے چاند کا کچھ نہیں بگڑتا۔ خاک تو خاک ڈالنے والوں کے اوپر ہی آکر پڑتی ہے۔ دیکھ لو آج عرب کے نبی کے پیرو اس گرجہ میں آگئے۔ اور جہاں مسلمان پہنچ جاتے ہیں اس جگہ کو ضرور فتح کر لیتے ہیں۔ یہ گرجہ اور جس گرجہ میں یہ قلعہ ہے وہ انشاء اللہ ہم فتح کر لیں گے۔

بڈھا پادری بے ساختہ ہنس پڑا اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم آئے ہو مگر کس طرح ہاتھ پیر بندھے تھے۔ ہمارے قیدی بن کر۔ یقین رکھو۔ کہ تم سب یہیں قتل ہو جاؤ گے۔ اور پھر تمہارے ساتھ تمہارا نبی بھی اس دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا جسے تم اب دیکھو گے۔

یہ سن کر تمام مسلمانوں کو بے حد جوش آیا۔ مگر سب سے زیادہ خالد کو جوش آیا۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھیں لال آگئیں انہوں نے غضبناک ہو کر کہا بدبخت و زبان دراز پادری! تو یہ سمجھ کر کہ ہم قید ہیں۔ بندھے ہوئے ہیں کچھ کر نہیں سکتے لاف زنی کر رہا ہے یاد رکھ ہم شیر ہیں اور شیر گرفتار ہو کر بھی شیر ہی رہتا ہے تجھے اور تیری اس ناپاک قوم کو جس نے یہ تصویر بنائی یا بنوائی اور یہاں نصب کی۔ ایسی عبرتناک سزا ملے گی کہ اگر تم میں سے کوئی زندہ رہ گیا تو خوف دہشت سے کانپتا ہی رہے گا۔

بڈھا پادری بھی غصہ میں بھر گیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہے۔ ایک اور پادری نے کہا۔ "نوجوان! جوش میں نہ آؤ۔ جو کچھ تم گرجہ میں دیکھو گے شاید اسے دیکھ کر تم عیسائی ہونے پر مائل ہو جاؤ۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ فضول گفتگو کو طول دیا جائے۔ آؤ تم گرجہ کے اندر چلو۔

خالدؓ نے کہا۔ "کیا تمہیں ایک مسلمان سے یہ توقع ہے کہ وہ عیسائی ہو جائے گا اگر تمہارا ایسا خیال ہے تو جہاں تمہاری اور حماقتیں ہیں وہاں ایک یہ بھی حماقت ہے۔

لیکن پادریوں نے اس کی بات ہی نہ سنی۔ وہ انہیں لے کر اندر داخل ہوئے جس کمرہ میں وہ پہنچے وہ نہایت شاندار اور وسیع تھا اس کمرہ کی چھت میں آفتاب کی تصویر بنائی گئی اور کمرہ کے اندر سینکڑوں انسانوں کے ننگے بت کھڑے ہوئے تھے ان کے درمیان میں ایک سونے کی ترازو تھی۔ ترازو کے قریب سے ایک باریک پل قائم کیا گیا تھا جو دوسرے کمرہ تک لے جایا گیا تھا۔

اس طرح سے عیسائیوں نے اس کمرہ میں عرصہ حشر کی تصویر کھینچی تھی سوا نیزہ کے فاصلہ سے آفتاب دکھایا تھا پتھروں کے مجسمے مخلوق خدا قرار دئیے تھے۔ ترازو میزان عدل تھی اور پل پل صراط بنائی گئی۔

پل کے قریب حضرت عیسیٰ کی تصویر تھی۔ ان کے ہاتھ میں وہ صلیب تھی جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کو اس پر پھانسی دی گئی تھی۔ صلیب والے ہاتھ کے نیچے حضرت مریم کی تصویر تھی۔ جو اپنے بیٹے کو محبت اور مسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

بڈھے پادری نے کہا۔ دیکھو خدا کا بیٹا اپنی امت کو بخشوانے کے لئے میزان عدل کے پاس کھڑا ہے نجات اسے ملے گی۔ بہشت میں وہ داخل ہو گا جو حضرت عیسیٰ کا مذہب اختیار کرے گا۔ بہشت کیا ہے آؤ تمہیں دکھائیں۔

یہ کہتے ہی وہ بڈھا۔ اس کے پیچھے تمام پادری مسلمانوں کو لے کر بڑھے اور دوسرے کمرہ میں پہنچے۔

یہ دوسرا کمرہ بھی نہایت وسیع تھا دنیا کی بہترین چیزوں سے آراستہ تھا دبیز قالینوں کا فرش ہو رہا تھا۔ چاروں طرف قد آدم آئینے لگے ہوئے تھے درمیان میں ایک چھوٹا سا باغیچہ بنایا گیا تھا۔ یہ باغیچہ مصنوعی تھا۔ مصنوعی پودے۔ مصنوعی بیلیں اور پتے اور مصنوعی پھول تھے۔ لیکن ایسی صنعت سے بنائے گئے تھے کہ بالکل اصلی معلوم ہوتے تھے۔

باغیچہ کے روشوں کے دونوں طرف سنگ مرمر کی نالیاں تھیں اور ان میں تازہ دودھ پانی کے بجائے بہہ رہا تھا۔

آٹھ دس پر جمال لڑکیاں اعلیٰ قسم کی زرق برق ریشمیں لباس پہنے بڑے فخر و غرور۔ بڑی استغنا اور بڑے ناز کے ساتھ خراماں خراماں پھر رہی تھیں۔

یہ لڑکیاں نہایت حسین اور بڑی شوخ تھیں۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے تھے۔ ان کے زرق برق لباس اور جواہرات کے زیورات نے ان کی صورتوں کو اور بھی جگمگا رکھا تھا۔

اس کمرہ میں پہنچ کر سب رک گئے۔ پادری نے کہا۔ اے حوران ارم! ان خاکی پتلوں کو فردوسی نغمہ سنا کر محو بے خود بنا دو۔

فوراً ہی پرکیف ساز کی آواز بلند ہونے لگی جو بڑھتے بڑھتے اس قدر بڑھ گئی کہ تمام کمرہ گونج اٹھا نہایت سریلے انداز میں مختلف باجے بجائے جا رہے تھے۔ لیکن یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ باجہ کہاں بج رہا ہے اور کون بجا رہا ہے۔

جب ساز کی آواز سے کمرہ بھر گیا تب ساری لڑکیاں ایک جگہ جمع ہو گئیں اور انہوں نے ایک نغمہ شروع کیا۔

ان کی شیریں آوازیں بلند ہوئیں۔ دلفریب تانیں شروع ہوئیں۔ بحرموسیقی لہریں لینے لگا۔ در و دیوار سے واہ واہ کی صدائیں آنے لگیں۔

جو نغمہ انہوں نے شروع کیا اس میں حضرت عیسیٰ۔ حضرت مریم اور روح القدس کی تعریف تھی۔ جس انداز اور جس لہجہ میں وہ گا رہی تھیں وہ نہایت روح پرور تھیں۔ تمام عیسائی بت کی طرح خاموش کھڑے سن رہے تھے اگرچہ مسلمانوں کو گانے سے کوئی لگاؤ نہ تھا مگر ان پر بھی اثر ہو رہا تھا۔

جب نغمہ ختم ہوا اور اس کا اثر بھی جاتا رہا۔ تب پادری نے کہا۔ "یہ باغ ارم یا جنت الفردوس کا مختصر سا خاکہ ہے اس جنت یا بہشت میں جہاں شمعیں جل رہی ہیں صرف عیسائی داخل ہو سکیں گے۔

حضرت خالدؓ نے کہا۔ میرے خیال میں تم نے خیالی بہشت کی نقل اس لئے اتاری ہے کہ تم خوب جانتے اور سمجھتے ہو کہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہنے کی وجہ سے کبھی جنت میں داخل نہ ہو سکو گے۔ اس لئے تم نے دنیا میں اپنا دل خوش کرنے کے لئے یہ خیالی خاکہ کھینچا ہے۔

پادری نے۔ گفتگو کرنے میں جلدی نہ کرو۔ تم نے بہشت دیکھ لی اور دوزخ بھی دیکھ لو۔ چلو۔ انہیں بیت النار میں لے چلو۔

پادری مسلمانوں کو لے کر بڑھے اور اس کمرہ سے نکل کر اس کے ملحق دوسرے کمرہ میں پہنچے۔ یہ کمرہ بھی اچھا وسیع تھا خوب طرح آراستہ تھا۔ اس میں قالینوں کے فرش پر زرنگار مسندیں بچھی ہوئی تھیں۔ تکیے لگے ہوئے تھے۔ اور مسندوں پر حسین و جمیل لڑکیاں تکیے لگائے بیٹھی یا لیٹی تھیں۔

وہ سب کمان ابرو اور چشم آہو تھیں۔ نہایت نفیس اور اس قدر باریک لباس پہنے تھیں کہ ان کا گداز جسم اس میں جھلک رہا تھا ان کی ادائیں تقویٰ شکن تھیں۔

نہایت شاندار اور خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ اچھے لباس اور اچھے زیورات نے انہیں اور بھی حسین بنا دیا تھا۔

وہ پادریوں کو دیکھتے ہی سروقد بڑے ناز و انداز سے کھڑی ہو گئیں۔

پادری اس کمرہ سے گزر کر ایک برآمدہ میں پہنچے۔ اور اسے طے کر کے ایک اور کمرہ میں آئے۔

اس کمرہ میں ایک حوض تھا۔ اس حوض میں بے اندازہ لکڑیاں پڑی جل رہی تھیں۔ آگ دہک رہی تھی شعلے بلند ہو رہے تھے۔ آگ کی تپش سے کمرہ کے اندر کھڑا ہونا دشوار تھا۔

پادری نے کہا۔ یہ دوزخ کا نمونہ ہے اس دوزخ کا جس میں وہ لوگ ڈالے جائیں گے جو عیسائی مذہب اختیار نہ کریں گے۔

خالد نے کہا۔ خوش ہو لو۔ شیطان کی طرح انسان کو بہکانے کے لئے جو چاہے بنا لو۔ لیکن یاد رکھو کہ تم شرک کر رہے ہو۔ خدا کے ساتھ حضرت عیسیٰ کو جو اس کے بندے تھے اس کا بیٹا کہہ کر اس کی خدائی میں شریک کر رہے ہو خدا کا یہ فرمان ہے کہ وہ مشرک کو کبھی نہ بخشے گا۔ صرف اسی شرک کو نہیں جو کسی کو خدا کا بیٹا کہے یا خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک گردانے بلکہ ان کو بھی جو سوائے خدا کے کسی اور چیز کے سامنے سر جھکائیں۔ سجدہ کریں خواہ وہ بت ہوں یا تصویریں قبریں ہوں یا اور چیزیں۔ حتیٰ کہ قبروں پر چادریں چڑھانے والے۔ مسجدوں میں طاق بھرنے والے بھی مشرک ہیں۔ اور یہ کبھی نہ بخشے جائیں گے ہرگز جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک توبہ نہ کر لیں۔ اس لئے عیسائیو! تم خوب جانتے ہو کہ تم مشرک ہو اور اس لئے تم نے آگ جلا کر دوزخ کا نمونہ اس وجہ سے قائم کیا ہے کہ کبھی کبھی اسے دیکھ کر اس دوزخ کو یاد کر لو جس میں تم ڈالے جاؤ گے۔

پادری نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ کیسی واہیات گفتگو کرنے لگے ہو تم۔ آؤ اب دوسرے کمرہ میں چل کر باتیں کریں گے۔

وہ لوٹے اور پھر اسی کمرہ میں آئے جس میں حسین لڑکیاں مسندوں پر بیٹھی تھیں۔ پادری نے یہاں آ کر کہا۔ "مسلمانو! تم نے دیکھا کہ ہم عیسائیوں کو خدا نے کس قدر دولت۔ کس قدر عزت اور کیسی حکومت عطا کی ہے ان حسن و جمال کی مجسم تصویروں کو دیکھو کس قدر حسین ہیں۔ دنیا کی حوریں ہیں اگر تم عیسائی ہو جاؤ تو جس قدر دولت چاہو گے دی جائے گی۔ جس لڑکی کو پسند کرو گے اس سے شادی کر دی جائے گی جس قلعہ کو کہو گے حوالہ کر دیا جائے گا۔ اسلام میں کیا ہے مفلسی وحشیانہ جہالت۔ افلاس کی لعنت۔ خانہ بدوشی کی مصیبت۔ اسلام کو چھوڑ دو۔ عیسائی بن جاؤ دنیا میں بھی آرام سے رہو گے اور آخرت میں بھی جنت ملے گی۔

قیدیوں میں ایک شخص زید بھی تھے۔ انہوں نے کہا۔ تم دولت۔ حکومت اور حسین

وکیوں کا لالچ دے کر ہمیں پھسلانا چاہتے ہو لیکن یہ نہیں جانتے کہ مسلمان کبھی کسی لالچ یا خوف میں نہیں آیا کرتے۔ ہم دنیا کو چند روزہ سمجھتے ہیں۔ پروردگار عالم نے اپنے بندوں کو اس بات سے آگاہ کرنے کے لئے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے قل متاع الدنیا قلیل والآخرۃ خیر لمن اتقیٰ۔ یعنی دنیا چند روزہ اور اس کی دلفریبیاں عارضی ہیں اور آخرت بہتر اور دائمی ہے سوچو کہ جب تم خدا کے بیٹا بتاتے ہو تو مشرک ہو اور مشرک کی نجات نہ ہو گی۔ پھر ہم مسلمان جو صرف ایک خدا کو مانتے ہیں وحدانیت کے قائل ہیں کیسے عیسائی ہو کر جنت پر دوزخ کو ترجیح دے سکتے ہیں آپ ہم سے ہی کیا کوئی عیسائی کسی مسلمان سے اس کی توقع نہ کرے۔ کبھی کوئی مسلمان اسلام کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار نہیں کر سکتا۔

پادری۔ جلدی فیصلہ نہ کرو۔ جو چیزیں آج تم نے دیکھی ہیں ان کا خیال کرو اور دو چار روز سوچنے اور سمجھنے کے بعد طے کرو کہ مرنا قبول کرتے ہو یا آرام سے زندہ رہنا ______

سعید نے کچھ کہنا چاہا۔ پادری نے روک کر کہا۔ میں ابھی کچھ سننا نہیں چاہتا۔ اس وقت تم جاؤ پھر کسی روز آکر تم سے باتیں کروں گا۔

یہ کہتے ہی اس نے پادریوں کو اشارہ کیا۔ وہ مسلمانوں کو لے کر چلے گرجہ سے باہر نکلے اور قید خانہ کے قریب پہنچ کر مسلمانوں کو قید خانہ میں ڈال کر دروازہ بند کر کے واپس لوٹ گئے۔

طاہو اور یوحنا نے قلعہ انطاط میں جس شور و غل کی آواز سنی تھی اور اس آواز کو سن کر وہ فرار ہو گئی تھیں وہ رونے پیٹنے کی تھی انہیں یہ صحیح اطلاع ملی تھی کہ سوسن اور طاریون کا لشکر شکست کھا کر اور طاریون کو گرفتار کرا کر واپس آیا تھا۔

اول تو اس مختصر سی جنگ میں انطاط کے بہت سے آدمی مارے گئے تھے۔ دوسرے طاریون گرفتار ہو گئی تھی۔ چونکہ عام طور پر لوگوں کو اس سے محبت تھی اس لئے سب ہی کو گرفتاری سے رنج ہوا تھا۔ ان دونوں باتوں کی وجہ سے سارے قلعہ میں عام ماتم چھا رہا تھا۔

تمام رعایا۔ ارا کین سلطنت۔ امراء وزراء حتیٰ کہ بادشاہ تک سب غمگین و حزیں تھے۔ آہ و واہ کر رہے تھے مسلمانوں کو گالیاں دے رہے تھے۔

دروسوس جنل اسٹاسنہ میں چلا گیا تھا لوگ اسے اس کی بزدلی کی وجہ سے برا بھلا کہہ رہے تھے۔

جب سے قلعہ میں یہ خبر آئی تھی اسی وقت سے تلاطم بپا تھا چونکہ یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ کس قدر آدمی اور کون کون مارے گئے اور واپس آنے والے بہت تھوڑے تھے کیونکہ کچھ اس طرف بھاگ کر آ گئے تھے کچھ رقیان میں چلے گئے تھے اور کچھ ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے اس لئے جو لوگ نہیں آئے تھے انہیں مردہ تصور کر لیا تھا اور ان کے عزیز و احباب انہیں رو رہے تھے۔

سارا قلعہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ لیکن اگر کوئی شخص خوش تھا تو وہ قریاقوس تھا۔ اس سانحہ کا اس کے دل پر مطلق بھی اثر نہیں تھا۔ مگر رسمی طور پر اوپر ہی دل سے وہ بھی شریک غم بنا ہوا تھا اور بادشاہ کے پاس بیٹھا ہوا جھوٹی سچی تسلیاں دے رہا تھا۔

بادشاہ نے اس سے کہا۔ "وزیر اعظم! بتاؤ اب کیا کرنا چاہئے!

قریاقوس نے کہا۔ اس واقعہ کی اطلاع ملک شرواس کو کر دینی چاہئے۔ یقین ہے وہ کسی تدبیر سے شہزادی کو مسلمانوں کے پنجہ سے حاصل کر لیں گے۔

بادشاہ۔ مشورہ تو تمہارا معقول ہے اچھا تم ہی کچھ لشکر لے کر چلے جاؤ اور ملک شرواس سے میری طرف سے عرض کرو کہ وہ طاریون کو واپس بلا کر میرے اوپر احسان کریں۔

قریاقوس وہاں سے ذرا ہوا بھی ٹلنا نہ چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ طاہو کو اپنے پاس سے ایک لمحہ کے لئے بھی جدا کرنے کو تیار نہ تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ رقیان جائے اور اس کے پیچھے طاہو محافظوں کو جل دے کر چل دے۔

اسے یہ خبر نہ تھی کہ وہ چل بھی گئی تھی۔

اس نے کہا۔ "مجھے تعمیل حکم میں کوئی عذر نہیں ہے مگر میرا رقیان جانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ میری یہاں ضرورت ہے۔ مسلمان چاروں طرف بکھرے پڑے ہیں نہ معلوم کس وقت اس قلعہ پر چڑھ آویں۔

بادشاہ۔ پھر کسے بھیجا جائے۔

قریاقوس۔ میں اپنے کسی معتمد کو بھیج دوں گا۔

بادشاہ۔ اچھا ایسا ہی کرو۔

قریاقوس وہاں سے اٹھ کر چلا آیا اور اپنے مکان پر پہنچا۔ کچھ دیر وہاں ٹھہر کر اسی مکان میں گیا جس میں طاہو رہتی تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ طاہو اور یوحنا دونوں وہاں موجود ہوں گی۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے ان میں سے ایک کو بھی نہ دیکھا۔ مکان کو

خالی دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے داروغہ مکان سے دریافت کیا۔ "پروینہ اور طاہرہ کہاں ہیں۔

داروغہ نے جواب دیا۔ آج وہ ہوا خوری سے اس وقت تک واپس نہیں آئی ہیں۔ بلکہ انہوں نے سردی سے بچنے کے لئے اپنی شالیں بھی منگا لی ہیں۔

قریاقوس یہ سن کر گھبرا گیا۔ اس نے جلدی سے دریافت کیا۔ شالیں کون دے کر آیا تھا۔

داروغہ:۔ پروینہ کا خادم لے گیا تھا۔

قریاقوس:۔ اسے بلاؤ۔ جلدی کرو۔

قریاقوس کی کیفیت دیکھ کر داروغہ بھی گھبرا گیا۔ اور بجائے اس کے کہ وہ کسی خادم کو اس کے بلانے کے لئے بھیجتا خود ہی چلا گیا۔

قریاقوس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ وہ اس قدر بے چین ہو گیا تھا کہ بیٹھا بیٹھا پہلو بدلنے لگا۔ جب اس طرح قرار نہ پڑا تو ٹہلنے لگا۔

کچھ دیر کے بعد داروغہ ایک خادم لے کر آیا۔ اس نے آتے ہی کہا۔ حضور! یہ لے گیا تھا شال۔

قریاقوس نے اس کے سامنے جا کر اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ "تم لے گئے تھے شال۔

خادم ڈر گیا اس نے عاجزی کے ساتھ جواب دیا۔ جی ہاں"

قریاقوس:۔ کس نے منگائی تھی۔

خادم:۔ حضور کی ہمشیرہ صاحبہ نے۔

قریاقوس:۔ کہاں تھیں وہ۔

خادم:۔ قلعہ کے دروازہ پر۔

قریاقوس:۔ کیا کہا تھا انہوں نے۔

خادم:۔ سردی کی شکایت کر کے شال لانے کے لئے کہا تھا۔

قریاقوس:۔ جب تم شال لے گئے تو وہ کہاں تھی۔

خادم:۔ شرقی فصیل کے انتہائی کنارہ پر۔

قریاقوس:۔ تم سے شال لے کر انہوں نے کچھ کہا تھا۔

خادم:۔ حضور یہ کہا تھا کہ جب تک ہم واپس نہ آویں کسی سے تذکرہ نہ کرنا۔

قریاقوس:۔ طاہرہ بھی اس کے ساتھ تھی۔

خادم۔ جی ہاں۔

قریاقوس:۔ اور محافظ سوار کہاں تھے۔

خادم:۔ وہ قلعہ میں داخل ہو چکے تھے۔

قریاقوس نے بگڑ کر کہا۔ "بدبخت کمینہ تم نے فوراً" ہی مجھے کیوں نہ اطلاع کی۔

خادم۔ چونکہ میری آقازادی نے مجھے منع کر دیا تھا۔ اس لئے مجھے خوف ہوا کہ اگر ان کے آنے سے پہلے میں نے آپ کو اطلاع کر دی تو وہ آکر ضرور ناخوش ہوں گی۔

قریاقوس نے غضبناک ہو کر کہا۔ "بدمعاش یہ نہیں کہتا کہ تو بھی ان کے فرار ہو جانے کی سازش میں شریک ہے۔ اچھا کچھ پرواہ نہیں ......

داروغہ! اس بدبخت کو فوراً" قتل کر ڈالو۔

خادم کانپ گیا۔ اسے نہ یہ خیال تھا کہ پروینہ اور طاہرہ بھاگ جائیں گی نہ وہ کسی سازش میں شریک تھا۔ وہ جلدی سے اس کے پیروں میں گر پڑا اور رو رو کر کہنے لگا غریب پرور! میں کسی سازش میں شریک نہیں تھا نہ مجھے یہ خیال تھا کہ وہ فرار ہو جائیں گی۔ میں سچ کہتا ہوں۔ رحم پرور! میرے دو بچے ہیں جو بالکل ہی چھوٹے ہیں۔ ایک بیوی ہے ایک بوڑھیا ماں ہے اور ایک جوان اور غیر شادی شدہ بہن ہے میرے مارے جانے سے وہ برباد ہو جائیں گے مجھ پر رحم کیجئے۔ میری جان بچا لیجئے۔

قریاقوس نے ٹھوکر لگا کر کہا۔ "کبھی نہیں۔ بدمعاش تو چاہتا ہے کہ میں تیرے رونے سے نرم بن جاؤں گا۔ تجھے معاف کر دوں۔ کبھی ایسا نہیں کر سکتا (داروغہ کی طرف دیکھ کر) ہاں کیا دیر ہے فوراً" اس کا سر اڑا دو۔

داروغہ نے تلوار نکالی۔ خادم ہاتھ جوڑ کر آنسو بہا کر قریاقوس کے سامنے سجدہ میں گر پڑا۔ اس نے بڑی عاجزی کی۔ خدا۔ حضرت عیسیٰ۔ پاک ماں (حضرت مریم) کے واسطے دئے۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی۔

آخر داروغہ کی تلوار اس کی گردن پر پڑی۔ سر کٹ کر دور گرا۔ اور بے گناہ تن دھڑ تڑپنے لگا۔

قریاقوس کی آنکھوں سے اس وقت آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ اس نے گرج کر کہا۔ محافظ دستہ کے افسر کو بلاؤ۔

داروغہ بھی قریباً خوف و دہشت سے کانپ رہا تھا۔ وہ جلدی سے افسر کو بلانے کے لئے

چلا گیا۔ قریاقوس پھر ٹہلنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں داروغہ ایک افسر کو لے کر حاضر ہوا۔ قریاقوس نے غیظ بھری نظروں سے اسے دیکھ کر دریافت کیا۔ کیا تمہارے سامنے پریونہ اور طاہرہ قلعہ کے اندر آئی تھیں؟

افسر نے عاجزی سے جواب دیا۔ نہیں حضور۔"

قریاقوس۔ تم ان دونوں کو قلعہ کے باہر چھوڑ کر چلے آئے تھے۔

افسر۔ جی ہاں۔

قریاقوس۔ کیوں۔

افسر۔ وہ قلعہ میں آنے کے لئے روانہ ہو چکی تھیں۔ ہم نے شور وبکا کی آوازیں سنیں۔ ہم دریافت حال کے لئے ان سے پہلے چلے آئے۔

قریاقوس۔ اب جانتے ہو وہ دونوں کہاں ہیں۔

افسر۔ محل کے اندر ہوں گی حضور۔

قریاقوس یہ جواب سن کر غصہ سے از خود رفتہ ہو گیا۔ اس نے کڑک کر کہا۔ محل کے اندر ہوں گی .... بدمعاش یہ نہیں کہتا کہ تو نے ان سے سازش کر کے انہیں بھاگ جانے کا موقعہ دیا۔

افسر یہ سمجھا بیٹھا تھا کہ طاہرہ اور پریونہ دونوں واپس آکر محل میں داخل ہو گئی ہوں گی۔ لیکن اب بھاگ جانے کا حال سن کر لرز گیا۔ اس نے رکوع کی شان سے جھک کر کہا۔ "ذلی جناب! مجھے ان کے بھاگنے کا بالکل علم نہیں ہے۔"

قریاقوس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اب تو علم ہو گیا۔ اچھا اب اس لاپرواہی کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

افسر۔ بیشک میں سزا کا مستحق ہوں حضور۔

قریاقوس نے داروغہ سے کہا۔ "اس بدبخت کو بھی قتل کر ڈال۔

افسر کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اسے در و دیوار گھومتے ہوئے نظر آنے لگے۔ وہ جلدی سے اس کے پیروں میں گر پڑا اور رو رو کر بولا۔ رحم حضور۔ رحم۔"

قریاقوس نے اس کے سر میں ٹھوکر مار کر کہا۔ "کبھی نہیں۔ نمک حرام کتے کبھی نہیں۔

داروغہ ڈرا ہوا تھا۔ اسے خوف تھا کہ اگر اس نے حکم کی تعمیل میں ذرا بھی دیر کی تو کہیں اس کا سر بھی نہ اڑا دیا جائے۔ اس لئے اس نے جلدی سے تلوار ماری اور افسر کا سر بھی کٹ گیا۔

قریاقوس ان دو بے گناہوں کا خون کر کے بھی نرم نہ پڑا۔ اس نے قہر بھری نظروں سے داروغہ کو دیکھ کر کہا۔ "خبیث بڈھے تو نے بھی اب تک کیوں مجھے اطلاع نہ کی۔

داروغہ بڈھا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اب اس کا نمبر آیا ہے۔ اس نے کہا۔ "میں اس لئے حضور کو اطلاع نہ کر سکا کہ آقازادی نے چلتے وقت کہا کہ آج ہم دونوں قصر وزارت میں کھانا کھائیں گی۔ چونکہ حضور نے یہ فرما رکھا تھا کہ ہم سب طاہرہ کو حضور کی طرف مائل کرتے رہیں۔ میں نے سمجھا کہ شاید وہ بہت رام ہو گیا لیکن اس پر بھی میں خطاوار ہوں آپ مجھے بھی قتل کروا دیں۔ لیجئے یہ تلوار موجود ہے۔

یہ کہتے ہی بڈھے نے تلوار بڑھائی۔ قریاقوس نے کچھ سوچ کر کہا۔ اچھا فی الحال تمہارا قصور معاف کیا جاتا ہے۔ میں بادشاہ کے حضور میں جا رہا ہوں۔ میرے واپس آنے سے پہلے تم ان کمینوں کی لاشیں پھنکوا کر فرش دھلوا دو۔

داروغہ۔ بہت اچھا حضور۔

قریاقوس وہاں سے چل کر بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوا۔ بادشاہ اسے دیکھ کر کچھ گھبرا گیا۔ اس نے کہا۔ تم ابھی گئے تھے۔ ابھی پھر واپس آ گئے خیر تو ہے۔

قریاقوس نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔ "عالم پناہ۔ سب خیریت ہے۔ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ میں نے جب یہاں سے جا کر غور کیا تو مناسب یہ معلوم ہوا کہ میں خود ہی رخصان جاؤں ....

بادشاہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ " میں تو خود ہی یہ کہتا تھا بہتر ہے تم ہی چلے جاؤ۔

قریاقوس۔ میں وقت کھونا نہیں چاہتا۔ اسی وقت روانہ ہونا چاہتا ہوں۔

بادشاہ۔ شاید تمہارا دل بھی میرے ہی دل کی طرح سے طاریون کے لئے بے قرار ہو گیا ہے۔

قریاقوس۔ جی ہاں۔ اور اسی لئے میں ایک لمحہ بھی ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔

بادشاہ۔ بالکل ٹھیک ہے۔ اس وقت تمہاری اس ہمدردی نے مابدولت کے دل پر گہرا اثر کیا ہے۔

قریاقوس۔ میں بندہ عالی ہوں۔ اور اس لئے یہ سمجھتا ہوں کہ میرا فرض یہ ہے کہ شہزادی کے لئے جلد سے جلد اور انتہائی کوشش کروں۔

بادشاہ:۔ اچھا جاؤ مسیح تمہاری مدد کریں۔

قریاقوس سلام کر کے اٹھا اور اپنے مکان پر آیا۔ فوراً ایک ہزار لشکر کو تیار ہونے کا حکم دیا اور خود بھی مسلح ہونے لگا۔

جب وہ اور اس کا لشکر تیار ہوئے تو ایک تہائی رات باقی رہ گئی تھی وہ لشکر لے کر چلا۔ قلعہ سے باہر آیا اور رغبان کی طرف روانہ ہوا۔

چھبیسواں باب

مظلوم حوریں پھر قریاقوس کے پنجہ ستم میں

طاہرہ اور پروینہ دونوں انگوروں کا ناشتہ کر کے چل پڑی تھیں رات کو وہ راستہ بھول گئی تھیں۔ طاہرہ تو راستہ سے واقف ہی نہ تھی۔ پروینہ البتہ جانتی تھی لیکن اندھیری رات ہونے کی وجہ سے وہ بھی بھول گئی تھی جب وہ کچھ دور چلیں۔ تب پروینہ نے کہا۔ طاہرہ ہم رات راستہ بھول گئی تھیں اور بجائے رغبان جانے کے صران کی طرف نکل آئیں۔

طاہرہ نے کہا۔ اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہے اگر صران قریب ہو تو پھر وہیں چلو۔ صران پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔

پروینہ:۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن بھائی جان کہہ رہے تھے کہ کوئی شخص عاصم نامی قسطنطنیہ سے آرہا ہے اور وہ راس العین جا رہا ہے۔ ممکن ہے اس طرف وہ مل جائے۔

طاہرہ:۔ کیا وہ عیسائی ہے۔

پروینہ:۔ ہاں وہ عیسائی ہے۔

طاہرہ:۔ جب تو ہمیں رغبان ہی چلنا چاہئے۔

پروینہ:۔ یہی میں مناسب سمجھتی ہوں۔

طاہرہ:۔ اب ہمیں آگے بڑھنا پڑے گا۔ یا پیچھے لوٹنا پڑے گا۔

پروینہ:۔ ہمیں کم سے کم پانچ میل لوٹنا پڑے گا۔

طاہرہ:۔ یہ تو برا ہوا۔

پروینہ:۔ کچھ برا نہیں ہوا۔ صرف ایک گھنٹہ کا راستہ ہے۔ آؤ ذرا تیز چلیں۔

طاہرہ:۔ چلئے۔

دونوں نے گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی کر دیں۔ گھوڑے سمجھ گئے کہ ان کے سوار انہیں دوڑانا چاہتے ہیں چنانچہ وہ تیزی سے دوڑ پڑے۔ دونوں ناز آفریں لڑکیاں ہوشیار بیٹھی رہیں۔

جب انہوں نے تقریباً تین میل کا فاصلہ طے کیا تو ایک ایسی جگہ پہنچیں جہاں اس کثرت سے درخت کھڑے تھے کہ ان کی شاخوں کو ہٹا کر ان کے درمیان سے گزرنا مشکل ہو گیا۔

یہاں پہنچ کر یہ گھوڑوں سے نیچے اتر آئیں اور آہستہ آہستہ چلنے لگیں۔

اگرچہ آفتاب بہت کچھ اونچا ہو گیا تھا۔ دھوپ اچھی طرح پھیل گئی تھی لیکن اس گھنے جنگل میں اب بھی اندھیرا تھا۔ آفتاب کی شعاعیں گنجان شاخوں میں الجھ کر رہ جاتی تھیں۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اللہ اللہ اس قدر حسین ہونے پر بھی اور خوبصورت ہونے کا ارمان ہے۔

پروینہ:۔ عورت خواہ کسی قدر حسین کیوں نہ ہو پھر بھی یہی تمنا کرتی ہے کہ وہ دنیا بھر کی عورتوں سے زیادہ خوبصورت ہو۔

طاہرہ:۔ شاید عیسائی عورتوں کا ایسا خیال ہو۔ مسلمان عورتوں کی یہ خواہش نہیں ہوتی۔

پروینہ:۔ میں عیسائی عورتوں کا ہی ذکر کر رہی ہوں۔

طاہرہ:۔ سمجھتی ہو۔ کیوں ایسی عورتیں ایسی تمنا کرتی ہیں۔

پروینہ:۔ نہیں۔

طاہرہ:۔ عیسائیوں میں پردہ نہیں ہے ان کی عورتیں مردوں میں۔ مردوں کی مجلسوں میں غرض ہر جگہ شامل ہوتی رہتی ہیں۔ اس لئے ہر عورت یہ چاہتی ہے کہ تمام مردوں کی توجہ اسی کی طرف رہے۔ ساری دنیا اسے ہی حسین کہے۔ دنیا جہاں میں اس کے حسن کی شہرت ہو اور چونکہ مسلمانوں میں پردہ ہے۔ مسلمان عورتیں مردوں کے مجمع میں نہیں جاتیں اس لئے وہ یہ خواہش بھی نہیں رکھتیں کہ وہ اس قدر خوبصورت ہوں کہ دنیا انہیں دیکھے اور ان کے حسن کی تعریف کرے۔

پروینہ:۔ میں سمجھتی ہوں کہ پردہ نہایت اچھی چیز ہے۔

طاہرہ:۔ عورت کی عزت ہی پردہ سے ہے جو چیز منظر عام پر آجاتی ہے اس کی عزت نہیں رہا کرتی۔

پریونہ:۔ یہی بات ہے۔

طاہرہ:۔ تو اب چلیں۔

پریونہ:۔ چلو۔

دونوں اٹھیں۔ گھوڑوں پر سوار ہوئیں اور پھر چل پڑیں۔ کچھ دور چل کر انہوں نے کسی قدر فاصلہ پر اونٹوں کی قطاریں آتی ہوئی دیکھیں۔ حلیم الطبع اور مستقل مزاج اونٹ نہایت اطمینان سے قدم قدم چلے آ رہے تھے اونٹ قطاروں میں آگے پیچھے آ رہے تھے۔ ان کے ادھر ادھر کچھ گھوڑے بھی تھے لیکن وہ اتنی دور تھے کہ ان کے سوار اگرچہ نظر آ رہے تھے۔ مگر یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ عیسائی ہیں یا مسلمان۔

پریونہ نے کہا۔ "یہ اس طرف سے کون لوگ آ رہے ہیں۔

طاہرہ نے کچھ متاسف ہو کر کہا۔ "کہیں یہ عاصم تو نہیں آ رہا ہے۔

پریونہ۔ ممکن ہے خیر یہ کوئی ہوں۔ ہمیں ان کی نگاہوں سے بچ کر نکل چلنا چاہیے۔

طاہرہ۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ مگر دیکھنا یہ اس طرف سے گھوڑے دوڑائے کون چلے آ رہے ہیں۔

اونٹ بائیں جانب سے آ رہے تھے اور گھوڑے یا سوار جنہیں طاہرہ نے دیکھا تھا سامنے سے آ رہے تھے۔

پریونہ نے دیکھ کر کہا۔ "طاہرہ غضب ہو گیا یہ سوار اغلاط کے ہیں۔

طاہرہ گھبرا گئی اس نے کہا۔ "غور سے دیکھو کہیں ان میں قریاقوس تو نہیں ہے۔ ابھی تک سوار فاصلہ پر تھے۔ پریونہ نے غور سے دیکھ کر کہا۔ ہے طاہرہ افسوس اب ہم کیا کریں۔

بھولی طاہرہ سہم گئی۔ اس کی دلکش آنکھوں سے ہراس ظاہر ہونے لگا اس نے دل گرفتگی کے انداز میں کہا افسوس قسمت نے پھر وحشیوں کے قریب پہنچا دیا۔ پریونہ! ...... میں ان بے رحموں کے پاس جانے سے مر جانا بہتر سمجھتی ہوں۔

پریونہ نے جلدی سے کہا۔ "اور میں بھی۔ قریاقوس اگرچہ میرا بھائی ہے لیکن اس قدر ظالم اور بے درد ہے کہ میں بھی اس سے نفرت کرتی ہوں اس وقت جتنا تمہیں اس سے خوف ہے اتنا ہی مجھے بھی ہے۔ ان بدبختوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے اور ہمیں گرفتار کرنے کے لئے ہی آ رہے ہیں۔ آؤ ہم ان اونٹوں والوں کے پاس چلیں خواہ یہ کوئی بھی ہوں۔

طاہرہ:۔ ٹھیک کہتی ہو۔ اچھا تو اب ایک لمحہ ضائع نہ کرو۔ آؤ ان کی ہی طرف دوڑیں۔

پریونہ:۔ چلیں۔

دونوں نے گھوڑوں کا رخ اونٹوں کی طرف کر کے تیزی سے دوڑا دیا ان سواروں نے جو ان کی طرف دوڑے آ رہے تھے دیکھ لیا۔ انہوں نے بھی اپنا رخ بدل لیا۔ اور ان لڑکیوں کا راستہ کاٹنے کی کوشش کی۔

ادھر لڑکیاں ادھر سوار دونوں تیزی سے اونٹوں کی طرف دوڑے چلے جا رہے تھے اور اس بھاگ دوڑ میں ایک دوسرے قریب ہوتے جاتے تھے۔

اگرچہ لڑکیاں برابر اپنا رخ پھیرتی جاتی تھیں اور کوشش کر رہی تھیں کہ کسی طرح اونٹوں والوں کے قریب پہنچ جائیں مگر سوار برابر ان کا راستہ کاٹتے چلے آ رہے تھے۔

آخر دوڑتے دوڑتے سواروں نے ان ناز آفریں مہ جبینوں کو آ پکڑا۔ یہ قریاقوس اور اس کے آٹھ دس ساتھی تھے۔

دونوں لڑکیوں نے سہمی ہوئی نگاہوں سے قریاقوس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اس نے ان کے پاس آتے ہی کڑک کر کہا۔ دغابازو! اب کہاں بھاگ کر جاؤ گی۔

چونکہ اب بھاگنا بے سود تھا اس لئے دونوں گھوڑے روک کر کھڑی ہو گئیں۔

قریاقوس اور اس کے سپاہی ان کے چاروں طرف پھیل گئے۔ طاہرہ نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اونٹ والے اب بھی ان سے کسی قدر فاصلہ پر تھے۔ لیکن اب وہ صاف طور پر نظر آنے لگے تھے وہ عمامے باندھے ہوئے تھے اس نے سمجھ لیا کہ وہ مسلمان ہیں۔

قریاقوس نے طاہرہ سے کہا۔ "نا شکر گزار لڑکی! تو بھاگنا چاہتی تھی۔ آج تیری زندگی کا آخری دن آ پہنچا۔

طاہرہ خاموش تھی قریاقوس نے قہر بھری نظروں سے پریونہ کو دیکھ کر دانت پیستے ہوئے کہا۔ "بے حیا اور بد راہ بہن! تو بھی اس عرب ساحرہ کے کہنے میں آ گئی آج تجھے بھی ایسی سزا دوں گا جسے تو عمر بھر یاد رکھے گی۔

پریونہ نے متانت سے کہا۔ "بھائی جان! مجھے سزا دے دو۔ میرا سر اڑا دو۔ مجھ پر تمہیں ہر طرح کا اختیار ہے لیکن یہ معصوم دوشیزہ سزا کی سزاوار نہیں ہے۔ اسے معاف کر دو۔ اور جہاں یہ چاہے اسے جانے دو۔"

قریاقوس نے بگڑ کر کہا۔ "جانے دوں...... خوب۔ جب یہ میری نہیں ہوتی تو میں

بھی اسے کسی کی نہ ہونے دوں گا۔ میں آج اسے ضرور قتل کر کے رہوں گا۔

پریوتہ نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ تم اسے چھوڑ دو اور یہ سمجھ لو کہ تم نے اسے قتل کر ڈالا۔

قریاقوس: یہ نہیں ہو سکتا طاہرہ۔ اب آخری فیصلہ کر لے۔ بتا عیش و آرام کی زندگی پسند کرتی ہے یا موت۔

طاہرہ نے سنجیدگی سے کہا۔ عیش و آرام کی حیا سوز زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دیتی ہوں۔

قریاقوس نے تلوار کھینچ کر بلند کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو لے سنبھل۔"

پریوتہ جلدی سے بڑھ کر قریاقوس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اس نے جرات و استقلال بھرے لہجہ میں کہا۔ تم میرے سامنے اسے قتل نہیں کر سکتے۔

قریاقوس کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے برافروختہ ہو کر کہا۔ "اچھا تو اس سے پہلے تو ہی مرنے کے لئے تیار ہو جا۔"

پریوتہ: تیار ہوں۔

قریاقوس نے اس کی طرف تلوار بڑھائی۔ پریوتہ نے اپنا سر جھکا دیا۔

طاہرہ تڑپ کر بڑھی اس نے کہا۔ "نہیں نہیں اسے قتل نہ کرو۔ تم کیسے بھائی ہو تم کس قدر سنگدل ہو گئے ہو۔ کیا تم اپنی بہن کو قتل کر کے خوش رہ سکو گے۔"

قریاقوس: ناخوشی کی بھی کوئی بات نہیں ہے۔

طاہرہ: اچھا اگر تم مرد ہو تو ایک تلوار مجھے دو۔ ایک خود لو اور مردوں کی طرح لڑو۔

قریاقوس: شاید تمہیں اپنی بہادری پر ناز ہے۔

طاہرہ: نہیں۔ بلکہ اس کا خدا پر ناز ہے۔ جو ہمیشہ مظلوموں کی حمایت کرتا ہے۔

قریاقوس کچھ سوچنے لگا۔ اس کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے کہا۔

"حضور کہیں اسے تلوار نہ دے دیں۔ یہ عربی عورتیں غضب کی بہادر ہوتی ہیں یہ جان دے دینا اور جان لے لینا کھیل سمجھتی ہیں۔"

قریاقوس نے کہا۔ میں ایسا بے وقوف نہیں ہوں۔

اب وہ طاہرہ کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ میں تمہاری بہادری سے ڈرتا نہیں تمہیں تلوار بھی دے دیتا۔ مگر ایک عورت سے ایک مرد کا مقابلہ ٹھیک نہیں ہوتا۔ ابھی وقت ہے

طاہرہ: زندگی عزت کے ساتھ اچھی ہوتی ہے۔

قریاقوس پھر بگڑ گیا۔ اس نے غضب ناک ہو کر کہا۔ اچھا مت مان۔ مجھے بھی قسم ہے جو تجھے زندہ چھوڑوں۔

یہ کہتے ہی اس نے تلوار سنبھالی۔ ابھی وہ حملہ کرنے بھی نہ پایا تھا کہ گھوڑوں کے سموں کی آواز آئی۔ اس نے اور اس کے ساتھ ہی اس کے ساتھیوں نے طاہرہ اور پریوتہ نے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا۔ انہیں چند عرب گھوڑے دوڑاتے آتے نظر آئے۔

عیسائی ان عربوں کو دیکھ کر سہم کر رہ گئے۔ البتہ طاہرہ اور پریوتہ کے چہرے جوش مسرت سے چمکنے لگے اور وہ خوش ہو کر آنے والے عربوں کو دیکھنے لگیں۔

انتقام

عرب نہایت تیزی سے اڑے چلے آرہے تھے وہ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے پاس آکر رکے اور رکتے ہی تلواریں کھینچ لیں۔ ان میں سے ایک جو پست قد تھے بولے۔ "عیسائیو! میرا نام دامس ابوالہول ہے۔ میں وہ ہوں۔ جس نے حلب کا قلعہ فتح کیا تھا۔ میں اکثر لڑائیوں میں شریک ہو کر فتح یاب ہو چکا ہوں۔ یہ کیا معاملہ ہے تم ان عورتوں کو کیوں گھیرے کھڑے ہو۔ یہ کون ہیں۔

چونکہ پریوتہ اور طاہرہ دونوں عیسائی لڑکیوں جیسی پوشاک پہنے ہوئے تھیں اس لئے دامس ابوالہولؓ انہیں پہچان نہ سکے۔

دامس ابوالہول وہی تھے جن کے متعلق خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے اس خط میں لکھا تھا جو عیاضؓ کے پاس آیا تھا۔

ناظرین کو یاد ہو گا کہ امیر المومنین نے اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ ابو عبیدہ نے دامس ابوالہول کو ہدایت کی ہے کہ وہ معہ چار سو مجاہدین کے تمہاری مدد کو پہنچ جائیں۔

دامس ابوالہولؓ ایک غلام تھے۔ سیاہ فام اور پست قد تھے۔ یہ ملک شام کی فتوحات کے وقت متعدد معرکوں میں شریک ہو کر فتحیاب ہو چکے تھے۔

جب مسلمانوں نے ملک شام پر قبضہ کر لیا اور ہرقل کی عظیم الشان سلطنت کا تختہ الٹ دیا تو کچھ لشکر حضرت عمرو بن العاص کی سرکردگی میں ملک مصر فتح کرنے کے لئے روانہ ہوا تھا۔ اس لشکر کے ساتھ دامس ابوالہول بھی پانچ سو غلاموں کا دستہ لے کر شریک جنگ

ہوئے تھے۔

مسلمانوں نے مصر پر بھی قبضہ کر لیا۔ عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ دوئم کے حکم کے بموجب واسں کو مصر کے ایک حصہ کی گورنری دے دی تھی اس حصہ ملک میں ساما ایک مشہور شہر تھا واسں ساما میں رہنے لگے تھے۔

جب ان کے پاس حضرت ابوعبیدہؓ کا فرمان شرکت جنگ کے متعلق پہنچا تو وہ سو غلاموں کو وہاں چھوڑ کر چار سو مجاہدین کو ساتھ لے کر حضرت عیاض کی امداد کے لئے ارض رہیہ یا جزیرہ میں آئے تھے۔

جو اونٹ اور ان کے ساتھ سوار طاہرہ اور پروینہ نے دیکھے تھے وہ واسںؓ اور ان کے ساتھی غلام تھے۔

اس وقت قریاقوس کے پاس صرف پانچ مسلمان گھوڑے دوڑا کر آئے تھے اور ان پانچ میں سے ایک واسں تھے۔

واسں نہایت بہادر، پرجوش اور کمال مدبر تھے۔ انہوں نے دور سے طاہرہ اور پروینہ کو دیکھ لیا تھا اور ان کی طرف قریاقوس اور ان کے ساتھیوں کو دوڑتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ وہ یہ سمجھ گئے تھے کہ یہ لوگ ان عورتوں کو دق اور پریشان کرنے کے لئے ان کے پاس گئے تھے۔

انہیں معلوم نہیں تھا کہ عورتیں کون ہیں اور عیسائی سوار کون ہیں وہ محض عورتوں سے ہمدردی رکھنے کی وجہ سے ان کی مدد کرنے کے لئے دوڑ آئے تھے۔

انہیں عورتوں کی ہمدردی اس وجہ سے تھی کہ رسول خدا صلعم نے مسلمانوں سے کہا تھا۔ کہ ایام جاہلیت (وہ زمانہ جو اسلام سے پہلے تھا) میں عورتوں کی بڑی بے قدری تھی۔ اسلام نے عورتوں کے حقوق مقرر کر دئے تھے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ہر عورت کی عزت کریں اور ضرورت کے وقت ان کی اعانت سے دریغ نہ کریں۔

چنانچہ انہوں نے آتے ہی خود ہی اپنا تعارف کراتے ہوئے دریافت کیا۔

یہ کیا معاملہ ہے۔ تم ان عورتوں کو کیوں گھیرے کھڑے ہو۔ یہ عورتیں کون ہیں۔

قریاقوس نے جب انہیں اول ہی نظر میں دیکھا تھا تو وہ سمجھا تھا کہ وہ دس بارہ ہیں لیکن جب وہ پاس آئے اور اس نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ وہ صرف پانچ ہیں تو اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔

حوصلہ بڑھ جانے کی یہ وجہ تھی کہ اس کے ساتھ دس سوار تھے اور وہ خود گیارہواں تھا اور واسں اور ان کے ساتھی صرف پانچ ہی تھے۔

چنانچہ اس نے کہا۔ "آپ کو ہمارے معاملہ میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ جایئے آپ اپنا کام کیجئے۔

واسں نے کہا ہمارے ہادی رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ نے ہمیں حکم دیا ہوا ہے کہ ہم عورتوں کی عزت کریں نہ خود انہیں تکلیف دیں نہ کسی اور کو تکلیف دینے دیں۔ میں نے ان لڑکیوں کو دوڑتے ہوئے دیکھا تھا اور تمہیں ان کی طرف بھاگتے ہوئے۔ میں یہ سمجھ گیا تھا کہ یہ تم سے ڈر کر بھاگ رہی ہیں۔ اور تم انہیں روکنے کے لئے دوڑ رہے ہو۔ کیا میرا یہ خیال صحیح نہیں تھا۔؟

قریاقوس:۔ ہم ان لڑکیوں کے دشمن نہیں ہیں۔

واسں:۔ لیکن دوست بھی نہیں معلوم ہوتے۔ یہ لڑکیاں تم سے ڈر کر ہماری طرف بھاگی آ رہی تھیں۔ آخر اس کی کیا وجہ تھی۔

قریاقوس:۔ آپ کا خیال غلط ہے ان میں سے ایک میری بہن ہے۔

واسں:۔ اور یہ دوسری۔

قریاقوس:۔ یہ میری بہن کی ایک سہیلی ہے۔

دونوں لڑکیاں خاموش کھڑی ان کی گفتگو سن رہی تھیں۔ یا تو انہیں گفتگو کرنے کا موقعہ ہی نہ ملا تھا یا وہ دیکھ رہی تھیں کہ قریاقوس شیران عرب کے سامنے اپنی کیا صفائی پیش کرتا ہے اور کس قدر جھوٹ یا سچ بولتا ہے۔

واسں:۔ جب تو معاف کرنا کہ بے وجہ میں نے شک کر کے مداخلت کی۔ یہ کہہ کر وہ واپس لوٹنے لگے۔ طاہرہ نے جلدی سے کہا۔ یا اخی! (اے بھائی) ذرا ٹھہر جایئے۔

قریاقوس نے کہا۔ آپ اس کی بات نہ سنیں۔ اس کے دماغ میں کچھ فتور آگیا ہے۔

طاہرہ نے فصیح عربی زبان میں گفتگو کی تھی۔ واسںؓ کھڑے ہو کر اسے اور اس کے خدوخال کو دیکھنے لگے۔

مسلم لڑکیاں عیسائی لڑکیوں سے الگ پہچانی جاتی تھیں چونکہ طاہرہ مسلم لڑکی تھی اس لئے صاف پہچانی جا رہی تھی۔ واسں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ "بچی! کیا تو عرب دوشیزہ ہے۔

طاہرہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ "جی ہاں میں بدقسمت عربی لڑکی ہوں۔"

قریاقوس نے جلدی سے کہا۔ "جناب اس کمبخت کے دماغ میں کچھ فتور ہو گیا ہے کہ یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتی اور سمجھتی ہے۔"

وامس نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔ "ٹھہریے۔ مجھے پوچھ لینے دیجئے ہاں بچی تیرا کیا نام ہے۔"

طاہرہ:- میرا نام طاہرہ ہے؟"

وامس:- تیرے باپ یا بھائی کا کیا نام ہے۔

طاہرہ:- میرے بھائی کا نام حارث ہے۔

وامس:- خیر میں حارث سے واقف نہیں ہوں۔

طاہرہ:- ہم طائف اس کے رہنے والے ہیں۔

وامس:- مگر تم عیسائیوں میں کیسے آگئی۔

طاہرہ:- یہ بڑی داستان ہے کبھی فرصت میں عرض کروں گی۔ مختصر یہ ہے کہ یہ شخص (قریاقوس کی طرف اشارہ کر کے) انطاکیہ کا وزیراعظم ہے۔ یہی مجھے زبردستی پکڑ لایا ہے۔

وامس نے پریوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔ اور یہ لڑکی کون ہے۔"

طاہرہ:- یہ اس کی ہمشیرہ ہے جو مسلمان ہو گئی ہے۔

وامس:- تم دونوں کہاں سے آرہی تھیں۔

طاہرہ:- میں نے عرض کیا۔ نہ کہ میری داستان مصیبت بہت لمبی ہے۔ یہ ظالم شخص مجھے گرفتار کر کے لایا۔ پہلے لالچ دیتا رہا کہ میں عیسائی ہو کر اس کے ساتھ شادی کر لوں جب میں نہ مانی تو اس نے مجھ پر ظلم کرنے شروع کئے۔ میرے ہاتھوں کو گرم و سرخ لوہے سے داغا میرے پیروں کو انگاروں پر رکھا۔ اس کی اس نیک خصلت بہن نے میری مدد کی۔ مجھے اس کے پنجہ ستم سے رہائی دلائی۔ کل ہم دونوں موقع پا کر بھاگ آئیں۔ یہ لشکر ہمارے تعاقب میں ہمیں گرفتار کرنے کے لئے آیا ہے۔ اب ہم اس سے ڈر کر تمہاری طرف آرہی تھیں۔

معصوم و مظلوم طاہرہ نے اختصار کے ساتھ اپنی داستان غم سنا دی اس کے بھولے چہرہ سے حسرت برس رہی تھی۔

وامس۔ اس کی داستان سن سن کر جوش و غضب میں بھر گئے۔

جب وہ خاموش ہوئی تو انہوں نے غصہ میں آکر کہا۔ "میری مظلوم بچی! تجھ پر اس قدر مظالم کئے گئے ہیں۔ قسم ہے خدائے بزرگ کی اس بے رحم ظالم سے تیرا انتقام لوں گا۔

یہ کہہ کر وہ قریاقوس کی طرف پلٹے۔ پلٹتے ہی انہوں نے دیکھا کہ وہ تلوار کھینچ کر ان پر حملہ کرنے کے لئے ان کی طرف جھپٹ رہا ہے۔

فوراً انہوں نے بھی تلوار کھینچ لی۔ اور ڈھال اس کے سامنے کر دی۔

قریاقوس نے بھرپور ہاتھ مارا اس کی تلوار وامس کی ڈھال پر پڑی۔ وامس کو غصہ اور جوش آہی رہا تھا انہوں نے غضبناک ہو کر حملہ کیا۔

قریاقوس نے بھی ڈھال سامنے کر دی۔ وامس کی تلوار اس کی ڈھال پر پڑ کر اچٹ گئی۔

اس عرصہ میں قریاقوس کے ساتھیوں نے بھی تلواریں کھینچ لیں اور سب نے وامس ابوالہول پر حملہ کر دیا۔

یہ دیکھتے ہی وامس کے ساتھی قریاقوس کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے۔

اس طرح جنگ شروع ہو گئی۔ آفتاب کی شعاعیں تلواروں پر جلوہ گر ہو کر انہیں جگمگانے لگیں۔

وامس نے جوش میں آکر حملہ کیا اور ایک عیسائی کو مار ڈالا۔

پریوشہ کو اندیشہ ہو چلا کہ مسلمان قریاقوس اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اگرچہ وہ اپنے بھائی سے کچھ خوش نہ تھی اور اس کی سنگدلی سے اسے یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ بچ گیا تو طاہرہ اور اسے دونوں کو سزا دے گا۔ لیکن وہ عورت تھی اور ہر عورت اپنے بھائی سے محبت کا جذبہ رکھتی ہے۔ اس کے دل میں بھی یہ جذبہ پیدا ہوا اس نے چلا کر کہا۔ "بھائی جان بھاگ جاؤ۔ خدا کے لئے بھاگ جاؤ۔ تم لڑ کر ان عربوں پر فتح نہیں پا سکتے۔

قریاقوس جوش و غضب میں بھرا ہوا تھا اس نے غضبناک لہجہ میں کہا۔ بے حیا بدبخت! اطمینان رکھ میں ان عربوں کو قتل کرنے کے بعد تجھے اور اس تیری سہیلی دونوں کو مار ڈالوں گا۔

یہ کہتے ہی اس نے پھر وامس پر حملہ کیا۔ وامس نے اس کا حملہ روک کر اپنی پوری طاقت سے اس کے تلوار ماری۔

اگرچہ اس نے ڈھال سامنے کر دی۔ لیکن جلدی میں ڈھال اس کے سر پر نہ آسکی وہ خود نہ اوڑھے تھے بلکہ معمولی قسم کی ٹوپی اوڑھے تھا تلوار سر کی دو پھانکیں کرتی ہوئی حلق تک اتر گئی۔ اس نے چیخ ماری اور مردہ ہو کر گھوڑے سے نیچے گرا۔

پروینہ کو اس کے مرنے کا بڑا صدمہ ہوا۔ بیساختہ اس کے آنسو جاری ہو گئے طاہرہ نے اسے سمجھایا اور تسلی دینا شروع کر دی۔

اس عرصہ میں واصل کے ساتھیوں نے قریاقوس کے پانچ ساتھیوں کو مار ڈالا۔

اس طرح مع قریاقوس کے سات آدمی مارے گئے۔ اب صرف چار باقی رہ گئے وہ فوراً واپس لوٹ کر بھاگے۔

واصل کے ساتھیوں نے ان کا تعاقب کیا اور تھوڑی دور چل کر ان میں سے بھی تین کو مار ڈالا۔ صرف ایک بچ کر بھاگ گیا۔

اب واصل نے طاہرہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ آؤ بچی ہمارے ساتھ چلو۔

طاہرہ نے پروینہ سے کہا۔ "آؤ پروینہ چلو۔ افسوس اور رنج نہ کرو۔ تمہارے بھائی کی قسمت میں اسی طرح مرنا لکھا تھا۔

پروینہ رو رہی تھی۔ اس کے گورے رخساروں پر حسین آنکھوں سے آنسو نکل نکل کر بہہ رہے تھے اس نے لمبا سانس لے کر کہا۔ آہ میرا دل اس کی موت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔

واصل نے کہا! بچی اس میں ہمارا قصور نہیں ہے۔ ہم اسے معاف کر دیتے لیکن اس کا وقت آگیا تھا اور اس لئے اس نے پہلے ہی جنگ شروع کر دی تھی اور تمام مسلمانوں کو تیرے ساتھ ہمدردی ہے۔ غم نہ کر۔ آ۔ میرے ساتھ چل۔

پروینہ نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔ "چلوں گی۔ لیکن کیا اپنے بھائی کی لاش کو اسی طرح چھوڑ کر چلی جاؤں۔

واصل۔ نہیں۔ ہم ان لاشوں کو مٹی ڈال کر چھپا دیں گے۔

واصل اور ان کے ساتھی گھوڑوں سے نیچے اترے اور انہوں نے عیسائیوں کی لاشوں پر مٹی ڈال کر ڈھک دیا۔

اس کام سے فراغت پا کر وہ پھر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اس فوجی دستہ کی طرف چلے جو اب تک بڑھا چلا جا رہا تھا۔

پروینہ نے آخری مرتبہ اپنے بھائی کی لاش پر نظر ڈالی اور روتی ہوئی طاہرہ کے ساتھ روانہ ہوئی۔

اس طرح بے رحم اور بے درد و سنگ دل قریاقوس سے قدرت نے معصوم و مظلوم طاہرہ کا انتقام لے کر اس کا خاتمہ کرا دیا۔ اور وہ اپنی سیہ کاری کی بدولت تاریخ میں اپنے ظلم و جور کی داستان چھوڑ گیا۔

ایک اور آوار

حقیقت یہ ہے عورت رحم و محبت کا سرچشمہ ہے وہ ہر اس چیز سے محبت کرتی ہے جس سے اس کا ذرا بھی تعلق ہوتا ہے خصوصاً بھائی سے۔ بہن کو وہ سب سے زیادہ عزیز سمجھتی ہے۔ تاریخیں بتاتی ہے کہ اکثر بہنوں نے اپنے بھائیوں پر اپنی اولاد کو قربان کر دیا ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ سب سے زیادہ محبت اولاد کی ہوا کرتی ہے۔ لیکن عورت اولاد سے زیادہ بھائی کو چاہتی ہے۔

لیکن ساتھ ہی عورت زود و رنج اور کینہ ور بھی ہے۔ بہت جلد ذرا سی بات پر ناخوش ہو کر شیرنی بن جاتی ہے اور انتقام کے جوش میں اندھی ہو کر وہ سب کچھ کر گزرتی ہے جو اسے نہیں کرنا چاہیئے۔

اگرچہ پروینہ اپنے بھائی قریاقوس سے ڈر گئی تھی اور جان گئی تھی کہ اس کا بے رحم و بے درد بھائی اسے زندہ نہ چھوڑے گا۔ مگر اس پر بھی جب وہ مارا گیا تو اسے اس قدر رنج ہوا کہ باوجود ضبط کے اس کے آنسو جاری ہو گئے اور وہ زاروقطار روتی ہوئی طاہرہ کے ساتھ واصل اور اس کے ہمراہیوں کی معیت پر روانہ ہوئی۔

بھولی طاہرہ کو اس سے محبت ہو گئی تھی۔ اس کے رونے سے اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اس نے دلدہی کرتے ہوئے کہا۔ نہ رو میری بہن نہ رو اگرچہ تمہارے بے درد بھائی نے مجھے نشانہ ستم بنایا تھا۔ میں اس سے نفرت کرتی تھی۔ مگر اس کی موت سے تمہیں روتا ہوا دیکھ کر مجھے بھی رنج ہوا ہے لیکن سمجھو۔ کہ اس کی عمر اتنی ہی تھی اس کی موت اسی طرح آنی تھی۔ موت کا وقت ٹل نہیں سکتا تھا۔ اللہ ضبط و صبر کرنے والوں سے خوش ہوتا ہے تم مسلمان ہو گئی ہو مسلمان ہر مصیبت پر صبر کرتا ہے خدائے بزرگ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یعنی وہ لوگ جو صابر ہیں خدا کے نیک

بندے ہیں جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی طرف لوٹ کر جانے والا ہے ایسے ہی لوگوں سے خدا خوش ہوتا ہے۔

پروینہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ میں سمجھتی ہوں کہ اگر وہ نہ مارا جاتا تو مجھے اور تمہیں دونوں ہی کو مار ڈالتا۔ لیکن اس سمجھنے پر بھی مجھے اس کی موت کا غم ہے اور وہ اس لئے کہ آخر وہ میرا بھائی تھا۔

طاہرہ:۔ بیشک بھائی تھا اور بھائی کا غم بھی کرنا چاہئے۔ لیکن ضبط و صبر کے ساتھ تاکہ خدا بھی ناخوش نہ ہو۔

پروینہ:۔ ۔

ہاں میں ضبط و صبر کروں گی۔ خدا کو ناخوش کر کے دوزخ نہ خریدوں گی۔

اس کے بعد پروینہ کے آنسو خشک ہو گئے۔ اس نے ضبط کر کے صبر کرنا شروع کر دیا۔

یہ سب تیزی سے بڑھے چلے جا رہے تھے اونٹوں کا قافلہ ذرا ان سے فاصلہ پر جا رہا تھا۔ کچھ غلام اونٹوں پر سوار تھے کچھ گھوڑوں پر سوار اونٹوں کے ادھر ادھر جا رہے تھے۔ کچھ پیدل چل رہے تھے لیکن ان سب کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

غالباً وہ دیکھ رہے تھے کہ اگر انہیں مدد کی ضرورت ہو تو اشارہ پاتے ہی مدد کے لئے دوڑ پڑیں۔

لیکن جب اس کی ضرورت پیش نہ آئی تو وہ اطمینان کے ساتھ راستہ کی طرف نظریں پھیر کر چلنے لگے۔

جب یہ لوگ قافلہ کے بالکل ہی قریب پہنچ گئے تو پروینہ نے دیکھا کہ تمام لوگ ایک ہی قسم کا لباس پہنے ہوئے تھے ایک ایک لمبی عبا ہے جس کی آستینیں اس قدر ڈھیلی ہیں کہ ان میں سے اونٹ کا بچہ بڑی آسانی سے گزر سکتا ہے۔ ایک ایک شلوار لمبا پائجامہ ہے جس کے پائینچے کافی ڈھیلے ہیں ایک ایک عمامہ باندھے ہیں سب کی داڑھیاں لمبی اور نورانی ہیں پیشانیوں پر سجدہ کے نشان روشن ہیں سب کے چہروں پر علم و مروت کے آثار ظاہر ہیں تلواریں کمر سے لگی ہوئی ہیں۔ ہاتھوں پر نیزے ہیں۔ کمانیں شانوں پر اور ترکش پشت پر لٹک رہے ہیں ترکش کے نیچے کمر پر ڈھالیں باندھی ہیں۔

تمام لوگ خاموش آگے کی طرف دیکھتے جا رہے تھے۔ پروینہ ان لوگوں کو دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہوئی۔ اس نے آہستہ سے طاہرہ سے کہا۔ بہن طاہرہ! یہ ہیں وہ جنہوں نے حلب کا مشہور قلعہ فتح کیا تھا۔"

طاہرہ نے جواب دیا۔ "ہاں ان میں سے اکثر وہی لوگ ہیں۔"

پروینہ:۔ مگر یہ تو بہت سیدھے سادے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ عیسائیوں کی چالوں کو کیا سمجھتے ہوں گے۔

طاہرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان نہایت بھولے ہیں۔ بالکل ہی چالبازیاں نہیں جانتے مگر ان پر خدا کی ایسی مہربانی ہے کہ دشمنوں کی چالوں کو سمجھ لیتے ہیں اس کے علاوہ جب یہ لڑتے ہیں تو خونخوار شیر بن جاتے ہیں۔

پروینہ۔ یہی بات یہی ہے کہ ان پر خدا مہربانی کرتا ہے۔ ورنہ ایسے سیدھے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

طاہرہ۔ اور خدا کی یہ مہربانی اس لئے ہے کہ یہ عبادت گزار ہیں اس سے ڈرتے ہیں۔ اسے یاد رکھتے ہیں۔ گناہوں سے بچتے ہیں۔ پرہیزگاری کرتے ہیں رات دن اٹھتے بیٹھتے خدا ہی کو یاد کرتے ہیں۔

پروینہ۔ یہ درست ہے۔

اب یہ سب قافلہ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ قافلہ برابر چلا جا رہا تھا۔ اونٹ ایک کے پیچھے ایک بڑھے چلے جا رہے تھے۔ دور تک پھیلے ہوئے تھے اونٹوں پر زیادہ تر سامان لدا ہوا تھا۔ بعض اونٹوں پر ایک ایک دو دو آدمی سوار بھی تھے۔

اونٹوں۔ گھوڑوں اور انسانوں کے چلنے کی وجہ سے گرد و غبار اٹھ اٹھ کر بلند ہو رہا تھا اور اس گرد کی ہلکی ہلکی تہ پروینہ اور طاہرہ کی گندھی ہوئی لمبی زلفیں جو شانوں کے دونوں طرف سے آکر گداز سینہ پر دو سانپوں کی طرح لٹک رہی تھیں گرد آلودہ ہو گئی تھیں۔ مگر یہ عجب بات تھی کہ غبار کی تہ جمنے پر بھی ان کے چہرے بھلے اور دلفریب معلوم ہو رہے تھے۔

دوپہر کے قریب یہ قافلہ ایک سبزہ زار مقام پر چشمہ کے کنارہ جا اترا۔ اونٹ بٹھائے گئے اور ان کے اوپر سے کھانے کا کچھ سامان اتار کر کچھ لوگوں نے کھانا تیار کرنا شروع کر دیا۔ کچھ لوگ لکڑیاں لینے چلے گئے اور کچھ اونٹوں کے لئے چارہ فراہم کرنے لگے۔

غرض ہر شخص کسی نہ کسی کام میں مشغول ہو گیا۔ واسی گھوڑوں کو چرانے لگے۔

پروینہ اور طاہرہ گھوڑوں سے اتر کر چشمہ کے کنارہ پر پہنچیں۔ پہلے اپنے کپڑے جھاڑے پھر وضو کر کے واپس آئیں اور ایک درخت کے نیچے کمبل بچھا کر آرام سے بیٹھ گئیں۔

تھوڑی ہی دیر میں لکڑیاں لانے والے لکڑیاں لے کر۔ اونٹوں کا چارہ والے چارہ لے کر آگئے۔ چارہ اونٹوں کے سامنے تھوڑا تھوڑا سا ڈال دیا گیا اور دسیوں جگہ آگ سلگا کر کھانا تیار کیا جانے لگا۔

ناز آفریں لڑکیاں کام کرنے والوں کو دیکھ رہی تھیں ان کا جی بھی کام کرنے کو چاہتا تھا لیکن ان کے لئے کوئی کام نہ تھا۔

تھوڑی دیر میں کھانا تیار ہو گیا۔ سب سے پہلے ان لڑکیوں کے لئے کھانا آیا انہوں نے کھایا۔ پانی پیا اور وہاں سے اٹھ کر ذرا اور دور درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ میں کمبل بچھا کر آرام کرنے لگیں۔

ادھر تمام مجاہدین نے دس دس بیس بیس آدمیوں کے غول بنا بنا کر کھانا کھایا اور کھانا کھا کھا کر گھاس ہی پر لیٹ لیٹ کر آرام کرنے لگے اونٹ اور گھوڑے چرتے رہے۔

جب آفتاب ڈھل گیا اور ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو سب اٹھے۔ چشمہ کے کنارہ پر پہنچ وضو کئے۔ ایک شخص نے اذان کہی۔ اور سب نماز پڑھنے لگے۔ سنتیں پڑھنے کے بعد جماعت سے فرض پڑھے۔

ان لڑکیوں نے بھی وضو کر کے نماز پڑھی۔ نماز پڑھتے ہی کوچ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اونٹوں پر سے جو سامان اتارا گیا تھا وہ لادا جانے لگا۔ گھوڑوں پر زین کسے جانے لگے۔ اور سب تیار ہو کر یہ قافلہ آگے روانہ ہو گیا۔

عصر کے وقت تک یہ لوگ چلتے رہے۔ عصر کے وقت یعنی چار گھڑی دن رہے ایک مقام پر پہنچے۔ اس مقام کا نام علوی ا۔ تھا انہوں نے وہاں قیام کر دیا۔ پہلے عصر کی اور پھر مغرب کی نماز پڑھی۔ مغرب کی نماز کے بعد کھانا تیار کرنے لگے۔

ابھی کھانا تیار ہی کر رہے تھے کہ گھوڑوں کے سموں کی آواز سنی یہ سب حیران ہو ہو کر اس طرف دیکھنے لگے۔ جس طرف سے آواز آ رہی تھی۔



چھبیسواں باب

عاصم اور دامس ابوالہولؓ

آج بھی رات اندھیری تھی۔ ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا چونکہ یہ لوگ کھانا پکا رہے تھے اور آگ کے گرد بیٹھے تاپ رہے تھے اس لئے سینکڑوں جگہ آگ روشن ہو رہی تھی۔

مگر آگ کی روشنی صرف مسلمانوں ہی تک محدود تھی ان کے حلقہ سے باہر نہ نکل رہی تھی۔ دھوئیں کے غٹ اس قافلہ کے اوپر سیاہ بادلوں کی طرح چھا گئے تھے۔

پریوش اور طاہرہ نے بھی گھوڑوں کے سموں کی آواز سنی تھی۔ انہیں خوف ہو گیا تھا کہ کہیں آنے والے قزاقوں کے ساتھی نہ ہوں۔ اگر وہ ہوئے تو یقیناً جنگ شروع ہو جائے گی۔

سارے مسلمان نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔ قافلہ سے باہر اندھیرے کی سیاہ چادر سی تنی ہوئی تھی۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی یہ نظر نہ آتا تھا کہ اس سیاہ چادر کے دوسری طرف کیا ہے۔

دامسؓ ان آدمیوں کو لے کر جو ان کے قریب بیٹھے تھے اٹھے اور تحقیق حال کے لئے اس طرف روانہ ہوئے جس طرف سے آواز آ رہی تھی۔

جب وہ کچھ دور چلے تو انہیں سواروں کے دستے نظر آئے۔ چونکہ اندھیرا تھا اس لئے وہ یہ نہ دیکھ سکے کہ سوار کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں اور کس قدر ہیں۔

دامس نے ذرا بلند آواز سے کہا۔ آپ کون لوگ ہیں؟ ٹھہر جایئے آگے بڑھنے کی جرات نہ کیجئے۔

ان کی آواز سنتے ہی سوار رک گئے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ پہلے آپ بتایئے آپ کون ہیں۔

دامسؓ نے کہا۔ ہم مسلمان ہیں۔ مصر سے آ رہے ہیں میرا نام دامس ابوالہول ہے اب تم بتاؤ تم کون ہو۔

ایک شخص بڑھ کر دامس کے قریب آیا۔ اس نے کہا۔ میں عاصم ہوں رواحہ کا بیٹا۔ یہ لوگ سپاہی ہیں۔"

دامس نے کڑک کر کہا۔ تم عاصم ہو۔ خوب ملے اے رواحہ کے بیٹے ہم مسلمان اس وقت سے تمہاری تلاش میں تھے جب سے تم عیسائی ہو کر بھاگ گئے تھے۔ آج مسلمانوں کی تلواروں سے بچ کر کہاں جاؤ گے۔

عاصم نے کہا۔ "مجھے بھاگنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔"

واسن:۔ شاید اس لئے کہ تمہارے ساتھ لشکر زیادہ ہے۔

واسن نے کچھ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔ مسلمان ہو گئے ہو۔

عاصم:۔ ہاں۔ اور اس لئے مجھے اندیشہ نہیں رہا کہ اب کوئی مسلمان مجھ پر حملہ کر سکے گا۔

واسن:۔ یہ ٹھیک ہے لیکن یہ کیسے یقین آئے کہ تم نے توبہ کر لی ہے اور پھر تم مسلمان ہو گئے ہو۔

عاصم:۔ تمہیں میرا اعتبار کرنا چاہئے۔

واسن۔ جو شخص مسلمان ہو کر اسلام سے پھر گیا ہو۔ اس کا اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے۔

عاصم:۔ اور جو پھر مسلمان ہو گیا ہو۔

واسن:۔ اس کا اعتبار ہو سکتا ہے لیکن پہلے مسلمان ہونے کا یقین دلا دیجئے۔

عاصم:۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ایک بات جو راز تھی یا جسے راز میں رکھنا چاہتا تھا تم پر یا کسی پر ظاہر کر دوں لیکن تمہارا اصرار مجبور کر رہا ہے اس لئے شاید بتانا ہی پڑے گا۔

واسن:۔ بے شک۔

عاصم:۔ میں نے اور حضرت یوقنا نے مشورہ کیا ہے کہ ہم راس العین کے قلعہ میں داخل ہو کر اسے فتح کر لیں۔

واسن:۔ یوقنا کہاں ہیں۔

عاصم:۔ وہ راس العین کی طرف گئے ہیں اور مجھے اپنے پیچھے آنے کے لئے کہہ گئے ہیں۔

واسن:۔ کیا ان کے واقعات تمام عیسائیوں کو معلوم نہیں ہو گئے ہیں۔ کیا انہیں یہ خوف نہیں ہے کہ راس العین کے عیسائی انہیں گرفتار نہ کر لیں گے یا قتل نہ کر ڈالیں گے۔

عاصم:۔ یہ اندیشے ضرور ہیں۔ لیکن تم جانتے ہو وہ بڑے پرجوش مجاہد ہیں۔ ان اندیشوں کا خیال نہیں کرتے۔

واسن:۔ اچھا تم ان کے ساتھ کیوں نہیں گئے۔ پیچھے کیوں رہ گئے۔؟

عاصم:۔ اس لئے کہ اگر ہم دونوں ساتھ جاتے تو ممکن تھا راس العین والے مجھ سے بھی بدظن ہو جاتے اور پھر جو کچھ وہ ان کے ساتھ کرتے وہی میرے ساتھ بھی کرتے۔

ہم نے اس میں یہ مصلحت سوچی ہے کہ اگر عیسائی ان کے ساتھ کچھ گستاخی کریں تو میں فوراً ہی پہنچ کر انہیں روک دوں۔

واسن کچھ سوچنے لگے۔ عاصم نے پھر کہا۔ ابھی شاید تمہیں میری باتوں کا اطمینان نہیں ہوا ہے۔

واسن:۔ حقیقت تو یہی ہے۔

عاصم۔ آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یوقنا راس العین کیوں گئے ہیں۔

واسن:۔ نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں مصر سے آ رہا ہوں مجھے یہاں کے کچھ بھی واقعات معلوم نہیں ہیں۔

عاصم:۔ تو مجھ سے سنئے۔ مسلمان اور عیسائی رطبان کے وسیع میدان میں خیمہ زن ہیں۔

واسن نے کہا۔ یہ مجھے معلوم ہے اور میں وہیں جا رہا ہوں۔

عاصم:۔ وہاں مسلمانوں اور عیسائیوں کی جنگ ہوئی تھی۔ اس لڑائی میں کسی طرح سے خالد اور ان کے ساتھ اور بہت سے مسلمان گرفتار ہو گئے۔۔۔۔۔'

واسن نے حیرت۔ افسوس اور خوف بھری نظروں سے عاصم کو دیکھ کر کہا۔ گرفتار ہو گئے۔

عاصم:۔ جی ہاں۔ اور اسی وقت ملک شہراض نے انہیں اپنے آدمیوں کی حفاظت و نگرانی میں راس العین روانہ کر دیا۔ مسلمانوں کا امیر عیاض بن غنم نے یوقنا کو ان کی رہائی کے لئے روانہ کیا ہے۔

واسن:۔ افسوس۔ یہ تو برا ہوا۔

عاصم:۔ اس قدر برا کہ ہر مسلمان کو اس کا افسوس ہے۔

واسن:۔ اگر یوقنا کے پہنچنے سے پہلے راس العین والے انہیں سب کو شہید کر ڈالیں۔

عاصم:۔ ابھی وہ اس لئے ایسا کرنے کی جرات نہ کریں گے کہ جنگ ہو رہی ہے۔

واسن:۔ لیکن وہ آپ کو قلعہ کے اندر کیوں داخل کریں گے۔

عاصم:۔ اس لئے کہ انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ میں پھر مسلمان ہو گیا ہوں۔ ایک زمانہ میں عرصہ تک میں ملک شہراض کی خدمت میں رہ چکا ہوں وہ مجھ سے مانوس ہے میں مسلمانوں کے خوف سے ہرقل اعظم کے پاس قسطنطنیہ چلا گیا تھا۔ لیکن جب اس مدعی شہنشاہ کے پاس خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان پہنچا کہ وہ مجھے قسطنطنیہ سے فوراً نکال دے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جائے تو اس نے مجھے نکال دیا۔ میں نے ملک

شہواض کو تمام واقعات کی اطلاع دی انہوں نے مجھے اپنے پاس آنے کو لکھا چنانچہ اس لئے

میں آیا ہوں اور اس وجہ سے وہ مجھے قلعہ میں داخل ہونے سے نہیں روک سکتے۔

واسس:۔ ہاں اس طرح تو وہ نہ روک سکیں گے اچھا اب آپ قیام کریں گے یا آگے روانہ ہو جائیں گے۔

عاصم:۔ میں چاہتا ہوں کہ تھوڑی دیر آرام کروں۔ سارا دن ہمیں سفر کرتے گزر گیا ہے سپاہی اور جانور سب تھک گئے ہیں تھوڑی دیر ستا کر صبح ہونے سے پہلے روانہ ہو جاؤں گا۔

واسس بہتر ہے۔

عاصم:۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی میرے ساتھ راس العین چلیں۔

واسس:۔ لیکن میرے اور میرے ساتھیوں کے پہچانے جانے کا اندیشہ ہے۔

عاصم:۔ بالکل اندیشہ نہ کرو۔ میں کہہ دوں گا کہ یہ ہمارے غلام ہیں۔ عباؤں کے نیچے ہتھیار چھپا لینا۔

واسس:۔ میں تیار ہوں۔ لیکن......

عاصم:۔ لیکن کیا۔

واسس:۔ میرے ساتھ دو لڑکیاں بھی ہیں۔

عاصم:۔ وہ کون ہیں۔

واسس:۔ ان میں سے ایک لڑکی مسلم دوشیزہ حارثہ کی بہن ہے۔ اور دوسری انطاط کے وزیر اعظم کی ہمشیرہ ہے۔

عاصم:۔ یہ لڑکیاں آپ کے ساتھ کہاں سے آگئیں۔

واسس:۔ آج اتفاقیہ مل گئیں۔

عاصم:۔ انہیں اپنے ساتھ لے لینا ٹھیک نہیں۔ کچھ آدمیوں کے ہاں رغبان بھیج دیجئے۔

واسس:۔ یہی مناسب ہے۔ اچھا تو آپ اپنے لشکر کو قیام کرنے کا حکم دے دیجئے۔

عاصم:۔ بہتر ہے۔

اس نے پلٹ کر اپنے لشکر کو قیام کرنے کا حکم دے دیا۔ چونکہ اس کا ارادہ بھی تھوڑی ہی دیر قیام کرنے کا تھا۔ اس لئے انہوں نے بھی خیمے نصب نہیں کئے اس کے لشکر نے بھی ٹھہرتے ہی کھانا تیار کرنا شروع کر دیا۔

واسس لوٹ کر اپنے لشکر میں پہنچے اور انہوں نے عاصم کی تمام گفتگو سب کو سنا دی

بعض لوگوں کا خیال ہوا کہ عاصم دغاباز ہے دھوکہ دے رہا ہے بعض نے کہا ہمیں بدظنی نہیں کرنی چاہئے۔ ممکن ہے خدا نے اسے ہدایت کر دی ہو۔

اتفاق اس پر ہوا کہ اگر وہ دھوکہ بھی دینا چاہتا ہے تو ہمارا کیا نقصان ہے۔ اگر ہم قلعہ راس العین میں پہنچ گئے تو ممکن ہے خدا اسے ہمارے ہاتھوں فتح کرا کر حضرت خالد اور ان کے ساتھیوں کو رہائی دلوا دے۔

اب واسس طاہرہ اور پروینہ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا بیٹیو! یہ لشکر عاصم کا ہے۔ وہ راس العین جا رہا ہے۔ حضرت خالد اور چند اور مسلمان گرفتار ہو گئے ہیں ان کی رہائی کی کوشش کے لئے وہ روانہ ہوا ہے ہمیں سب کو بھی اس کے ساتھ جانا ہے ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ تم دونوں ہمارے ساتھ راس العین میں جاؤ۔ خدا جانے وہاں کیا واقعہ پیش آئے۔ اس لئے ہماری سب کی یہ رائے ہوئی ہے کہ تمہیں رغبان روانہ کر دیں۔ اور تمہارے ساتھ پچاس آدمیوں کا دستہ کر دیں۔

طاہرہ نے کہا۔ یا عم! آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا مشورہ مناسب ہے لیکن پچاس آدمی کیا ہوں گے ۲۰ '۲۵ کافی ہیں۔ آپ کے ساتھ زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔

واسس:۔ تو نے ٹھیک کہا بیٹی! اچھا پچیس آدمی تمہارے ساتھ کر دیئے جائیں گے تم کھانا کھا کر آرام کر لو۔ پچھلی رات سے سفر کرنا ہو گا۔

طاہرہ:۔ بہتر ہے۔

واسس چلے گئے۔ اور انہوں نے مع اپنے تمام ہمراہیوں کے عشاء کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر کھانا کھایا اور کھانا کھا کر سب آرام کرنے لگے۔

جب نصف رات گزر گئی۔ تب عاصم کے لشکر میں ہلچل شروع ہوئی۔ واسس اور ان کے ساتھی بھی بیدار ہو کر تیار ہونے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے سب سے پہلے پچیس آدمیوں کی معیت میں طاہرہ اور پروینہ کو رغبان کی طرف چلتا کر دیا اور پھر عاصم کے ساتھ خود بھی راس العین کی طرف روانہ ہو گئے۔

ستم زدہ حوریں اسلامی لشکر میں

حورِوش طاہرہ کی گمشدگی کا عام مسلمانوں کو علم ہو گیا تھا اور ہر مسلمان غم و غصہ میں ڈوبا ہوا تھا۔ خصوصاً اس کا بھائی حارث نہایت بے چین اور بڑا غمگین تھا وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جنگ کا خاتمہ ہو جائے اور وہ اپنی عزیز از جان بہن کی تلاش میں روانہ ہو۔

منذر کو اس قدر صدمہ ہوا اور اس قدر بے چینی تھی کہ دن اسے یاد کرتے اور رات اس کی یاد میں کروٹیں لے کر تڑپتے گزرتی تھی۔ اس کے دل میں محبت کا شعلہ اٹھا تھا اور وہ شعلہ اس کے جسم کو پھونک ڈالتا تھا اس سے اس کی روح تحلیل ہونے لگتی تھی اور وہ نیم دیوانہ ہو جاتا تھا۔ کچھ کھویا سا رہتا تھا کھانے پینے کا بھی ہوش نہ تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کھانا کھانے کے بعد فوراً ہی خیال ہوتا کہ اس نے کھانا نہیں کھایا اور وہ پھر کھانے لگتا اور بیشتر ایسا ہوتا کہ دو دو اور تین تین وقت بغیر کھانا کھائے گزر جاتے اور وہ سمجھتا کہ کھانا کھا چکا ہے۔

اگر حارث اس کی خبر گیری نہ کرتا رہتا تو شاید وہ غم و درد سے گھٹ گھٹ کر مر جاتا۔

اس نے بھی کئی مرتبہ چاہا کہ وہ تنہا ہی اطلاط جا کر طاہرہ کو چھڑا لائے۔ لیکن حارث نے اسے نہ جانے دیا اور ہر مرتبہ وہ مجبور ہو کر رہ گیا۔

تمام مسلمانوں کو طاہرہ کا غم تھا ہی کہ حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری سے اور چرکہ لگا اور ان میں ایک مرتبہ پھر غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ سب نے کوشش کی اور حضرت عیاضؓ سے عرض بھی کیا کہ عیسائی صف بستہ ہوں یا نہ ہوں انہیں صف بستہ ہونے اور لڑنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن انہوں نے اجازت نہ دی اور صاف صاف کہہ دیا کہ انسان حکم قضا و قدر سے مجبور ہے خدا جو کچھ کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ ہمیں اپنی طرف سے پیش قدمی نہیں کرنی چاہئے اس لئے سب مجبور ہو کر خاموش ہو گئے۔

اگرچہ عیسائیوں کا لشکر بہت زیادہ تھا۔ اس قدر زیادہ کہ اب بھی ایک مسلمان کے مقابلہ میں تیس عیسائی تھے یعنی عیسائی لشکر مسلمانوں سے تیس گنا زیادہ تھا۔ مگر شرباقس کو میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ وہ جنگ کو طول دے رہا تھا چاہتا تھا کہ کسی طرح مسلمان صلح کی طرف مائل ہو جائیں یا ان کی کثرت دیکھ کر ڈر کر بھاگ جائیں۔

حالانکہ اس نے مسلمانوں کے واقعات سن رکھے تھے وہ خوب جانتا تھا کہ مسلمان جب اور جس کے مقابلہ میں ڈٹ جاتے ہیں۔ بغیر شکست و فتح کا فیصلہ کئے نہیں لوٹتے۔

اسے یہ بھی خوب معلوم تھا کہ مسلمانوں نے جب اور جس ملک کے جس شہر یا قلعہ پر حملہ کیا اسے فتح کر کے ہی چھوڑا۔ اس لئے اسے لڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

شہزادی طاریون کے مسلمانوں میں آجانے سے قدرے مسلمانوں کو تسلی ہو گئی تھی انہیں خیال ہو گیا تھا کہ اب اطلاط کا بادشاہ یا وزیر اعظم طاہرہ کو ستانے کی جرأت نہ کریں گے۔ حالانکہ اگر انہیں بہائم صفت درندہ انسانوں کے دلوں کا حال معلوم ہوتا تو وہ کبھی ایسا خیال نہ کرتے۔

عیسائیوں کی دل ہلا دینے والی مظالم کی داستانیں تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ وہ ایسے شقی القلب تھے کہ رحم و کرم کا نام بھی نہ جانتے تھے۔

حالانکہ انہیں حضرت عیسیٰ نے یہ تعلیم دی تھی کہ اگر کوئی تم پر سختی کرے۔ تمہیں ستائے اور تم انتقام لینے کی قدرت بھی رکھتے ہو تب بھی انتقام نہ لو۔ انتقامی جذبہ شیطانی جذبہ ہے انسان کو کبھی بھی جذبہ سے متاثر ہونا نہیں چاہئے بلکہ سچا عیسائی وہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے گال پر طمانچہ مارے تو وہ پیکر حلم و عجز بن جائے غصہ نہ کرے بلکہ اپنا دوسرا گال بھی اس کے سامنے کر دے۔

عیسائی اپنے رہنما کی اس تعلیم کو بھول گئے تھے اور اس کے برعکس ان کا یہ وطیرہ ہو گیا تھا کہ اگر کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے تو فوراً اس کی آنکھیں نکال لو۔ جس پر قابو پاؤ اسے پیس ڈالو۔ جو پیش رفت کی راہ میں حائل ہو اسے مٹا دو۔

مسلمان دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے اور وہ انہیں اپنا ہی جیسا انسان سمجھتے تھے انہیں ان کے وحشیانہ مظالم اور بے رحمانہ شقاوت قلبی کا علم ہی نہ تھا۔

طاریون جب سے مسلمانوں میں آئی تھی سراپردہ میں عربی خواتین کے پاس رکھی گئی تھی۔

تمام عربی خواتین پردہ کی چار دیواری میں مردوں سے الگ تھلگ رہتی تھیں اگرچہ ہوا خوری۔ پانی بھرنے یا اور کسی کام کے لئے جاتی بھی تھیں تو مردوں سے الگ ہو کر مجال نہ تھی کہ کوئی مرد انہیں دیکھ سکے۔ یا کسی مرد کو وہ دیکھ سکیں سوائے اپنے قریبی عزیزوں کے وہ اور کسی کے سامنے نہ آتی تھیں۔

طاریون کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں عورتیں مردوں میں اور مرد عورتوں میں ملے جلے رہتے تھے۔ بغیر عورتوں کے مردوں کو قرار نہ آتا تھا اور بغیر مردوں کے عورتیں مضطرب رہتی تھیں۔

مسلمان عورتوں میں آکر طاریون قید و بند کی حالت میں پڑ گئی۔ نہ باہر جا سکتی تھی نہ مردوں سے باتیں کر سکتی تھی۔ چونکہ اس کی زندگی میں پہلی مرتبہ یہ نئی تبدیلی ہوئی تھی اس لئے اسے اس طرح رہنا بڑا ناگوار اور شاق گزر رہا تھا۔

اس کی حالت اس ہرنی کی سی تھی جو ہرن اور ہرنوں کی ڈار میں سے گرفتار کر کے

بھیڑ بکریوں کے غلہ میں چھوڑ دی گئی ہو۔

اسے پردہ کے قید و بند میں رہتے ہوئے بڑی وحشت سی ہو رہی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی وحشت دور ہوتی جاتی رہی تھی اور وہ مسلم عورتوں کی پرسکون زندگی کو اچھا سمجھنے لگی تھی۔

عربوں میں مہمان نوازی کا جذبہ دنیا بھر کی قوموں سے زیادہ پایا جاتا ہے وہ دوست تو دوست دشمن کی بھی مدارات نہایت جوش اور بڑے خلوص سے کرتے ہیں۔ دنیا ان کے اس جذبہ کی تعریف کرتی ہے۔

عربی عورتوں نے باوجود اس بات کے کہ طاریون اس قوم کی لڑکی تھی جو ان سے لڑ رہی تھی۔ جو ان کی ایک عزیزہ کو زبردستی پکڑ کر لے گئی تھی اس کی نہایت درجہ خاطر تواضع کر رہی تھیں اس کی دلدہی کرتی رہتی تھیں۔ خود ہنس ہنس کر اسے اس لئے ہنساتی رہتی تھیں تاکہ اس کا دل میلا نہ ہو اور وہ غمگین نہ رہے۔

طاریون پر ان کی مہربانیوں۔ خوش اخلاقی اور مہمان نوازی کا اس قدر اثر ہو چکا تھا کہ اب وہ ان سے بہت کچھ مانوس ہو گئی تھی اور اس کے دل سے قید و بند کا غم اور فکر جاتے رہے تھے۔

وہ زیادہ تر اپنی ہم جنس لڑکیوں کے پاس ہنسا بولا کرتی۔

اگرچہ اول اول اسے یہ تکلیف رہی کہ وہ شہزادی تھی۔ شاہانہ کروفر سے رہتی تھی راحت و آرام کے اچھے اچھے سامان اس کے لئے ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتے تھے جو نہایت آرام دہ تھے اور جنہوں نے اسے راحت طلب بنا دیا تھا۔

مسلمان ایسی چیزوں سے نفرت کرتے تھے۔ نہ وہ کوچ رکھتے تھے نہ کرسیاں و قالین نہ مسندیں۔ نہ گدے نہ تکئے نہ شالیں نہ اونی چادریں۔ بلکہ کمبل ہی بچھانے کے اور کمبل ہی اوڑھنے کے لئے ہوتے تھے۔ جہاں چاہتے کمبل بچھا کر بیٹھ جاتے جب اٹھتے اسے جھاڑ کر بغل میں دبا کر یا کندھے پر ڈال کر چل دیتے۔

ان کی ضروریات زندگی نہایت مختصر تھیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جو اپنی ضروریات کو کم سے کم کر لیتے ہیں وہ بڑے آرام اور اطمینان سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اسی لئے مسلمان بھی نہایت خوشی۔ بے فکری اور اطمینان سے زندگی بسر کر رہے تھے۔

طاریون کو آتے ہی آرام طلبی کا سامان نہ ملنے کی وجہ سے بھی کچھ تکلیف ہوئی۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ بھی جاتی رہی اور اسے کمبل پر بیٹھنے اور سونے اور پڑ رہنے کی عادت ہو گئی۔

چونکہ وہ حسین تھی اور حسینوں سے عورتیں اور بچے سب ہی محبت یا انسیت کرنے لگتے ہیں اس لئے مسلم عورتیں اور مسلم بچے سب اس سے مانوس ہو گئے تھے اور وہ ان کی خوش اخلاقی اور مہمان نوازی کی وجہ سے ان کی گرویدہ ہو گئی تھی۔

اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ایک مسلم لڑکی طاہرہ کو خود اس کے ملک کا وزیراعظم فیاقوس زبردستی پکڑ کر لے گیا ہے اور اس لڑکی کو تمام مسلم عورتیں اور بچے روزانہ یاد کرتے اور اس کی رہائی کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

اس نے یہ بھی سن لیا تھا کہ وہ لڑکی نہایت حسین ہے چاند کا ٹکڑا ہے اسے بھی اس کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا تھا۔

ایک روز عیاض عشاء کی نماز پڑھ کر آئے تھے اور اپنے خیمہ کے سامنے آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھے تھے ان کا غلام کھانا پکا رہا تھا اور وہ آگ دھونک کر جلا رہے تھے۔ ان کے غلام نے ہرچند کہا کہ وہ آگ نہ دھونکیں۔ اس سے اسے اس لئے تکلیف ہوتی ہے کہ ان کا والی مسلمانوں کا امیر اسلامی لشکر کا سپہ سالار۔ جزیرہ کا جس میں آرمینیہ بھی شامل ہے افسر اعلیٰ (ہائی کمشنر) اپنے غلام کے ساتھ بیٹھ کر آگ جلا کر کھانا پکانے میں مدد دے۔

حضرت عیاضؓ مسکرا کر کہنے لگے ہمارے نبی حضرت محمد صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ غلام ہو یا ملازم۔ سپاہی یا افسر سب برابر اور بھائی ہیں۔ ہر بھائی کا فرض ہے کہ ہر کام میں اپنے بھائی کی مدد کرے تم کس قدر مہربانی کرتے ہو کہ میرے لئے کھانا تیار کرتے ہو۔ میرے کپڑے دھوتے ہو۔ میرے ہتھیاروں کو صاف کرتے ہو۔ کیا میں آگ بھی نہ جلاؤں۔ اگر مجھے فرصت ملے تو میں خود کھانا تیار کر کے تمہیں کھلاؤں۔

غلام ہمہ تن شکریہ بن کر رہ جاتا۔ انہیں آگ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ کچھ لوگ سامنے سے آتے نظر آئے جو گھوڑوں کی باگیں پکڑے آہستہ آہستہ چلے آ رہے تھے۔

وہ عیاض کے قریب آکر رکے اور بولے السلام علیکم یا امیر" عیاضؓ نے کھڑے ہو کر کہا۔ "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔"

انہوں نے دریافت کیا۔ "تم کون ہو۔"

ان میں سے ایک نے کہا۔ ہم واسی کے ہمراہی ہیں۔"

خوش ہو کر کہا۔ خدا کا شکر ہے تم آگئے۔ واسی کہاں ہیں۔"

اب نہیں۔ وہ راس العین گئے ہیں۔
عیاض نے متعجب ہو کر کہا، کیوں؟"
دوسرا شخص: انہیں راستہ میں عاصم بن رواد ملے تھے وہ مسلمان ہو گئے ہیں اور حضرت خالد کو چھڑانے کے لئے راس العین جا رہے تھے۔ واصل اور ان کے ساتھیوں کو بھی ہمراہ لے گئے ہیں۔
عیاض فوراً سجدہ میں گر گئے۔ انہوں نے کہا۔ "خداوندا! تیرا شکر ہے تو نے خالد کی رہائی کا سامان غیب سے کر دیا۔
پھر وہ اٹھ کر کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا۔ شاید تم اس خبر کو سنانے کے لئے ہی آئے ہو۔
دوسرا شخص: جی ہاں یہ خبر سنانے کے لئے بھی اور دو لڑکیوں کو پہنچانے کے لئے بھی۔
انہوں نے پھر حیرت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا اور دریافت کیا۔ وہ لڑکیاں کون ہیں؟
دوسرا شخص: ان میں سے ایک حارث کی بھتیجی طاہرہ ہے اور دوسری اخلاط کے اعظم کی بیٹی بریرہ ہے۔
عیاض نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ خدایا شکر ہے ہزار ہزار شکر ہے مسلمانوں کا آج کیا حال ہے۔ کسے یقین تھا کہ طاہرہ اس آسانی سے واپس آ جائے گی؟ آنے والوں سے مخاطب ہو کر: کہاں ہے میری بچی طاہرہ، اور کہاں ہے میری عزیزہ بریرہ۔
دونوں لڑکیاں بڑھ کر سامنے آئیں اور سلام کر کے سر جھکا کر کھڑی ہو گئیں۔
حضرت عیاض نے دونوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر دونوں کو دعا دی اور اپنے غلام سے کہا ان آنے والوں کو خیمہ میں ٹھہراؤ اور ان دونوں لڑکیوں کو حارث کے خیمہ پر پہنچا دو۔
غلام اٹھا اور ان آدمیوں اور طاہرہ اور بریرہ کو ساتھ لے کر چلا گیا۔ حضرت عیاض بیٹھے اور کھانا تیار کرنے لگے۔

عاصم اور مرسیوس

عاصم رات کی تاریکی میں روانہ ہو گیا تھا۔ اس نے یہ ہوشیاری کی کہ واصل اور ان کے ساتھیوں کو سب سے آگے رکھا اور چلتے وقت انہیں ہدایت کر دی کہ وہ اپنے ہتھیار اپنی عباؤں کے دامن میں چھپائے رکھیں اور اونٹوں کی مہار پکڑ کر ساربانوں یا غلاموں کی طرح چلتے رہیں کسی عیسائی سے کوئی بات نہ کریں۔
ان کے پیچھے اس نے واصل کے اونٹ اور ان کے اونٹوں کے پیچھے اپنے اونٹ رکھے ان اونٹوں سے ذرا فاصلہ پر اپنے فوجی دستے ان کے پیچھے یوقنا اور ان کے ساتھیوں کو اور باقی لشکر ان کے پیچھے رکھا۔
گویا اس طرح اس نے ایسا انتظام کر دیا۔ جس کی وجہ سے واصل اور ان کے ساتھیوں کو یوقنا اور یوقنا کو وہ نظر نہ آسکیں۔
اونٹوں کی لمبی قطاروں کی وجہ سے یہ مختصر لشکر دور تک پھیل گیا۔ اتنی دور تک کہ آگے والوں کو پچھلے والے اور پچھلے والوں کو آگے والے نظر نہ آتے تھے۔ یہ لشکر ذرا تیزی سے چلا جا رہا تھا۔ صبح ہونے سے پہلے ہی انہوں نے کافی فاصلہ طے کر لیا۔
جب صبح صادق کا وقت ہوا تو وہ رک گئے۔ کئی شخصوں نے مل کر اذان دی وضو کیا اور سب نے نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر وہ پھر چل پڑے۔ اور دوپہر تک برابر چلتے رہے۔ دوپہر کے وقت قیام کر دیا۔ کھانا تیار کیا۔ کھایا اور کچھ دیر آرام کر کے پھر روانہ ہوئے۔
چار گھڑی دن رہے وہ قلعہ راس العین کے قریب پہنچ گئے۔
یہ قلعہ نہایت شاندار اور مضبوط تھا۔ اتنا اونچا اور لمبا چوڑا تھا کہ اسے دیکھ کر دیکھنے والوں کے دلوں پر ہیبت سی چھا جاتی تھی۔ اس میں شرق اور غرب کی طرف دو دو دروازے تھے اور شمال اور جنوب کی طرف ایک ایک۔۔ اس طرح کل دروازے چھ تھے یہ دروازے اس قدر اونچے چوڑے اور شاندار تھے کہ انہیں دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی تھی۔
فصیل میں پچاس پچاس گز کے فاصلہ پر فصیل سے آگے نکلے ہوئے گول گول برج تھے۔ یہ برج اس مصلحت سے رکھے گئے تھے کہ اگر کسی وقت دشمن قلعہ کے نیچے فصیل کے پاس پہنچ جائے تو وہ فصیل کو نقصان نہ پہنچا سکے اور برج پر بیٹھے ہوئے سپاہی تیروں سے دشمنوں کو مار مار کر بھگا دیں۔
فصیل کے نیچے نہایت چوڑی اور گہری خندق تھی جو ہر وقت پانی سے لبریز رہتی تھی۔ اس خندق کو عبور کر کے فصیل تک پہنچنا بھی مشکل کام تھا۔
عاصم نے اپنے آنے کی اطلاع شمواس کو کی تھی۔ شمواس نے اسے لکھ دیا تھا کہ وہ رقیان آنے کے بجائے راس العین میں چلا جائے اور ساتھ ہی راس العین بھی ایک

قاصد بھیج دیا تھا اور مرسیوس کو حکم دیا تھا کہ وہ عاصم کا استقبال کر کے اسے قلعہ میں لے جائے۔ اور اس کی شان کے مواقف اس کی مدارات کرے۔

چنانچہ اس حکم کے بموجب مرسیوس قلعہ راس العین سے باہر کچھ لشکر لئے اس کے استقبال کے لئے موجود تھا۔

جب مرسیوس اور اس کے ساتھیوں نے عاصم اور واسی کے لشکر کو دیکھا تو انہیں اس وجہ سے تعجب ہوا کہ ایک کثیر ساربانوں کی اونٹوں کی مہار پکڑے چلی آرہی ہے اور اونٹ حد نگاہ تک پھیلے ہوئے ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے پیچھے افق میں سے نکل نکل چلے آرہے ہوں اور ان کا سلسلہ ٹوٹنے والا ہی نہ ہو۔

مرسیوس کے آدمیوں نے ان ساربانوں کو روک دیا اور خود مرسیوس معہ چند افسروں کے عاصم سے ملنے کے لئے روانہ ہوا۔

یہ ساربان اس وجہ سے روک دیئے گئے کہ مرسیوس کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ مسلمان نہ ہوں جو خالد اور ان کے ساتھیوں کو چھڑانے کے لئے آئے ہوں اور دھوکا دے کر قلعہ کے اندر داخل ہونا چاہتے ہوں۔

اسے شک اس وجہ سے اور بھی ہوا کہ عاصم جس کو سب سے آگے ہونا چاہئے تھا سب سے پیچھے بتایا جاتا تھا۔

اونٹوں کی پیشقدمی رک گئی۔ مرسیوس تیزی سے چل کر اس جگہ پہنچا جہاں عاصم تھا۔

وہ عاصم کو جانتا تھا اس نے دور ہی سے اسے پہچان لیا۔ عاصم اسے دیکھتے ہی لشکر کے درمیان سے نکل کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ دونوں نہایت خندہ پیشانی سے ملے۔ مرسیوس نے کہا۔ یہ آپ نے کیا عجب بات کی۔ کہ باربرداری کے اونٹ جو پیچھے ہونے چاہئیں تھے آگے کر دئے اور آپ جو آگے ہونے چاہئیں تھے پیچھے رہ گئے۔

عاصم نے مسکرا کر کہا۔ اس میں بھی ایک مصلحت تھی۔"

عاصم:۔ میں نے یوقا کو گرفتار کیا ہے۔

مرسیوس اور اس کے ساتھیوں نے حیرت سے عاصم کو دیکھ کر تعجب کے لہجہ میں کہا۔ آپ نے یوقا کو گرفتار کیا ہے۔

مرسیوس:۔ کیسے گرفتار کر لیا۔ آپ نے اسے؟"

عاصم:۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ یوقا خالد کو چھڑانے کے لئے اسلامی لشکر سے روانہ ہوا ہے اور راس العین میں داخل ہونے کی تدبیر کر رہا ہے۔ میں اسے گرفتار کرنے کی فکر میں لگ گیا۔ اتفاقاً کل رات میں اچانک اس جگہ پہنچ گیا جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ اور اس کے آدمی ہوشیار ہوں۔ میں نے انہیں بے قابو کر کے گرفتار کر لیا۔

مرسیوس:۔ اس بدبخت شخص کو گرفتار کر کے آپ نے عیسائی دنیا پر بڑا زبردست احسان کیا ہے۔

عاصم:۔ میں نے اس کے کارنامے سنے ہوئے تھے۔......

مرسیوس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "کارنامے......

شیطانی حرکتیں کہئے۔"

عاصم:۔ ہاں شیطانی حرکتیں ہی کہئے۔ میں یہ سن کر کہ وہ اس طرف منڈلا رہا ہے بہت خوش ہوا اور موقعہ پا کر اسے گرفتار کر لیا۔ یہ میں نے ملک شریاض کی خوشنودی کے لئے کیا ہے۔

مرسیوس:۔ اور وہ اس خبر کو سن کر بہت خوش ہوں گے۔ کہاں ہے وہ بدکار؟

عاصم نے مسکرا کر کہا۔ "آئیے ملاقات کراؤں۔"

مرسیوس نے پھر برا سا منہ بنا کر کہا۔ "ملاقات؟......

ملاقات کسی نیک اور بھلے آدمی سے کی جاتی ہے۔

عاصم نے ہنس کر کہا۔ "تو زیارت کر لیجئے۔"

مرسیوس نے بری بری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "زیارت ولی اللہ لوگوں کی کی جاتی ہے۔ جناب وہ تو شیطان سے بھی بڑھ کر مکار ہے۔ میں اسے اس لئے دیکھنا چاہتا ہوں کہ اسے اپنی گرفتاری پر کچھ ندامت فکر اور غم ہے یا نہیں۔

عاصم:۔ اس کے چہرہ سے ان میں سے کسی بات کا بھی اظہار نہیں ہوتا۔ بلکہ استقلال ظاہر ہوتا ہے۔

مرسیوس:۔ یہی بات ہے اس کم بخت میں۔ میرا بس چلے تو میں اسے آج ہی قتل کر ڈالوں۔

عاصم:۔ لیکن میں اور آپ اسے قتل نہیں کر سکتے۔

مرسیوس:۔ بے شک۔ لیکن کاش قتل کر سکتے۔

عاصم:۔ اگر ایسا ہی ہے تو ملک شریاض سے اجازت منگا لیجئے۔

مرسیوس:۔ ایسا ہی کروں گا۔

عاصمؒ:۔ اور اجازت آنے تک انہیں قید رکھے گا۔

مرسیوس:۔ خالد کے پاس۔ تاکہ اسے بھی معلوم ہو جائے کہ اب ہم نے مسلمانوں کو قید کرنا شروع کر دیا ہے۔

عاصم نے مصنوعی حیرت سے مرسیوس کو دیکھ کر دریافت کیا۔ کیا آپ نے خالد کو بھی گرفتار کر لیا ہے۔

مرسیوس:۔ جی ہاں۔ مگر میں نے نہیں۔ ملک شریاض نے میدان جنگ میں سے اسے گرفتار کر کے بھیجا ہے۔

عاصمؒ:۔ تعجب ہے۔ خالد تو شیر اسلام ہے مسلمان اسے سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کہتے ہیں اور یہ بھی بڑا بہادر ہے کیسے گرفتار ہو گیا۔

مرسیوس:۔ اجی یہ مسلمان بہادر خاک بھی نہیں ہوتے۔ دراصل ہم عیسائیوں پر ان کا رعب غالب ہو گیا ہے ورنہ جیسے ہم انسان ہیں ایسے ہی وہ بھی ہیں۔

عاصمؒ:۔ یہ ٹھیک ہے مگر پھر بھی وہ عیسائیوں سے زیادہ بہادر ہوتے ہیں خیر ہوں گے مجھے یہ بتائیے کہ یہ گرفتار کیسے ہوا۔

مرسیوس:۔ ہمارے شیر دل بہادر سپاہی اس پر اور اس کے گروہ پر ٹوٹ پڑے کچھ دیر تو یہ لوگ لڑے۔ پھر ہتھیار پھینک کر کھڑے ہو گئے ہمارے سپاہیوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔

عاصم نے خالدؓ کو گرفتار کئے جانے کے تمام واقعات سنے تھے۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ عیسائیوں نے لوہے کے خاردار گوکھرو بچھا دیئے تھے مسلمانوں کے گھوڑے لنگڑے ہو کر گر پڑے اور مسلمانوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

وہ مرسیوس کی شیخی اور جھوٹ سے دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا مگر ظاہری طور پر اس نے ایسا چہرہ بنا لیا جیسے اسے بڑی حیرت ہو رہی ہے۔ اس نے کہا۔ "بڑی دلیری کی۔

مرسیوس۔ جی ہاں۔

عاصمؒ:۔ یہ بات نہایت ہی مناسب رہے گی کہ یوقنا کو خالد کے پاس رکھا جائے۔ یہ [illegible] اور وہ دونوں ایک دوسرے پر افسوس کرتے رہیں گے۔

مرسیوس:۔ اس لئے میرا یہ خیال ہے۔

عاصمؒ:۔ لیکن ایک گزارش ہے۔

مرسیوس:۔ فرمائیے۔

عاصمؒ:۔ میں ان بدبخت مسلمانوں سے خوب واقف ہوں۔ یہ لوگ نہایت چالاک پورے شیطان ہوتے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ کسی وقت اپنے پہرہ داروں کو دھوکا دے جائیں۔

مرسیوس:۔ اطمینان رکھئے میرے پاس سپاہی ایسے نہیں جو بیوقوف بن جائیں۔

عاصمؒ:۔ اگرچہ یہ ٹھیک ہے لیکن احتیاط ضروری ہے۔

مرسیوس:۔ اور جو احتیاط کہیں وہ کی جا سکتی ہے۔

عاصمؒ:۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ یہ مسلمان لوگ بھی عرب ہیں اور ہم بھی عرب ہیں۔ ہم ان کی چالوں کو خوب سمجھتے ہیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ ان کی حفاظت و نگرانی پر میں اپنے سپاہی تعینات کر دوں۔ تاکہ اگر انہیں اپنی شرارتوں پر کامیابی کی کوئی امید بھی ہو تو میرے سپاہیوں کو دیکھ کر نا امیدی سے بدل جائے اور پھر وہ کوشش یا شیطانیت کر ہی نہ سکیں۔

مرسیوس:۔ نہایت مناسب ہے آج ہی میں وہاں سے اپنے سپاہی ہٹا دوں گا اور آپ اپنے سپاہی تعینات کر دیں۔

عاصمؒ:۔ آپ کا شکریہ۔ اچھا اب یہ بتائیے کہ وہ لوگ قید کہاں ہیں کوئی محفوظ اور مستحکم جگہ بھی ہے۔

مرسیوس:۔ نہایت محفوظ جگہ ہے آپ نے بیت المقدس (یہ شہر) کا [illegible] دیکھا ہے۔

عاصمؒ:۔ جی ہاں دیکھا ہے۔

مرسیوس:۔ اس کے اندر ایک قید خانہ ہے انہیں اس میں مقید کیا ہے۔

عاصمؒ:۔ نہایت مناسب جگہ ہے۔ بڑی محفوظ ہے وہاں تھوڑی سی نگرانی بھی کافی ہے۔

مرسیوس:۔ اسی لئے تو وہاں رکھا گیا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ مسلمان بڑے شیطان ہیں کمبختوں کو سات تالوں میں بھی بند کیا جائے تو نکل بھاگتے ہیں۔

عاصمؒ:۔ یہی بات ہے۔ نہ معلوم کیا جادو جانتے ہیں۔

مرسیوس:۔ جی ہاں، ان کا جادوگر عرب میں گزرا ہے۔ وہ دنیا بھر کے جادو [illegible]

[illegible]

استاد تھا اس نے ہی تمام عربوں کو جادو سکھا دیا ہے۔

عاصمؓ:۔ شاید ایسا ہی ہو۔

مرشیوس:۔ چلئے اب آپ مجھے اس شیطان کو دکھایئے۔

عاصمؓ:۔ چلئے۔

دونوں وہاں سے چلے اور لشکر میں داخل ہو کر یوقنا کی طرف بڑھنے لگے۔

یوقنا کی تشہیر

یوقنا اور اس کے چالیس ساتھی زنجیروں میں جکڑے ہوئے گھوڑوں پر سوار کھڑے تھے ان کے چہروں سے نہ خوف ظاہر تھا نہ فکر بلکہ نہایت استقلال اور اطمینان ظاہر تھا۔

مرسیوس یوقنا کے پاس پہنچا اس نے نہایت حقارت آمیز نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔ "یوقنا دین سے غداری کا نتیجہ دیکھا۔

یوقنا نے سنجیدگی کے لہجہ میں کہا۔ "دیکھا.......... مگر تم خدا سے غداری کر رہے ہو۔ اس غداری کا ہولناک انجام قریب ہے۔"

مرسیوس:۔ اب تو بندھا ہوا ہے سوائے زبان درازی کے اور کر ہی کیا سکتا ہے۔

یوقنا:۔ مگر میں نے کبھی زبان درازی نہیں کی ہے۔

مرسیوس:۔ شاید اس مرتبہ تجھے اپنی موت کا یقین ہو گیا ہے۔

یوقنا:۔ ہر شخص مرنے کے لئے پیدا ہوا ہے ہمیشہ کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔

مرسیوس:۔ بدبخت! تو نے عیسائیوں کو دھوکا دیا۔ ان کے کئی قلعے دھوکہ سے چھنوا دے اب تجھ سے ان سب کا انتقام لیا جائے گا۔

یوقنا:۔ اسے خدا ہی خوب جانتا ہے۔

مرسیوس:۔ غصہ تو ایسا آتا ہے کہ تجھے ابھی قتل کرا دوں۔ لیکن یوقنا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ایک بزدل شخص کو اسی وقت غصہ آیا کرتا ہے جب اس کا دشمن مجبور و لاچار ہو جاتا ہے بہادری جب ہے جب میدان جنگ میں غصہ آئے۔"

مرسیوس نے ہنس کر کہا۔ "کیا عاصم بہادر نہیں ہیں جنہوں نے تمہیں گرفتار کیا ہے۔

یوقنا:۔ دھوکہ سے کرنا بہادری نہیں ہے۔

عاصمؓ:۔ جنگ کے وقت دھوکہ کرنا جائز ہے۔

مرسیوس:۔ بالکل ٹھیک ہے۔ اچھا اب قلعہ میں چلئے۔

عاصمؓ:۔ سب سے پہلے ساربانوں کو چلنے دیجئے اور انہیں بڑھ کر ہدایت کر دیجئے کہ وہ بیعہ شمعوریہ میں جا کر ٹھہریں۔

مرسیوس:۔ بہت اچھا۔ میں اس گرجہ کے پادری کو بھی حکم بھیجے دیتا ہوں کہ وہ بیعہ کا دروازہ کھول دے۔

عاصمؓ:۔ ٹھیک ہے۔

مرسیوس:۔ وہاں سے چل پڑا۔ اپنے آدمیوں کے پاس آیا اور وہاں سے انہیں لے کر قلعہ کے دروازہ پر ساربانوں کے پاس پہنچا۔

اس نے سب سے پہلے قاصد قلعہ کے اندر بھیجا اسے ہدایت کر دی کہ وہ منادی کرتا چلا جائے کہ عاصم یوقنا کو گرفتار کر کے لایا ہے عاصم کے ساتھ وہ بھی آ رہا ہے اور پادری سے جا کر کہہ دے کہ وہ بیعہ شمعوریہ کا دروازہ کھول دے۔

قاصد گھوڑا دوڑا کر ہوا ہو گیا۔ اب مرسیوس نے ساربانوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وامسؓ اور ان کے ساتھی اطمینان کے ساتھ اونٹوں کی مہار پکڑ کر روانہ ہوئے۔

وامسؓ اور ان کے تمام ساتھی سانولے رنگ کے تھے۔ لمبی لمبی عبائیں پہنے تھے ان کی آستینیں اس قدر ڈھیلی تھیں کہ ان میں آدمی کا جسم آ سکتا تھا۔ سروں پر عمامے باندھے تھے۔

اونٹ مختلف قسم کے سامان سے لدے ہوئے تھے وہ بڑبڑاتے شور مچاتے اپنی لمبی لمبی گردنیں اٹھائے چلے جا رہے تھے۔

ان ساربانوں اور اونٹوں کے روانہ ہوتے ہی تمام لشکر کو حرکت ہوئی۔ اونٹوں کے بڑھتے ہی سوار بڑھنے لگے۔ سواروں کے ساتھ عاصم اور یوقنا بھی روانہ ہوئے۔

مرسیوس اور اس کے ساتھ آنے والے ساربانوں کے ساتھ چلا۔ جب یہ لوگ قلعہ کے سربفلک دروازہ کو عبور کر کے قلعہ کے اندر داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ عیسائیوں کا سیلاب انہیں دیکھنے کے لئے امنڈ آیا ہے جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی۔ مرد۔ عورتیں اور بچے فوج کی فوج کھڑے نظر آتے تھے تمام راستے راستوں پر کھڑی ہوئی عمارتیں عمارتوں کی چھتیں عیسائیوں سے پٹی ہوئی تھیں۔

سارا راس العین یوقنا اور ان کے ساتھیوں کو دیکھنے کے لئے امنڈ آیا تھا۔ ایک مرتبہ وہ حضرت خالدؓ کو دیکھنے کے لئے آئے تھے۔ آج یوقنا دیکھنے کے لئے آئے۔

لیکن اونٹوں کا سلسلہ ہی اتنی دور تک پھیلا ہوا تھا کہ لوگ انہیں ہی دیکھتے دیکھتے تھک گئے۔ آخر خدا خدا کر کے اونٹوں کی قطار ختم ہوئی اور سواروں کے دستے آنے لگے۔

جب کچھ رستے گزر گئے تب عاصم آیا اس کے پیچھے یوقنا تھا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور اس کے پیچھے اس کے چالیس سپاہی تھے وہ بھی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔

انہیں دیکھتے ہی عیسائیوں نے غیظ و غضب کے لہجہ میں شور مچایا۔ گالیاں دینا اور برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔

ایک زمانہ تھا جب یوقنا ملک شام کے ایک مشہور قلعہ حلب کا بادشاہ تھا عیسائیوں میں اس کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ ہر عیسائی اور ہر عیسائی بادشاہ اس کی عزت کرتا تھا۔ اس سے ڈرتا تھا۔ اس کی نگاہ لطف کا امیدوار رہتا تھا۔ حتیٰ کہ ہرقل اعظم جو تمام عیسائیوں کا شہنشاہ تھا اس کی دوستی پر فخر کرتا تھا۔

وہ بہادر۔ مدبر اور ذی عقل تھا۔ عیسائی دنیا میں اس کی بڑی شہرت تھی وہ کٹر عیسائی مشہور تھا۔

لیکن جب خدا نے اسے ہدایت دی اور وہ مسلمان ہو گیا تو جس قدر عیسائی اس سے خوش تھے۔ اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ اب ناخوش ہو گئے تھے اور چاہتے تھے کہ اسے گھڑی کی چوتھائی میں قتل کر ڈالیں۔

یوقنا سمجھتا اور جانتا تھا کہ راس العین کے عیسائی اسے برا کہہ رہے اور گالیاں دے رہے ہیں مگر ان گالیوں پر نہ اسے جوش آ رہا تھا نہ غصہ۔ بلکہ ہنسی آ رہی تھی اور اس کی ہنسی راس العین کے عیسائیوں کی تہذیب کا ماتم کہی جا سکتی تھی۔

نہ یہ بہادری ہے نہ تہذیب کہ ایک شخص جو گرفتار کر کے بے بس کر دیا گیا ہو اس کو گالیاں دی جائیں۔ تہذیب یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی انسانیت کا برتاؤ ہو اور وہ اس کا گرویدہ ہو جائے۔

لیکن یہ بات صرف مسلمانوں ہی میں ہے دنیا ان کی خوش اخلاقی کی معترف ہے دشمن ان کی تہذیب۔ ان کے خلق۔ ان کی صاف گوئی اور سچائی سے خوش ہو ہو کر اس قدر متاثر ہوئے کہ بے اختیار مسلمان ہو گئے۔

لوگ گالیاں دے رہے تھے۔ شور مچا رہے تھے اور یوقنا اور ان کے ساتھی سر جھکائے خاموش چلے جا رہے تھے۔

ادھر ساربان بھی گرجہ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ گرجہ کا بڑا پادری اپنے ماتحت پادریوں کی ملنے کے لئے دروازہ کے باہر کھڑا تھا اس نے گرجہ کا پھاٹک کھول دیا تھا۔

ساربان گرجہ کے احاطہ کے اندر داخل ہونے شروع ہو گئے تھے اور ایک لمبے چوڑے میدان میں پہنچ کر اونٹوں کو بٹھانے اور ان کے اوپر سے سامان اتارنے لگے تھے۔

جب تمام اونٹ گرجہ میں داخل ہو چکے تب عاصم کے سوار آئے اور وہ بھی اونٹوں سے ذرا

فاصلہ پر ٹھہر کر گھوڑوں سے نیچے اتر اتر کر ان کی کاٹھیاں کھولنے لگے۔

ان کے پیچھے ہی عاصم اور یوقنا بھی پہنچے۔ یہ لوگ گھوڑوں سے نیچے اترے پادریوں سے باتیں کرتے آ رہے تھے۔ پادری کہہ رہا تھا۔ یوقنا بڑا مکار ہے اگرچہ ہم پادری لوگ خونریزی کو پسند نہیں کرتے مگر میں اس یوقنا سے اس قدر بیزار ہوں اور مجھے اس پر اس قدر غصہ ہے کہ جی چاہتا ہے اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کر ڈالوں۔

عاصم:۔ ہونا ہی چاہئے۔ لیکن آپ کو اس کے ناپاک خون میں اپنے پاک ہاتھ بھرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔

پادری:۔ ہاں ملک شہرایش خود ہی اس کے ٹکڑے اڑا دے گا۔

عاصم:۔ یہی بات ہے۔

اب یہ لوگ باتیں کرتے اس جیل خانہ کے دروازہ پر پہنچ گئے۔ جس کے اندر خالد اور ان کے ساتھی بند تھے۔

پادری نے کہا۔ یہ بہت اچھا ہے کہ خالدؓ یوقنا کو اور یوقنا خالدؓ کو قید دیکھ کر افسوس کریں گے۔

عاصم:۔ ان سب کو اکٹھا رکھے جانے کی تجویز میں نے ہی پیش کی ہے۔

پادری:۔ نہایت مناسب تجویز ہے۔ ان کے ایک جگہ رکھنے سے حفاظت و نگرانی آسانی سے کی جا سکے گی۔ اس کے علاوہ یہ جیل خانہ ایسا مضبوط اور محفوظ ہے کہ قیدی کو اسے توڑ کر اس سے باہر نکلنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔

عاصم:۔ یہی بات ہے۔

اب پادری نے جیل خانہ کا دروازہ کھلوا دیا اور قیدیوں کو اس کے اندر دھکیل کر پھر پھاٹک بند کر دیا۔

ابھی تک اس جیل خانہ کی حفاظت مرسیوس کے آدمی ہی کر رہے تھے۔ لیکن اب پادری نے انہیں سبکدوش کر کے روانہ کر دیا اور عاصم نے اپنے سپاہی مقرر کر دئے۔

اس کام سے فارغ ہو کر عاصم واپس ہوا تھوڑی ہی دور چل کر اسے مرسیوس ملا۔ اس نے کہا۔ میں نے آپ کے بخیریت آنے اور یوقنا کو گرفتار کر کے لانے کی اطلاع ملک شہرایش کے پاس بھیج دی ہے۔

عاصم:۔ آپ نے یہ خوب کیا۔ اس خبر کو سن کر میدان جنگ کے عیسائیوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔

مرسیوس:۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ اب مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور

عیسائی بہت جلد انہیں شکست دے کر یا تو بھگا دیں گے یا مار ڈالیں گے۔ دراصل میں اس خیال کا آدمی ہوں کہ کسی مسلمان کو قید نہیں رکھنا چاہئے بلکہ جس وقت اور جتنے مسلمان ہاتھ آجائیں اسی وقت انہیں سب کو قتل کرا دیا جائے۔

عاصم:۔ یہ تو ٹھیک ہے لیکن جنگ کے موقعہ پر اس لئے احتیاط کرنی پڑتی ہے کہ اگر کچھ اپنے آدمی بھی گرفتار ہو جائیں تو قیدیوں کا تبادلہ ہی کر لیا جائے۔

مرسیوس:۔ یہ ٹھیک ہے لیکن میں نے تو اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔ اچھا اب آپ کہاں قیام کریں گے۔

عاصم:۔ جہاں آپ کہیں۔

مرسیوس:۔ چونکہ آپ کے ساتھی ریمہ کی حفاظت پر مامور ہو گئے ہیں۔ اس لئے مناسب سمجھیں تو گرجہ ہی میں قیام کریں۔

عاصم:۔ نہایت مناسب ہے۔

پادری:۔ میں آپ کے لئے ایسا کمرہ خالی کرا دوں گا جو گرجہ کی بنت الفردوس کے قریب ہے (مسکرا کر) وہاں آپ حوروں کا نظارہ بھی کرتے رہیں گے اور آرام سے بھی رہیں گے۔

عاصم:۔ آپ کا شکریہ۔

پادری:۔ اچھا تو آیئے۔

عاصم:۔ چلئے۔

اب یہ تینوں باتیں کرتے ہوئے گرجہ کی عمارت کی طرف روانہ ہوئے۔

مسرت آفریں ملاقات

جس وقت عیاض کا غلام طاہرہ اور پریونہ کو لے کر حارث کے خیمہ پر پہنچا اس وقت حارث اور منذر دونوں موجود تھے۔

جب سے طاہرہ گئی تھی اور منذر زخمی ہوا تھا اسی وقت سے دونوں ایک ہی خیمہ میں رہتے تھے۔

خیمہ کے اندر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کسی قسم کی بھی روشنی نہ تھی۔ کمبل کے فرش پر دونوں دوست بیٹھے باتیں کر رہے تھے ان دونوں کو طاہرہ کا اس قدر غم تھا کہ ہر وقت اسی کو یاد اور اسی کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ رات دن میں ایک وقت صرف دوپہر کو کھانا کھاتے تھے رات کو ویسے ہی پڑ رہتے تھے۔

چنانچہ انہوں نے آج بھی کھانا نہیں کھایا تھا نہ تیار کیا تھا۔ اسی وجہ سے ان کے خیمہ کے سامنے روشنی ہی نہ تھی۔

چونکہ اسلامی لشکر میں ہر خیمہ کے سامنے کھانا تیار کرنے کی وجہ سے آگ روشن کی جاتی تھی اس لئے اس روشنی سے تمام لشکر میں روشنی رہتی تھی اور اس روشنی کے عکس سے خیمہ کے اندر بھی کافی اجالا رہتا تھا۔

لیکن حارث اور منذر بیٹھے چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے قدموں کی چاپ سنی۔ لیکن یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ خیمہ کے سامنے ہر وقت آمد و رفت رہتی تھی اس لئے انہوں نے اس آواز کی طرف توجہ ہی نہ کی۔

دفعتہً خیمہ کا پردہ اٹھا۔ دونوں کی نگاہیں دروازہ کی طرف اٹھ گئیں کوئی دبے قدموں اندر داخل ہوا اور شیریں سریلے لہجہ میں کہا۔ "بھائی جان!"

اس آواز کو سن کر حارث اور منذر دونوں چونک کر اچھل پڑے اور بے اختیار اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ حارث بے ساختہ بڑھا اور جوش مسرت سے بے خود ہوتے ہوئے بولا۔ "کون طاہرہ۔"

یہ طاہرہ تھی۔ وہ آگے بڑھی۔ چونکہ خیمہ کا پردہ اٹھا ہوا تھا۔ اس لئے کچھ روشنی آنے لگی تھی۔ اس روشنی میں طاہرہ کا چاند سا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

وہ حارث کی طرف بڑھی اور اس کے قریب جا کر اس کے شانہ سے لگ کر بولی۔ جی ہاں بدنصیب طاہرہ۔"

حارث سخت متحیر ہوا۔ یہی کیفیت منذر کی ہوئی۔ وہ چاہتا تھا کہ دوڑ کر اس سیم تن سے لپٹ جائے لیکن اس کا موقعہ نہ تھا اس لئے اس نے ضبط کیا۔

جب ذرا حارث کی حیرت کم ہوئی تب اس نے اس کے نازک سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "خدا کا شکر ہے۔ ہزار ہزار شکر۔ اس نے پھر تجھ سے ملا دیا۔ آہ عزیز بہن۔ ایک تیرے نہ ہونے کی وجہ سے میری دنیا ہی تاریک ہو رہی تھی۔

طاہرہ:۔ میں ہی جانتی ہوں جب مجھے آپ کی جدائی کا غم تھا۔ خدا نے سن لی۔ رہائی مل گئی اور مجھے پھر آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔

حارث:۔ آؤ۔ بیٹھو اور یہاں کیسے آ گئیں۔

طاہرہ:۔ سناؤں گی .... کیا بھائی جان! آپ پریونہ سے ناراض ہیں۔

حارث:۔ نہیں۔ اگرچہ اسی نے مجھے مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اسی نے ہمیں اسیر غم کیا لیکن "مسلمان ہو گئی ہے" اس لئے اب مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہے۔

طاہرہ:۔ وہ جس نے مجھے گرفتار کرایا تھا اس نے ہی رہا بھی کرایا ہے۔
حارث نے خوش ہو کر کہا۔ کیا پرویز نے۔"
طاہرہ:۔ جی ہاں۔
حارث:۔ جب تو اس نے برائی کا بدلہ بھلائی سے کر دیا۔ اول تو اس سے پہلے ہی کوئی شکایت نہ رہی تھی اور اب تو بالکل بھی نہیں رہی۔
طاہرہ:۔ مگر وہ یہی سمجھ رہی ہے اور اس لئے.........
حارث نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ تیرے ساتھ نہیں آئی۔"
طاہرہ:۔ ساتھ تو آئی ہے مگر آپ کے پاس نہیں آئی۔
حارث:۔ اور کہاں رہ گئی ہے؟
طاہرہ:۔ خیمہ کے باہر کھڑی ہے۔
حارث کو یہ سن کر بے حد خوشی ہوئی۔ وہ بے اختیار ہو کر بولا۔ "جاؤ طاہرہ اسے لے آؤ۔"
طاہرہ:۔ وہ میرے کہنے سے نہیں آئیں۔
حارث:۔ اور؟
طاہرہ:۔ آپ جا کر بلا لایئے۔
حارث:۔ اچھا۔
یہ کہتے ہی اس نے آہستہ سے طاہرہ کو اپنے شانہ سے علیحدہ کیا اور خیمہ کے دروازہ کی طرف چل کر باہر نکل گیا۔
اس کے جاتے ہی منذر ایک قدم بڑھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ خدا کا شکر ہے طاہرہ.........
ابھی وہ اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ طاہرہ فرط خوف سے اچھل پڑی۔
چونکہ کمرہ میں اتنا اجالا نہ تھا کہ کسی کی صورت صاف نظر آتی۔ طاہرہ نے منذر کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ صرف حارث ہی خیمہ کے اندر ہے اب جبکہ حارث چلا گیا اور منذر نے اسے مخاطب کیا تو وہ اچھل پڑی اور بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔ "کون ہیں آپ؟"
منذر نے اسے ڈر کر اچھلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ سمجھا کہ طاہرہ اسے بھول گئی ہے۔ اس خیال سے اسے بے حد ملال ہوا۔ اس قدر رنج ہوا کہ بے اختیار ہو کر چلانے کو جی چاہنے لگا۔
لیکن اس نے ضبط کیا اور آہستہ سے کہا۔ کیا بھول گئی ہو تم مجھے۔"
اب طاہرہ نے اسے آواز سے شناخت کر لیا۔ اس نے شوخی کے لہجہ میں سانس لیتے ہوئے کہا۔ توبہ۔ اللہ! میں تو ڈر گئی تھی۔ میں نے کہا۔ یہ جن کہاں سے آ گیا......واہ واہ! آپ نے تو گلے کے

مجھے ڈرا ہی دیا۔"
منذر کو اپنی حماقت پر بڑا افسوس ہوا۔ اس نے عاجزی کے لہجہ میں کہا معاف کرنا۔ شوق گفتگو میں مجھے اس بات کا خیال ہی نہ رہا۔ کہ تم ڈر جاؤ گی۔
طاہرہ۔ خدا کی قسم اب بھی میرا دل دھک دھک کر رہا ہے۔
منذر ایک قدم بڑھ کر بالکل اس کے برابر میں جا کھڑا ہوا اس نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔ بھلا دیکھوں۔
چونکہ اسے منذر کی جانب سے ایسی جرات کی امید نہ تھی۔ اس لئے وہ پھر اچھل پڑی اور اس نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔ یہ کیا ہے۔
منذر کو پھر افسوس ہوا کہ اس نے دوبارہ حماقت کی۔ اس نے کہا۔ کچھ نہیں طاہرہ! مجھ سے ہی پھر حماقت ہو گئی۔
طاہرہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ اس نے دریافت کیا۔ "کیا؟"
منذر نے جواب دیا۔ میں نے آپ کے دل کی دھڑکن دیکھنے کے لئے ہاتھ پھیلایا تھا۔
طاہرہ:۔ توبہ۔ توبہ کیسے آدمی ہو تم بھی۔
منذر:۔ بڑا احمق ہوں میں۔ خواہ مخواہ میں نے تمہیں دو مرتبہ ڈرایا۔
طاہرہ:۔ ایک تو آپ کی پہلی ہی حرکت سے دل دھڑک رہا تھا۔ اور آپ نے ہاتھ پھیلا کر ڈرا دیا۔ بھلا کیا سوجھی تھی یہ آپ کو۔
منذر:۔ بس حماقت ہی سوجھی تھی اور کیا کہوں۔
طاہرہ:۔ کہئے آپ تو اچھے رہے۔
منذر:۔ اچھا؟..........بس یہ سمجھو کہ زندہ ہوں اور اپنے جسم کی ہڈیوں کے ڈھانچ کو کھینچتا پھرتا ہوں۔
طاہرہ:۔ کیا کچھ بیمار ہو گئے تھے۔
منذر:۔ نہیں۔
طاہرہ:۔ شاید زخم اچھے نہیں ہوئے ابھی تک۔
منذر:۔ کاش زخم اچھے نہ ہوتے اور میں مر جاتا۔
طاہرہ نے گھبرا کر کہا۔ "کیوں؟..........آخر کیا ہو گیا تھا؟"
منذر:۔ کوئی ایسا وقت نہ ہوتا تھا جب تمہارا خیال نہ آتا ہو۔ اور جب خیال آتا تھا تو کلیجہ میں تیر سے لگتے تھے۔

طاہرہ شرما کر چپ ہو گئی۔

اسی وقت حارث اور پروینہ خیمہ کے اندر آئے۔ حارث نے کہا۔ لے طاہرہ۔ یہ تیری سہیلی تو روٹھی ہوئی باہر کھڑی تھی۔

طاہرہ۔ روٹھی نہیں تھی یہ۔ بلکہ انہیں شرم دامن گیر تھی۔

حارث۔ بڑے کہنے سننے سے آئی ہے یہ۔ اور ایک اور لطیفہ ہوا۔

طاہرہ۔ کیا۔

حارث:۔ یہ دروازہ کی طرف سے پشت کئے کھڑی تھیں۔ میں نے جب پاس جا کر انہیں پکارا۔ تو یہ ایک دم اچھل گئیں۔ اگر میں جلد جلد نہ روکتا تو شاید گر پڑتیں۔

طاہرہ نے بے ساختگی کے انداز میں کہا۔ "اور یہی بالکل میرے ساتھ پیش آیا۔

حارث:۔ کیا؟

طاہرہ:۔ آپ نے یہ نہیں بتایا تھا کہ خیمہ کے اندر اور کوئی بھی ہے۔

حارث:۔ مجھے خیال ہی نہ رہا تھا یہاں منذر تھے تم شاید انہیں دیکھ کر ڈر گئیں۔

طاہرہ:۔ جی ہاں۔

حارث:۔ خوب۔ بھائی منذر۔ دروازہ کے سامنے کچھ آگ ہی روشن کر لو۔

منذر:۔ بہتر ہے۔

حارث:۔ طاہرہ آؤ بیٹھ جاؤ۔ پروینہ کو بھی بلا لو۔

طاہرہ:۔ بہت اچھا۔

طاہرہ اور پروینہ خیمہ کے بیچ میں بیٹھ گئیں۔ ایک طرف حارث بھی بیٹھ گیا۔ اور منذر باہر نکل کر آگ جلانے لگا۔

اس زمانہ میں چقماق پتھر سے آگ جھاڑ کر جلائی جایا کرتی تھی۔ بڑی دقت سے جلتی تھی۔ منذر قریب کے خیمہ سے آگ لایا اور لکڑیاں رکھ کر دھونکنے لگا۔ تھوڑی دیر میں آگ روشن ہو گئی اور اس کے روشن ہونے سے تمام خیمہ میں روشنی پھیل گئی۔

اس روشنی میں ایک نے دوسرے کو دیکھا منذر بھی اندر آیا تھا اس نے بھی شوق بھری نگاہوں سے طاہرہ کو دیکھا۔ طاہرہ اسے دیکھ کر شرما گئی۔

منذر بھی حارث کے پاس طاہرہ کے سامنے جا بیٹھا۔ آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ طاہرہ اور پروینہ کے آتشیں رخسار سے چمک چمک کر بجلیاں گرا رہے تھے۔

حارث نے طاہرہ سے کہا۔ تیرے ساتھ قیا قوس نے کوئی سختی تو نہیں کی۔

طاہرہ نے لمبا ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "سختی.........

بس یہ سمجھئے کہ خدا دشمن کو بھی ایسے درد ستم سے سابقہ نہ ڈالے۔

اس کے بعد اس نے مختصر طور پر وہ تمام مظالم ایک ایک کر کے بیان کئے جو ظالم قیا قوس نے اس پر توڑے تھے۔

حارث اور منذر سن سن کر پیچ و تاب کھاتے رہے۔

لیکن جب اس نے پروینہ کی ہمدردی اور قیا قوس کے قتل کے واقعات بیان کئے تو ان کے دلوں میں کچھ ٹھنڈک سی پڑی۔

باتوں میں زیادہ رات گزر گئی۔ منذر نے کہا۔ "بھائی صاحب! آپ تو باتوں میں لگ گئے۔

حارث نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اور۔"

منذر:۔ ان کے لیے کھانے کا انتظام نہ کرو گے۔

حارث:۔ واللہ مجھے یاد ہی نہ رہا۔ اچھا میں اور تم دونوں کھانا تیار کریں۔

منذر:۔ اور کیا آپ ان لڑکیوں سے تیار کرانا چاہتے ہیں۔

طاہرہ:۔ مگر مجھے تو بالکل بھوک ہے نہیں۔

پروینہ:۔ نہ مجھے ہے۔

حارث:۔ تم دونوں غلط کہہ رہی ہو۔

پروینہ:۔ کیسے جاناں۔

حارث:۔ تم نے دن میں کسی وقت کھانا کھایا ہو گا۔

پروینہ:۔ جی ہاں۔ دوپہر سے ذرا پہلے کھایا تھا۔

حارث:۔ پھر بھوک نہ لگنے کے کیا معنے۔

طاہرہ:۔ بھائی جان! اصل بات تو یہ ہے کہ ہمیں یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ کھانا تیار کریں اور ہم کھانا کھائیں۔ اگر کچھ بچا ہوا رکھا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

حارث:۔ بچا ہوا کہاں سے ہوتا.........ہم دونوں صرف ایک وقت دوپہر کو کھانا تیار کر لیتے تھے۔

طاہرہ نے حیرت سے حارث کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کیوں۔

حارث:۔ اس لیے کہ بھوک ہی نہ لگتی تھی۔

طاہرہ:۔ یہ طریقہ کب سے اختیار کیا تھا آپ نے؟

حارث:۔ جب سے شیطان تجھے لے گیا تھا۔

طاہرہ:۔ افسوس! آپ نے بھی میری وجہ سے تکلیفیں اٹھائیں۔

حارث:۔ کچھ تکلیف نہیں ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ تیرے آنے سے ہماری ساری تکلیفیں دور ہو گئیں۔

منذر:۔ عمرو کھانے کا سوال پھر رہ گیا۔

طاہرہ نے کچھ مسکراتے ہوئے کہا۔ شاید آپ کو بھوک معلوم ہو رہی ہے۔

منذر:۔ کچھ تعجب نہیں ہے اس وقت کی خوشی نے ایک دم پیدا کر دی ہے۔

حارث:۔ بخدا تم نے سچ کہا۔

طاہرہ:۔ یہی بات ہے تو پھر میں کھانا تیار کئے دیتی ہوں۔

پریونہ:۔ ٹھیک ہے۔ آؤ طاہرہ میں اور تم دونوں تیار کریں دیر ہی کیا لگے گی۔

منذر:۔ نہیں تم دونوں سفر کر کے آئی ہو تمہارے لئے آتے ہی چولھے سے لڑائی شروع کر دینا ٹھیک نہیں ہے۔

حارث:۔ لیکن رات کو خالی پیٹ سونا بھی اچھا نہیں ہے۔

طاہرہ:۔ کیا کچھ کھجوریں نہ ہوں گی۔

حارث:۔ ہیں۔

طاہرہ:۔ بس تو اس وقت وہی کھالیں گے۔

حارث:۔ اچھا۔

منذر:۔ خاک اچھا ہے کہیں کھجوروں سے بھی پیٹ بھرے گا۔

طاہرہ:۔ آپ کو بہت ہی زیادہ بھوک لگی معلوم ہوتی ہے۔

منذر:۔ میری بات رہنے دیجئے۔ میں تو آپ کے لئے کہہ رہا ہوں۔

طاہرہ:۔ میرے لئے کھجوریں کافی ہیں۔

منذر:۔ جب تو کچھ حرج نہیں۔

حارث کھجوریں لایا اور سب نے بیٹھ کر کھانی شروع کر دیں۔ تھوڑی تھوڑی کھجوریں کھا کر سب نے پانی پیا اور ایک ہی خیمہ میں پڑ کر چاروں سو رہے۔

ستائیسواں باب

جوش مسرت

صبح جب وہ بیدار ہوئے تو اذان ہو رہی تھی۔ چاروں اذان کی آواز سنتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور عورتیں عورتوں میں اور مرد مردوں میں نماز پڑھنے کے لئے چلے گئے۔

اس زمانہ کے مسلمان آج کل کے مسلمانوں کی طرح نہ تھے جو اذان کی آواز سنتے ہیں اور پڑے ایڑتے رہتے ہیں اور اس وقت اٹھتے ہیں جب دھوپ اچھی طرح پھیل جاتی ہے۔

اول تو باپ ہی نماز نہیں پڑھتے اور اگر وہ کچھ دوار پڑھتے بھی ہیں تو اولاد کو ہدایت نہیں کرتے۔ شاید اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں کوئی زبان دراز بچہ یہ نہ کہہ دے کہ آپ ہی کون سی نماز پڑھتے ہیں جو ہمیں ہدایت کرتے ہیں اور جو بزرگوار خود نمازی ہیں وہ بچوں کو نازبرداری سے نماز پڑھنے کے لئے نہیں کہتے۔

یہ بات بہت بری ہے والدین اور سرپرستوں سے یہ سوال قیامت کے روز ہو گا کہ انہوں نے اپنے بچوں کو تنبیہہ کیوں نہیں کی۔ کیوں انہیں نماز پڑھنے پر مجبور نہیں کیا۔ اگر وہ نہ مانتے تھے تو کیوں ان کا روزینہ کھانا پینا لباس اور ضروریات کی دوسری چیزیں بند نہیں کر دیں۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ خود بھی نماز پڑھے اور بچوں اور گھر والوں کو بھی مجبور کرے کہ وہ پڑھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک بے نماز کے ساتھ کھانا کھانا اس کے ہاتھ کا لایا ہوا پانی پینا تک ناجائز ہے۔

مسلمانوں کو شکایت ہے کہ وہ مفلس ہیں۔ بیمار رہتے ہیں ان کی کوئی عزت نہیں ہے لیکن یہ بات نہیں سوچتے کہ ہم میں یہ باتیں پیدا ہی کیوں ہو گئیں۔

مسلمان تو وہ تھے جن سے دنیا کانپتی تھی۔ جن کے گھر کے دروازوں پر شہنشاہ کھڑا رہا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ چشم و ابرو کے اشاروں سے سلطنتیں زیر و زبر ہو جاتی تھیں۔ دنیا جہان میں جن کی عزت تھی جن کے پیروں میں دولت پڑی رہتی تھی اور اب ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پہلے لوگ مسلمان تھے۔ سچے اور پکے مسلمان روزے رکھتے تھے۔ نمازیں پڑھتے تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت کرتے تھے۔ زکوٰۃ دیتے تھے حج کو جاتے تھے خدا سے ڈرتے تھے اسے ہر وقت یاد رکھتے تھے۔ خدا انہیں یاد رکھتا تھا۔ جنہیں خدا یاد رکھے ان کی آرزوئیں کیوں پوری نہ ہوں۔ سچ بولتے تھے۔ حلال اور حرام میں تمیز کرتے تھے لیکن۔

اب یہ صورت ہے کہ نہ نمازیں نہ روزہ ہے نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے۔ نہ ہم [illegible] ہیں۔ نہ خدا سے ڈرتے ہیں نہ اسے یاد کرتے ہیں۔ ہم خدا کو بھول گئے خدا ہمیں بھول گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ذلیل ہو گئے۔ مفلس ہو گئے۔ بے یار و مددگار ہو گئے سلطنتیں چھن گئیں دنیا بھر کے عیوب ہم میں ہیں۔ حالت ہماری یہ ہے کہ اپنے اعمال و افعال کو دیکھتے نہیں۔ نعوذ باللہ خدا کی شکایت کرتے ہیں۔

مسلمان اگر سچے اور پکے مسلمان ہو جائیں۔ خدا سے ڈرنے اور اسے یاد کرنے لگیں۔ پانچوں وقت مسجدوں میں جائیں تو ناممکن ہے کہ خدا پھر مہربانی شروع نہ کر دے اور پھر ہماری دھاک نہ بندھ جائے پھر ہم قرون اولیٰ کے سے مسلمان نہ بن جائیں۔

جماعت سے نماز پڑھ کر حارث اور منذر حضرت عیاضؓ کے خیمے پر گئے۔ عیاض نے طاہرہ کے آجانے کی مبارکباد دی۔

حارث کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ عیسائیوں کے لشکر سے قرناؤں اور نرسنگھوں کے پھونکے جانے کی آوازیں آئیں اور اس قدر بڑھیں کہ دور دور تک جانے لگیں۔

تمام مسلمان اس آواز کو سن کر کچھ فکرمند ہو گئے۔ عیاضؓ نے کہا عیسائی لشکروں میں قرنیں اور نرسنگھے اس وقت پھونکے جاتے ہیں جب کوئی نئی اور دل خوش کن بات ہوتی ہے کہا جا سکتا ہے کہ ایسی کیا بات ہوئی جو انہوں نے نرسنگھے پھونکے ہیں۔

حارثؓ: خدا کو ہی علم ہے۔

منذرؓ: جاسوسوں کو بھیج کر دریافت کرائیے۔

عیاضؓ: ٹھیک ہے۔

چنانچہ انہوں نے اپنے غلام کو بھیج کر جاسوسوں کو بلوایا۔

یہ جاسوس عیسائی تھے۔ چونکہ مسلمان جاسوسی کی خدمات کے صلے میں انہیں کافی معاوضہ دیتے تھے اس لئے وہ عیسائیوں کے لشکر میں جا جا کر وہاں کی بھی خبر لایا کرتے تھے۔

عیاض نے ان سے کہا۔ "تم فوراً جاؤ اور یہ خبر لاؤ کہ آج خلاف معمول عیسائی لشکر میں نرسنگھے کیوں پھونکے جا رہے ہیں۔"

وہ۔ "بہت خوب۔" کہہ کر چلے گئے۔

اس عرصہ میں سینکڑوں مسلمان عیاضؓ کے پاس آ بیٹھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو روزانہ ان کے پاس دو دو چار چار گھنٹے بیٹھ کر احادیث شریف اور وعظ و پند سنا کرتے تھے۔

اس زمانہ میں کسی لشکر کا سردار کسی شہر کا افسر یا صوبہ کا صوبہ دار وہی شخص ہوا کرتا تھا جو سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ قرآن شریف اور احادیث مقدسہ کا جاننے والا ہو۔

چنانچہ ان لوگوں کے اوپر یہ فرض تھا کہ قریب قریب روزانہ وعظ کہا کریں یہ تمام احکام امیر المومنین حضرت فاروقؓ نے جاری کر رکھے تھے اور ان کی تعمیل نہایت شدومد سے ہوتی تھی اگر کسی افسر ضلع یا صوبیدار یا سپہ سالار کی بابت یہ معلوم ہوتا کہ وہ غلط بیان کرتا تو اسے فوراً الگ کر دیا جاتا تھا۔

چنانچہ حضرت عیاضؓ نے وعظ بیان کرنا شروع کر دیا اور مسلمان نہایت شوق اور اطمینان سے سننے لگے۔

ادھر طاہرہ اور پریوش جب نماز پڑھ چکیں اور انہیں عربی عورتوں نے دیکھا تو سب کو ایسی خوشی ہوئی جیسے انہیں کوئی سلطنت ہاتھ آ گئی ہو۔

سب کے بعد خولہؓ اور ام ربانؓ ملیں۔ دونوں نے پریوش اور طاہرہ کو گلے لگا لگا کر خوب بھینچ بھینچ کر پیار کیا۔

اب سب بیٹھ گئیں اور طاہرہ سے اس کا حال سننے لگیں۔

طاہرہ نے ذرا تفصیل کے ساتھ تمام واقعات بیان کرنے شروع کر دئیے سب چپ چاپ بیٹھی سنتی رہیں۔

جب اس نے قریاقوس کے مظالم بیان کئے تو بعض عورتوں کے بے اختیار آنسو نکل نکل کر بہنے لگے اور بعض چشم پرنم ہو گئیں لیکن خولہ کو جوش آ گیا۔ انہوں نے کہا۔ "ظالم اور بدبخت انسان اگر میرا قابو چل گیا تو ہولناک انتقام لوں گی۔"

طاہرہ نے کہا۔ "مگر آپ انتقام کس سے لیں گی۔"

خولہ۔ قریاقوس سے۔

طاہرہ۔ وہ زندہ کہاں ہے۔

خولہؓ: کس نے مار ڈالا ہے۔

طاہرہؓ: وامق ابوالہول نے۔

خولہ نے متعجب ہو کر دریافت کیا۔ "کیسے۔"

طاہرہؓ: میں عرض کرتی ہوں۔

جب اس نے اپنے بھاگ کر آنے۔ راستہ بھول کر گرجے میں پہنچ جانے پادری اور ڈاکو کی باتیں سننے سے لے کر قریاقوس کے آنے، دھمکیاں دینے اور وامقؓ کے آکر اسے قتل کر ڈالنے تک تمام واقعات سنا دئیے۔

قریاقوس کے مارے جانے کا حال سن کر تمام عورتوں کو بڑی خوشی ہوئی حضرت ام تمیم نے کہا۔ خدا ظالموں سے ضرور انتقام لیا کرتا ہے۔

خولہؓ۔ یہی بات ہے۔

طاہرہ نے ام تمیمؓ سے مخاطب ہو کر کہا۔ مجھے حضرت خالد کے گرفتار ہو جانے کا حال سن کر بڑا

رنج ہوا۔

ام تمیم:- رنج نہیں کرنا چاہیے۔ ہر کام خدا کے حکم سے ہوتا ہے اور خدا کا کوئی کام بغیر حکمت کے نہیں ہوتا۔ ان کی گرفتاری میں ضرور کوئی نہ کوئی حکمت ہے۔

طاہرہ:- بے شک۔

ام تمیم:- اب تو ہی دیکھ۔ قریاقوس تجھے گرفتار کر کے لے گیا ہے پروینہ نے گرفتار کرایا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ پروینہ مسلمان ہو گئی۔ قریاقوس مارا گیا اور تو خیر سے واپس آ گئی۔

خولہ:- اب یہاں دھوپ تیز ہو گئی ہے۔ دیکھتی نہیں ہو کہ طاہرہ کا چہرہ دھوپ کی تمازت سے تمتما کر گل انار بن گیا ہے اب تو آئے دوپہر کا کھانا کھا کر اس کے خیمہ میں چل کر باتیں کریں گے۔

ام تمیم:- بالکل ٹھیک ہے۔ افسوس یہ ہے کہ آج طاہرہ کے آنے کی خوشی میں قرآن شریف کی تلاوت رہ گئی۔

خولہ:- رہ کیوں جائے گی۔ میں تو ابھی پڑھ کر اٹھوں گی۔

ام تمیم:- تو میں بھی پڑھوں گی۔

عورتوں میں یہ قاعدہ تھا کہ جو پڑھنا جانتی تھی وہ قرآن شریف کی تلاوت کرتی تھیں اور جو ان پڑھ تھیں وہ خاموش ہو کر سنا کرتی تھیں۔

چنانچہ اب بھی پڑھنے والیاں پڑھنے لگیں اور سننے والی سننے لگیں۔

طاہرہ بھی ایک طرف سایہ میں بیٹھ کر پڑھنے لگی۔ پروینہ اس کے پاس بیٹھ کر سننے لگی۔

بڑی دیر کے بعد وہ تلاوت ختم کر کے پروینہ کو ساتھ لے کر اپنے خیمہ میں آ گئی۔ چونکہ رات ہی انہوں نے کھانا نہ کھایا تھا اور صبح سے بھی کچھ ناشتہ نہ کیا تھا اس لئے اب آتے ہی کھانا تیار کرنے لگیں۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد منذر اور حارث آ گئے۔ طاہرہ نے حارث سے دریافت کیا۔ آج عیسائیوں کے لشکر میں نرسنگے کیسے پھونکے جا رہے تھے۔

حارث نے افسردہ خاطر ہو کر کہا۔ جاسوس خبر لائے ہیں کہ عاصم یوقنا اور ان کے ہمراہیوں کو گرفتار کر کے راس العین لے گیا ہے۔ ان کی گرفتاری کی خوشی میں عیسائیوں نے نرسنگے پھونکے ہیں۔

طاہرہ:- یہ تو بہت برا ہے۔

حارث:- جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے اور خدا کی مرضی میں انسان کا چارہ

نہیں پھر ہم اچھا یا برا کہنے والے کون۔

طاہرہ:- بے شک یہ تو خدا کی شکایت ہوئی۔ افسوس مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا۔ اللہ میاں معاف کرنا۔ ناراضگی میں مجھ سے یہ گناہ ہوا۔

حارث:- خوشی کی بات یہ ہے کہ عیسائیوں نے طے کر لیا ہے کہ کل عام جنگ ہو گی۔

طاہرہ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ اس نے کہا۔ یہ اچھا ہوا۔ کل ہی انشاء اللہ جنگ کا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔

حارث:- اور خدا نے چاہا تو فتح مسلمانوں کی ہو گی۔

طاہرہ:- انشاء اللہ۔

اب منذر اور حارث خیمہ کے اندر بیٹھ گئے اور طاہرہ اور پروینہ کھانا تیار کرنے میں مشغول ہو گئیں۔

جوش جہاد

عیاض نے جو جاسوس عیسائی لشکر میں دریافت حال کے لیے بھیجے تھے واپس آ گئے تھے انہوں نے آکر بیان کیا تھا کہ عاصم یوقنا کو گرفتار کر کے لے گیا ہے۔ عیسائی اس خوشی میں نرسنگے پھونک رہے ہیں۔ اور شادیانے بجا رہے ہیں یہ بھی خبر لائے تھے کہ ملک شہراض نے اپنے تمام لشکر کو تیاری کا حکم دے دیا ہے وہ کل عام حملہ کرنے والا ہے۔ ہر عیسائی تیاریوں میں مشغول و مصروف ہو گیا ہے۔

عیاض نے بھی تمام سرداروں کو بلا کر تمام واقعات سنا دیے لوگوں کو یوقنا کی گرفتاری کی خبر سن کر افسوس تو ضرور ہوا لیکن ہراس کچھ بھی نہ ہوا البتہ اگلے روز جنگ ہونے کی خبر سن کر بڑی خوشی ہوئی۔

افسروں نے تمام لشکر میں منادی کرا دی اور ہر سپاہی۔ ہر مجاہد ہر شخص کو بتا اور سنا دیا کہ اگلے روز جنگ ہو گی۔ سب تیار ہو جائیں ہتھیار صیقل کر لیں جن کے پاس ہتھیار نہ ہوں وہ ان لوگوں سے جن کے پاس کئی کئی تلواریں اور کئی کئی نیزے وغیرہ ہیں لے لیں۔

مسلمان اس منادی اور ان خبروں کو سن کر نہایت خوش ہوئے انہوں نے اسی وقت سے ہتھیاروں کی دیکھ بھال اور ان کی صفائی شروع کر دی۔

سارے لشکر میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلچل شروع ہو گئی ہر سپاہی ہر غلام۔ ہر سردار زمین پر بیٹھ کر تلواروں۔ نیزوں۔ تیروں۔ ڈھالوں خنجروں اور دوسری چیزوں کو صاف کرنے

گئے۔

عورتیں اور بچے بھی کام میں مصروف ہو گئے جن عورتوں کے پاس تلواریں اور نیزے تھے وہ انہیں صیقل کرنے لگیں اور جن کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا وہ خیموں کی چوبوں اور بانس کے مضبوط ٹکڑوں کو صاف کرنے لگیں۔

لیکن سب سے زیادہ بچوں کو خوشی ہو رہی تھی۔ وہ کئی کئی مل کر ایک ایک جگہ بیٹھے اپنے چھوٹے چھوٹے نیزوں، تیروں اور تلواروں کو صاف کر کر کے رگڑ رہے تھے بیچ بیچ میں ایک دوسرے کے ہتھیاروں کو دیکھا بھی جاتا تھا اور ہر ایک یہ کوشش کر رہا تھا کہ اس کے ہتھیار سب سے زیادہ صاف ہو جائیں۔

ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک بچہ دوسرے کے ہتھیاروں کو صاف کرنے میں مدد دے رہا تھا سب سر جھکائے جلدی جلدی صفائی کر رہے تھے اور بڑے خوش ہو رہے تھے۔

بعض بچوں کے ہتھیار ان کی مائیں اور بہنیں صاف کر رہی تھیں۔

غرض تمام اسلامی لشکر میں یہی کام ہو رہا تھا۔ لوگ سارے کاموں کو چھوڑ کر اسی میں مصروف تھے۔

طاریون طاہرہ کو دیکھ اور اس سے مل چکی تھی۔ اگرچہ وہ خود بے حد حسین تھی۔ لیکن اسے یہ ماننا پڑا تھا کہ طاہرہ کا حسن اور ہی تھا اس کا چہرہ گلاب کے پھولوں کی پتیوں کی مانند شہابی تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں نہایت سیاہ اور دلفریب تھیں سر کے بال اتنے لمبے اور زیادہ تھے کہ اگر وہ کسی وقت اپنے جسم پر کھول دیتی تو اس کا سارا بدن گھٹنوں تک چھپ جاتا تھا۔

حسینوں سے ہر انسان خواہ وہ کسی سن و سال کا ہو کسی صنف کا ہو محبت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے بلکہ راقم الحروف کا تو یہ تجربہ ہے کہ صرف انسان ہی نہیں بلکہ خدا کی ہر مخلوق حسینوں کو پیار کرتی اور اچھا سمجھتی ہے۔

میں نے دیکھا ہے کہ ایک حسین لڑکی کے پاس ایک سانپ آیا دیر تک اس کے پاس کھڑا اپنا پھن ہلاتا رہا۔ لڑکی خوف سے کانپتی رہی۔ بہت سے آدمی جمع ہو گئے اس کو مارتے اس ڈر سے نہیں تھے کہ وہ لڑکی کے اس قدر قریب تھا کہ اگر مارنے والے کا حملہ خالی جاتا تو وہ ضرور لڑکی کو ڈس لیتا۔ آخر تھوڑی دیر کھڑا رہ کر لڑکی کے زانوں پر پھن رکھ دیا۔ شدت خوف سے لڑکی بیہوش ہو گئی۔ لیکن سانپ نے اسے کچھ بھی نہیں کہا وہ اس کے گھٹنے کے اوپر سے نکلا چلا گیا۔ یہ واقعہ قصبہ بڈھانہ ضلع مظفر نگر کا ہے۔

اس قسم کے بہت سے واقعات لوگوں نے دیکھے اور بیان کئے ہیں۔

طاریون کو بھی طاہرہ سے محبت ہو گئی تھی۔ پہلی ہی ملاقات میں وہ اس کی اس قدر گرویدہ ہو گئی تھی کہ ہر وقت اسی کے پاس رہنا چاہتی تھی۔

طاہرہ کو بھی اس سے انس ہو گیا تھا اور اس نے اسے اپنے بھائی سے اجازت لے کر اپنے ہی خیمہ میں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔

طاریون مسلمان عورتوں اور بچوں کی تیاری دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ اس کے دل میں بھی جوش و امنگ کی لہر اٹھ رہی تھی۔

مسلمانوں نے ظہر اور ظہر کے بعد عصر کی نماز پڑھی اور عصر کی نماز پڑھ کر گروہ گروہ ایک دوسرے سے ملنے اور مل کر جنگ کی مبارک باد دینے لگے۔

ہر مجاہد ہر مسلمان بے حد خوش تھا اور خوش ہو ہو کر اس طرح مبارک باد دیتا پھر رہا تھا جیسے کسی بڑی نعمت کو حاصل کرنے کے لئے جا رہا ہو۔

مغرب کی نماز پڑھ کر انہوں نے کھانا تیار کیا۔ کھایا اور پھر عشاء کی نماز پڑھی۔

ایک مختصر دستہ طلایہ گردی کے لئے مقرر ہوا اور وہ حفاظت و نگرانی کے لئے لشکر کے چاروں طرف پھیل گیا۔ باقی سب لوگ سویرے ہی سے سو گئے آگ کے الاؤ جن میں لکڑیوں کے انبار لگا دیئے گئے تھے ابتدائی رات میں بھڑک کر سرد ہونے شروع ہو گئے تھے اور کہیں کہیں انگارے دہکتے رہ گئے تھے۔

نصف شب تک اسلامی لشکر میں بالکل جمود و سکون طاری رہا۔

خاموشی چھا رہی تھی۔ خراٹوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یا طلائی دستہ کی "ہوشیار" "بیدار" کی آوازیں خاموشی کو چیرتی فضا کو تھرتھراتی آ جاتی تھیں۔

لیکن آدھی رات گزرتے ہی خاموشی کا طلسم ٹوٹ گیا۔ مسلمان بیدار ہو ہو کر ضروریات سے فراغت کر کر کے نماز...... غالباً تہجد کی نماز پڑھنے اور قرآن شریف کی تلاوت کرنے لگے۔

بعض لوگ خیموں کے اندر بعض الاؤ میں آگ سلگا کر اس کے سامنے بیٹھ گئے اور جو کچھ کسی کو پڑھنا تھا پڑھنے لگے۔

عیاضؓ اپنے خیمہ کے سامنے آگ کے الاؤ کے پاس کمبل بچھا کر بیٹھے تھے کچھ پڑھ رہے تھے ان کے پاس ہی ان کا غلام نماز پڑھ رہا تھا۔ دفعتہً عیاضؓ سجدہ میں گر گئے اور انہوں نے ذرا اونچی آواز سے کہا۔ اے خدا۔ ہر مسلمان تیرے نام لیوا ہیں۔ تیرے مذہب کی اس مذہب کی جسے تو نے پسند کیا ہے حمایت و اعانت کے لئے تیرے بھروسہ پر کھڑے ہوئے ہیں تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ تو ہی مدد کر۔

اللہ العالمین! ہم بیکس و بے چارہ ہیں۔ کم اور کمزور ہیں اگر تو نے ہماری مدد نہ کی تو ہم فنا ہو جائیں گے۔ مٹ جائیں گے پھر دشمن کہیں گے کہ خدا مسلمانوں سے ناخوش تھا اور اس لئے مسلمان مٹ گئے۔ ہماری مدد کر ایسی ہی مدد جیسی اکثر معرکوں میں کرتا رہا ہے۔

رب العالمین! ہم تیری عبادت اس قدر نہ کر سکے جس قدر حق تھا۔ ہم انسان ہیں اور انسانوں سے غلطیاں ہوتی ہیں ہم سے بھی غلطیاں ہوئیں ہماری غلطیوں کو معاف کر۔ ہمیں نواز اور فتح دے۔

غلام نماز سے فارغ ہو چکا تھا اور وہ بھی سجدہ میں پڑا ہوا اپنے آقا اور مولا کی طرح دعا مانگ رہا تھا۔

صرف یہ دونوں ہی نہیں بلکہ سینکڑوں مسلمان سجدہ میں پڑے ہوئے فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے اور مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں بھی جاگ گئی تھیں اور وہ بھی مصلوں پر بیٹھی دعائیں مانگنے میں مصروف تھیں۔

مسلمان اس وقت نمازیں پڑھ اور گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے تھے جبکہ خدا کی مخلوق پچھلی رات ہونے کی وجہ سے گہری نیند کے مزے لے رہی تھی۔

جب صبح کے آثار ظاہر ہوئے تو تقریباً دس مسلمانوں نے مل کر نہایت بلند آواز سے اذان دی۔ اذان کی آواز سنتے ہی تمام مسلمان اٹھ اٹھ کر ضروریات سے فراغت کر کے وضو کرنے اور سنتیں پڑھنے لگے۔

تھوڑی دیر میں عیاضؓ آ گئے اور انہوں نے جماعت سے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد ہزاروں آدمیوں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر نہایت عاجزی سے گڑگڑا گڑگڑا کر فتح کی دعا مانگی۔

دعا مانگ کر عیاضؓ نے کہا۔ "مسلمانو! مسلح ہو ہو کر میدان جنگ میں پہنچ جاؤ۔ اور یہ عزم کر کے جاؤ کہ یا تو شہید ہو جاؤ گے یا فتح کر کے لوٹو گے سب لوگ میدان جنگ میں جائیں اور عام حملہ کے وقت خدا سے دعا مانگ کر حملہ کریں۔

سب مسلمان اٹھے اور منتشر ہو کر اپنے اپنے خیموں پر پہنچے۔ مسلح ہوئے اور دستے بنا بنا کر میدان جنگ میں جانے لگے۔

حارث اور منذر عیاضؓ کے ساتھ چلے۔ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے ہی مسلمان میدان جنگ میں پہنچ گئے۔

چونکہ وہ تھوڑے تھے اس لئے انہوں نے اپنی ایک ہی صف قائم کی۔ دونوں بازو میمنہ اور میسرہ کے دور تک پھیلا دیئے۔ قلب اور قلب کے امدادی دستے متعین کر دیئے۔

عورتیں بھی خیموں سے نکل کر لشکر گاہ سے آگے بڑھ کر کیمپ کے کنارہ پر کھڑی ہو گئیں بچے ان کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔

آفتاب طلوع ہوتے ہی عیسائیوں کے لشکر میں بھی حرکت شروع ہوئی۔ ان کے دستے بھی آ آ کر مسلمانوں سے ذرا فاصلہ پر صفیں لگا لگا کر کھڑے ہونے لگے۔

سب کے بعد میں ملک شہواش آیا۔ آج وہ ایک ابلق اونچے گھوڑے پر سوار تھا نہایت بھڑکیلا لباس اور اس پر ہیرے جواہرات کے زیورات پہنے زرنگار تاج اوڑھے تھا۔ آج بھی اس کے سر کے اوپر زربفت کا سائبان تنا ہوا تھا جس میں منقش کی جھالریں لگی ہوئی تھیں۔ اس کی چوبیں چاندی سے منڈھی ہوئی تھیں۔ آٹھ سوار چوبیں اٹھائے ہوئے کھڑے تھے۔

دونوں فریق مسلح کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ خیال یہ تھا کہ عیسائیوں میں سے کوئی جنگجو جنگ کرنے کے لئے نکلے گا لیکن کوئی نہ نکلا۔

کچھ دیر کے بعد عیسائی لشکر میں طبل جنگ بجنے لگا۔ مسلمان سمجھ گئے کہ آج اول ہی وقت سے عیسائیوں کا عام حملہ کرنے کا ارادہ ہے۔ مسلمان بھی مستعد ہو گئے۔

دیکھتے ہی دیکھتے عیسائیوں کی پہلی صف کو حرکت ہوئی۔ اور وہ بڑھی اس کے پیچھے دوسری اور پھر تیسری صف نے پیش قدمی کی۔

اس طرح عیسائیوں کا تمام لشکر سیلاب کی طرح بڑھنے لگا طبل جنگ اس زور سے بج رہا تھا کہ تمام میدان جنگ گونجنے لگا تھا۔

اب حضرت عیاضؓ نے بھی ٹھہر ٹھہر کر تین مرتبہ اللہ اکبر کے نعرے لگائے تیسرے نعرے کے بعد ہی تمام مسلمانوں نے مل کر پرشور نعرہ لگایا اور نعرہ لگاتے ہی اسلامی لشکر کو بھی حرکت ہوئی۔ میمنہ، میسرہ اور قلب آگے بڑھنے لگے۔

[illegible]سواں باب

عظیم الشان فتح

عیسائی سواروں کے دستے نہایت زور شور سے بڑھے چلے آ رہے تھے ان کے گھوڑوں کے سموں کی آواز دور تک جا رہی تھی ان کا سیلاب اس طرح بڑھا چلا آ رہا تھا جیسے وہ اسلامی مجاہدوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائیں گے۔

ان کی صفیں ایک کے پیچھے ایک نہایت ضبط و نظم کے ساتھ اس طرح بڑھی چلی آ رہی تھی جیسے سمندر میں اونچی اونچی لہریں اٹھنے لگی ہوں۔

مسلمان بھی قدم قدم بڑھے چلے جا رہے تھے بڑے جوش کے ساتھ گردنیں اٹھائے نیزے گھوڑوں کی کنوتیوں کے درمیان میں رکھے اس شان سے جا رہے تھے جیسے جاتے ہی دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور ان کی صفوں کو زیر و زبر کر کے فوجی دستوں کو الٹ دیں گے۔

مسلمانوں کے دونوں بازو اور قلب ایک قطار میں بڑھ رہے تھے دونوں لشکر ایک دوسرے کی طرف بڑھے آ رہے تھے آفتاب کچھ اونچا ہو گیا تھا اور اس کی شعاعیں سرفروشوں کے ہتھیاروں پر۔ لباس پر۔ گھوڑوں پر اور دوسرے سازوسامان پر پھیلی ہوئی انہیں جگمگا رہی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں دونوں لشکر اس قدر قریب آ گئے کہ اگر تیراندازی کی جاتی تو دونوں لشکروں پر زد پڑ سکتی تھی۔ مگر معلوم ہوتا تھا کہ وہ تیر اندازی کرنا ہی نہیں چاہتے تھے بلکہ نیزوں اور تلواروں سے دست بدست مقابلہ کرنے کی فکر میں تھے۔

ہر عیسائی سوار لوہے کی زرہ بکتر پہنے اور خود اوڑھے ہوئے تھے اور مسلمانوں کے پاس معمولی ہتھیار تھے۔

آخر بڑھتے بڑھتے جب فاصلہ اتنا کم رہ گیا کہ ایک کو دوسرے کی صورتیں صاف نظر آنے لگیں تو مسلمانوں نے نیزوں کو ہاتھوں میں لے کر تولا اور گھوڑوں کی پشتوں پر کسی قدر آگے کی طرف جھک گئے۔

جوں ہی عیسائی اور قریب آئے مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگا کر اس شدت سے حملہ کیا کہ عیسائی گھبرا گئے اور حیرت و خوف کی نگاہوں سے شیران اسلام کو دیکھنے لگے۔

اس ذرا سے توقف سے مسلمانوں نے فائدہ اٹھایا انہوں نے پھر ایک پرجوش حملہ کیا

گئیں۔

حمد و تیغ کی آوازیں فضا میں بلند ہوئیں اور سینکڑوں سپاہی زخمی ہو ہو کر گرتے ہی انہیں گھوڑوں نے کچل ڈالا۔

دونوں لشکروں کی ٹکر اس زور سے ہوئی کہ فضا کانپ گئی۔ زمین ہل گئی گھوڑے لرز گئے۔

ایک ہی دو حملوں کے بعد نیزے ڈال ڈال کر تلواریں نکال لی گئیں صاف و شفاف تلواریں جگمگاتی ہوئی اٹھیں بجلی کی طرح کوندی اور سانپ کی طرح زبان نکال کر انسانوں کے خون سے اپنی پیاس بجھانے کے لئے بڑھیں۔

جنگ نہایت خونریز شروع ہو گئی۔ ہاتھ پیر۔ سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ خون کے فوارے اچھلنے لگے۔ تلواریں لڑنے والوں کے بدن اور کپڑے گھوڑوں کی کاٹھیاں سبزہ زار میدان غرض سب خون میں رنگے جانے لگے۔

زخمیوں اور مرنے والوں کی چیخیں۔ لڑنے والوں کے نعرے۔ اور تلواروں کی کٹاکٹ سے ایسا شور بلند ہوا کہ میلوں لمبا چوڑا میدان گونج اٹھا طبل جنگ کی آواز نے ان آوازوں میں مل کر انہیں ایسا ہیبت ناک بنا دیا کہ بزدل چرندوں کے کلیجے کھڑے ہونے لگے۔

عیسائی مسلمانوں کی صف کو چیر کر دوسری طرف نکلنے کی کوشش کر رہے تھے انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں نے اپنے تمام لشکر کی صرف ایک صف قائم کی تھی وہ چاہتے تھے کہ دوسری طرف جا کر مسلمانوں کی پشت کی طرف سے حملہ کر کے انہیں درمیان میں لے کر کاٹ ڈالیں۔

مسلمان ان کی اس تدبیر کو سمجھ گئے تھے وہ اس ہوشیاری اور اس خوش اسلوبی سے لڑ رہے تھے کہ ایک عیسائی کو بھی صف چیر کر نکلنے دیتے تھے جو ایسی کوشش کرتا تھا وہ اسے فوراً ہی مار ڈالتے تھے۔

تمام مسلمان سر جھکائے نہایت استقلال۔ جوش اور اطمینان سے لڑ رہے تھے جب بھی قدم دو قدم وہ بڑھتے تھے تو ساری صف حرکت کرتی تھی اس سے یہ مصلحت تھی کہ عیسائی صف توڑ کر باہر نہ نکل جائیں۔

انہوں نے قتل عام کر کے عیسائیوں کی پہلی صف کا خاتمہ کر دیا تھا اور جو سو دو سو آدمی باقی رہ گئے تھے وہ پیچھے ہٹ کر دوسری صف میں جا ملے تھے۔

اب مسلمانوں نے دوسری صف پر بھی حملہ کر دیا تھا۔ اور حملہ کرتے ہی عیسائیوں کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا تھا عیسائیوں کو اس بات پر بڑا غصہ آ رہا تھا کہ مسلمانوں نے ان

کی پہلی صف ختم کر ڈالی تھی۔ وہ انتقام لینے کے لئے بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے لیکن جوں جوں وہ بڑھ بڑھ کر حملے کرتے تھے خود ہی قتل ہو ہو کر گر جاتے تھے مسلمان نہایت صبر و استقلال سے لڑ رہے تھے ان کے چہروں سے یہ معلوم ہوتا تھا جیسے وہ انہیں سب کو قتل کر ڈالنے کا عزم کر چکے ہیں اور اس عزم کو پورا کرنے کے لئے خاموشی سے

عورتیں بھی خیموں سے نکل کر لشکر گاہ سے آگے بڑھ کر کیمپ کے کنارہ پر کھڑی ہو گئیں بچے ان کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔

آفتاب طلوع ہوتے ہی عیسائیوں کے لشکر میں بھی حرکت شروع ہوئی۔ ان کے دستے بھی آ آ کر مسلمانوں سے ذرا فاصلہ پر صفیں لگا لگا کر کھڑے ہونے لگے۔

سب کے بعد میں ملک شہباض آیا۔ آج وہ ایک ابلق اونچے گھوڑے پر سوار تھا نہایت بھڑکیلا لباس اور اس پر ہیرے جواہرات کے زیورات پہنے زرنگار تاج اوڑھے تھا۔ آج بھی اس کے سر کے اوپر زربفت کا سائبان تنا ہوا تھا جس میں منقش کی جھالریں لگی ہوئی تھیں۔ اس کی چوبیں چاندی سے منڈھی ہوئی تھیں۔ آٹھ سوار چوبیں اٹھائے ہوئے کھڑے تھے۔

دونوں فریق مسلح کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ خیال یہ تھا کہ عیسائیوں میں سے کوئی جنگجو جنگ کرنے کے لئے نکلے گا لیکن کوئی نہ نکلا۔

کچھ دیر کے بعد عیسائی لشکر میں طبل جنگ بجنے لگا۔ مسلمان سمجھ گئے کہ آج اول ہی وقت سے عیسائیوں کا عام حملہ کرنے کا ارادہ ہے۔ مسلمان بھی مستعد ہو گئے۔

دیکھتے ہی دیکھتے عیسائیوں کی پہلی صف کو حرکت ہوئی۔ اور وہ بڑھی اس کے پیچھے دوسری اور پھر تیسری صف نے پیش قدمی کی۔

اس طرح عیسائیوں کا تمام لشکر سیلاب کی طرح بڑھنے لگا طبل جنگ اس زور سے بج رہا تھا کہ تمام میدان جنگ گونجنے لگا تھا۔

اب حضرت عیاضؓ نے بھی نعرہ لگا کر تین مرتبہ اللہ اکبر کے نعرے لگائے تیسرے نعرے کے بعد ہی تمام مسلمانوں نے مل کر پر شور نعرہ لگایا اور نعرہ لگاتے ہی اسلامی لشکر کو بھی حرکت ہوئی۔ میمنہ۔ میسرہ اور قلب آگے بڑھنے لگے۔

اٹھائیسواں باب
عظیم الشان فتح

عیسائی سواروں کے دستے نہایت زور شور سے بڑھے چلے آ رہے تھے ان کے گھوڑوں کے سموں کی آواز دور تک جا رہی تھی ان کا سیلاب اس طرح بڑھا چلا آ رہا تھا جیسے وہ اسلامی مجاہدوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائیں گے۔

ان کی صفیں ایک کے پیچھے ایک نہایت ضبط و نظم کے ساتھ اس طرح بڑھی چلی جدال و قتال کر رہے ہیں۔

چونکہ محاذ جنگ کئی میل لمبا تھا اس لئے جہاں سے اور جہاں تک نظر جاتی تھی تلواریں اٹھتیں۔ خون برساتیں۔ موت کے فیصلے کرتیں نظر آتی تھیں۔ اگر کوئی مسلمان شہید بھی ہوتا تھا تو کم سے کم دس بیس دشمنوں کو قتل کر کے شہید ہوتا تھا اور اس کی جگہ پر کرنے کی غرض سے مسلمانوں کی ساری صف سمٹ آتی تھی اور اس طرح صف میں جو رخنہ پڑتا تھا وہ فوراً ہی پر ہو جاتا تھا۔

مسلمان اس جوش و خروش سے لڑ رہے تھے اور ان کی آہن شکن تلواریں اس شدومد سے چل رہی تھیں کہ جس طرف حملہ کرتے تھے جس سپاہی پر ٹوٹ کر گرتے تھے اسے ختم کر کے اس طرف کی صف کو الٹ دیتے تھے انہوں نے پہلی صف کے بعد دوسری کا بھی خاتمہ کر دیا تھا اور اب تیسری صف پر حملے کر رہے تھے۔

ملک شہرباض دور سے جنگ کا تماشہ دیکھ رہا تھا عیسائیوں کو قتل ہو ہو کر گرتے دیکھ دیکھ کر اسے جوش آ رہا تھا اس نے اپنے گرد کھڑے ہونے والے سواروں کو اشارہ کیا کہ انہیں حرکت ہوئی اور وہ صفوں کو چیرتے ہوئے بڑھے۔ ان کے درمیان میں شہباض چلا یہ رسالہ شہباض کا خاص رسالہ تھا اس میں دس ہزار چیدہ سوار اور افسر تھے وہ نہایت جوش میں آ کر بڑھے اور جس جگہ جنگ ہو رہی تھی اس سے چار صفوں کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔

ملک شہباض نے بلند آواز سے کہا۔ "عیسائیو! یہ کیا بزدلی ہے تم سے آٹھ ہزار مسلمانوں کو قتل نہیں کیا جاتا۔ کس قدر قابل شرم بات ہے یہ دنیا تمہیں کس قدر بزدل سمجھے گی اور آنے والی نسلیں تمہیں کس قدر برائی سے یاد کریں گی۔ میں ارادہ کر چکا ہوں کہ آج تمام مسلمانوں کا خاتمہ کر کے ہی واپس لوٹوں گا۔ میرے اس ارادہ کی شرم تمہارے ہاتھ ہے بڑھو اور ایک ایک مسلمان کو چن چن کر قتل کر ڈالو۔ سنو! جو کوئی کسی

ایک مسلمان کو مار ڈالے گا اسے ایک اشرفی انعام دوں گا۔ اور دو مارنے والے کو دو۔ غرض جو شخص جتنے بھی مسلمانوں کو مار ڈالے گا اتنی ہی اشرفیاں دوں گا۔ اور جو ان کے سپہ سالار کو قتل کرے گا اسے ایک ہزار اشرفیاں ملیں گی۔ بڑھو۔ لڑو۔ قتل کرو۔ اور انعام لو۔

عیسائی اپنے شہنشاہ کو اپنے سے اس قدر قریب دیکھ کر اور انعام کا اعلان سن کر جوش و غضب میں بھر گئے۔ وہ طیش میں آکر بڑھے۔ اور نہایت جوش و خروش سے حملہ آور ہوئے۔

اگرچہ مسلمانوں نے ان کا پرجوش حملہ روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ لیکن انتہائی کوشش کرنے پر بھی وہ حملہ نہ روک سکے اور بہت کچھ پیچھے ہٹ گئے۔

پیچھے ہٹتے وقت بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ اس سے کچھ ان کی صف میں بے ترتیبی سی ہو گئی اور بہت سے عیسائیوں کو صف توڑ کر دوسری طرف نکل جانے کا موقعہ مل گیا۔ لیکن فوراً ہی چند جوشیلے مسلمان اپنی صف میں سے پیچھے ہٹ کر عیسائیوں پر جا ٹوٹے اور انہوں نے ایک ایک عیسائی کو چن چن کر قتل کر ڈالا۔

ان سب کا صفایا کر کے وہ پھر بڑھے اور صف میں آشامل ہوئے۔ جنگ اس وقت نہایت ہی زور سے شروع ہو گئی تھی تلواریں جلد جلد اٹھنے اور قتل کرنے لگی تھیں۔ مار دھاڑ شروع ہو گئی تھی اور ایسی بری طرح سے کہ سرفروش جلد جلد قتل ہو ہو کر گرنے لگے تھے خون تمام زمین پر پانی کی طرح بہنے لگا تھا۔ مردوں کے ڈھیر لگ گئے تھے۔

اب دوپہر کا وقت ہو گیا تھا۔ مطلع صاف تھا آفتاب نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ دھوپ سخت پڑ رہی تھی قدرے ہوا بھی چل پڑی تھی اسلامی مجاہدین کی عباؤں کے دامن ہوا میں لہرا رہے تھے مسلمانوں کو صبح سے لڑتے لڑتے اور قتل کرتے کرتے یہ وقت آگیا تھا۔ دھوپ گرمی۔ اور زیادہ طاقت صرف کرنے کی وجہ سے انہیں پسینے پر پسینہ آرہا تھا۔ مارتے مارتے بازو بھی شل ہو گئے تھے پیاس بھی غالب ہونے لگی تھی مگر وہ ان باتوں میں سے کسی کا بھی خیال نہ کر رہے تھے اور اب بھی اس جوش و خروش سے لڑ رہے تھے جس سے انہوں نے جنگ شروع کی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسلمانوں ہی کا دل تھا ان کی ہی ہمت تھی کہ وہ آٹے میں نمک کی مثال ہوتے ہوئے بھی نہایت بے جگری صبر و استقلال سے لڑ رہے تھے اور صرف یہی نہیں کہ مدافعت ہی کر رہے تھے بلکہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے صبح سے اس وقت تک انہوں نے چار صفوں کا صفایا کر دیا تھا۔ جس طرف اور جہاں تک بڑھے مردوں کے ڈھیر لگاتے اور لاشوں پر لاشیں بچھاتے چلے گئے تھے انہوں نے اتنے عیسائی قتل کر ڈالے تھے کہ لاشوں کے اوپر سے گھوڑوں کا چلنا مشکل ہو گیا تھا۔ ان کی یہ بہادری اور دلیرانہ جنگ دیکھ کر عیسائیوں پر ان کی ہیبت چھا گئی تھی اور وہ انعام کا لالچ بھول کر اپنی جانیں بچانے کی فکر میں پڑ گئے تھے۔

یوں تو ہر مسلمان نہایت جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔ لیکن منذرؓ حارثؓ۔ عبداللہ بن عیاضؓ۔ عبدالرحمٰن قرابہ اور خود عیاضؓ اس جوش اور بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ کہ عیسائی ان کے سامنے جانے کی تو کیا ہمت کرتے۔ انہیں آتے ہوئے دیکھتے ہی پیچھے ہٹ جاتے تھے اور جب وہ سامنے ہی آجاتے تھے تو موت کے خوف سے زرد پڑ جاتے تھے۔

یہ پانچوں گھوڑے ملائے نہایت جوش سے لڑ رہے تھے۔ انہوں نے بے شمار عیسائیوں کو قتل کیا تھا مقتولوں کے خون کے قطرے ان کے کپڑوں پر پڑ پڑ کر جم گئے تھے جو بالکل گوشت کے ٹکڑے معلوم ہو رہے تھے قریب سے دیکھنے پر بھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہوں نے اپنے بدن پر گوشت کے ٹکڑے لپیٹ لئے ہوں۔

اس وقت مسلمانوں کی صف قائم نہ رہی تھی اور وہ آگے پیچھے ہو کر لڑ رہے تھے لیکن پانچ سو آدمیوں کا رسالہ پیچھے ہٹ کر دور تک پھیل گیا تھا اور جو عیسائی آگے بڑھنے کا ارادہ کرتا تھا اسے وہ فوراً ہی قتل کر ڈالتے تھے۔

منذرؓ۔ حارثؓ۔ عبداللہ بن عیاضؓ اور عبداللہ بن قرابہ چاروں ملک شہیاض کی طرف بڑھنے لگے تھے وہ صفوں کو توڑتے۔ سواروں کو چیرتے پھاڑتے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

مسلمانوں نے انہیں بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا تقریباً تین سو شیران اسلام ان کی مدد کے لئے بڑھے اور جلدی جلدی درمیانی عیسائی سواروں کو قتل کر کے ان سے جا ملے۔

دراصل منذر وغیرہ کی یہ حیرتناک جرات تھی۔ کہ وہ ہزاروں عیسائیوں کے بیچ میں لڑتے ہوئے اور ہزاروں کے سایہ میں خونخوار تلواروں سے بچتے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

حالانکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ شہیاض ہزاروں سواروں کے درمیان گھرا کھڑا تھا لیکن ازدیاد جوش کی وجہ سے انہوں نے اس بات کی کوئی پرواہ ہی نہ کی۔ اور قتل و خونریزی کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھنے لگے۔

ان تین سو آدمیوں کے آجانے کی وجہ سے ان کا کام بہت کچھ ہلکا ہو گیا یہ مجاہدین دور تک پھیل گئے اور عیسائیوں کو مارتے کاٹتے پیچھے ہٹاتے ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہے آخر بڑھتے بڑھتے وہ شہیاض کے محافظ رسالہ کے پاس پہنچ گئے اور اس رسالہ کے سواروں سے جنگ شروع کر دی۔

شماس ان دلیروں کو دیکھ کر حد درجہ خوفزدہ ہو گیا اس نے چلا کر کہا میرے جاں نثارو! ان وحشی مسلمانوں کو مار ڈالو۔ یا پیچھے ہٹا دو۔

عیسائیوں نے یہ سنتے ہی نہایت جوش سے حملہ کیا ان کا حملہ اتنا سخت ہوا کہ مسلمان پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اور دس پندرہ آدمی شہید ہو کر گرے۔

لیکن ان کے شہید ہونے سے تمام مسلمانوں میں جوش کی لہر دوڑ گئی انہوں نے سنبھل کر اس زور سے حملہ کیا کہ جس قدر عیسائی انہیں ہٹا کر آگے بڑھ آئے تھے اس سے زیادہ ہٹتے ہٹ گئے اور ان کی کثیر تعداد ماری گئی۔

اب منذر نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ تمام مسلمانوں نے اس نعرہ کی تکرار کی۔ ان کی پرشور آواز سے عیسائی ڈر گئے اور مسلمانوں میں تازہ جوش پیدا ہو گیا۔

انہوں نے نئے جوش سے پرزور حملہ کیا۔ اگرچہ عیسائیوں نے اس حملہ کو روکنے میں اپنی طاقت صرف کر دی اور سینکڑوں آدمیوں کو بھینٹ میں دے دیا۔ مگر پھر بھی وہ حملہ کو نہ روک سکے اور اس قدر پیچھے ہٹے کہ شماس کو تنہا چھوڑ گئے صرف وہی سوار رہ گئے جو سائبان کی چوبیں اٹھائے ہوئے تھے۔

اب منذر اور عبداللہ بڑھے۔ شماس انہیں آتے ہوئے دیکھ کر کانپ گیا۔ چوب بردار سوار ان موت کے فرشتوں کو اپنے قریب دیکھ کر اس قدر ڈرے کہ چوبیں چھوڑ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

چوبیں چھوڑنے کی وجہ سے سائبان شماس کے اوپر گر پڑا اور وہ اسی سائبان سے ڈھک گیا۔

ایک طرف سے عبداللہ نے اور دوسری طرف سے منذر نے بڑھ کر اس پر وار کئے دونوں کی تلواریں ساتھ اٹھیں اور ساتھ ہی پڑیں اس کا سر کٹ کر نیچے آ گرا۔ وہاں سے سائبان بھی کٹ گیا جہاں اس کا سر تھا یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ عبداللہ کی تلوار اس کے سر پر پڑی یا منذر کی یا دونوں کی۔

عبداللہ نے جلدی سے گھوڑے سے اتر کر ایک چوب پر شماس کا سر رکھ کر اٹھایا اور بلند آواز سے کہا۔ "عیسائیو تمہارا بادشاہ مارا گیا اب تم فضول لڑ رہے ہو"

ابھی تک جنگ نہایت جوش و خروش سے ہو رہی تھی۔ گھٹنوں لمبے چوڑے میدان میں جدال و قتال ہو رہا تھا۔ تلواریں اٹھ اٹھ کر بہادروں کو قتل کر کے ابھر رہی تھیں۔

عبداللہ کی آواز سنتے ہی عیسائیوں نے گھبرا کر۔ لوٹ لوٹ کر۔ رکابوں پر کھڑے ہو ہو کر دیکھا۔ انہیں اپنے بادشاہ کا سر کٹا ہوا اور چوب پر لٹکا نظر آیا۔

یہ عبرت ناک منظر دیکھتے ہی ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ جوش ٹھنڈا پڑ گیا وہ ایک دم پشت پھیر کر بھاگے۔ ان کے بھاگتے ہی تمام لشکر میں ابتری پڑ گئی۔ اور سارا لشکر بھاگنے لگا۔

مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور ان بزدل بھگوڑوں کو مارتے کاٹتے ان کے پیچھے تک گئے۔ کئی میل تک انہوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل کیا۔ دور تک ان کی لاشیں بچھاتے چلے گئے۔ جب وہ اس قدر دور نکل گئے۔ کہ ان کا تعاقب کرنا دشوار ہو گیا تب مسلمان مظفر و منصور ہو کر لوٹے۔

یہ تھی جزیرہ کی وہ خونریز جنگ جس نے ذرا سی ہی دیر میں عیسائیوں کی قسمت بدل دی اور جزیرہ کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر ڈال دیا۔

خدا کی حمایت و مدد سے آٹھ ہزار مسلمانوں کو دو لاکھ عیسائیوں پر عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔

ارادہ قتل

یوقنا اور ان کے ہمراہیوں کو حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ اسی جیل خانہ میں قید کر دیا تھا جس میں وہ تھے۔

خالدؓ یوقنا کو دیکھ کر حیران ہوئے انہوں نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔ "افسوس! تم بھی قید ہو کر آ گئے۔

یوقنا نے اطمینان کے لہجہ میں کہا۔ "جی ہاں اسے مشیت ایزدی ہی کہہ سکتے ہیں

خالدؓ:۔ کس نے گرفتار کیا تمہیں۔

یوقنا:۔ عاصم نے۔

خالدؓ:۔ کون عاصم کیا رواحہ کا بیٹا۔

یوقنا:۔ جی ہاں۔

خالدؓ:۔ وہ کہاں مل گیا تمہیں۔

یوقنا:۔ قسطنطنیہ سے آ رہا تھا۔ مگر وہ مسلمان ہو گیا ہے۔

خالد نے حیرت سے یوقنا کو دیکھ کر کہا۔ "مسلمان ہو گیا ہے؟

پھر اس نے تمہارے ساتھ ایسی حرکت کیوں کی۔

یوقنا:۔ اسے وہ ہی بتا سکتا ہے۔

خالدؓ:۔ یا تو وہ مسلمان نہیں ہوا۔ عیسائیوں کو فریب دینے کی فکر میں ہے۔

یوقنا:۔ مسلمان تو وہ ہو گیا ہے۔

خالدؓ۔ تو پھر دوسری بات صحیح ہو سکتی ہے۔

یوقنا۔ ممکن ہے۔

خالدؓ۔ افسوس یہ ہے کہ میں پہلے ہی روز گرفتار ہو گیا۔ جنگ کی امنگ دل میں باقی رہی۔

یوقنا۔ خدا کو ایسا ہی منظور تھا۔

خالدؓ۔ اور اس میں بھی اس کی کوئی مصلحت ہے۔

یوقنا۔ بالکل ٹھیک ہے۔

خالدؓ۔ شاید اسے مسلمانوں اور عیسائیوں کو یہ دکھانا منظور ہو کہ فتح خالدؓ کے دم سے نہیں ہوتی بلکہ خدا کی مدد سے ہوتی ہے۔

یوقنا۔ ٹھیک خیال ہے آپ کا۔

خالدؓ۔ خدا مجھے کبھی یہ خیال نہیں ہوا۔ کہ مسلمانوں کو فتوحات میری ہی وجہ سے مل رہی ہیں۔ نہ میں نے اپنی بہادری پر کبھی فخر کیا ہے۔

یوقنا۔ ایک مسلمان یہ خیال کر ہی نہیں سکتا۔ مسلمانوں کا تو اعتقاد یہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔

خالدؓ۔ یہی بات ہے دنیا میں صرف مسلمانوں ہی کی قوم ایسی ہے جو خدا پر سب سے زیادہ اعتقاد اور اعتماد رکھتی ہے۔

یوقنا۔ اور اسی لئے خدا ان کی مدد کرتا ہے۔

خالدؓ۔ جب مسلمان سچے دل سے خدا کو یاد کرتا ہے اور رو کر اسے پکارتا ہے تو خدا کی رحمت جوش میں آجاتی ہے وہ پکارنے والے کی پکار سنتا ہے اور اس کی آرزو پوری کرتا ہے۔

یوقنا۔ ایک عیسائی ہیں جو خدا سے زیادہ حضرت عیسیٰ پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اسے خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔

خالدؓ۔ نہ صرف حضرت عیسیٰ پر بلکہ حضرت مریم۔ حضرت جبرئیل جسے روح القدس کہتے ہیں۔ پر بھی وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ ان کی تصویروں کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ گڑگڑا کر روتے ہیں۔ یہ شرک ہے اور خدا مشرک کو کبھی نہ بخشے گا۔

یوقنا۔ میں خدا کا بیحد شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اسلام جیسی دولت عطا کی۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو صرف ایک خدا کی پرستش کا حکم دیتا ہے اور کفر و شرک سے بالکل پاک ہے۔

باتوں باتوں میں مغرب کا وقت آگیا ان لوگوں نے اذان دی اور نماز پڑھی نماز پڑھ کر پھر باتیں کرنے لگے۔

ایک روز شام کے وقت یوقنا اور خالدؓ باتیں کر رہے تھے کہ انہوں نے گرجے کے باہر اور قلعہ کے اندر ایک عظیم شور سنا جو دم بدم بڑھتا جاتا تھا۔ طرح طرح کی آوازیں مل جل کر ایسے شور میں منتقل ہو گئی تھیں جس سے تمام قلعہ گونج اٹھا تھا۔

یہ سب قیدی اس شور کو سن کر کچھ بے چین ہو گئے۔ خالدؓ نے کہا۔ نہ معلوم یہ عیسائی کیوں شور کر رہے ہیں کہیں انہوں نے خدانخواستہ مسلمانوں کو شکست تو نہیں دے دی۔ یا خود انہیں شکست ہوئی ہے۔ ذرا غور سے سنو۔ رونے پیٹنے کی آوازیں ہیں یا خوشی و خرمی کے نعرے۔

دونوں غور سے سننے لگے بہت کچھ غور و خوض کرنے پر بھی وہ معلوم نہ کر سکے کہ گریہ و زاری کی آوازیں آرہی ہیں یا صدائے مسرت بلند ہو رہی ہے البتہ آوازوں کا شور دم بدم بڑھتا جاتا تھا۔ یوقنا نے کہا کچھ معلوم ہی نہیں ہوتا۔"

خالدؓ نے مضطرب ہو کر کہا۔ خدا خیر کرے۔"

یوقنا۔ شاید ان محافظوں کو کچھ معلوم ہوا ہو۔ ان سے دریافت کروں۔

خالدؓ۔ ضرور پوچھو۔

یوقنا گئے اور تھوڑی دیر بعد آکر کہا۔ انہیں بھی کچھ معلوم نہیں ہے کہتے ہیں ہمیں احاطہ سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ نہ کوئی باہر سے ہمارے پاس آسکتا ہے۔

چونکہ اب دن چھپ گیا تھا اس لئے انہوں نے مغرب کی نماز پڑھی اور وہ رات نہایت کرب و بے چینی سے گزاری۔

صبح سویرے اٹھ کر ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی۔ اور قرآن شریف کی تلاوت کرنے لگے۔

جب سورج اس قدر اونچا ہو گیا کہ دھوپ اچھی طرح پھیل گئی۔ تو جیل خانہ کا دروازہ کھلا اور مرقیوس اور عاصم مع بہت سے فوجی سپاہیوں کے آئے اور تمام قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑ کر باہر لے گئے۔

گرجہ کے احاطہ میں ہزاروں سپاہی ننگی تلواریں لئے کھڑے تھے۔ یوقنا خالدؓ اور ان کے ساتھی یہ تو سمجھ گئے۔ کہ عیسائی شاید انہیں قتل کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ لیکن یہ معلوم نہ کر سکے کہ رات کا شور و غل کس وجہ سے تھا۔

یوقنا نے عاصم سے دریافت کیا۔ کیا آپ مجھے ایک بات بتا دیں گے۔

عاصم نے جواب دیا۔ اگر بتانے میں کوئی حرج نہ ہو گا تو بتا دوں گا۔

یوقنا۔ یہ رات کیسا شور و غل تھا۔

عاصمؓ۔ تمہیں اب خود ہی معلوم ہو جائے گا۔

یوقنا۔ اگر نامناسب نہ ہو تو آپ ہی بتا دیجئے۔

عاصمؓ۔ مسلمانوں نے عیسائی لشکر کو شکست دے دی ہے ......"

یہ نوید روح پرور سن کر تمام مسلمانوں کے چہرے جوش مسرت سے چمک اٹھے۔ یوقنا نے دریافت کیا۔ "اور ....؟"

عاصمؓ۔ اور یہ غضب کیا کہ ملک شرواش کو بھی قتل کر ڈالا۔

یوقنا۔ الحمد اللہ۔ خدا کا شکر و احسان ہے۔

مرسیوس نے غیظ بھری نظروں سے دیکھ کر غضبناک لہجہ میں کہا۔

بدقسمتو! تم خوش ہو رہے ہو! تمہارے لئے تو رونے کا مقام ہے۔

یوقنا۔ کس وجہ سے!

مرسیوس۔ ہمارے ملک میں یہ دستور ہے کہ جب بادشاہ مرتا ہے۔ تو سو قیدی اس لئے قتل کر دیئے جاتے ہیں کہ مرنے والے بادشاہ کی خدمت گزاری کے لئے اس کے پاس پہنچ جائیں۔ اور اس طرح بادشاہ کی روح کو سکون حاصل ہو رات مذہبی کونسل نے یہ طے کر دیا ہے کہ مسلمان قیدیوں میں سے سو قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ تم قتل کرنے کے لئے لے جائے جا رہے ہو۔

یوقنا۔ موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے اگر ہماری زندگیاں پوری ہو چکی ہیں تو موت یقینی ہے۔

مرسیوس نے غصہ میں بھر کر کہا۔ تمہاری زندگیاں ہمارے ہاتھوں میں ہیں اور ہم تمہارا مجمع میں خاتمہ کر دیں گے۔

خالدؓ۔ ایسا فخر و غرور کرنے والے خود ہی فنا ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھ خدا کو غرور پسند نہیں ہے۔ اور اس لئے وہ مغروروں کو جلد مٹا دیا کرتا ہے خدا نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ **العظمۃ ردائی والکبریاء ازاری فمن نازعنی فیھما قصمتہ ولا ابالی**۔ یعنی عظمت و جلال میری چادر ہے اور کبریائی اور فخر میرا پیراہن ہے جو ان دونوں میں سے کوئی چیز حاصل کرنا چاہے گا۔ اس کی گردن موڑ دی جائے گی۔

مرسیوس نے طنزیہ قہقہہ لگا کر کہا۔ اب دیکھا جائے گا۔ کس ...

خالدؓ کو غصہ آگیا انہوں نے کہا۔ مٹی کے پتلو! جس خدا نے تجھے پیدا کیا۔ علم دیا۔ ثروت دی۔ دولت دی۔ عزت دی۔ حکومت دی۔ تو اس کی تحقیر کرتا ہے۔ یقین رکھ کہ خدا تجھ سے یہ تمام چیزیں چھین کر تجھے موت کی گود میں پہنچا دے گا اور پھر تو غرور و شرک کرنے کی پاداش میں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

مرسیوس کو خالد پر غصہ تو بہت آیا۔ لیکن وہ سمجھ کر ضبط کر گیا۔ اس نے کہا۔ اچھا تم بھی دیکھو۔ اور میں بھی دیکھتا ہوں۔ دیکھو میں تمہیں قتل کرتا ہوں یا تمہارا خدا مجھے مارتا ہے۔"

خالدؓ۔ ہاں دیکھ لینا۔

ان قیدیوں کو جیل خانہ سے باہر آتے ہی وہ سپاہی جو تلواریں لئے کھڑے تھے ان کے چاروں طرف پھیل گئے اور انہیں حراست میں لے کر گرجہ سے باہر نکلے۔ پادری اور سپاہی کھڑے تھے وہ بھی ساتھ ہو گئے اور انہیں قلعہ کے مشرقی دروازہ کی طرف لے چلے اس دروازہ کا نام اصطاحون تھا۔ راستہ میں انہوں نے دیکھا کہ عیسائی مرد۔ عورتیں اور بچے اس کثرت سے کھڑے ہیں کہ جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی ہے ان کے دل نظر آتے ہیں۔ لیکن ان سب کے چہروں سے حزن و ملال اور رنج و غم کی علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ اور آنکھوں سے غیظ و غضب کے شرارے نکل رہے تھے وہ غصہ بھری نگاہوں سے گھور گھور کر مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے۔

سارے راس العین پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ حسرت برس رہی تھی در و دیوار خاموش تھے۔ انسان غمزدہ تھے اگرچہ کاروبار شروع ہو گیا تھا لیکن وہ چہل پہل نہ تھی جو اس روز تھی جس روز مسلمان قیدی آئے تھے۔

سارے عیسائی سیاہ پوش اور ننگے سر تھے۔ غالباً بادشاہ کی موت کا ماتم منانے کے لئے سوگوار تھے اور مسلمانوں کو گالیاں دے رہے تھے۔

ان لوگوں کو دیکھتے ہوئے مسلمان چپ چاپ چلے جا رہے تھے۔

جو وہ دروازہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے بہت سے پادریوں اور ننوں کو دیکھا جو سفید لباس پر سیاہ لبادے ڈالے ہوئے تھے۔

مہ جبیں ننیں سیاہ لبادے اوڑھنے کی وجہ سے اور بھی حسین نظر آنے لگی تھیں وہ معصوم نگاہوں سے مسلمانوں کو تک رہی تھیں۔

مسلمانوں کے پہنچتے ہی قریب کے گرجا میں گھنٹہ بجایا گیا۔ پادریوں نے مقدس انجیلیں اٹھائیں اور آہستہ آہستہ پڑھنے لگے۔ دیر تک پڑھتے رہے جب پڑھ چکے تو حور جمال نوں نے ایک ماتمی گیت شروع کر دیا۔

ایک تو وہ حسین تھی۔ دوسرے ان کی آواز شیریں اور نرم تیسرے نوحہ کے لہجہ میں گا رہی تھیں اس لئے تمام عیسائیوں پر گہرا اثر پڑا اور سب خاموش سر جھکائے کھڑے سن رہے تھے۔ بلکہ بعض تو اس قدر متاثر ہو رہے تھے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو نکل نکل بہہ رہے تھے۔

جب گیت ختم ہوا تو پادری نے کہا بدقسمت مسلمانو! تمہاری وحشی قوم نے ہمارے بادشاہ کو میدان جنگ میں قتل کر کے ہمارے دلوں کو دکھایا ہے ہمارا یہ آئین ہے کہ جب کوئی بادشاہ مر جاتا ہے تو ہم اس کی خدمت کرنے کے لئے سو قیدیوں کو قتل کر کے اس کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ تاکہ اس کی روح کو تسکین حاصل ہو سکے۔ اس لئے ہم نے اور ہماری مذہبی مجلس یا جمعیت نے یہ طے کر دیا ہے کہ سو مسلمانوں کو قتل کر ڈالا جائے۔

ضرار نے متنفرانہ انداز میں کہا۔ مگر جناب! عیسائی بادشاہ کی خدمت کرنے کے لئے تو عیسائی ہی موزوں ہو سکتے ہیں۔ وہی یہاں خدمت کرتے رہے ہیں وہاں بھی خدمت کر سکتے ہیں۔ ہم مسلمانوں نے اسے قتل کیا ہے وہ ہم سے ناراض ہو گیا ہے۔ ہمیں وہاں دیکھ کر گھبرا جائے گا۔ اور آپ سے ناخوش ہو گا۔ کہ آپ نے اس کے دشمنوں ہی کو خدمت کے لئے کیوں بھیجا۔

پادری نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ کیا واہیات گفتگو شروع کر دی ہے تم نے

ضرار: کیا میں نے غلط کہا ہے۔

پادری: غلط اور صحیح کا سوال نہیں ہے۔

ضرار: میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کا عقیدہ کس قدر کچا اور غلط ہے آپ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انسان مرنے کے بعد بھی انسانوں کی خدمت کا محتاج رہتا ہے۔

پادری: یہ اپنا اپنا عقیدہ ہے تمہیں مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ کہ تم بھی ایسا ہی عقیدہ رکھو۔

ضرار: لیکن ایسی باتوں کو مذہب میں داخل کر لینا مذہب کی توہین کرنا ہے۔

پادری: نوجوان ذرا صبر کرو۔ اس وقت تمہاری موت اور زندگی کا سوال ہے۔ ہاں مجھے یہ کہنا ہے کہ تمہاری موت تمہارے بالکل قریب آ گئی ہے لیکن اگر تم چاہو تو زندہ رہ سکتے ہو۔ اور اس کی یہ صورت ہے کہ تم عیسائی ہو جاؤ۔

خالد نے کہا۔ اطمینان رکھئے۔ کبھی کوئی مسلمان کسی خوف لالچ سے اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔

پادری: کیا انکار ہے۔

خالد: ہاں انکار ہے۔

پادری: خوب سوچ لو۔

خالد: اچھی طرح سوچ لیا ہے۔

پادری: تمہاری قسمت۔

اس نے مرسیوس سے کہا۔ سپاہیوں کو حکم دیجئے کہ وہ ان کی گردنیں کاٹ لیں۔

مرسیوس نے پانچ سپاہیوں کو اشارہ کیا وہ تلواریں سونت سونت کر بڑھے لیکن ابھی مسلمانوں کے قریب بھی نہ پہنچے تھے کہ "اللہ اکبر کے پرشور نعرہ کی آواز آئی۔

اس نعرہ کو سن کر تمام عیسائی لرز گئے۔ انہوں نے فصیل کے اوپر دیکھا فصیل پر عیسائی فوج تھی وہ شور وغل مچا رہی تھی چونکہ سینکڑوں آدمی ایک ساتھ بول رہے تھے اس لئے یہ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ عیسائی اور مسلمان انہیں حیرت سے دیکھتے رہ گئے۔

مجاہدین اسلام کی یورش

رغبان کے میدان میں دو لاکھ یا اس کے لگ بھگ عیسائیوں کو صرف آٹھ ہزار مسلمانوں نے ایسی شکست فاش دی کہ جو قتل ہونے سے باقی رہ گئے ہیں وہ سر پر پیر رکھ کر ایسے بھاگے کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا بھاگتے رہے اور قتل ہوتے رہے۔

یہ جنگ کوئی معمولی جنگ نہ تھی۔ بڑا زبردست معرکہ تھا اور اس معرکہ میں مسلمان محض خدا کی مدد کی وجہ سے کامیاب ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی قوم سے زیادہ خدا پر اعتماد رکھنے والی بھی کوئی قوم نہیں ہے وہ سب کچھ خدا ہی کو سمجھتی ہے اسی کو کائنات نہ صرف کائنات بلکہ دنیا عقبیٰ اور تمام سیاروں اور سارے جہانوں کا پیدا کرنے والا مالک اور خالق ہے اسی سے دعائیں مانگتی ہے اور وہی دعائیں قبول کرتا اور اسے نوازتا ہے۔

مسلمان کسی مصیبت۔ کسی پریشانی۔ کسی فکر۔ کسی غم سے اس لئے نہیں گھبراتا کہ وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہے وہ خدا ہی کی طرف سے ہے اور خدا ہی اسے دور کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے خدا بھی مسلمانوں کا حامی اور مددگار ہے وہ ہر مسلمان کی مدد کرتا ہے۔ رغبان کے معرکہ میں بھی اس نے ہی مدد کی اور مٹھی بھر مسلمانوں کو لاکھوں دشمنوں پر فتح دی۔

مسلمانوں نے بھاگنے والے عیسائیوں میں سے ایک بڑی تعداد تو قتل کر ڈالی اور کافی تعداد گرفتار کر لی۔ جو سب سے پہلے اور بے تحاشا بھاگے تھے وہ جان بچا کر لے جا سکے۔ جب مسلمان ان کے تعاقب سے واپس لوٹے تو چار گھڑی دن باقی رہ گیا تھا۔ انہوں نے عیسائیوں کے کیمپ پر قبضہ کر کے ان کے بکھرے ہوئے سامان کو اٹھانا شروع کر دیا۔

عیسائی ایسے بے اوسان ہو کر بھاگے تھے کہ وہ اپنے ساتھ کوئی چیز بھی نہ لے جا سکے تھے۔ مختلف چیزیں۔ مختلف سامان سارے کیمپ میں بکھرا پڑا تھا مسلمانوں کو اسے سمیٹنے میں بڑی دیر لگ گئی۔ دن چھپنے تک وہ بہت تھوڑا سامان اکٹھا کر سکے انہوں نے مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر اس عظیم الشان فتح پر بارگاہ خداوندی میں سجدہ شکر ادا کیا اور پھر کچھ لشکر اس کیمپ اور اس کے سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر بقیہ لشکر لے کر اپنے کیمپ میں جا داخل ہوئے۔

وہ رات مسلمانوں نے قرآن خوانی اور نماز پڑھنے میں بسر کی۔ صبح ہوتے ہی نماز پڑھنے کے بعد عیسائیوں کے کیمپ کی طرف چلے۔

جب وہ میدان جنگ میں پہنچے تو کچھ مسلمانوں کو وہاں اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ مسلمان شہیدوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایک جگہ جمع کر لیں۔

جب عیاضؓ آگے بڑھنے لگے تو ایک اعرابی ان کے سامنے آکھڑے ہوئے انہوں نے دریافت کیا۔ کیا کہنا چاہتے ہو تم حدیؓ؟

یہ اعرابی نوجوان تھا۔ اس نے کہا۔ یا امیر میں چاہتا ہوں کہ عیسائی مقتولین کا شمار کروں۔

عیاضؓ نے متحیر ہو کر کہا۔ تم کیسے گن سکو گے۔ میلوں میں عیسائی مردے پڑے ہوئے ہیں ہزاروں کی تعداد میں ہیں میرے خیال تم گن ہی نہ سکو گے۔

حدیؓ بڑے مستعد جوان تھے ان کے باپ کا نام ماشب الضبیری تھا انہوں نے کہا۔ میں کوشش کروں گا۔ یہ میری آرزو ہے۔

عیاضؓ۔ اچھا شمار کرو۔

حدیؓ وہیں رہ گئے۔ انہوں نے ایک توبرے میں بہت سی کنکریاں اٹھا کر ڈال لیں اور دوسرا توبرا خالی لٹکا لیا۔ اور اس طرح شمار کرنا شروع کیا کہ ایک کنکری مردہ پر رکھ دیتے اور ایک کنکری توبرے میں ڈال دیتے۔

ادھر عیاضؓ لشکر کو لے کر عیسائیوں کے کیمپ میں پہنچے اور بقیہ سامان کو اکٹھا کرانے لگے۔ مسلمانوں کو چاندی کی رکابیاں۔ رسد کے بورے۔ سونے چاندی کے زیورات۔ ریشمی کپڑے۔ قالین۔ دریاں۔ سوتی چٹائیاں۔ اور سینکڑوں چیزیں ملیں۔ بے شمار ہتھیار ملے۔ ہزاروں خیمے اور گھوڑے ہاتھ آئے۔ غرض اس قدر سامان ملا کہ اس کی قیمت ستر اسی لاکھ روپے تھی۔

دوپہر تک وہ سامان فراہم کیا گیا۔ عیسائی قیدی ساڑھے نو ہزار تھے۔

عیاضؓ نے تمام سامان کی فہرست تیار کرائی اور اس سامان اور قیدیوں کو دو سو مسلمانوں کی حراست و نگرانی میں کفرتوثا کی طرف روانہ کر دیا اور ایک خط برغون کو لکھا۔ کہ وہ اس سامان اور قیدیوں کو قلعہ میں حفاظت سے رکھ کر خود مع اپنے لشکر کے راس العین میں آجائے۔

یقین ہے ناظرین بھولے نہیں ہوں گے کہ برغون نے کفرتوثا کا قلعہ فتح کر لیا تھا اور وہ وہیں ٹھہرا ہوا تھا۔

جب قیدی اور سامان بھیج دیا گیا۔ تب وہ واپس لوٹے۔ راستہ میں سب سے پہلے انہیں حدیؓ ملے عیاضؓ نے ان سے دریافت کیا۔ کیو عیسائی مردوں کو شمار کیا۔

حدیؓ نے جواب دیا۔ "جی ہاں" عیاضؓ۔ کس قدر ہیں۔

حدیؓ۔ ایک توبرا لٹکائے ہوئے تھے جس میں کنکریاں بھری ہوئی تھیں اور وہ اس قدر بھاری ہو رہا تھا۔ کہ مشکل سے اٹھایا جاتا تھا۔ انہوں نے آہستہ سے تھیلا زمین پر رکھ کر کہا۔ اسی ہزار سات سو پچاس عیسائی مارے گئے ہیں۔

اس قدر تعداد سن کر عیاضؓ اور ان کے قریب کھڑے ہونے والے مسلمانوں کے چہرے فرط مسرت سے چمک اٹھے۔ انہوں نے کہا۔ تعجب ہے۔

حدیؓ۔ ۔

جی ہاں تعجب ہے آٹھ ہزار مسلمانوں نے اور اتنے عیسائیوں کو مار ڈالا۔

عیاضؓ۔ یہ سب خدا کی مہربانی ہے۔ حدیؓ۔ بے شک

اب وہ آگے بڑھے کچھ دور چل کر انہیں وہ مسلمان ملے جو شہداء کو تلاش کرنے کے لئے

چھوڑے گئے تھے۔ عیاضؓ اور تمام لشکر رک گیا۔ انہوں نے دریافت کیا۔ کیو شہیدوں کو جمع کر لیا۔

ایک مسلمان نے کہا۔ "جی ہاں۔"

عیاضؓ۔ شہیدوں کو گنا بھی کس قدر ہیں؟

اس مسلمان نے افسردگی کے لہجہ میں کہا۔ جی ہاں گنا ہے تین سو سترہ ہیں۔

عیاض اور تمام مسلمان اس تعداد کو سن کر غمزدہ ہو گئے۔ انہوں نے گھوڑوں سے اتر اتر کر شہیدوں کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ اور گہرے گڑھے کھدوا کر انہیں دفن کرا دیا۔ ان تمام کاموں سے فراغت کر کے وہ اپنے کیمپ میں پہنچے۔ کھانا کھایا اور ظہر کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھتے ہی عیاض نے اعلان کر دیا۔ کہ آج رات کو عشا کی نماز پڑھ کر لشکر راس العین کی طرف روانہ ہو گا۔ دن ہی میں کوچ کی تیاری کر لی جائے۔

اس اعلان کو سنتے ہی خیمے اور چھولداریاں اکھاڑ اکھاڑ کر باندھے جانے لگے سامان سمیٹ سمیٹ کر جگہ جگہ جمع کیا جانے لگا۔

اس انتظام میں دن چھپ گیا۔ مغرب کی نماز پڑھ کر کھانا تیار کیا اور عشا کی نماز پڑھ کر سب نے کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کیا اور پھر جلدی جلدی خیمے۔ چھولداریاں اور دوسرا سامان خچروں اور اونٹوں پر بار کر کے پانچ سو سواروں کی معیت میں روانہ کر دیا گیا۔

اب عورتوں کے خیمے اور قناتیں اکھاڑ کر باربرداریوں میں لادی گئیں اور ان کے اوپر بچوں اور عورتوں کو بٹھا دیا گیا۔

باربرداری کے ان چھکڑوں میں گھوڑے جوتے جاتے تھے۔ دو سو سواروں کی حفاظت میں وہ تیزی سے روانہ ہوئے۔

ان کے کچھ دیر بعد تمام لشکر گھوڑوں پر سوار ہوا اور راس العین کی طرف چل پڑا۔ سو سوار اس لئے اس جگہ چھوڑ دیئے گئے کہ وہ دن نکلنے پر سارے لشکر گاہ میں پھر کر یہ دیکھ لیں کہ کسی کی کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔ اگر کوئی چیز رہ گئی ہو تو اسے لے کر اگلے روز آجاویں۔

اسلامی لشکروں میں یہ قاعدہ تھا۔ کہ جب کسی پڑاؤ سے لشکر کوچ کرنے لگتا تھا تو کچھ آدمی چھوڑ دیئے جاتے تھے اور وہ ایک دن بعد آیا کرتے تھے۔

عیاضؓ چونکہ جلد سے جلد راس العین پہنچنا چاہتے تھے اس لئے نہایت تیزی سے چل رہے تھے وہ اس قدر تیز چلے کہ آدھی رات کے کچھ ہی دیر بعد مسلم عورتوں کے قریب جا پہنچے۔ قمری مہینہ کی ابتدائی تاریخیں تھیں چاند نکل کر چھپ چکا تھا۔ اندھیرا پھیلا ہوا تھا دور کی تو کیا پاس کی چیزیں بھی صاف نظر نہ آتی تھیں۔

چونکہ رات کا قدرتی سکوت چھایا ہوا تھا۔ اس لئے باربرداری کے چھکڑوں کے چلنے کی آواز صاف طور پر آرہی تھی۔

جب یہ لشکر ان چھکڑوں کے بالکل قریب پہنچ گیا تو انہوں نے دیکھا کہ بچے تو سب سو رہے ہیں اور عورتیں کچھ جاگ رہی ہیں کچھ اونگھ رہی ہیں اور کچھ سو گئی ہیں۔

عیاضؓ نے انہیں تیز چلنے کا حکم دیا۔ اور چھکڑے اور بھی تیزی سے چلنے لگے۔ چھکڑوں کے پیچھے لشکر چلا جا رہا تھا۔ چلتے چلتے صبح ہو گئی۔ چونکہ نماز کا وقت ہو گیا تھا اس لئے سب رک گئے اور گھوڑوں اور چھکڑوں کے اوپر سے اتر اتر کر ضروریات سے فراغت کر کے مرد ایک طرف اور عورتیں دوسری طرف جمع ہونے لگیں۔

چند آدمیوں نے مل کر اذان دی۔ اذان کی آواز سنتے ہی بچے بھی اٹھ بیٹھے اور جلدی جلدی گاڑیوں کے اوپر سے کود کود کر جنگل میں گھس گئے ضروریات سے فراغت کر کے آئے اور وضو کر کے نماز کی تیاری کرنے لگے۔

مردوں نے جماعت کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی عورتوں نے متفرق ہو کر پڑھی۔ نماز پڑھتے ہی سب پھر سوار ہو گئے اور چل پڑے تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ باربرداری کے اونٹ اور خچر مل گئے۔

لشکر کو دیکھتے ہی وہ راستہ سے ہٹ کر ایک طرف کھڑے ہو گئے اور لشکر ان سے آگے نکل گیا لیکن عورتوں کے چھکڑے ساتھ رہے۔

جب آفتاب طلوع ہوا اور اس کی سنہری کرنیں سبزہ زار پر پھیلنے لگیں۔ تو اسلامی لشکر قلعہ راس العین کے قریب پہنچ گیا تھا انہوں نے سب سے پہلے عورتوں کے قیام کے لئے مناسب جگہ تجویز کر کے خیمے نصب کئے۔ قناتیں لگا دیں اور عورتوں کو قناتوں کے حصار میں اتار دیا۔

اب وہ بڑھے قلعہ کے مشرقی دروازہ کے قریب پہنچ گئے اس دروازہ کا نام اسطاحون تھا۔ یہاں پہنچتے ہی انہوں نے نہایت شور کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ یہی وہ نعرہ کی آواز تھی جو قلعہ کے اندر مریم نے سنی تھی۔ پادری اور تمام عیسائیوں اور مسلمانوں نے اس وقت سنی تھی جب مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے عیسائی تلواریں سونت کر بڑھے تھے اور اس آواز کو سن کر حیران ہو کر دیکھتے رہ گئے تھے۔

اتیسواں باب

عربی خاتون کا جوش

اس پرشور نعرہ کو سن کر سب سے زیادہ پادری عورتیں گھبرا گئی تھیں مریبوس نے پادری کی طرف دیکھا۔ پادری نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔ افسوس یہ کمبخت مسلمان بھی یہاں آمرے۔ مریبوس نے کہا۔ اب ان قیدیوں کا کیا کیا جائے۔

پادری:۔ فی الحال انہیں مہلت دو۔ شاید ان کی عقل ٹھکانے آجائے اور یہ اسلام چھوڑ کر عیسائی ہونا قبول کر لیں۔

مریبوس:۔ بہتر ہے۔

اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا وہ قیدیوں کو حراست میں لے کر اسی شان سے روانہ ہوئے جس شان سے آئے تھے۔

قیدیوں کے چلے جانے کے بعد پادری نے کہا۔ اب قلعہ کی حفاظت کا انتظام نہایت مکمل طور ہونا چاہئے۔ فصیل پر تمام لشکر چڑھا دو۔ اور جس طرف مسلمان ہیں اس طرف پھیلا دو۔ منجنیق بھی اسی طرف لگا دو۔

مریبوس:۔ فصیل کے اوپر پہلے ہی کافی لشکر موجود ہے البتہ سنگریزوں اور تیروں کی ضرورت اور ہے وہ اور پہنچائے دیتا ہوں۔

یہ کہہ کر اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ کچھ سپاہی تو منجنیق کو لپٹ گئے اور وہ اسے کھینچ کر زینہ کی طرف لے چلے۔ کچھ سنگریزوں کے ان ڈھیروں کی طرف دوڑے جو اونچے اونچے پہلے ہی سے لگائے ہوئے تھے ان کے پاس ہی سے لگائے ہوئے تھے۔ ان کے پاس ہی تیروں کے بیشمار گٹھے بندھے ہوئے پڑے تھے۔ سپاہی سنگریزوں کی جھولیاں بھر بھر کر اور تیروں کے گٹھے اٹھا اٹھا کر چلے گئے۔

پادری اور نن سب چلے گئے۔ عوام الناس بھی جو مسلمانوں کے قتل کا تماشہ دیکھنے آئے تھے رخصت ہو گئے۔

چونکہ راس العین کا قلعہ نہایت مضبوط تھا۔ عیسائیوں کو قطعی اطمینان تھا کہ مسلمان ہزار کوشش کرنے پر بھی نہ قلعہ کی فصیل توڑ سکتے ہیں نہ کسی اور ذریعہ سے قلعہ کے اندر آسکتے ہیں اس لئے انہیں کچھ بھی فکر نہ تھا وہ وہاں سے جا کر بدستور اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔

مریبوس قلعہ کی فصیل پر پہنچا۔ منجنیق اس کے جانے سے پہلے پہنچ چکی تھی اس نے اسے فصیل کے باہر والے کنارہ پر کھڑا کر دیا۔

یہ منجنیق ایک مختصر سا برج تھا۔ وزنی اس قدر تھی کہ سینکڑوں آدمی اسے حرکت دیا کرتے تھے اور اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں چھ سو آدمی لگائے جاتے تھے۔ اس منجنیق کو چلانے کے لئے چالیس آدمیوں کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔

اس کے چلانے کا قاعدہ یہ تھا کہ اس میں نوکیلے وزنی پتھر اتنے وزنی جو دو آدمیوں سے مشکل سے انہیں رکھ دئے جاتے تھے اور چالیس آدمی اس کی زنجیروں کو کھینچ کر اس کے اس تختہ کو جس میں پتھر رکھا ہوتا تھا۔ حرکت دیتے تھے تب تختہ اس پتھر کو اس زور سے پھینکتا تھا کہ ایک ایک فرلانگ کے فاصلہ پر جا پڑتا تھا اور جو چیز سامنے آجاتی تھی اسے توڑ پھوڑ دیتا تھا۔

یہ سمجھئے کہ اس وقت کی توپ بھی منجنیق تھی۔ منجنیق سے نکلا ہوا پتھر جس کے بھی پتھر لگ جاتا تھا اس کی ہڈیوں اور پسلیوں کو ریزہ ریزہ کر دیتا تھا۔

اب منجنیق نصب ہو گئی اور اس کے قریب وزنی پتھروں کے بھی انبار لگ گئے۔ تب مریبوس وہاں سے چلا اور فصیل پر گشت لگا کر یہ دیکھنے لگا کہ سپاہی فصیل کے اوپر قرینہ سے کھڑے ہیں یا نہیں اور ان کے پاس پتھروں کے ٹکڑے اور تیروں کے گٹھے کافی بھی ہیں۔

اس نے اس طرف ساری فصیل کا دورہ کر کے معائنہ کیا جہاں کہیں پتھروں کی ضرورت تھی وہاں پتھر پہنچا دئے اور جہاں تیروں کی کمی تھی تیر منگوا دئے۔

اب وہ ایک برج میں جا پہنچا اور اس نے اس کے دریچہ کے پاس کھڑے ہو کر باہر کی طرف جھانکا اس طرف دور تک مسلمان پھیلے ہوئے تھے ابھی انہوں نے حملہ شروع نہیں کیا تھا بلکہ حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔

مسلمان آآ کر صف در صف کھڑے ہوتے جا رہے تھے۔ ان کے پاس نہ منجنیق تھا اور نہ کوئی اور ایسی چیز جس کے ذریعہ سے وہ بھی پتھروں کا جواب پتھروں سے دے سکیں۔

لیکن ان میں ہمت تھی۔ روحانی طاقت تھی۔ ایمانی جذبہ تھا اور اس لئے وہ استقلال اور اطمینان سے حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔

کچھ مسلمان ابھی تک سراپردہ کے قریب کام میں مصروف تھے۔ ان میں سے ایک

جمیل بن سعد الداری بھی تھا۔

اس جمیلؓ کا باپ اور دادا اور کئی بھائی آنحضور صلعم کے زمانہ میں کفار سے لڑتے ہوئے میدان جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔

اس زمانہ میں اس کی عمر بہت تھوڑی تھی اس وقت بھی وہ نوجوان تھا بائیس تیئس سال کی عمر تھی۔ لیکن اس تھوڑی سی عمر میں اس نے تیر اندازی میں یہ کمال حاصل کر لیا تھا کہ اڑنے والے جانور کے یہ کہہ کر تیر مارتا تھا کہ اس کی گردن۔ آنکھ بازو پیٹ۔ دم میں غرض جہاں کہیں کہتا یا کوئی اسے جہاں کہیں بتاتا اور وہ تیر مارتا تو اسی جگہ لگتا جس جگہ کہا جاتا۔

ناممکن تھا کہ پرند اس کے تیر سے بچ کر نکل جائے اور یہ بھی ناممکن تھا کہ جس جگہ کہہ کر وہ تیر مارتا اسی جگہ نہ لگتا۔

اس کی اس تیر اندازی کی شہرت تمام عرب میں تھی ہر مسلمان اسے خوب جانتا تھا۔

جب جمیلؓ کام سے فارغ ہو گیا تو اس نے سرپردہ کے قریب جا کر اپنی والدہ کو آواز دی۔ اس کی آواز سنتے ہی اس کی ماں پردہ سے باہر آگئی۔ وہ ضعیف العمر تھیں سر کے بال سفید تھے۔ کمر جھک گئی۔ چہرہ پر جھریاں پڑ چلی تھیں۔

انہوں نے آتے ہی کہا۔ کیا ہے بیٹا جمیل؟

جمیل نے کہا۔ امی جان! میں لڑنے کے لئے جا رہا ہوں۔ مجھے اجازت دو۔"

ضعیفہ کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں اور چہرہ پر سرخی دوڑ گئی۔ انہوں نے کہا۔ شوق سے جاؤ بیٹا! خدا تمہیں میری دعاؤں کے سایہ اور اپنے حفظ امن میں رکھے۔

جمیل:۔ امی جان کیا جب والد صاحب جنگ میں گئے تھے۔ اس وقت ان کی والدہ زندہ تھیں۔

ضعیفہ:۔ نہیں بیٹا! ان کا تو بہت پہلے انتقال ہو چکا تھا۔

جمیل:۔ اور جب میرے بڑے بھائی لڑنے کے لئے گئے تھے اور وہ شہید ہو گئے تھے۔ کیا آپ نے انہیں لڑائی پر جانے سے پہلے دعا دی تھی۔

ضعیفہ:۔ بیٹا! میں اس وقت بھول گئی تھی۔ یا خدا نے میرے دل اور زبان پر مہر لگا دی تھی اور اس لئے میں دعا دے ہی نہ سکی۔

جمیل:۔ امی جان! ایک مسلمان کی تمنا کیا ہونی چاہئے۔

ضعیفہ:۔ بیٹا! مسلمان کے لئے شہادت سے بڑھ کر کوئی تمنا نہیں ہو سکتی۔

جمیل:۔ اور میری بھی یہی تمنا ہے۔

ضعیفہ:۔ خدا تیری تمنا پوری کرے۔

جمیل یہ سن کر خوش ہو گیا۔ اس کا چہرہ دمک اٹھا۔ آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ اس نے کہا۔ پیاری امی! اب تم میرے لئے سلامتی سے لوٹ آنے کی دعا نہ کرنا۔

ضعیفہ نے حیرت سے بھری نگاہوں سے جمیل کو دیکھ کر کہا۔ "کیوں بیٹا؟

جمیل نے ادب سے نگاہیں جھکا کر جواب دیا۔ اس لئے کہ خدا والدین کی دعا قبول کرتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں باپ اولاد کے لئے دل سے دعا کرتے ہیں اور دل سے نکلی ہوئی دعا باری تعالیٰ کے عرش تک پہنچتی ہے اور اس لئے پروردگار عالم اسے قبول فرما لیتا ہے۔ میں کئی مرتبہ شہادت کی تمنا لے کر میدان جنگ میں گیا۔ بڑے بڑے خونریز معرکوں میں شریک ہوا لیکن ہمیشہ بچ کر واپس آگیا۔ میں نے سوچا۔ گھنٹوں سوچا کہ کیا خدا کو ہی یہ منظور نہیں ہے کہ میں شہید ہوں کیا میں اس قابل نہیں ہوں کہ شہادت کا درجہ حاصل کر سکوں۔ یا مجھ سے کوئی گناہ ہو گیا ہے اور اس کی وجہ سے مجھے یہ اعزاز نصیب نہیں ہوتا ایک عرصہ کے بعد میری سمجھ میں یہ بات آئی۔ کہ جب کبھی میں لڑنے کے لئے نکلا ہوں تو آپ نے مجھے خیریت سے واپس آنے کی دعا دی ہے۔ خدا نے میری دعا کے مقابلہ میں آپ کی دعا قبول کی ہے اور اس لئے میں شہادت سے محروم ہو گیا ہوں۔

ضعیفہ:۔ تم نے ٹھیک سمجھا جمیلؓ۔ والدین کے لئے دنیا میں اولاد سے زیادہ کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اور میں جو اپنا سب کچھ کھو چکی ہوں۔ خدا کے بعد محض تیرے سہارے سے زندگی بسر کر رہی ہوں اور اسی لئے جب بھی تو لڑنے گیا۔ میں نے تیرے لئے سلامتی کی دعا کی۔ خدا نے میری دعا قبول کرلی۔ مگر فرزند......

یہ کہتے ہی کہتے ضعیفہ کچھ اداس ہو گئی۔ جمیلؓ نے کہا۔ لیکن کیا امی جان"

ضعیفہ:۔ آج میں نے تیری تمنا پوری ہونے کی دعا دی ہے۔ مجھے کھٹکا ہو گیا ہے کہ شاید اب میں تجھے دوبارہ زندہ نہ دیکھ سکوں گی۔ میرے ہونہار اور فرمانبردار بیٹے میں تجھے آخری مرتبہ اپنے سینے سے لگا لوں۔

جمیل بڑھا۔ ضعیفہ نے اسے اپنے سینہ سے لگا کر بھینچتے ہوئے کہا۔ فرزند! خدا اور خدا کے رسول کا فرمان ہے کہ اگر تمہارے ماں باپ زندہ ہوں تو ان کی اطاعت کرو۔ خدمت کرو۔ ان کے سامنے اتنے زور سے نہ بولو۔ ان سے نخاصمت ہو۔ اگر وہ تم سے خوش رہیں گے تو تم یقیناً جنت میں داخل ہو گے اور خدا تمہارے بہت سے گناہ محض اس وجہ سے

معاف کر دے گا کہ تم نے اپنے ماں باپ کی فرمانبرداری کی۔ لیکن اگر بدقسمتی سے کسی سے کسی کے والدین اس کی وجہ سے ناخوش ہو گئے اور انہوں نے اس کے قصوروں کو معاف نہ کیا تو وہ نمازی۔ پرہیزگار۔ سخی اور نیک ہو۔ تو ہوتے بھی دوزخ میں ڈالا جائے گا اور اس وقت تک دوزخ میں پڑا رہے گا جب تک اس کے ماں باپ اس کی خطائیں معاف کر کے اس کے لئے بخشش کی دعا نہ مانگیں۔ میرے بیٹے! مجھے خوشی ہے کہ تو نے میری خدمت اس قدر کی ہے کہ رات دن میں تیرے لئے دعائے خیر کرتی ہی رہوں مگر........ اس وقت میری زبان سے تیری تمنا پوری ہونے کی دعا نکل گئی ہے۔ میں عورت ہوں اور بڑھیا عورت۔ میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں۔ دل بھی کمزور ہو گیا ہے اور اس وجہ سے اس وقت میرا دل بھر آیا ہے لیکن .... میں مسلمان ہوں۔ عربی خون میری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ میں جبر کروں گی۔ جا میرے چاند جہاد کر۔ تو نے میری خدمت کر کے مجھے تو راضی کر ہی رکھا ہے اب اپنے خدا اور اس کے پیارے حبیب کو بھی جہاد کر کے راضی کر۔

اب ضعیفہ نے آہستہ آہستہ جمیل کو اپنے سینہ سے علیحدہ کیا۔ جمیلؓ نے سلام کیا اور چلا۔ محبت مادری کے جوش سے مغلوب ہو کر کبھی کبھی پیچھے پھر پھر کر دیکھ لیتا تھا اس کی بڑھیا ماں کھڑی ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی۔

اب وہ اپنے خیمہ پر پہنچا تو گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور وہاں سے چل کر عیاض کے قریب جا کھڑا ہوا۔

شوق شہادت

مرسیوس نے جب مسلمانوں کو تھوڑی تعداد میں دیکھا۔ تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا کہ فتح اس کی ہو گی اور مسلمان یا تو شکست کھا کر بھاگ جائیں گے یا سب مارے جائیں گے۔ حالانکہ اگر وہ ذرا بھی عقل و تدبیر سے کام لیتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ ملک شہریاض کے ساتھ کم و بیش دو لاکھ لشکر جرار تھا اور اس کے عظیم الشان لشکر کو مسلمانوں کے اس تھوڑے ہی سے لشکر نے شکست دے کر بھگا دیا تھا اور عیسائی شہنشاہ کو میدان جنگ ہی میں مار ڈالا تھا۔

مرسیوس کے پاس نہ شہریاض کی برابر لشکر تھا نہ سازوسامان تھا مگر پھر بھی وہ مسلمانوں کی شکست دینے یا مار ڈالنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔

شاید اس کے اس خیال کی یہ وجہ تھی کہ اسے راس العین کے قلعہ پر اطمینان تھا کہ قلعہ اس قدر مضبوط ہے کہ کسی طرح فتح ہو ہی نہیں سکتا اور چونکہ قلعہ کے اندر اس قدر اراضی تھی جس میں کاشت ہو کر اس قدر اناج پیدا ہو سکتا تھا جو قلعہ کے اندر رہنے والوں کے لئے سال کے سال کافی ہوتا۔ اس لئے محصورین رسد کی تنگی سے تنگ آکر قلعہ مسلمانوں کے سپرد نہیں کر سکتے تھے لیکن مرسیوس میں جوش بھی تھا وہ خود سپاہی تھا اور اس لئے لڑائی کو صلح پر ترجیح دیتا تھا۔ چنانچہ وہ برج کے پاس سے ہٹ کر فصیل پر آیا اور اس نے عیسائیوں کو سنگ اندازی اور تیراندازی کا حکم دیا۔

اس کے حکم دیتے ہی طبل جنگ بجنے لگا۔ ہر طرف عیسائی شور و غل مچانے لگے۔ قلعہ کے اندر رہنے والوں کو معلوم ہو گیا کہ جنگ شروع ہو گئی۔

مسلمان بھی ان آوازوں کو سن کر یہ سمجھ گئے کہ عنقریب جنگ شروع ہونے والی ہے لیکن چونکہ وہ اپنی طرف سے پیش قدمی نہیں کیا کرتے تھے اس لئے اس انتظار میں تھے کہ عیسائی حملہ کریں تو وہ بھی جنگ شروع کر دیں۔

تھوڑی ہی دیر میں عیسائیوں نے پتھروں کے نوکیلے ٹکڑے فلاخنوں میں رکھ کر اپنی پوری طاقت سے پھینکنے اور مارنے شروع کر دیے۔ کچھ لوگوں نے تیراندازی شروع کر دی۔

اب عیاض نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ فوراً مسلمان ہوشیار ہو گئے اور انہوں نے جلدی جلدی کمانیں شانوں کے اوپر سے اتار اتار کر ہاتھوں میں لے لیں۔ چند ثانیے کے بعد عیاض نے دوسرا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں نے بڑی پھرتی سے ترکشوں میں سے ایک ایک تیر نکالا اور اسے کمان میں جوڑ جوڑ کر شست لگانے لگے۔ جب عیاض نے تیسرا نعرہ لگایا تو تمام مسلمانوں نے اس نعرہ کی تکرار کی ان کے پرشور نعرہ کی آواز سے میدان گونج اٹھا۔ فصیل ہل گئی۔ عیسائی کانپ گئے۔

نعرہ لگاتے ہی مسلمانوں نے فصیل کی طرف تیر چھوڑے اگرچہ عربوں کے تیر چھوٹے ہوتے تھے مگر نشانہ خوب لگاتے تھے چنانچہ ہزاروں تیر فصیل کے اوپر پہنچے اور سینکڑوں عیسائیوں کے سر و سینہ میں پیوست ہو گئے۔ کچھ عیسائی فصیل سے اس طرف گر کر زمین پر آرہے اور زمین تک آتے آتے مر گئے کچھ فصیل کے اوپر ہی گر پڑے اور تکلیف کی شدت سے تڑپنے اور چیخنے چلانے لگے۔

عیسائی طبل جنگ بجا رہے تھے۔ شور و غل کر رہے تھے زخمی چلا رہے تھے مسلمان

نعرے لگا رہے تھے۔ ان آوازوں نے مل جل کر ایسا مہیب شور پیدا کر دیا تھا کہ سننے والوں کے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے اگر کوئی کچھ بات کہتا تھا تو سمجھ میں نہ آتی تھی۔

عیسائی جوش میں آکر غیظ و غضب سے مل کھا کھا کر پوری طاقت سے فلاخنوں کے ذریعہ سے پتھروں کے ٹکڑے اور کمانوں کے ذریعہ سے تیروں کی بارش کر رہے تھے۔

مسلمان ان کے تیروں اور پتھر کے ٹکڑوں کو ڈھالوں کے اوپر روک رہے تھے لیکن پھر بھی وہ یا ان کے گھوڑے زخمی ہوتے جا رہے تھے اور بعض بعض مسلمان شہید ہو ہو کر بھی گرتے جاتے تھے۔

لیکن نہ مسلمانوں کو بیجا جوش تھا اور نہ فضول غصہ بلکہ وہ نہایت اطمینان اور بڑے استقلال سے صف در صف کھڑے تیر افگنی کر رہے تھے فصیل کے اوپر والوں کو مسلمانوں کے تیروں کا اتنا اندیشہ نہ تھا جتنا مسلمانوں کو عیسائیوں کے تیروں اور پتھروں کا تھا۔ مگر یہ عجیب بات تھی کہ عیسائی تو ڈر رہے تھے اور مسلمانوں کو کوئی خوف نہ تھا۔

اور یہ بات اور بھی عجیب تر تھی کہ جس قدر عیسائی ڈر رہے تھے اسی قدر زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے اور مسلمان جس قدر نڈر تھے اسی قدر کم زخمی ہو رہے تھے۔

یہ جنگ دوپہر سے کچھ ہی دیر پہلے شروع ہوئی تھی اور اب دوپہر ڈھلنے لگا تھا جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا جنگ کی آگ تیز ہوتی جاتی تھی اور شور و غل اور بھی بڑھتا جاتا تھا۔

یہ شور و غل محض عیسائیوں کے چیخنے چلانے اور طبل جنگ بجانے کا تھا۔ مسلمان کبھی کبھی نعرہ لگا دیتے تھے ورنہ خاموش تھے عیسائی اس کثرت سے تیر اور پتھر برسا رہے تھے کہ مسلمانوں کو ایک قدم بڑھنا بھی مشکل ہو گیا تھا اور وہ جہاں بھی تھے وہیں تیر اندازی کر رہے تھے۔

چونکہ آفتاب اپنی پوری آب و تاب سے نکلا ہوا تھا اس لئے دھوپ خوب پھیل رہی تھی اور دھوپ میں پتھر فضا میں آتے ہوئے ایسا معلوم ہو رہے تھے جیسے پرند پرواز کر رہے ہوں۔

تیر بھی ہوا کو چیرتے سن سن کرتے آ جا رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں ظہر کا وقت ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے پیچھے ہٹ کر اذان کہی اذان کی آواز سنتے ہی عیاض اور ان کے ساتھ آدھا لشکر پیچھے ہٹ کر نماز پڑھنے لگا اور آدھا لشکر جنگ کرتا رہا۔

یہ لشکر ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر کر اٹھا گھوڑوں پر سوار ہوا اور میدان جنگ میں پہنچ کر لڑنے لگا۔ اب بقیہ آدھا لشکر پیچھے ہٹا اور دوسری رکعت میں وہ شریک ہو گیا۔

چونکہ سفر میں نماز قصر ہو جاتی ہے اس لئے دو رکعت فرض ہی باقی رہ جاتے ہیں البتہ مغرب کے وقت تینوں فرض کی رکعتیں پڑھنی پڑتی ہیں اور جنگ کے وقت دو رکعتوں میں سے بھی ایک ہی باقی رہ جاتی ہے۔

نماز پڑھ کر عیاضؓ اس نصف لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں آئے اور آتے ہی شدت سے حملہ کرنے کا حکم دیا نیز مسلمانوں کو آگے بڑھنے کا بھی اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی مسلمانوں کی صفوں میں حرکت ہوئی۔ اور اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگا کر بڑھے۔

عیسائیوں نے انہیں بڑھتے ہوئے دیکھ لیا انہوں نے اور بھی تیزی اور پھرتی سے تیر افگنی اور سنگ باری شروع کر دی ساتھ ہی گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنے اور چلانے لگے اور طبل جنگ بھی زور زور سے بجایا جانے لگا اور اس طرح اس وقت شور و غل اس قدر بڑھ گیا کہ وہ دو چار چار کوس تک نہیں بلکہ آٹھ آٹھ دس دس کوس تک آواز جانے لگی۔ نازک طبیعت انسانوں کے دل الٹنے لگے۔

قلعہ والے اس شور کو سن کر فصیل کے اوپر چڑھ آئے اور جنگ کا تماشہ دیکھنے لگے انہوں نے بھی مسلمانوں کو مرعوب کرنے اور عیسائیوں کی ہمتیں بڑھانے کے لئے غل مچانا اور شور کرنا شروع کر دیا۔

اب شور اور بھی زیادہ بڑھ گیا لیکن مسلمانوں پر ان کے شور کرنے کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ وہ برابر استقلال اور اطمینان سے قدم بڑھاتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تیروں اور پتھروں کی بارش میں فصیل کی طرف بڑھنا مسلمانوں ہی کی جرات و ہمت کا کام تھا۔ وہ بڑھ رہے تھے۔ موت کا استقبال کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ ان میں سے بعض شدید طور پر زخمی ہو کر پیچھے ہٹ جاتے تھے اور بعض شہید ہو کر گر بھی جاتے تھے لیکن ان کی پیش قدمی پھر بھی نہ رکتی تھی۔ وہ برابر ڈھالوں کی آڑ سے خود بھی تیر چلاتے آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ ان کے جانستان تیر بھی عیسائیوں کو کافی نقصان پہنچا رہے تھے جو عیسائی فصیل کی دیوار سے لگے تیر اور پتھر برسا رہے تھے مسلمانوں کے تیر انہیں زخمی کر رہے تھے بعض تو ان میں سے فصیل سے نیچے گر کر مر جاتے تھے اور بعض فصیل پر ہی گر کر تڑپنے اور ہائے ہائے کرنے لگتے تھے۔

ان زخمیوں کو فوراً کھینچ کر وہاں سے ہٹا دیا جاتا تھا اور نئے تازہ دم عیسائی ان

کی جگہ لگا دیا جاتا تھا۔

ایک طرف حارثؓ اور منذرؓ کھڑے اپنے سپاہیوں کے ساتھ بڑے جوش و خروش اور پھرتی سے تیر برسا رہے تھے۔ انہوں نے کچھ آدمی ان تیروں کو اٹھانے کے لئے بھی مقرر کر دئے تھے جو عیسائی پھینک رہے تھے وہ تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور مسلمان انہیں تیروں کو استعمال کرتے جاتے تھے۔

ابھی جنگ زور شور سے ہو رہی تھی کہ فصیل کے اوپر سے ایک بڑا پتھر ہوا کو چیرتا ہوا بڑے زور شور سے آیا اور ایک مسلمان کے لگا۔ چونکہ پتھر وزنی اور بڑا تھا اس لئے مسلمان کے سینہ کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں اور وہ شہید ہو کر گرا۔

مسلمانوں کو تعجب ہوا کہ اتنا بڑا پتھر کیسے پھینکا گیا۔ انہوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ انہیں منجنیق میں سے ایک دوسرا پتھر نکل کر آتا ہوا نظر آیا۔ ابھی وہ دیکھ ہی رہے تھے کہ اس پتھر نے ایک اور مسلمان کو شہید کر دیا۔ جمیل یہ کیفیت دیکھ کر بے چین ہو گیا اسے تیر اندازی کی پوری مشق تھی اس نے تیر کمان میں جوڑ کر پوری طاقت سے چھوڑا۔ تیر سن سن کرتا چلا گیا۔

ادھر منجنیق میں تیسرا پتھر رکھا گیا اور چالیس عیسائیوں نے مل کر زنجیر کھینچنی چاہی ابھی زنجیر کھینچی بھی نہ تھی کہ جمیل کا تیر آیا اور ایک عیسائی کی آنکھ میں پیوست ہو کر دماغ توڑ کر اس کی نوک سر کے پار نکل گئی۔ وہ ہولناک چیخ مار کر گرا اور تڑپنے لگا اور تڑپتے ہی تڑپتے ٹھنڈا ہو گیا۔ مرسیوس منجنیق کے پاس کھڑا تھا وہی پتھر برسانے کا حکم دے رہا تھا اس کے پاس ہی ایک اور نوجوان کھڑا تھا جو ریشمی لباس اور جواہرات کا بیش قیمت ہار پہنے تھا۔ اس نوجوان کا نام ارسالوس تھا۔ یہ ملک شرایض کا بھائی تھا وہ بھی جنگ کا تماشہ دیکھنے کے لئے آیا تھا۔

ابھی ارسالوس۔ مرسیوس اور منجنیق چلانے والے اس عیسائی کو تڑپتا ہوا دیکھ ہی رہے تھے کہ جمیلؓ نے ایک اور تیر چھوڑا اور اس کا یہ تیر ایک عیسائی کے ایک کان میں داخل ہو کر دوسرے کان میں سے کچھ نکل کر رہ گیا۔ اس نے بھی چکر دوز لگائی اور وہ بھی گر کر تڑپنے لگا۔

مرسیوس کو غصہ آ گیا۔ اس نے بہت سے سپاہیوں کو بلا کر حکم دیا کہ جلدی جلدی منجنیق میں پتھر رکھ رکھ کر پھینکیں۔ چنانچہ فوراً پتھر رکھ کر زنجیریں کھینچی گئیں اور منجنیق نے شور کے ساتھ پتھر پھینکا۔ یہ پتھر بھی ایک مسلمان کی پیشانی میں جا کر لگا اور اس کا دماغ

ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا وہ شہید ہو کر گرا۔

جمیل کو بڑا افسوس ہوا۔ اب اس نے جلدی جلدی تاک تاک کر تیر مارنے شروع کئے اور چشم زدن میں منجنیق چلانے والوں میں سے تیس آدمیوں کو مار ڈالا۔ اس کی تیرا فگنی سے عیسائیوں میں ابتری پیدا ہو گئی اور وہ منجنیق چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔

مرسیوس کو بڑا غصہ آیا اس نے ڈپٹ کر سپاہیوں کو للکارا اور کہا یہ کیا بزدلی ہے تمہاری؟ بڑھو اور منجنیق چلاؤ۔

چنانچہ پھر کچھ لوگ ہمت کر کے آئے اور منجنیق کو چلانا شروع کیا۔ اب وہ بھی جلدی جلدی پتھر رکھ کر پھینکنے لگے یہ پتھر اسی جگہ جا جا کر پڑنے لگے جس جگہ جمیل کھڑا تھا۔

جمیل ابھی تک تیر چلا رہا تھا اور اس کا ہر تیر ایک نہ ایک عیسائی کو مار ہی ڈالتا تھا۔

عیاضؓ جمیلؓ کے قریب تھے انہوں نے کہا۔ جمیل احتیاط رکھو اب منجنیق والے تمہیں ہی نشانہ بنا رہے ہیں ذرا پیچھے ہٹ جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے کوئی پتھر آ لگے۔

جمیلؓ نے کہا۔ میری قسمت ایسی کہاں ہے۔

عیاضؓ۔ پھر بھی احتیاط اچھی ہے۔

جمیلؓ۔ احتیاط سے کیا ہو گا۔ موت اگر آنی ہے آکر رہے گی پیچھے ہٹنے یا کہیں چھپنے سے ہرگز نہ رکے گی اور اگر نہیں آنی تو کسی طرح بھی نہ آئے گی۔ پروردگار عالم نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ اینما کنتم ۔۔۔ الموت ولو کنتم فی بروج مشیدہ یعنی تم جہاں کہیں ہو گے موت تمہیں لے لے گی۔ چاہے تم مضبوط و مستحکم برجوں ہی میں کیوں نہ چھپے ہو۔

عیاضؓ۔ بیشک تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔

جمیل برابر تیر چلا رہا تھا اور اس کے تیر عیسائیوں کو قتل کر رہے تھے اس کے قریب اس کا چچا زاد بھائی رافع بھی کھڑا تھا وہ بھی تیر اندازی کر رہا تھا اور اس کے تیروں سے بھی عیسائی زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے۔

ایک مرتبہ جمیل کمان میں تیر رکھ کر چلانے ہی والا تھا کہ منجنیق سے نکلا ہوا پتھر اس زور کے ساتھ آیا کہ جمیل کو ادھر ادھر ہونے کا موقع بھی نہ دیا اور اس کے سینہ میں آکر لگا۔ اس کے سینہ کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ وہ گرا اس کے گرتے ہی رافع گھوڑے سے کود کر اس کے پاس پہنچا۔ اس نے دیکھا جمیلؓ کے ہونٹوں پر تبسم کھیل رہا ہے۔

رافع نے کہا۔ بھائی جمیل کیا حال ہے؟

جمیل نے کہا۔ خدا کا شکر ہے مجھے شہادت کی تمنا تھی آج خدا نے پوری کر دی۔ آج جب میں جنگ کرنے آیا تھا اور میری ضعیف والدہ نے مجھے دعا دی تھی کہ خدا میری آرزو پوری کرے مجھے اسی وقت معلوم ہو گیا تھا کہ آج میں شہید ہو جاؤں گا۔ ماں باپ کی دعا کبھی خالی نہیں جایا کرتی۔ پیارے بھائی میری ضعیف مادر کو میرا سلام پہنچا کر کہہ دینا۔

یا رافع الا حملت رسالتی
اے رافع! تو میرا پیغام لے جا
مخبرا انی لقیت حمامی
اور خبر پہنچا کہ میں نے موت سے ملاقات کی

وان جئت امی و اخوتی وعترتی
اور جب تو میری والدہ اور بہنوں اور عزیزوں کے پاس پہنچے
بمخصهم عنی بکل سلامی
خصوصیت کے ساتھ ان میں سے ہر ایک کو میرا سلام پہنچا

وان سالت عن العجوز لفضل لها
اگر تجھ سے میری ضعیف ماں میرا حال پوچھے تو کہہ دینا
قتیل حجار لا قتیل سہامی
کہ جمیل پتھر سے مارا گیا ہے نہ کہ تیر سے

طرحا باب الحصن لما تطالوت
قلعہ کے دروازے کے اوپر اس حال میں پڑا ہے
من الحجر الصلد اهم عظامی
کہ سخت پتھر سے ہڈیوں کے پرزے پرزے ہو گئے ہیں

رافع جمیلؓ کا یہ مرثیہ خود اس کی زبان سے سن کر اس قدر متاثر ہوا کہ اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ جمیلؓ نے کہا۔ تم روتے ہو۔ رافع! شہادت کی موت پر رونا نہیں چاہئے بلکہ خوش ہونا چاہئے تم مجھے اسی حالت میں چھوڑ دو۔ اور لڑائی جاری رکھو۔

رافع۔ مگر تمہیں تکلیف کی حالت میں چھوڑ کر کیسے چلا جاؤں۔

جمیلؓ میری یہ تکلیف چند ساعت کی ہے اور پھر یہ تکلیف دائمی راحت سے بدل جائے گی۔

اس وقت صرف تین گھڑی دن باقی رہ گیا تھا۔ چونکہ سارے دن لڑائی ہوتی رہی تھی اس لئے اب جنگ بند ہو گئی تھی۔ عیسائی اور مسلمان دونوں رک گئے تھے۔ عیسائی فصیل کے پیچھے ہٹنے لگے تھے اور مسلمان واپس لوٹنے لگے تھے۔

عیاضؓ بھی واپس لوٹے اور وہ اس جگہ پہونچے جہاں جمیلؓ زخمی پڑا تھا اور رافع اس کے پاس بیٹھا تھا۔ عیاضؓ نے دریافت کیا۔ کیا جمیل زخمی ہو گیا ہے رافع؟"

رافع نے جواب دیا۔ جی ہاں شدید طور پر زخمی ہوا ہے۔"

عیاض گھوڑے سے اتر کر جمیل کے پاس پہنچے۔ جمیل نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ پہچانا۔ سلام کیا اور مسکرایا۔

لیکن فوراً ہی اس کی حالت متغیر ہو گئی۔ آنکھیں بند ہو گئیں اور سکرات موت کا عالم طاری ہو گیا مگر اس حالت میں بھی اس کے لبوں پر تبسم تھا۔

عیاضؓ اور رافع کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عیاض نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ آہ! اس کی والدہ بہت کمزور اور بوڑھیا ہیں جوان بیٹے کی شہادت کی خبر سن کر کیسے ضبط و صبر کریں گی۔ مگر اطلاع ہونا ضروری ہے رافع چلے گئے۔ عیاض نے چند مسلمانوں کو شہیدوں کو جمع کرنے کا حکم دیا سب طرف سے شہیدوں کو لا لا کر وہیں جمع کر دیا گیا کل سترہ مسلمان شہید ہوئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں جمیلؓ کی ضعیف والدہ آگئیں۔ بیٹے کی شہادت کی خبر انہیں سنا دی گئی تھی۔ وہ غم سے دوہری ہو گئی تھیں اور ٹھوکریں کھاتی آرہی تھیں ان کا چہرہ رنج و غم میں ڈوبا ہوا تھا۔

عیاض انہیں اور ان کی حالت کو دیکھتے ہی بیحد مغموم اور متاسف ہوئے۔

ضعیفہ آکر جمیلؓ کی لاش کے سامنے کھڑی ہوئی۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا انہوں نے درد بھرے لہجہ میں کہا۔ بیٹا! شوق شہادت نے ماں کی خدمت کے خیال سے بھی بے نیاز کر دیا تھا۔ مجھ سے ہی اپنے شہید ہونے کے لئے دعا کرائی۔ میرے چاند! تو زندہ تھا تو سعید یعنی نیک تھا اور مرا تو شہید ہوا۔ تو اپنے باپ دادا اور بھائیوں کے نقش قدم پر گیا۔ میرے لال!!! خدا تجھ پر رحم کرے اور اس سفر آخرت میں تیرا ہمدم و انیس ہو۔ اور جیسا تو نے مجھے دنیا میں خوش رکھا ہے اس سے زیادہ خدا تجھے آخرت میں خوش رکھے اور اے میری آنکھوں کی روشنی! تیری شہادت اور میرے صبر سے قیامت کے روز خدا مجھے بھی بخش دے۔

ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے تار جاری تھے۔ عیاضؓ۔ رافع اور دوسرے پاس کھڑے ہوئے لوگ بھی رو رہے تھے۔ اب ضعیفہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔ یعنی سب کچھ اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والا ہے۔ یہ کہتے ہی انہوں نے چادر کے پلو سے آنسو پونچھے۔ عیاضؓ نے انہیں وہاں سے الگ ہٹا دیا۔ اور سرا پردہ کی طرف چلی گئی۔

اب تمام مسلمانوں نے جمع ہو کر شہیدوں کی نماز پڑھی۔ اور انہیں دفن کر کے واپس

ہوگئے۔

جب وہ لشکر گاہ میں پہنچے تو دن چھپ چکا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے وضو کیا اور مغرب کی نماز پڑھی اور پھر کچھ لوگ زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے لگے اور کچھ کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔

مشفق ناصح

جب لشکر اسلام واپس لوٹ گیا اور عیسائیوں نے بھی جنگ بند کر دی تو مرسیوس نے ان لوگوں کا شمار کیا جو مر کر فصیل پر ہی گر گئے تھے اور ان کی لاشیں ابھی تک فصیل پر ہی پڑی ہوئی تھیں۔ یہ سب سات سو ستر آدمی تھے وہ لوگ ان سے الگ تھے جو زخم کھا کھا کر فصیل سے نیچے خندق میں گر گئے تھے مرسیوس نے قیاساً ان کو گن لیا اور اس کی گنتی میں سو آدمی آئے گویا اس طرح آٹھ سو ستر عیسائی مارے گئے۔ مسلمان صرف سترہ ہی شہید ہوئے تھے۔

مرسیوس نے ان لاشوں کو بھی فصیل سے نیچے غاری میں ڈلوا دیا اسے اتنی توفیق بھی نہ ہوئی کہ جو لوگ ملک و قوم پر جان نثاری کر گئے تھے ان کی لاشوں کو دفن کرا دیتا۔

اب اس نے اس طرف جس طرف مسلمان فروکش تھے تمام فصیل پر اس کثرت سے آگ روشن کرا دی کہ دن کی مثال سارے میں روشنی پھیل گئی۔ یہ اس نے اس لئے کیا کہ کوئی مسلمان عیسائیوں کی نظر سے چھپ کر اندھیرے میں فصیل تک نہ آ سکے۔

ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر وہ فصیل سے نیچے اترا اور اپنے قصر میں پہنچا۔ کھانا کھایا اور پھر ایک عالیشان کرہ میں جا کر آرام کرنے لگا۔

ابھی اسے وہاں آئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک خادم حاضر ہوا۔ اس نے خادم سے دریافت کیا۔ اس وقت کیوں آیا ہے تو۔

خادم نے زمین بوس ہو کر کہا۔ "حضور والا۔ اس وقت ارسالوس حضور سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔

چونکہ مرسیوس سارا دن کام کرتا رہا تھا۔ اس لئے وہ اس وقت تھک گیا تھا اور تکان دور کرنے کے لئے آرام کرنا چاہتا تھا اسے ارسالوس کا آنا ناگوار گزرا۔ مگر ارسالوس کی ایسی ہستی نہ تھی جس کے ملنے سے وہ انکار کر دیتا اس لئے اس نے قہراً و جبراً اسے بلا لیا۔

ارسالوس آتے ہی ایک کوچ پر بیٹھ گیا۔ مرسیوس نے کہا۔ "اس وقت کیسے تکلیف کی آپ نے؟" ارسالوس نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا آپ مجھ سے اچھی طرح واقف ہیں۔ غالباً یہ بھی جانتے ہیں کہ مجھے ملک و قوم کے ساتھ کس قدر تعلق و محبت ہے۔

مرسیوس:۔ میں خوب جانتا ہوں۔ آپ شہراش آنجہانی کے چچازاد بھائی ہیں شہراش سے پہلے آپ کے والد ہی بادشاہ تھے۔ ان کے انتقال کے بعد آپ نے تخت و تاج سے دست بردار ہو کر شہراش کو بادشاہ بنوایا۔ آپ ملک و قوم کے سچے ہمدرد ہیں۔

ارسالوس۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ حکیم فراس کے اقوال مجھے یاد ہیں اور ان پر میرا عمل ہے۔

مرسیوس۔ خوب جانتا ہوں۔ ملک شہراش ہمیشہ آپ کے مشوروں پر عمل کیا کرتے تھے اور میں بھی آپ کے ہی مشوروں پر عمل کروں گا۔

ارسالوس:۔ اس میں شک نہیں کہ وہ میرے مشوروں کو غور سے سنتے اور ان پر عمل کرتے تھے انہوں نے جنگ میں جانے سے قبل مجھ سے مشورہ لیا تھا۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ عربوں سے جنگ نہ کریں۔

مرسیوس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اور یہ آپ نے کس وجہ سے کہا تھا۔

ارسالوس۔ فراس کا قول ہے کہ لوگوں کو دوسروں کی حالت اور کیفیت دیکھ کر عبرت اور نصیحت حاصل کرنی چاہئے۔

مرسیوس:۔ ان کا یہ قول مجھے بھی خوب یاد ہے۔

ارسالوس:۔ عرب وہ ہیں جو بتوں کو پوجتے تھے لڑکیوں کو قتل کر ڈالتے تھے بات بات پر آپس میں لڑ مرتے تھے اور معمولی بات کی ذرا سی لڑائی برسوں اور صدیوں تک رہتی تھی وہ متفرق تھے قبیلوں اور خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے ان میں اس قدر نااتفاقی تھی کہ وہ اتفاق کا نام بھی نہ جانتے تھے مگر جب وہ مسلمان ہوئے تو نااتفاقی کے بجائے ان میں اتفاق پیدا ہو گیا۔ وحشی پن جاتا رہا۔ انسان بن گئے۔ ان کی ساری برائیاں دور ہو گئیں اور وہ نیک انسان کہلانے کے مستحق ہو گئے۔ آج ان سے زیادہ صادق القول۔ ایماندار۔ بنی نوع انسان کا ہمدرد کوئی بھی نہیں ہے نہ ان سے زیادہ کوئی خدا رسیدہ اور پرہیز گار ہے۔

مرسیوس نے برا سا منہ بنا کر قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ یہ آپ عربوں کی تعریف کیوں کرنے لگے۔

ارسالوس نے۔ اس لئے کہ آپ سمجھ جائیں کہ عرب کیا تھے اور اب کیا بن گئے ہیں۔

مریسوس نے۔ لیکن اس سے فائدہ؟

ارسالوس نے۔ اطمینان سے سنتے رہئے میں عرض کرتا ہوں۔

مریسوس نے۔ فرمایئے۔

ارسالوس نے۔ جب وہ متفق ہو کر اٹھے تو پہلے سارے عرب کو ایک کر دیا پھر عرب سے باہر نکل کر ملک شام پر قبضہ کر لیا پھر عراق پر قابض ہو گئے۔ مصر لے لیا۔ آرمینیہ چھین لیا۔ اب ٹریپولی پر قبضہ کرتے چلے جا رہے ہیں۔ تم نے سمجھا کہ جب تک ان میں نااتفاقی رہی وہ آپس میں کٹتے مرتے رہے دنیا انہیں ذلیل سمجھتی رہی لیکن جب ان میں اتفاق ہو گیا تو ان کی طاقت ہو گئی اور اس طاقت کی وجہ سے انہوں نے عیسائیوں کی اتنی حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جس کی دنیا بھر میں دھاک تھی اس وقت عیسائیوں کی وہی حالت ہے جو اب سے چند ہی سال پہلے عربوں کی تھی۔ ہم عیش پسند ہو گئے۔ مذہب کو چھوڑ دیا۔ اتفاق ہم میں نہیں رہا۔ ہمارا ذلیل ہونا یقینی ہے۔ اس کے علاوہ دنیا بھر میں دو سلطنتیں مشہور طاقتور اور عظیم الشان تھیں ایک ہرقل اعظم کی حکومت جو شام، مصر اور عراق میں پھیلی ہوئی تھی دوسری ...... سلطنت جو ایران اور عراق عرب میں ہے پہلے سلطنت کو مسلمانوں نے ختم کر کے فتح کر لیا۔ اب سوچنے کی یہ بات ہے کہ جب اتنی بڑی سلطنت مسلمانوں کی ٹکر کو نہ سنبھال سکی تو ٹریپولی کی معمولی حکومت ان کا کیا مقابلہ کر سکے گی۔ یہی بات میں نے شیواش سے کہی تھی لیکن انہوں نے نہ مانا اور آخر انجام وہی ہوا جو مقدر تھا یعنی شکست۔

مریسوس نے۔ اچھا تو آپ میرے لئے کیا نصیحت لے کر آئے ہیں۔

ارسالوس نے۔ وہی جو شیواش کے پاس لے کر گیا تھا اور فراش کا وہی قول جو میں نے ابھی کہا تھا یعنی دوسروں کی حالت اور کیفیت دیکھ کر عبرت اور نصیحت حاصل کرو۔

مریسوس نے۔ اس سے کیا مقصد ہے آپ کا۔

ارسالوس نے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ شیواش کے ساتھ ملک کے چیدہ افسر اور پرجوش سپاہی تھے ان کی تعداد بھی دو لاکھ کے قریب تھی لیکن نہ لشکر کی کثرت کام آئی۔ نہ سپاہیوں کا جوش۔ نہ افسروں کی تجربہ کاری سب بیکار ثابت ہوئے اور شیواش مارا گیا۔ لشکر کو شکست ہو گئی۔ کیا ہمارے لئے اس میں کوئی عبرت و نصیحت نہیں ہے؟

مریسوس نے۔ کیا میں مسلمانوں سے صلح کر لوں۔

ارسالوس نے۔ دیکھئے ہمارے مذہب کے بڑے بڑے لوگ مثلاً یوقنا جبلہ عمرو۔ پرقون اور ایسے سینکڑوں نہیں ہزاروں عیسائی مذہب سے نفرت کھا کھا کر مسلمان ہو گئے اور اب مسلمانوں کے ساتھ رہ کر عیسائیوں سے لڑ رہے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام میں صداقت ہے اور وہی ایسا مذہب ہے جسے اختیار کر لینا چاہئے جس رفتار سے وہ پھیل رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت تھوڑے عرصہ میں دنیا کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ پر پھیل جائے گا۔

مریسوس کو طیش آنے لگا۔ اس وقت اس کے ہاتھ میں چاندی کا کوڑا تھا وہ کوڑے کو فرش پر دے دے کر مار رہا تھا۔ اس نے کہا۔ گویا آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں دین اسلام قبول کر لوں۔

ارسالوس نے۔ میں آپ کو اس بات پر مجبور نہیں کرتا۔ میرا کہنا تو یہ ہے کہ آپ جنگ کر کے مسلمانوں پر فتح نہیں پا سکتے۔

مریسوس نے۔ تو کیا صلح کر لی جائے۔

ارسالوس نے۔ اس وقت آپ کے سامنے دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آپ مسلمان ہو جائیں اور مسلمانوں کے دین میں شریک ہو جائیں وہ آپ کو بھائی بنا لیں اور آپ کو وہ سارے حقوق دے دیں جو ایک قدیم مسلمان کو حاصل ہیں۔ حکومت میں معاشرت میں۔ تمدن میں۔ تہذیب میں فرق نہ ہو ہر طرح سے آپ ان میں اور وہ آپ میں شامل ہو جائیں اور اگر آپ اسے پسند نہ کریں تو پھر صلح کر لیں۔ یہ بات دنیا جانتی ہے کہ مسلمان جو وعدہ کر لیتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں۔

مریسوس کو سخت غصہ آ رہا تھا اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں چنگاریاں برسانے لگی تھیں۔ وہ پیچ و تاب کھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا۔ بس یہی نصیحت تھی تمہاری۔

ارسالوس نے اطمینان کے لہجہ میں کہا۔ آپ کو اس وقت غصہ آ گیا ہے لیکن سنئے آج کی جنگ کا نتیجہ آپ نے دیکھ لیا کہ کس قدر مسلمان مرے ہیں اور کس قدر عیسائی۔ اگر یہی صورت رہی تو انجام یہ ہو گا کہ سارے سپاہی ایک ایک کر کے مارے جائیں گے ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو جائیں گے اس لئے اپنی قوم کی عورتوں اور بچوں پر رحم کیجئے اور صلح کر لیجئے۔

مریسوس غیظ و غضب میں بھرا ہوا تھا اس نے ارسالوس کے کوڑا مار کر کہا۔

بزدل۔ بے غیرت!! مجھے بزدل بنانے کا مشورہ دینے آیا ہے۔ میں سمجھ گیا تو مسلمانوں سے ساز باز کر گیا ہے۔

ارسالوس بھی اٹھ کھڑا ہوا اسے بھی غصہ آگیا۔ اس نے کہا او دنیا کے کتے تیری یہ جرات کہ ایک شہزادہ پر ہاتھ اٹھائے۔ تو وہ ہے جسے ہمارے خاندان نے اپنے ٹکڑوں پر پالا ہے۔ نمک حرام! جی تو یہ چاہتا ہے کہ ابھی تلوار سے تیرے ٹکڑے اڑا دوں۔ مگر اس وجہ سے معاف کرتا ہوں کہ میں عیسائیوں میں اس وقت جبکہ مسلمان قلعہ کو گھیرے پڑے ہیں نااتفاقی پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ مگر ذلیل کمینے!!! سن تجھے معلوم نہیں ہے مگر میں جانتا ہوں کہ قوم لڑائی کو برا سمجھتی ہے اگر تو نے صلح نہ کی تو قوم کے سنجیدہ اور برگزیدہ لوگ تجھے گرفتار کر کے مسلمانوں کے حوالہ کر دیں گے اور تیرے ٹکڑے اڑا ڈالیں گے۔

یہ کہتے ہی وہ چلنے لگا۔ مرسیوس نے بلند آواز سے کہا۔ ارسالوس! ٹھہر میری بات بھی سنتا جا۔ میں اور قوم خود اس بات کو طے کر لیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے لیکن آج کے بعد تو مجھے اپنی نحس صورت نہ دکھانا۔ اگر تو پھر بھی میرے سامنے آگیا تو میں آج کی توہین کے انتقام میں تجھے قتل کرا دوں گا۔

ارسالوس کو برابر غصہ آرہا تھا۔ اس کی آنکھیں دہک رہی تھیں اس نے کہا۔ اطمینان رکھو تو میرے سامنے آنے کے لئے زندہ ہی نہ رہے گا۔

ارسالوس چلا گیا۔ مرسیوس کو چونکہ غصہ تھا اس لئے وہ ٹہل رہا تھا کچھ ہی دیر کے بعد خادم پھر آیا۔ اس نے کہا۔ حضور! مقدس باپ تشریف لا رہے ہیں۔

مرسیوس نے کہا آنے دو۔

خادم چلا گیا۔ اور مرسیوس کوچ پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی رہبہ منظوریہ کا بڑا پادری کمرہ میں داخل ہوا اسے دیکھتے ہی مرسیوس اٹھ کھڑا ہوا اور جب پادری کوچ پر بیٹھ گیا تب وہ بھی اس کے سامنے والی کوچ پر بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔

قربانی

پادری نے مرسیوس کے چہرہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ آپ کے چہرے سے غیظ و غضب کے آثار ظاہر ہیں۔ کیا کوئی نئی بات ہو گئی ہے۔

مرسیوس نے طنزیہ لہجہ میں کہا۔ جی ارسالوس مجھے مشورہ دینے آئے تھے۔

پادری:۔ غالباً صلح کے لئے کہتے ہوں گے۔

مرسیوس:۔ نہیں......... کہتے تھے کہ مسلمان ہو جاؤ۔

پادری نے حیرت سے مرسیوس کو دیکھ کر کہا۔ مسلمان ہونے کی تلقین کرتے تھے۔

مرسیوس:۔ جی ہاں۔

پادری:۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ شخص جس نے سلطنت محض اس لئے پسند نہ کی کہ وہ مذہبی آدمی بن گیا تھا جس نے اپنی ساری عمر مذہبی کتابیں پڑھنے اور عبادت کرنے میں گزار دی وہ آج مذہب سے روگردان ہو کر اسلام کی طرف جھک گیا۔

مرسیوس:۔ جی ہاں۔

پادری:۔ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے دماغ میں فتور آگیا ہے۔

مرسیوس:۔ میں نے بھی یہی سمجھا اور اسے یہ کورا کار کر تنبیہ کر کے چھوڑ دیا۔

پادری:۔ خوب کیا۔ ایسے لوگ جو مسلمان ہونے کی ترغیب دیں یا مسلمانوں سے صلح کرنے کا مشورہ دیں غدار ہیں۔ ملک و قوم کے دشمن ہیں۔ ان کی سزا کم سے کم قتل ہے۔

مرسیوس:۔ اور آئندہ میں اس پر عمل کروں گا۔

پادری:۔ اگر ایسا نہ کیجئے گا تو اندیشہ ہے کہ کہیں یہ خبط عیسائیوں میں عام نہ ہو جائے۔

مرسیوس:۔ میں ہر اس عیسائی کو مار ڈالوں گا جو مسلمانوں کو اچھا بتائے گا یا اسلام کی تعریف کرے گا۔

پادری:۔ میری سمجھ میں نہیں آتا یہ عیسائی کیوں بیوقوف بن گئے ہیں۔ کیا وہ نہیں سمجھتے کہ اسلام عیسائیت کو مٹا رہا ہے مسلمان عیسائیوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں عیسائیوں کا تو مسلمانوں سے قیامت تک اتفاق ہو ہی نہیں سکتا۔ عیسائیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو مٹانے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھیں۔ جب موقع پائیں انھیں ختم کر دیں اور یا لالچ سے۔ فریب سے۔ زور سے۔ جبر سے غرض جس طرح بھی ہو مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کریں۔

مرسیوس:۔ مگر یہ کمبخت مسلمان کچھ ایسے بیہودہ لوگ ہیں کہ کسی طرح بھی

عیسائی ہونا منظور نہیں کرتے نہ لالچ میں آتے ہیں نہ فریب میں۔ نہ ڈرتے ہیں نہ دبتے ہیں۔

پادری: اس کی یہ وجہ ہے کہ ہم عیسائی شراب کو برا نہیں سمجھتے۔ سور کا گوشت کھاتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں مسلمان حرام سمجھتے ہیں اسی وجہ سے وہ عیسائی مذہب سے نہیں بلکہ عیسائیوں سے نفرت کرتے ہیں۔

مرسیوس: بالکل ٹھیک فرمایا آپ نے۔ اگر عیسائی ان دونوں چیزوں کو چھوڑ دیں تو شاید مسلمان عیسائیت کی طرف جھک جائیں۔

پادری: ہاں میرا ایسا ہی خیال ہے لیکن عیسائی شراب کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ بغیر اس کے وہ رہ ہی نہیں سکتے۔ نہ سور کو کھانا چھوڑ سکتے ہیں۔ خیر ان باتوں کو رہنے دو۔ میں اس وقت ایک خاص بات کہنے کے لئے آرہا ہوں۔

مرسیوس نے ہمہ تن متوجہ ہو کر کہا۔ "فرمائیے کیا بات ہے؟"

پادری: دوپہر کے وقت مجھ پر ذرا غنودگی طاری ہو گئی تھی تو میں نے ایک پادری کو خواب میں دیکھا وہ کہہ رہے تھے کہ تم اگر قلعہ کو بچانا چاہتے ہو تو قربانی دو۔ میں نے دریافت کیا۔ کس چیز کی قربانی دیں۔ وہ ابھی جواب بھی نہ دینے پائے تھے کہ کمبخت دو کبوتر لڑتے لڑتے میرے اوپر آپڑے اور میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

مرسیوس نہایت توجہ سے اس کی گفتگو سن رہا تھا اس نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔

"ان منحوس کبوتروں نے کب کی دشمنی نکالی ہے۔"

پادری: ایسا نالائق جانور ہے کہ اور کچھ نہیں تو لڑتے ہی لڑتے میرے اوپر آپڑے میں ایک دم چونک کر اٹھ بیٹھا غصہ تو ایسا آیا کہ ان کی ٹانگیں چیر کر پھینک دوں۔

مرسیوس: ضرور ایسا ہی کرنا چاہئے تھا مگر آپ ٹھہرے مذہبی آدمی۔ آپ کو ان جانوروں پر ترس آیا ہو گا۔

پادری: جی نہیں۔ بات یہ ہوئی کہ وہ میرے چونکتے ہی اڑ گئے۔ اور میں انہیں غصہ سے گھورتا ہی رہ گیا۔

مرسیوس: پھر آپ نے کچھ غور بھی کیا کہ ہمیں کس چیز کی قربانی دینی چاہئے۔

پادری: میں دوپہر سے اب تک یہی بات سوچتا رہا ہوں۔

مرسیوس: کوئی بات سمجھ میں آئی۔

پادری: بہت کچھ غور و خوض کرنے پر ایک بات سمجھ میں آتی ہے۔

مرسیوس: کیا۔

پادری: مسلمانوں کی قربانی دی جائے۔

مرسیوس نے خوش ہو کر کہا۔ واللہ خوب سمجھا۔ ہم قربانیاں تو ہر قسم کی کرتے ہی رہتے ہیں۔ مثلاً کوئی سیم و زر کی خیرات کرتا ہے کوئی زر اور زمین کی خیرات کرتا ہے کوئی اپنی لڑکی کو گرجہ میں دے دیتا ہے غرض یہ سب قربانیاں ہی ہیں اور یہ ہم کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ان میں سے کسی چیز کی قربانی کے لئے تو وہ ولی اللہ پادری ہرگز بھی کہنے نہ آتے ضرور ان کمبخت مسلمانوں کی قربانی کے لئے کہنے آئے ہوں گے۔"

پادری: میں نے تو یہی نتیجہ نکالا ہے۔

مرسیوس: یہ بالکل قرین قیاس ہے لیکن کتنے مسلمانوں کو ذبح کیا جائے۔

پادری: فی الحال صرف پانچ کو۔

مرسیوس: نہایت مناسب ہے۔

پادری: مناسب ہے تو لیکن مسلمانوں کا محافظ عاصم ہے اور اسے میری اس تجویز سے اتفاق نہیں ہے۔

مرسیوس نے تعجب سے پادری کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں؟"

پادری: وہ کہتا ہے کہ یہ وحشیانہ قربانی ہے۔

مرسیوس: بیوقوف ہے میں ابھی اسے بلا کر سمجھائے دیتا ہوں۔

پادری: میں اسی لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔

مرسیوس نے دستک دی خادم آیا۔ مرسیوس نے کہا۔ دیکھو ایک سوار کو بعجلت تمام دیہ میں بھیج دو۔ اور کہہ دو کہ وہ عاصم کو اپنے ساتھ لے کر آئے۔

بہت بہتر حضور۔" کہہ کر خادم چلا گیا۔

پادری نے کہا۔ "عاصم کے ساتھ جو اس کے غلام آئے ہیں مجھے تو وہ مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔

مرسیوس: جی ہاں پہلے وہ مسلمان ہی تھے اب عیسائی ہو گئے ہیں۔

پادری: اگر یہ بات ہے تو ابھی کچے عیسائی نہیں ہوئے۔

مرسیوس: کیوں؟

پادری: اس لئے کہ گرجہ میں نماز پڑھنے کے لئے نہیں آتے۔

مرسیوس نے ہنس کر کہا۔ "اور عیسائیوں میں نماز پڑھتا ہی کون ہے۔

پادری:۔ ہاں بڑے لوگ تو نہیں پڑھتے مگر چھوٹے آدمی تو پڑھتے ہی ہیں۔

مرسیوس:۔ بس سب ایسے ہی پڑھتے ہیں اور سوچئے تو نماز کی ضرورت بھی کیا ہے جب ہم ہر ہفتہ اپنے گناہوں کا اقرار پادریوں کے سامنے کر کے معافی چاہ لیتے ہیں پھر نماز پڑھ کر ہی کیا کریں گے۔

پادری:۔ نہیں نہیں۔ یہ بڑی غلطی ہے نماز ضرور پڑھنی چاہئے۔

مرسیوس:۔ عیسائی نماز کو ضروری نہیں سمجھتے۔

پادری:۔ اور یہ ان کی غلطی ہے مسلمانوں میں ایک بات بڑی اچھی ہے۔

مرسیوس:۔ کیا؟

پادری:۔ وہ نماز کے بڑے پابند ہیں۔ یہ جس قدر بھی قیدی ہیں بڑی پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں مجھے ان کی یہ بات بہت پسند ہے۔

مرسیوس:۔ ان کی بات رہنے دیجئے ان کے یہاں پادری کہاں ہیں۔ جو ان کے ہفتہ بھر کے گناہ بخشوا دیں۔

پادری:۔ ہاں یہ آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔

اب خادم آیا۔ اس نے کہا۔ "حضور والا! عاصم آ رہے ہیں۔"

عاصم کا نام سنتے ہی پادری اور مرسیوس اٹھے اور اس کی تعظیم کے لئے بڑھے۔ دروازہ پر عاصم مل گیا۔ دونوں نے اس سے ہاتھ ملائے اور اسے لے کر کوچ کے قریب آئے۔ تینوں تین کوچوں پر بیٹھ گئے۔ عاصم نے بیٹھتے ہی دریافت کیا۔ اس وقت رات کو میری طلبی کی کیا ضرورت پیش آئی۔

مرسیوس:۔ معاف کرنا آپ کو بے وقت تکلیف دی گئی۔ مگر ضرورت ہی ایسی لاحق ہو گئی تھی۔

عاصم:۔ فرمایئے کیا ارشاد ہے۔

مرسیوس:۔ بزرگ اور مقدس باپ نے (پادری کی طرف اشارہ کیا) دوپہر خواب دیکھا ہے کہ کوئی خدا رسیدہ بزرگ فرما رہے ہیں کہ قربانی کرو لیکن قبل اس کے کہ وہ دریافت کرتے کہ کیا قربانی دیں کہ دو شریر کبوتر لڑتے ہوئے آپ کے اوپر آ پڑے اور آپ دریافت نہ کر سکے آپ نے بڑے غور و خوض کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مسلمانوں کی قربانی کی جائے۔

عاصم:۔ مقدس باپ نے مجھ سے بھی ارشاد فرمایا تھا۔

مرسیوس:۔ معلوم ہوا ہے کہ آپ کو اس میں کچھ اختلاف ہے۔

عاصم:۔ کوئی خاص بات اختلاف کی نہیں ہے۔ میری طرف سے آپ اسی وقت سارے مسلمانوں کو ذبح کر ڈالیں۔ میں نے اس لئے کہا تھا کہ ابھی جنگ ہو رہی ہے معلوم نہیں کس کروٹ اونٹ بیٹھے لیکن اگر آپ مصلحت کو مناسب نہیں سمجھتے تو ذبح کر ڈالئے۔

مرسیوس:۔ مگر ہم سب کو ذبح کرنا نہیں چاہتے۔

عاصم:۔ اور؟

مرسیوس:۔ صرف پانچ آدمیوں کو۔

عاصم:۔ اور وہ پانچوں آدمی ان کے سردار ہوں گے؟

پادری:۔ نہیں۔ وہ کوئی ہوں۔

عاصم:۔ کچھ حرج نہیں۔

مرسیوس نے پادری سے دریافت کیا۔ قربانی کس وقت ہونی چاہئے۔

پادری:۔ صبح نماز پڑھنے کے بعد۔

عاصم:۔ بہتر ہے میں پانچ مسلمانوں کو جیل خانہ سے نکلوا رکھوں گا۔

پادری نے مرسیوس سے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ شہر اور قلعہ کے تمام معزز لوگ اور سارے فوجی سردار صبح کی نماز کے وقت بیت المقدس میں آ جائیں تاکہ ان کے سامنے قربانی بھی ہو جائے اور سب مل کر فتح کی دعا بھی مانگیں۔

مرسیوس۔ نہایت مناسب خیال ہے آپ کا۔ میں سب کو بلانا اس لئے بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ان سے آخری دم تک لڑنے کا حلف اٹھاؤں۔

پادری:۔ بہت ٹھیک۔ تو یہ انتظام آپ کر دیں۔ کہ ہر شخص کو صبح گرجہ میں آنے کی اطلاع ہو جائے۔

مرسیوس:۔ میں ابھی آپ کے سامنے ہی احکام جاری کئے دیتا ہوں۔

یہ کہتے ہی اس نے دستک دی خادم حاضر ہوا۔ مرسیوس نے کہا۔ ہمارے خاص رسالہ کے افسر کو حکم دو کہ وہ قلعہ اور شہر کے تمام معزز آدمیوں کو اور لشکر کے چھوٹے بڑے افسروں کو اطلاع دے دے کہ بڑے گرجہ میں فتح کی دعا مانگی جائے گی۔ سب سورج نکلتے ہی وہاں آ جائیں۔

خادم سر اطاعت جھکا کر چلا گیا۔

اب پادری اور عاصم اٹھ کر روانہ ہوئے۔ مرسیوس بھی اس کمرے سے دوسرے میں چلا گیا۔

تیسواں باب

جوش انتقام

جب قرباقوس اخلاط سے آیا تھا تو اپنے ساتھ ایک ہزار لشکر لایا تھا اس کا لشکر ایک جگہ قیام پذیر تھا اور وہ معہ چند ساتھیوں کے اتفاقیہ اس طرف آنکلا تھا جہاں پرونہ اور طاہرہ تھیں اور وہاں وہ اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں سے مارا گیا تھا۔

اس کے لشکر نے شام تک اس کی واپسی کا انتظار کیا۔ آخر شام کے وقت ایک سوار جو وہاں سے بھاگ نکلا تھا پریشان حال آیا اور اس نے آتے ہی قرباقوس اور اس کے ساتھیوں کے مارے جانے کا تمام واقعہ کہہ سنایا۔

وہ اس وحشت اثر خبر سن کر نہایت فکرمند اور سراسیمہ ہوئے اور اسی وقت وہاں سے اس خوف سے چل دیے کہ کہیں عرب اس طرف نہ آجائیں اور ان کا بھی خاتمہ نہ کر دیں۔

ابتدائی رات کے وقت وہ روانہ ہو کر ساری رات چلتے رہے اور دوپہر کے قریب اخلاط میں داخل ہو گئے۔ اس لشکر کا افسر فوراً اخلاط کے بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوا۔ بادشاہ کو معلوم تھا کہ وہ کہاں گیا تھا۔ اور کس لئے گیا ہے چنانچہ اس نے اس سے دریافت کیا تم کیا کہنا چاہتے ہو۔

افسر نے جواب دیا۔ "عالی جاہ! میں حضور وزیر اعظم کے ساتھ گیا تھا۔"

بادشاہ نے غور سے اس کی طرف دیکھ کر دریافت کیا۔ تم رقیان پہنچ گئے تھے؟

افسر۔ نہیں حضور۔

بادشاہ۔ شاید قرباقوس نے راستہ ہی سے تمہیں کوئی خاص خبر دے کر بھیجا ہے۔

افسر۔ یہ بات بھی نہیں ہے۔

بادشاہ نے حیرت سے اسے دیکھ کر کہا۔ اور کیا بات لے کر آئے ہو تم؟

افسر نے افسردگی کے لہجہ میں کہا۔ حضور میں ایک بد خبر سنانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

بادشاہ نے کچھ افسردگی کے انداز سے اسے دیکھ کر دریافت کیا۔ کیا؟

افسر۔ عالی جاہ! وزیر اعظم مارے گئے۔

بادشاہ کی آنکھیں فرط حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس نے پوچھا۔ کیسے؟

افسر۔ حضور راستہ میں کچھ عرب مل گئے انہوں نے انہیں مار ڈالا۔

حضور۔ اور تم کہاں تھے؟

افسر۔ ہم پیچھے رہ گئے تھے حضور! وہ ہم سے آگے جا رہے تھے۔

بادشاہ۔ افسوس! میرا بہادر اور وفادار وزیر مار ڈالا گیا۔

وہ کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ قسم ہے عیسیٰ مسیح کی میں اس کا انتقام لوں گا۔ ان عربوں کی چیرہ دستیاں حد سے بڑھ گئی ہیں۔ میں اس لڑائی کو بہت معمولی واقعہ سمجھ رہا تھا۔ خیال تھا کہ شیاش عربوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ لیکن اب معلوم ہوا میرا خیال غلط تھا مجھے ہی جا کر ان کا خاتمہ کر کے طاریون کو چھڑانا پڑے گا۔ اچھا (افسر سے مخاطب ہو کر) تم ابھی جبل السماسہ چلے جاؤ۔ اور سونی سے کہو کہ وہ لشکر لے کر کل ہی آجائے۔ ادھر میں تیار ہو جاؤں گا اس کے آتے ہی ہم دونوں رقیان روانہ ہو جائیں گے۔

افسر نے سر اطاعت جھکا کر کہا۔ بہتر ہے حضور! اور چلا گیا بادشاہ نے اسی وقت اپنے سپہ سالار کو طلب کیا۔ جب وہ آگیا تو اس سے دریافت کیا۔ "کیا چار ہزار لشکر ایسا ہے کہ کل رقیان جا سکے؟"

سپہ سالار نے کہا "جی ہاں ہے۔"

بادشاہ۔ اچھا تم اسے تیار رہنے کا حکم دو۔ اور آج ہی سامان حرب اور رسد کے بورے روانہ کر دو۔

سپہ سالار۔ بہت بہتر حضور!

سپہ سالار چلا گیا۔ بادشاہ دوسرے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

دوسرے روز شام کے وقت سونی تین ہزار لشکر لے کر آگیا۔ اس نے اپنا لشکر اخلاط سے باہر ہی خیمہ زن کر دیا اور خود بادشاہ کے پاس پہنچا۔

بادشاہ اس کے آنے سے بہت خوش ہوا۔ اس نے بڑے پیار سے اسے اپنے پاس بٹھا کر کہا۔ "چچا جان تم نے قرباقوس کے متعلق سن لیا ہوگا۔"

سونی۔ جی ہاں سن لیا۔ بڑا افسوس ہوا۔

بادشاہ: میں اب اس کا انتقام لینے اور شہزادی طاریون کو رہائی دلانے کے لئے رغبان جا رہا ہوں۔ میں نے مناسب سمجھا کہ تمہیں بھی اس مہم میں شریک کر لوں تمہاری شرکت کا حال سن کر طاریون کو خوشی ہو گی اور اسے وہ تمہاری ہمدردی سمجھ کر تمہاری طرف مائل ہو جائے گی۔

سوئی: یہ حضور نے مجھ پر بڑی عنایت کی۔

بادشاہ: کس قدر لشکر لائے ہو تم اپنے ساتھ؟

سوئی: جلدی میں صرف تین ہزار لا سکا ہوں۔

بادشاہ: کافی ہے۔ چار ہزار میرے ساتھ ہے۔ اس طرح کل لشکر سات ہزار ہو گیا۔ اگرچہ میں اور بھی دو چار ہزار لشکر ساتھ لے چل سکتا ہوں مگر مجھے شرم آتی ہے کہ میں آٹھ ہزار مسلمانوں کے مقابلہ میں دس بارہ ہزار لشکر لے چلوں۔

سوئی: وہاں تو ملک شہیاص کا لشکر بھی دو لاکھ کے قریب موجود ہے۔

بادشاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ ان بزدلوں کا ذکر نہ کرو۔

سوئی: حقیقت تو یہی ہے کہ ان کی کم ہمتی ہی نے مسلمانوں کو دلیر بنا رکھا ہے۔

بادشاہ: یہی بات ہے اچھا اب تم جا کر آرام کرو اور صبح بہت سویرے سفر کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

سوئی نے اٹھتے ہی کہا۔ "بہت بہتر ہے۔

وہ چلا گیا۔ بادشاہ بھی آرام کرنے لگا۔ اگلے روز وہ بہت سویرے اٹھا اور ضروریات سے فراغت کر کے مسلح ہو کر باہر نکلا اور لشکر کو ساتھ لے کر قلعہ سے باہر آیا یہاں سوئی مع لشکر کے تیار کھڑا تھا۔

بادشاہ اور اس کے لشکر آتے ہی وہ بھی اس کے ساتھ ہو گیا اور دونوں لشکر رغبان کی طرف چلے۔ چونکہ بادشاہ جلد سے جلد رغبان پہنچنا چاہتا تھا اس لئے اس نے لشکر کو تیزی سے چلنے کا حکم دیا تھا لشکر پوری تیزی سے چلا جا رہا تھا رات کو انہوں نے ایک جگہ قیام کیا اور صبح پھر چل پڑے۔ دوپہر کے قریب انہیں کچھ سوار پراگندہ حال آتے ملے۔ بادشاہ نے انہیں روک کر دریافت کیا۔ "تم کہاں سے آ رہے ہو۔

ان میں سے ایک سوار نے جواب دیا۔ "رغبان سے حضور۔"

بادشاہ: کیا شہیاص نے جنگ شروع کر دی۔

وہی سوار: جی ہاں جنگ بھی شروع کر دی اور شکست بھی ہو گئی۔

بادشاہ کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے کہا۔ "شکست ہو گئی۔؟ .... کیا دو لاکھ عیسائیوں کو۔

وہی سوار: جی ہاں۔

بادشاہ: شاید مسلمانوں کو امداد پہنچ گئی تھی۔

وہی سوار: نہیں حضور آٹھ ہزار مسلمانوں نے دو لاکھ عیسائیوں کو شکست دے دی۔

بادشاہ: تعجب ہے۔

وہی سوار: حضور ان کا مددگار خدا ہے۔ ان کے خدا نے ہی ان کی مدد کر کے ہمیں شکست دلائی ہے۔

بادشاہ: یہ کچھ نہیں۔ عیسائیوں کی بزدلی سے انہیں شکست ہوئی ہے۔

وہی سوار: حضور بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ ہم لوگ نہایت دلیری سے لڑے۔

بادشاہ: پھر شکست کیسے ہوئی۔

وہی سوار: کمبخت مسلمانوں نے شہیاص کو مار ڈالا۔

بادشاہ کے مرتے ہی عیسائیوں کے قدم اکھڑ گئے۔

بادشاہ: افسوس! لعنت ہے تم پر۔ تم اپنے بادشاہ کو قتل کرا کر آ رہے ہو۔ میں مسلمانوں سے شہیاص کا بھی انتقام لوں گا۔

یہ کہہ کر وہ آگے روانہ ہوا رات کو جس جگہ انہوں نے قیام کیا۔ وہاں سے قریب ہی کوئی لشکر اور پڑا تھا۔ بادشاہ نے جاسوسوں کو بھیجا تاکہ وہ خبر لائیں کہ یہ لشکر کس کا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟

چنانچہ جاسوس گئے اور تھوڑی دیر میں خبر لائے کہ یہ لشکر شہزادہ ریغون کا ہے کفرتوثا سے آ رہا ہے اور راس العین کی طرف جا رہا ہے۔

بادشاہ نے خوش ہو کر کہا۔ "کم سے کم ایک شخص سے تو انتقام لینے کا موقع قدرت نے دے ہی دیا ہے صبح ہی میں اس کا خاتمہ کر دوں گا۔

ایک جاسوس نے کہا۔ اور حضور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اسلامی لشکر راس العین کی طرف گیا ہے۔

بادشاہ: یہ اور بھی اچھا ہے۔ میں وہیں جا کر ان سے لڑوں گا۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک سوار بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ اس وقت خیمہ کے

اندر تھا۔ اطلاع ہونے پر اس نے طلب کر لیا۔ سوار نے بادشاہ کے پاس جا کر سلام کیا۔ بادشاہ نے پوچھا۔ تم کہاں سے آئے ہو۔

سوار نے جواب دیا۔ میں شہزادہ یرغون کے پاس آیا ہوں۔

بادشاہ۔ کس لئے؟

سوار۔ انہوں نے پیغام بھیجا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں اور اسلام کی تعلیم یہ بھی ہے کہ ہر مسلمان اپنے بزرگوں کی عزت و توقیر کرے۔

بادشاہ نے بگڑ کر دریافت کیا۔ وہ میری کیا توقیر کرنا چاہتا ہے۔

سوار۔ اگر آپ ان کے سپرد کوئی خدمت کریں تو وہ اسے انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔

بادشاہ۔ کیا وہ شہزادی طاروبن کو مسلمانوں کے پنجے میں سے نکال کر لا سکتا ہے۔

سوار۔ نہیں۔

بادشاہ۔ کیا وہ اسلام کو چھوڑ کر پھر عیسائی ہو سکتا ہے۔

سوار۔ نہیں۔

بادشاہ۔ پھر وہ میری توقیر کرنا چاہتا ہے۔

سوار۔ دراصل انہیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کا ارادہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا ہے۔

بادشاہ۔ یہ بالکل صحیح ہے۔

سوار۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ عیسائیوں میں مسلمانوں سے لڑنے کی جرات و ہمت نہیں ہے اس لئے آپ اس خیال کو چھوڑ دیں اور اگر آپ چاہیں تو وہ آپ کے لئے مسلمانوں سے امان نامہ حاصل کر سکتے ہیں۔

بادشاہ۔ اس امان نامہ سے مجھے کیا فائدہ ہو گا۔

سوار۔ آپ اطمینان اور آرام سے اپنے قلعہ میں رہ سکیں گے۔ کوئی آپ سے کسی قسم کا تعرض نہ کرے گا۔

بادشاہ۔ مجھے امان نامہ نہیں چاہئے۔ اس سے کہہ دینا کہ میں مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آیا ہوں۔ ضرور لڑوں گا۔

سوار۔ بہتر ہے۔

سوار جانے ہی کے لئے تو تھا کہ بادشاہ نے اسے روک کر کہا۔ "اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ چونکہ وہ مسلمان ہو گیا ہے اور میں مسلمانوں سے لڑنے کا حلف اٹھا چکا ہوں اس لئے سب سے پہلے اس سے اور اس کے لشکر سے لڑوں گا۔

سوار بادشاہ کی طرف گھوم گیا اور اس نے کہا۔ حضور نے شاید اس کے انجام پر غور نہیں کر لیا ہے۔"

بادشاہ نے طیش میں آ کر کہا۔ کس کے انجام پر؟

سوار۔ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے انجام پر۔

بادشاہ۔ میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے۔

سوار۔ لیکن مناسب ہے کہ آپ اپنے بھتیجے سے جنگ کا ارادہ ملتوی کر دیں۔

بادشاہ۔ جب وہ مسلمان ہو گیا ہے تو میرا بھتیجہ کہاں رہا۔

سوار۔ بہت خوب۔

بادشاہ۔ اس سے کہہ دینا کہ اس کے حق میں بہتر ہے کہ وہ پھر عیسائی ہو جائے۔

سوار۔ یہ ناممکن ہے۔

بادشاہ۔ کیوں۔

سوار۔ اس لئے کہ اسلام ایسا سادہ۔ سچا اور انسانی فطرت کے عین مطابق مذہب ہے کہ کوئی شخص اسے اختیار کر کے پھر اسے نہیں چھوڑ سکتا۔

بادشاہ۔ شاید تو بھی مسلمان ہو گیا ہے۔

سوار۔ جی ہاں۔

بادشاہ۔ اور تو بھی اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔

سوار۔ جی ہاں۔

بادشاہ۔ اگر میں تجھے ابھی قتل کر ڈالوں۔

سوار۔ ایک مسلمان موت کا اسی طرح خواہشمند ہوتا ہے جس طرح ایک عیسائی زندگی کا۔

بادشاہ۔ چونکہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرا پیغام گستاخ یرغون تک پہنچا دے اس لئے چھوڑے دیتا ہوں کل تجھے اور تیرے آقا یرغون کو اور اس کے تمام لشکر کو ایسی سزا دوں گا کہ دنیا لرز اٹھے گی۔

سوار۔ بہتر تو یہی تھا کہ آپ مسلمانوں سے صلح کر لیتے۔

بادشاہ۔ زبان درازی مت کرو۔ فورا میرے سامنے سے دور ہو جاؤ۔

سوار ہوا اور خیمے سے نکل گیا۔ بادشاہ کو چونکہ غصہ آگیا تھا۔ اس لئے وہ کھڑا ہو کر ٹہلنے لگا۔ دیر تک ٹہلتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد شب خوابی کے کپڑے پہن کر بستر میں جا گھسا۔

ضد کا انجام

شاید ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ جو لشکر اغلاط کے بادشاہ اور سوسی کے لشکر سے کچھ فاصلہ پر تھا وہ ریغون ہی کا تھا۔

قارئین کرام کو یہ بھی یاد ہو گا کہ حیاض نے رغبان سے قیدی اور مال غنیمت کفر توا کے قلعہ میں بھیجا تھا اور چونکہ ریغون وہاں مقیم تھا اس لئے اسے راس العین میں طلب کیا تھا۔ ریغون ڈھائی ہزار لشکر لئے راس العین جا رہا تھا وہ اغلاط والوں کے آنے سے پہلے یہاں آکر مقیم ہو گیا تھا۔ جس طرح اغلاط کے بادشاہ نے ریغون کا لشکر دیکھ کر اپنے جاسوسوں کو یہ دیکھنے کے لئے بھیجا تھا کہ وہ لشکر کس کا ہے اسی طرح ریغون نے بھی جاسوس بھیجے تھے۔ ان جاسوسوں نے جا کر بتایا تھا کہ اغلاط کا بادشاہ اور سوسی کا لشکر ہے جو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آیا ہے۔

چونکہ وہ اغلاط کے بادشاہ کو اپنا بزرگ سمجھتا تھا اور اسلام بزرگوں کی اطاعت و خدمت کا حکم دیتا ہے اس لئے اس نے ایک قاصد بھیج کر اغلاط کے بادشاہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اس ارادہ سے باز رہیں لیکن اس کے دل و دماغ میں غرور کا خبط سوار تھا اس لئے اس نے اس کے نیک مشورہ کو نہ مانا اور خود اسی سے لڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔

چنانچہ صبح ہوتے ہی اغلاط کا بادشاہ اپنے لشکر کو تیار کر کے میدان میں لے آیا اور سوسی بھی آگیا۔ مجبور ہو کر ریغون کو بھی آنا پڑا۔

ادھر ریغون نے اور ادھر بادشاہ نے لشکروں کو صف بستہ کیا جب صفیں مرتب ہو چکیں تو ریغون گھوڑا بڑھا کر بادشاہ کے لشکر کے قریب گیا۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔ "میں اپنے بزرگ چچا سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

بادشاہ سب سے اگلی صف کے آگے کھڑا ہوا۔ اس نے دریافت کیا "کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

ریغون نے کہا۔ "میں آپ کو بزرگ مانتا ہوں۔ آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مسلمانوں سے جنگ نہ کریں۔ آج مسلمانوں کا اقبال یاور ہے۔ خدا ان کا مددگار ہے ان پر فتح پانا آسان نہیں ہے۔ شہرباض دو لاکھ لشکر لے کر آیا۔ لیکن اسے شکست ہوئی اور وہ خود بھی مارا گیا۔ آپ کے ساتھ کل سات ہزار لشکر ہے آپ کیا کر سکیں گے۔ میں اطمینان دلاتا ہوں کہ جن شرائط پر آپ کہیں گے صلح کرا دوں گا۔ شہزادی طاریون کو بھی واپس دلا دوں گا.........

بادشاہ کو اس کی گفتگو سن کر غصہ آرہا تھا اس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ میں کچھ نہیں چاہتا۔ لڑنا چاہتا ہوں۔ تو لڑنے سے اس لئے جی چرا رہا ہے کہ تیرے پاس لشکر کم ہے۔ اگر اپنی خیریت چاہتا ہے تو اسلام کو چھوڑ کر عیسائی ہو جا۔ ورنہ تیرا اور تیرے لشکر کا خاتمہ کر کے ہی دم لوں گا۔

ریغون:۔ کوئی مسلمان اسلام کو کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑا کرتا۔ میں اور میرے ساتھی بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ رہا یہ کہ میں ڈر گیا ہوں اس سے بھی اطمینان رکھئے مسلمان ذرا بھی نہیں ڈرتے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ موت کا وقت۔ طریقہ اور جگہ مقرر کر دیئے گئے ہیں وہ اپنے وقت پر ضرور آئے گی۔ پھر اس سے ڈرنا کیا۔ اسی لئے مسلمان موت کا استقبال کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

بادشاہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا بہت اچھا استقبال کرو موت کا۔ گفتگو فضول ہے۔

یہ کہتے ہی بادشاہ ہٹ گیا۔ ریغون بھی لوٹ آیا۔ بادشاہ نے لشکر کو بڑھ کر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ لشکر نے بڑھنا شروع کیا۔ ریغون کا لشکر بھی بڑھنے لگا جب دونوں لشکروں میں بہت ہی کم فاصلہ رہ گیا تو سرفروش سپاہیوں نے تلواریں میانوں سے کھینچ کھینچ کر ہاتھوں میں لے لیں۔

آفتاب کی شعاعیں صیقل شدہ صاف و شفاف تلواروں پر پڑ پڑ کر انہیں اس قدر جگمگانے لگیں کہ ان کی طرف دیکھنے سے آنکھیں جھپک جاتی تھیں۔ آخر دونوں لشکر گتھ گئے اور تلواریں انسانوں کے سروں کی طرف جھکیں۔ سیاہ سیاہ ڈھالیں اٹھیں جنگ شروع ہو گئی۔ عیسائیوں نے زور زور سے نعرہ لگانے اور شور کرنا شروع کر دیا۔

چونکہ ریغون اور اس کے ساتھی مسلمان تھے۔ اس لئے انہوں نے اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگاتے ہی اس شدت سے حملہ کیا کہ عیسائی کئی قدم پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

ریغون کے ساتھ کل ڈھائی ہزار سوار تھے اور بادشاہ اور سوسی کے ہمراہ سات ہزار

لشکر تھا۔ ظاہر ہے کہ برابر کا مقابلہ تھا پھر یرغون اور اخلاط والے ایک ہی ملک کے باشندے اور ایک ہی خاندان سے تھے۔ فرق صرف یہ ہو گیا تھا کہ یرغون اور اس کی جماعت مسلمان ہو گئی تھی۔ لیکن اسلام نے ان میں اس قدر جرات۔ ہمت۔ بے خوفی اور جوش پیدا کر دیا تھا کہ وہ اپنے سے تین گنا دشمنوں سے لڑنے لگے تھے اور انھوں نے پہلے ہی حملہ اس جوش سے کیا تھا کہ اخلاط والوں کو کئی قدم پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔

ان مسلمانوں کی تلواریں نہایت زور سے بڑی پھرتی کے ساتھ چل رہی تھیں۔ ان میں ہر شخص اپنے سامنے والوں سے بڑے جوش اور استقلال کے ساتھ لڑ رہا تھا اور ذرا سا موقع پانے پر دشمن کو قتل کر ڈالتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اخلاط اور جبل السماحہ کے سپاہی بھی نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے اور وہ اس لئے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ ان کے ہم قوم سے مقابلہ ہے اگرچہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں لیکن مسلمان ہو جانے سے مسلمانوں جیسی شجاعت ان میں پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے جوش میں آ آ کر ان پر حملے کر رہے تھے مگر انہیں معلوم نہیں تھا کہ جو شخص بھی مسلمان ہو جاتا ہے وہ موت سے نہیں ڈرتا اور موت سے نہ ڈرنے والا ہی بہادر بن جایا کرتا ہے چنانچہ جس جوش و خروش سے اخلاط کے سپاہی حملہ کرتے تھے اس سے زیادہ جوش و خروش سے ان پر حملہ کیا جاتا تھا۔

یوں تو یرغون کا ہر سپاہی بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا لیکن سب سے زیادہ جرات و جوش سے خود یرغون لڑ رہا تھا جس طرف صف پر حملہ کرتا تھا اسے الٹ دیتا تھا۔ جس شخص کے تلوار مارتا تھا اسے مار ڈالتا تھا۔ گویا اس کی تلوار موت کا فرشتہ بن گئی تھی جو ہر اس شخص کی روح کھینچ لیتی تھی جسے چھو جاتی تھی۔

سوئی اور اخلاط کا بادشاہ دونوں باگیں ملائے لڑائی میں مشغول تھے وہ اپنے سپاہیوں کو جوش دلا رہے تھے اور لڑ بھی رہے تھے۔ لیکن ان دونوں کے ساتھ ساتھ ان کے سپاہیوں کا جم غفیر رہتا تھا جس طرف وہ حملہ کرتے تھے اسی طرف وہ بھی حملہ آور ہوتے تھے جس طرف وہ جھکتے تھے اسی طرف وہ جھک جاتے تھے۔ گویا یہ رسالہ بادشاہ اور شہزادہ کی حفاظت کی غرض سے ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ لیکن ان کی ہزار کوشش کرنے پر بھی وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے تھے ایک ہی جگہ چکر لگا رہے تھے۔

یرغون کے ہمراہی نہایت زور سے حملے کر رہے تھے ان میں سے ہر سپاہی خونخوار شیر بنا ہوا تھا جس طرف حملہ کرتا تھا دشمن سامنے سے ہٹ جاتے تھے اور جو نہ ہٹتا تھا وہی ڈھیر ہو کر رہ جاتا تھا۔ جوں جوں آفتاب اونچا ہوتا جاتا تھا دھوپ پھیلتی جاتی تھی۔ لڑائی کا زور بڑھتا جاتا تھا زخمی چلا رہے تھے۔ عیسائی چیخ رہے تھے گھوڑے ہنہنا رہے تھے۔ ان تمام آوازوں سے میدان جنگ گونج رہا تھا۔ تلواریں جلد جلد بلند ہو رہی تھیں۔ ہاتھ اور سر کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون کے فوارے ابل رہے تھے زمین سرخ ہو گئی تھی اور لڑنے والوں کے لباس بھی سرخ رنگ میں ڈوبتے جا رہے تھے۔

محاذ جنگ دور تک پھیلا ہوا تھا اور جہاں تک سپاہی پھیلے ہوئے تھے وہیں تک جنگ ہو رہی تھی۔ لڑنے والے اپنی ہستیوں کو بھولے ہوئے تھے بڑھ بڑھ کر جوش میں آ آ کر لڑ رہے تھے گویا انہیں صرف لڑنا ہی یاد رہ گیا تھا اور سب کچھ بھول گئے تھے۔ عیسائی مسلمانوں میں اور مسلمان عیسائیوں میں گھس گئے تھے اور جو جہاں پہنچ گیا تھا وہیں لڑ رہا تھا اس میں شک نہیں کہ عیسائی پورے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے ان کی تعداد بھی زیادہ تھی مگر یہ عجیب بات تھی کہ وہی قتل بھی زیادہ ہو رہے تھے۔

یرغون یہ بھولا ہوا تھا کہ وہ کون ہے کس سے لڑ رہا ہے وہ ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے میں تلوار لئے نہایت جوش و جانبازی سے لڑ رہا تھا۔ اس کے ساتھ صرف پانچ سوار تھے اور چھٹا وہ تھا جس طرف یہ چھ پرجوش مجاہدین حملہ کرتے تھے دور تک مارتے کاٹتے نکل جاتے تھے انہوں نے بہت عیسائیوں کو مار ڈالا تھا اور جس شان سے وہ حملے کر رہے تھے اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ چھ نہیں ہیں۔

یرغون نے سوئی کو دیکھا اتفاق سے وہ اس کے قریب آگیا تھا۔ اس نے اور اس کے پانچ ساتھیوں نے تقریباً دس سپاہیوں کو مار ڈالا ان کا یہ جوش و خروش دیکھ کر سوئی کے سپاہیوں میں ہراس طاری ہو گیا۔ وہ پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے پیچھے ہٹتے ہی سوئی اور اخلاط کا بادشاہ دونوں سامنے آگئے۔ یرغون نے بڑھ کر سوئی پر حملہ کیا اور اس کے ساتھی سوئی کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے۔

سوئی بھی بہادر تھا وہ بھی مقابلہ میں آگیا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی محبوبہ شہزادی طاریون کو یرغون نے گرفتار کر کے مسلمانوں کے حوالہ کر دیا ہے۔ اس لئے اس پر بے حد غصہ تھا۔ آج قسمت نے دونوں کو مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ اس لئے سوئی نے نہایت جوش سے یرغون پر حملہ کیا۔ یرغون نے نہایت چابکدستی سے اس کا حملہ روک کر خود بھی حملہ کیا۔ سوئی کو اس تلوار میں موت کی جھلک نظر آئی۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹنا چاہتا تھا کہ تلوار اس کے سر پر پڑی۔ چونکہ وہ چاندی کا خود پہنے تھا اس لئے خود سے پھسل کر شانہ پر پڑی

اور شاہ کی زنجیر کو کاٹ کر اصلی کے قریب کھسک چلی گئی۔

اس زخم کے آنے سے سوس کے جسم میں آگ سی لگ گئی۔ اس نے جلدی سے گھوڑا موڑا اور بے تحاشہ بھاگ پڑا۔ اس کے بھاگتے ہی بادشاہ بھی بھاگا۔ برغون کے امراء اس کے پیچھے دوڑے۔ لیکن فوراً برغون نے آواز دے کر کہا ان کا پیچھا مت کرو۔ وہ میرے بزرگ بچے ہیں۔

اس کی آواز سنتے ہی اس کے ساتھی لوٹ آئے اور انہوں نے لوٹتے ہی اخلاط والوں پر حملہ کر دیا۔

بادشاہ اور شہزادوں کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر عیسائیوں پر خوف چھا گیا وہ بھی بھاگ پڑے اور اس طرح ایک محاذ پر عیسائیوں کو شکست ہو گئی۔

ساتھ ہی مسلمانوں نے ہر محاذ پر سختی سے حملے شروع کر دیے اور بعض نے پکار پکار کر کہہ دیا کہ اخلاط کا بادشاہ مارا گیا۔ عیسائیوں کو شکست ہو گئی عام عیسائی اس خبر کو سن کر گھبرا گئے۔ انہوں نے گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھا انہیں ان کے ہم قوم بھاگتے نظر آئے۔ وہ سمجھ گئے کہ ضرور بادشاہ مارا گیا اور اخلاط والے شکست کھا کر بھاگ گئے۔

جو عیسائی اب تک لڑ رہے تھے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ ہر محاذ سے شکست کھا کھا کر بھاگنے لگے میدان جنگ میں ایک بھی نہ ٹھہرا۔ ان کے بھاگتے ہی مسلمانوں نے ان کا تعاقب شروع کر دیا اور دور تک انہیں مارتے کاٹتے ان کے پیچھے لگ چلے گئے۔ لیکن جب وہ بہت دور نکل گئے تب یہ لوگ لوٹ آئے اور انہوں نے سب سے پہلے بادشاہ اور سوس کے کیمپ پر چھاپہ مارا اور ان کا تمام سامان اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے شہیدوں کو ایک جگہ جمع کیا۔ ایک سو تیرہ آدمی شہید ہوئے تھے لیکن عیسائی تقریباً ڈھائی ہزار مارے گئے تھے انہوں نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھ کر انہیں دفن کر دیا اور وہاں سے راس العین کی طرف کوچ کر دیا۔

اس طرح اخلاط کا مغرور اور ضدی بادشاہ شکست کھا کر بھاگا۔ پھر اسے مسلمانوں کے مقابلہ میں آنے کا حوصلہ نہ ہوا وہ اپنی بیٹی کو بھی بھول گیا اور اخلاط میں بیٹھ کر عافیت کی دعائیں مانگنے لگا۔

سوس دو مرتبہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آیا اور دونوں مرتبہ برغون سے شکست کھا کھا کر بھاگا اس کے حوصلے پست ہو گئے اور پھر اس نے بھی مسلمانوں سے لڑنے اور طاریون کو چھڑانے کی کوشش نہ کی۔

چونکہ ان دونوں کے متعلق کسی تاریخ میں کوئی اور تذکرہ نہیں لکھا۔ اس لئے ہم نے بھی ان کے واقعات اس باب میں ختم کر دیے ہیں۔

یہ واقعہ اسی روز ہوا جس روز عیاضؓ راس العین کے سامنے پہنچ کر قلعہ پر حملہ آور ہوئے تھے اور جس روز جمیل شہید ہوا تھا۔

افشائے راز

عاصم اور پادری مرقیوس سے رخصت ہو کر ہیکل سندریہ کی طرف روانہ ہو گئے تھے چونکہ رات زیادہ آ گئی تھی اس لئے شہر کے بازار بند ہونے لگے تھے اور راستے سنسان ہو گئے تھے کہیں کہیں کوئی اکا دکا آ جا رہا تھا۔ چاندنی رات تھی چاند نکلا ہوا تھا۔ چاندنی چٹک رہی تھی اور اس کی ٹھنڈی روشنی میں ہر چیز چمک رہی تھی۔

قلعہ کی فصیل پر آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے اور ان شعلوں کے اوپر دھوئیں کا سائبان چھایا ہوا تھا۔ یہ دونوں ربیعہ کے اندر داخل ہوئے پادری اپنے مسکن کی طرف چلا گیا اور عاصم جمیل ناش کی طرف چلا۔

کچھ دور چل کر انہیں واسقؓ ملے۔ انہوں نے کہا "تم اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "مرقیوس کے پاس سے۔"

واسق۔ غالباً وہ مسلمانوں کو قتل کرنا چاہتا ہے۔

عاصم نے حیرت سے انہیں دیکھ کر کہا "آپ کو یہ خیال کیسے گزرا۔"

واسقؓ: میں آپ کے قیام گاہ پر گیا تھا۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ آپ کو مرقیوس نے بلایا ہے۔ اس بے وقت طلبی سے مجھے یہ خیال گزرا۔

عاصمؓ: اور آپ کا یہ خیال درست ہے۔

واسقؓ: کیا اس کا ارادہ اسی وقت انہیں قتل کرنے کا ہے۔

عاصمؓ: نہیں۔

عاصمؓ: صبح۔

واسقؓ: لیکن صبح تک تو ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

عاصم نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا کر سکتے ہیں آپ؟"

واسقؓ: ہم رات کو شبخون مار سکتے ہیں۔

عاصمؒ۔ لیکن اس کی ضرورت نہیں ہے۔

واسعؒ۔ کیوں۔

عاصمؒ۔ اس طرح ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔

واسعؒ۔ کس وجہ سے۔"

عاصمؒ۔ ہم بہت کم ہیں اور دشمن قلعہ کے اندر بہت زیادہ ہیں۔

واسعؒ نے ہنس کر کہا اس کا فکر نہ کرو۔ ہم وہ ہیں کہ ہمارا ایک ایک آدمی ایک ایک ہزار سے لڑ چکا ہے۔

عاصمؒ۔ اگرچہ یہ سچ ہے لیکن اتنی زحمت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔

واسعؒ نے عاصم کو دیکھتے ہوئے پوچھا اور کیا تدبیر سوچی ہے آپ نے؟

عاصمؒ۔ میں خالد اور یوقنا سے ملنے کے لئے جا رہا ہوں ان سے مل کر آپ کو بتاؤں گا۔

واسعؒ۔ اچھا تو آپ مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔

عاصمؒ۔ آپ کا جانا مناسب نہیں ہے۔

واسعؒ۔ تو میں آپ کی واپسی کا انتظار کروں۔

عاصمؒ۔ ہاں۔

واسعؒ۔ اچھا۔

عاصم روانہ ہوا اور واسعؒ وہاں سے ہٹ کر ایک درخت کے سایہ میں جا کھڑے ہوئے۔

عاصم جیل خانہ کے دروازہ پر پہنچا اور سپاہیوں کو تالا کھولنے کا حکم دیا۔ سپاہیوں نے تالا کھول کر پھاٹک کھول دیا۔ وہ جیل خانہ کے اندر داخل ہوا۔

یہ جیل خانہ اس قدر کشادہ تھا کہ اس میں دو ہزار قیدی رکھے جا سکتے تھے لیکن اس جیل خانہ میں کمرہ ایک بھی نہ تھا۔ صرف ایک میدان تھا جس کی دیواریں آسمان سے باتیں کرتی اٹھتی چلی گئی تھیں اور اس قدر مضبوط تھیں کہ ان کو توڑنے کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

سردی کا زمانہ تھا سرد مقام تھا ہر انسان پناہ گاہ یا سایہ کی جگہ رہتا تھا لیکن مسلمانوں کے لئے کوئی سایہ کا انتظام نہ تھا وہ آسمان کے نیچے خدا کے بنائے ہوئے فرش یعنی زمین پر رہتے تھے۔

انہیں سردی سے بچنے کے لیے جو کمبل دیے گئے تھے وہ بھی ناکافی تھے لیکن مسلمان کچھ ایسے سخت جان واقع ہوئے تھے کہ ان پر نہ سردی کا اثر تھا نہ گرمی کا نہ بھوک کا نہ پیاس کا۔

حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی خدمت کے لئے اپنی ہستیاں مٹا رکھی تھیں وہ نہ ہی نمود چاہتے تھے نہ اعزاز کے بھوکے تھے نہ دولت کے خواہشمند تھے نہ عشرت کے خوگر تھے۔ وہ چاہتے تھے خدا کی رضا جوئی اور اس کی خوش نودی وہ جانتے تھے کہ دولت عشرت کا پیش خیمہ ہے اور عیش میں انسان خدا کو بھول جاتا ہے اس لئے وہ دولت کی تمنا نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خدا ان سے خوش تھا ان کی مدد کرتا تھا۔ وہ فتح یاب ہوتے تھے دنیا جہاں پر ان کی ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ زمانہ ان کی عزت کرنے پر مجبور تھا۔

ایک ہم مسلمان ہیں کہ عزت کھو چکے ہیں۔ حکومت دوسروں کو دے چکے ہیں لیکن اب بھی آنکھیں نہیں کھلتیں ابھی تک زبانی ہے عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے ہیں خدا کو بھول کر بھی یاد نہیں کرتے نماز پڑھنا کسر شان سمجھتے ہیں۔ روزے رکھنا بھوکوں کا کام بتاتے ہیں بیکار چاہے جس قدر خرچ کر دیں حکام کی خوشنودی میں چاہے جتنا لٹا دیں لیکن فقیر کو بے نوا معذور کو بے بس بیوہ کو۔ معصوم یتیموں کو ایک پیسہ بھی دینا گناہ سمجھتے ہیں۔ جب ہماری یہ کیفیت ہے تو ہم ذلیل کیوں نہ رہیں ہماری دولت کیوں نہ برباد ہو دنیا ہمیں احمق کیوں نہ کہے۔

جب تک مسلمان خدا کو یاد نہ کریں گے۔ نماز کے پابند نہ ہوں گے روزے نہ رکھیں گے امر و نہی پر عامل نہ ہوں گے کبھی ترقی نہ کر سکیں گے۔

آج زمانہ اس بات کو کہہ رہا ہے کہ خدا پرستی ہی سے ترقی ہو سکتی ہے لیکن مسلمان جن کے گھر سے خدا پرستی نکلی ہے خدا پرستی سے بھاگتے ہیں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمیں کس بات پر فخر ہے اور کیوں ہم خدا کو بھول گئے ہیں۔ کیا ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ قیامت نہ ہو گی اور حساب نہ ہو گا اعمال کی جواب دہی نہ کرنی پڑے گی گنہگار دوزخ میں اور پرہیزگار جنت میں نہ جائیں گے۔ مسلمانو! یہ ہو گا اور ضرور ہو گا۔ سنبھلو۔ زندہ رہو۔ مگر عزت کے ساتھ خدا کو یاد کرنا شروع کر دو۔ خدا تمہاری مدد کریں گے۔ جیسے تم پہلے تھے ویسے ہی اب ہو جاؤ گے جو چاہو گے مل جائے گا۔

ہماری حالت بالکل اس غلام جیسی ہے جو آقا سے باغی ہو گیا ہو اور چاہتا ہو کہ آقا اسے وہی سب کچھ دیتا رہے جو اس وقت دیتا تھا جب وہ اس کی اطاعت کرتا تھا۔

یہ کیسے ممکن ہے۔ آقا کی اطاعت کرنے لگو۔ پیدا کرنے والے کو یاد کرو۔ وہ پھر مہربانیاں شروع کر دے گا۔ پھر دنیا جہاں پر چھا جاؤ گے۔

عاصم جب جیل خانہ کے اندر گیا تو اس نے خالدؓ۔ یوقنا اور دوسرے تمام مسلمانوں کو ایک جگہ بیٹھے دیکھا حضرت خالدؓ احادیث بیان کر رہے تھے اور سب بیٹھے سن رہے تھے۔

عاصم کو دیکھتے ہی خالدؓ چپ ہو گئے اور سب نے اسے نظریں اٹھا کر دیکھا۔

عاصم نے قریب پہنچ کر سلام کیا۔ خالدؓ نے سلام کا جواب دے کر کہا۔ "آؤ۔ عاصم! اس وقت کیسے آنا ہو گیا۔" عاصم ان کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔ "آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں پھر مسلمان ہو گیا ہوں۔"

خالدؓ: ہاں یوقنا نے اس کا تذکرہ کیا تھا لیکن ......

عاصم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن یوقنا اس وجہ سے مجھ سے کچھ مشکوک ہو گئے ہیں کہ میں انہیں گرفتار کر کے لایا ہوں۔

خالدؓ: نہ صرف یوقنا بلکہ ہم سب مسلمان بھی۔

عاصمؒ: ہونا بھی چاہئے تھا۔ کیونکہ میں نے یوقنا اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کیا تھا۔ مگر اس گرفتاری میں ایک مصلحت تھی۔

خالدؓ: کیا۔

عاصمؒ: یہ کہ ہمارا وقار و اعتماد عیسائیوں میں قائم ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں نے یوقنا کو آپ کے پاس قید کرایا اور عیسائی محافظوں کو ہٹا کر اپنے لوگ پہرہ اور حفاظت پر مقرر کرائے۔

خالدؓ: لیکن ہمیں کوئی سہولت بہم نہ پہنچائی۔

عاصمؒ: اس کی بھی میری مصلحت نے اجازت نہ دی۔ کیونکہ اگر میں آپ کے ساتھ کوئی رعایت کرتا تو ضرور پادری یا مرسیقل کو معلوم ہو جاتا اور پھر اس تدبیر میں خامی پڑ جاتی جو میں کرنے والا تھا۔

خالدؓ: اور وہ کیا تدبیر سوچی تھی آپ نے۔

عاصمؒ: آپ کو آزاد کر کے اچانک قلعہ پر حملہ کر دینا۔

خالدؓ: نہایت مبارک خیال ہے تمہارا۔ کیا اس کا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔

عاصمؒ: اب آ گیا ہے۔

خالدؓ: اور تم اس وقت اسی لئے آئے ہو۔

عاصمؒ: نہیں۔ اس وقت میں آپ کو آگاہ کرنے اور ہتھیار دینے کے لئے آیا ہوں۔

خالدؓ: خدا تم پر اپنی رحمت نازل کرے تم نے آج ہمیں سب کو خوش کر دیا۔

عاصمؒ: میں شاید ابھی ایک دو روز اور توقف کرتا۔ لیکن آج مرسیوس نے مجھے طلب کر کے کہا کہ وہ کچھ مسلمانوں کی قربانی کرنا چاہتا ہے اور اس لئے مجھے انتظار کرنا مناسب نہیں معلوم ہوا۔

خالدؓ: کیا عیسائی انسانوں کی قربانی بھی کر دیتے ہیں۔

عاصمؒ: میں عرصہ تک عیسائی رہا ہوں ان کی معاشرت اور ان کے مذہب سے خوب واقف ہو گیا ہوں۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عیسائیوں نے مذہب کو کھیل اور تفریح بنا لیا ہے۔ شراب ان کے یہاں جائز ہے جوا وہ کھیلتے ہیں۔ حرام اور حلال کی ان کے یہاں تمیز نہیں۔ شرم اور حیا کو وہ ضروری نہیں سمجھتے راہبوں اور پادریوں کی حیا سوز حرکتیں انسانی تہذیب پر ماتم کرتی ہیں۔ کبھی یہی انسانوں کی بھی قربانی کروا لیتے ہیں۔

خالدؓ: اسی لئے خدا نے عرب میں حضرت محمد صلعم کو نبی مبعوث کیا ہے اور اب خدا کا پسندیدہ مذہب اسلام ہے۔

عاصمؒ: میں بھی اس بات کا قائل ہو گیا ہوں۔

خالدؓ: اچھا تو ہمیں حملہ کس وقت کرنا چاہئے۔

عاصمؒ: صبح کے وقت جب میں نعرہ لگاؤں۔ خوش قسمتی سے عیسائیوں کی قوت انہیں کھینچ کر آپ کے پاس لا رہی ہے۔

خالدؓ: وہ کیسے؟

عاصمؒ: صبح اسی گرجہ میں تمام معززین شہر اور فوجی جمع ہو کر حلف وفاداری اٹھائیں گے ان پر حملہ کرنے کا وہی وقت ہو گا۔

خالدؓ: بہت خوب۔ اندازاً کتنے آدمی ہو جائیں گے وہ۔

عاصمؒ: شاید وہ تین ہزار ہو جائیں۔

خالدؓ: کچھ زیادہ نہیں ہیں۔

عاصمؒ: سنئے ساٹھ آدمی تو آپ کے ساتھ ہیں اور چالیس یوقنا کے اور پانچ سو میرے اس طرح چھ سو تو یہ ہوئے اور چار سو مسلمان اور ہیں۔

خالدؓ نے حیرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ وہ کون

ہیں۔

عاصمؒ:۔ واسن اور ان کے ہمراہی۔

واسنؓ کا نام سن کر خالدؓ اور ان کے تمام ساتھی سخت متحیر ہوئے انہوں نے کہا۔ "واسن؟.........وہ کیسے آ گئے؟"

عاصمؒ:۔ وہ رہبان جا رہے تھے راستہ میں مجھے مل گئے اور میں انہیں اپنے ساتھ لے آیا۔ اس طرح ہماری تعداد پوری ایک ہزار ہو گئی ہے۔

خالدؓ نے خوش ہوتے ہوئے کہا جب تو انشاء اللہ ہم بیس ہزار پر بھاری ہیں اچھا تم ہمارے لئے ہتھیار فراہم کرو۔

عاصمؒ:۔ بہتر ہے۔ لیکن یہ احتیاط رکھئے کہ ہتھیار حملہ کرنے کے وقت تک عباؤں کے نیچے چھپے رہیں۔

خالدؓ:۔ اطمینان رکھو ہم خود احتیاط رکھیں گے۔

عاصم نے یوقنا سے مخاطب ہو کر کہا میں نے آپ کے ساتھ گستاخی کی ہے کیا آپ معاف فرمائیں گے؟"

یوقنا نے مسکرا کر کہا۔ "ایسی گستاخیاں تو کوئی روز میرے ساتھ کیا کرے مجھے خوشی ہے کہ تم اسلام پر مستقل ہو گئے۔ جب تم بھائی ہو تو تمہیں مجھ پر پورا اختیار تھا۔ میں تم سے ناخوش نہیں ہوں اس طرح تمہارا خیال اور مسلمانوں کی خدمت کرتا تھا۔

عاصم مسکراتا ہوا اٹھا۔ سلام کیا اور وہاں سے نکل کر جیل خانہ سے باہر آیا اس نے قفل لگانے کو منع کر دیا اور کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر چلا جب وہ اس جگہ آیا جہاں اس سے واسن ملے تھے تو وہ رک گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

واسنؓ ابھی تک درخت کے سایہ میں کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ بڑھ کر اس کے پاس آ گئے۔ عاصم نے مختصر طور پر انہیں تمام واقعات سنا دئے وہ سن کر بہت خوش ہوئے اور وہاں سے اپنی قیام گاہ پر چلے گئے۔

عاصم اپنے مسکن پر پہنچا اور وہاں سے ڈھالیں اور تلواریں ان آدمیوں کو دے کر ہدایت کر دی کہ وہ جیل خانہ کے اندر پہنچا دیں۔ سپاہی ہتھیار لے کر چلے گئے اور عاصمؒ آرام کرنے کے لئے آرام گاہ میں داخل ہوا۔

خوفزدہ بہادر

مرسیوس بہت سویرے بیدار ہوا۔ اور ضروریات سے فراغت کر کے گرجہ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ وہ اپنے افسروں کے آنے کا انتظار کر رہا تھا اس کی آنکھیں کمرہ کے دروازہ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

چند ہی لمحہ کے بعد دروازہ کا پردہ اٹھا اور ارسالوس داخل ہوا اسے دیکھتے ہی مرسیوس کی تیوری میں بل پڑ گئے۔ اس نے کہا۔ "پھر آئے تم؟"

ارسالوس بڑھ کر سامنے کوچ پر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔ "ہاں میں پھر آیا۔ مگر ایک ضروری بات کہنے کے لئے۔"

کہو۔

ارسالوس:۔ رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔"

مرسیوس کیا؟

ارسالوس:۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہم بیعہ نسطوریہ میں جمع ہیں اور فتح یابی کی دعا مانگ رہے ہیں۔ دفعتہً" شور پیدا ہوا۔ نہایت خوفناک اور بڑا مہیب۔ ہم سب حیران ہو کر سننے لگے۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے قربان گاہ میں سے خون کا دریا ابلا اور لہریں لیتا گرجہ میں بہنے لگا۔ ہمارے بہت سے آدمی اس میں غرق ہو گئے اور ایک ایسے شخص نے جو ہم میں ہی سے تھا لیکن میں اس کی صورت نہ دیکھ سکا آپ کو اٹھا کر اس دریا میں غوطہ دے دیا۔ میں خوف سے کانپ اٹھا اور فوراً ہی میری آنکھ کھل گئی۔

مرسیوس نے مسکرا کر کہا۔ "تمہارا خواب سچا ہے۔ میں نے تمہیں اطلاع نہیں دی کہ آج ہم راس العین کے تمام معزز اور شریف لوگ بیعہ نسطوریہ میں جمع ہو کر وفاداری کا حلف اٹھاویں گے اور حلف اٹھانے کے بعد پانچ مسلمانوں کو قربان گاہ کے سامنے ذبح کریں گے۔ میں نے طے کیا ہے کہ میں مسلمانوں کے خون سے اپنی پیشانی پر تلک لگاؤں گا اور پھر ہم قلعہ سے باہر نکل کر اسلامی لشکر پر حملہ کریں گے یہی واقعات آپ نے خواب میں دیکھے ہیں۔ اس لئے آپ کا خواب سچا ہے اور اس کی تعبیر ابھی چند ہی گھنٹوں میں ظاہر ہو جائے گی۔"

ارسالوس:۔ لیکن میرا دل کہتا ہے کہ عجب نہیں جو وہاں کوئی اور ہی واقعہ پیش آ جائے۔

مرسیوس:۔ بالکل اندیشہ نہ کرو۔ چلو میرے ساتھ گرجہ میں چل کر تمام واقعات کو

خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا۔

ارسالوس نے۔ معاف کیجئے میں وہاں جانا مناسب نہیں سمجھتا۔

مرسیوس نے۔ اچھا نہ جاؤ۔ میں خود تمہیں آکر بتادوں گا۔

اب خادم داخل ہوا اس نے زمین چوم کر کہا۔ "حضور! فوجی افسر حاضر ہو گئے ہیں۔"

مرسیوس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے ان کا ہی انتظار تھا۔"

ارسالوس بھی کھڑا ہو گیا۔ دونوں چلے۔ کمرہ سے باہر نکلے یہاں بہت سے لوگ فوجی وردیاں پہنے کھڑے تھے انہوں نے سجدہ کی شان سے زمین پر گر کر اسے سلام کیا۔ اس نے چشم ابرو کے اشارہ سے سلام کیا اور کہا۔ "بڑی دیر لگا دی۔ آپ لوگوں نے۔"

ایک افسر نے کہا۔ "عالی جاہ! جب سب لوگ گرجہ میں پہنچ چکے ہم تب حاضر ہوئے ہیں۔"

مرسیوس نے۔ بہت خوب کیا تم نے۔ اچھا چلو۔

مرسیوس سب سے آگے اور فوجی افسر اس کے پیچھے چلے۔ قصر سے باہر نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور گرجہ کی طرف چل پڑے۔

ارسالوس انہیں حسرت و افسوس کی نظروں سے دیکھتا ہوا اپنے محل کی طرف چلا گیا۔

مرسیوس مع اپنی جماعت کے بیت نولوریا میں پہنچا۔ پادریوں کی جماعت گرجہ کے سامنے سے بڑے دروازہ پر اس کے استقبال کے لئے کھڑی تھی۔

یہ لوگ دروازہ پر پہنچ کر رکے۔ گھوڑوں سے اترے اور احاطہ کے اندر داخل ہوئے وردی پوش اس کے پیچھے پیچھے چلے۔ یہ سب گرجہ کی عمارت کے سامنے پہنچے یہاں سینکڑوں معزز لوگ موجود تھے وہ مرسیوس کو دیکھتے ہی جھک گئے اور جب وہ بڑھ کر گرجہ کے دروازہ میں داخل ہو گیا تو وہ بھی پیچھے چل پڑے۔

تمام گرجہ کے ہر کمرہ کو خوب آراستہ کر دیا گیا تھا۔ تازہ پھولوں کے ہار دروازوں پر محرابی صورت میں لٹکا دیئے گئے تھے اور کھانچوں اور الماریوں میں گلدانوں میں گلدستے رکھ دیئے گئے تھے۔ یہ ہار اور گلدستے خوش رنگ اور خوشبودار پھولوں کے تھے ان کی عطر بیز بو سے تمام کمرے مہک رہے تھے۔

مرسیوس جب بڑے کمرہ میں پہنچا تو اس نے وہاں بڑے پادری کو دیکھا۔ پادری نے مسکرا کر کہا۔ "راس العین کے والی کا گرجہ میں آنا مبارک ہو۔"

وہ بڑھ کر اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔ جب اس کی نظر سامنے کی دیوار کی طرف گئی تو

اسے چودہ میں پری چہرہ، شیریں ادا، کمسن اور حسین لڑکیاں کھڑی نظر آئیں ان لڑکیوں کا لباس ریشمی تھا اور بالکل اسی قسم کا تھا جیسا خالد اور دوسرے مسلمانوں نے عیسائیوں کی بنائی ہوئی بہشت میں رہنے والی لڑکیوں کا دیکھا تھا۔

لڑکیاں اپنے گداز سینوں پر ہاتھ رکھ رکھ کر سنبھل سنبھل کر کھڑی ہو گئیں بعض کی گوری پیشانیوں پر خوبصورت زلفوں کی لٹیں آپڑی تھیں۔ انہوں نے دلفریب ادا سے نازک سروں کو جھٹکا دے کر انہیں ہٹایا اور نہایت سریلے انداز میں گیت شروع کیا۔

ان کی شیریں آوازیں آہستہ آہستہ ترنم ریزی کرتی بلند ہوئیں اور بڑھتے بڑھتے تمام کمرہ میں بھر گئیں۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کمرہ کے در و دیوار سے گانے کی روح پرور صدائیں آرہی ہوں۔ یہ لڑکیاں علم موسیقی سے خوب واقف معلوم ہوتی تھیں گیت پر کیف لہجہ میں گا رہی تھیں۔ ان کی سریلی آواز کے ساتھ سننے والوں کی روحیں کمرہ کی فضا میں تیرتی پھرنے لگی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور سب محو بےخود ہو کر رہ گئے تھے۔

جو گیت یا نغمہ ان پری جمال لڑکیوں نے شروع کیا تھا اس میں حضرت عیسیٰ کے فضائل بیان کئے گئے تھے اور عوام الناس کو ان کے اقوال پر عمل کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے کتنے آدمیوں نے نصیحت سمجھ کر سنا۔ لیکن سن سب رہے تھے نہایت غور سے ہمہ تن متوجہ ہوئے۔ نغمہ ختم ہو گیا لیکن سننے والوں کی روحیں موسیقی کے سمندر میں عرصہ تک غوطہ کھاتی رہیں رفتہ رفتہ جب ان کا اثر بالکل دور ہو گیا تب وہ سب ہوش میں آئے اور سب نے ٹھنڈے ٹھنڈے سانس لئے۔

اب پادری نے اٹھ کر کہا۔ "میں تقریر کرنے کے لئے کھڑا نہیں ہوا ہوں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری ساری کوششیں بیکار گئیں ہمارے لشکر کو رہان کے میدان میں شکست ہوئی۔ ہمارا ہر دلعزیز بادشاہ وہاں مارا گیا اور اب مسلمان قلعہ پر حملہ آور ہوئے ہیں ایک عیسائی بھی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ مسلمان اس کے شہر یا قلعہ پر قبضہ کر لیں کیونکہ یہ مسلمان ملک داری کے لئے قبضہ نہیں کرتے وہ دولت حکومت اور حسین لڑکیاں نہیں چاہتے۔ بلکہ وہ ساری دنیا کو مسلمان بنانا چاہتے ہیں۔ عیسائیت کو دنیا سے مٹانا چاہتے ہیں اور یہی چیز عیسائیوں کو تکلیف دینے والی ہے عیسائی اسلام کو پھیلتے اور لوگوں کو مسلمان ہوتے نہیں دیکھ سکتے۔ اس لئے آج سب کو جمع کیا گیا ہے کہ قربان گاہ کے سامنے چل کر حلف

اٹھاؤ۔ عیسائی مذہب کی حمایت میں آخری دم تک لڑو گے۔ بولو! کیا تم یہ حلف اٹھانے کے لئے تیار ہو۔

سب نے بلند آواز سے کہا۔ "تیار ہیں۔"

پادری:۔ بس تو آؤ اور خدا کے بیٹے کے مذہب سے وفاداری کرنے کا حلف اٹھاؤ۔

یہ کہتے ہی وہ اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی مرسیوس اٹھا اور ان دونوں کے اٹھتے ہی تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت خاموشی سے آہستہ آہستہ قربان گاہ کی طرف چلے۔

اس بڑے کمرہ سے دو کمروں کے بعد وہ لمبا کمرہ تھا جس میں عیسائی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کے ایک طرف قربان گاہ تھی۔ قربان گاہ کے داہنی طرف ایک چاندی کا چھوٹا سا تخت تھا اس تخت کے اوپر حضرت عیسیٰ کا مجسمہ کھڑا تھا۔ ان کے دونوں ہاتھ اس شان سے اٹھے ہوئے تھے جیسے وہ دعا مانگ رہے ہوں۔

اس وقت حضرت عیسیٰ کے بت پر سینکڑوں ہار پڑے ہوئے تھے۔

یہ سب لوگ اس کمرہ میں آکر سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ پادری نے کہا۔ "ہر شخص اپنے اپنے نمبر سے بڑھ کر آئے اور خداوند کی تصویر کے سامنے جھک کر حلف اٹھائے کہ وہ زندگی بھر مسلمانوں سے لڑے گا۔

پادری تصویر کے سامنے جا کھڑا ہوا اور ایک ایک عیسائی بڑھ کر تصویر کے سامنے جھک کر حلف اٹھانے اور حلف اٹھا کر دوسری طرف کھڑا ہونے لگا۔

اس طرح سے تمام عیسائیوں نے ایک ایک کر کے حلف اٹھایا سب سے آخر میں مرسیوس نے بڑھ کر قسم کھائی۔ اس طرح رسمی حلف اٹھا کر وہ واپس لوٹے اور اسی ہال میں آئے جہاں لڑکیاں تھیں مگر اس وقت وہ وہاں نہ تھیں۔ کمرہ خالی تھا۔ یہاں آکر مرسیوس نے کہا۔ اب آپ کے سامنے پانچ مسلمانوں کو ذبح کیا جائے گا اور وہ اس لئے کہ مقدس باپ نے کل خواب میں ایک ولی اللہ کو دیکھا ہے انہوں نے ہدایت کی ہے کہ ہم قربانی کریں مسلمانوں کی قربانی سے زیادہ اور کس چیز کی قربانی ہو سکتی ہے۔"

ابھی کوئی اور کچھ نہ کہنے پایا تھا کہ پادری گھبرایا ہوا آیا اس نے آتے ہی کہا۔ "حضور دغا۔"

وہ سخت پریشان اور بد حواس معلوم ہوتا تھا۔ اس کا سانس پھول رہا تھا فقرہ ختم نہ کر سکا۔ سب اسے حیرت اور خوف بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ مرسیوس نے جلدی سے دریافت کیا۔ "کیسی دغا۔"

اس نے رک رک کر کہا۔ "عاصم نے دغا کی...... اس نے مسلمانوں کو رہا کر دیا۔

سب غور سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ مگر وہ رک رک کر جو کہہ رہا تھا تو اس سے ان کا خلفشار بڑھتا تھا۔ مرسیوس کو بھی الجھن ہو رہی تھی۔ اس نے کہا انہوں نے کیا کیا۔

اس نے پھر کہنا شروع کیا۔ وہ جیل خانہ سے نکل نکل کر تلواریں لئے اس طرف بڑھے چلے آرہے ہیں۔" اس وحشت خیز خبر کو سن کر تمام عیسائی خوفزدہ ہو گئے وہ گھبرا گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ مرسیوس پر بھی کچھ ہیبت طاری ہوئی۔ لیکن وہ فوراً سنبھلا اور اس نے کہا۔ "عیسائی دلیرو۔ پرواہ نہ کرو تلواریں کھینچو اور ان بدبختوں کو قتل کر ڈالو۔

یہ کہتے ہی اس نے تلوار کھینچی۔ اس کی دیکھا دیکھی اوروں کو بھی جوش آیا اور انہوں نے بھی تلواریں کھینچ لیں۔

اب مرسیوس تیزی سے چلا۔ اس کے پیچھے تمام عیسائی چلے۔ اب ان میں جنگ کرنے اور مسلمانوں کو مار ڈالنے کا جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔

وہ سب گرجہ سے نکل کر باہر آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ سامنے سے مسلمان شیروں کی طرح ننگی تلواریں لئے بڑھے چلے آرہے ہیں۔

مرسیوس نے جلدی سے عیسائیوں کو جمع کر کے صف بستہ کر دیا اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کی طرف بڑھنے لگا۔

اکیسواں باب

عیسائیوں کا فرار

مسلمان بھی اپنی صفیں مرتب کئے قدم بڑھے چلے آرہے تھے ان کی پر غضب نگاہیں عیسائیوں کی طرف لگی ہوئی تھیں سب سے اگلی صف میں خالدؓ۔ سعیدؓ۔ یوقنا۔ دامسؓ۔ ابوالہول اور عاصم معہ چند چیدہ چیدہ لوگوں کے تھے اور ان کے پیچھے دامس کے ساتھی۔ ان کے بعد عاصم کے ہمراہی تھے۔

جب وہ عیسائیوں کے زیادہ قریب آگئے تو انہوں نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا۔ نعرہ کی اس فضا سے ..... زمین لرز گئی۔ عیسائی گھبرا گئے۔

عیسائیوں کی تعداد تقریباً چار ہزار تھی۔ مسلمان صرف ایک ہزار ہی تھے پھر وہ اپنے

قلعہ کے اندر تھے گرجہ کے احاطہ کے باہر پچاس ساٹھ ہزار لڑنے والے سپاہی اور اتنے ہی اہل شہر تھے۔ انہیں ہر طرح کا اطمینان تھا ہر وقت مدد آنے کی توقع تھی مسلمانوں کو نہ مدد پہنچ سکتی تھی۔ نہ ان کی تعداد زیادہ تھی۔ ہاں انہیں خدا پر اعتماد تھا اور اسی کے بھروسہ پر جانبازی کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

وہ عیسائیوں کے قریب جا کر رکے۔ خالدؓ نے کہا۔ "عیسائیو! موت تمہارے سر پر آگئی ہے زندگی چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال دو۔"

مرسیوس نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا۔ "ہتھیار ڈال دیں......؟ تمہارے سامنے......؟ ہم تم پر رحم کر سکتے ہیں اگر تم تلواریں ہمیں دے دو اور چپ چاپ گرفتار ہو جاؤ۔

خالدؓ۔ یہ گرجہ ہے عیسائیوں کا معبد گاہ۔ ہمارے دل میں اس کا احترام ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ یہاں خونریزی کی جائے۔ اس لئے......"

مرسیوس نے قہقہہ لگا کر کہا۔ اس لئے ہم تمہیں چھوڑ دیں۔ جانے دیں یہی مقصد ہے نہ آپ کا۔

خالدؓ نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "نہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے۔"

مرسیوس نے۔ اور کیا چاہتے ہو تم۔

خالدؓ۔ ہم قلعہ کے اندر قلعہ سے جانے کے لئے نہیں آئے ہیں۔

مرسیوس نے تعجب کی نظروں سے خالد کو دیکھ کر کہا۔ گویا تم خود آئے تھے۔

خالدؓ۔ ہمیں خدا لایا تھا۔

مرسیوس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "خدا لایا تھا......یہ نہیں کہتے کہ ہم گرفتار کر کے لائے تھے۔

خالدؓ۔ ہم ہر بات کو خدا کی طرف سے سمجھتے ہیں۔

مرسیوس نے۔ خیر...... اچھا اب تم کیا چاہتے ہو۔

خالدؓ۔ تم قلعہ ہمارے حوالہ کر دو۔

مرسیوس کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے کہا۔ قلعہ کے اندر محصور ہو۔ عیسائیوں میں گھرے ہوئے ہو۔ لیکن باتیں ایسی کر رہے ہو جیسے ہم تمہارے بس میں آگئے ہیں۔

خالدؓ۔ اگر ٹھنڈے دل سے تم سوچو تو ضرور اس نتیجہ پر پہنچ جاؤ گے کہ جنگ کر کے جان گنوا کر قلعہ حوالہ کرنا پڑے گا۔

مرسیوس نے غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔ "یہ خیال ہے؟ اچھا تو سنو تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ جانے دیا جائے گا۔ ہم تو کیا لیکن تم اپنی موت کا انتظار کرو۔

اب وہ اپنے لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ دلیرو! تم نے سن لیا کہ یہ شوریدہ سر مسلمان کیا چاہتے ہیں؟ وہی جو گرجہ کے اندر تم سے مقدس باپ نے کہا تھا۔ یعنی قلعہ پر قبضہ اور قلعہ پر قبضہ کر کے تمہیں مسلمان بنانا۔ اگر تم مسلمان نہ ہونا چاہو تو موت کے گھاٹ اتار دینا۔ تمہاری عورتوں کو اپنی لونڈیاں اور بیویاں بنانا۔ تمہارے بچوں کو اپنے غلام اور خدمت گار بنا کر ان سے خدمت لینا۔ کیا تم گوارا کر لو گے کہ عیسائیت مٹ جائے۔ گرجے گرا دیے جائیں۔ عیسائی مسلمان بن جائیں تمہاری عورتیں ان کے حرم میں داخل ہو جائیں۔

مرسیوس نے۔ خودداری اسی کو کہتے ہیں۔ اچھا تو بڑھو اور ان وحشی مسلمانوں کو دکھا دو کہ تم بہادر ہو۔ بہادروں کی اولاد ہو۔ حملہ کرو اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔

عیسائیوں میں جوش و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ وہ غصہ سے سرخ ہو گئے۔ ان کے جسموں میں فرط جوش سے خون کھولنے لگا وہ شور کرتے ہوئے بڑھے۔

ان کے پیچھے پادری کھڑے تھے۔ انہوں نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں مانگنا شروع کر دیں۔

عیسائیوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں نے بھی بڑھنا شروع کیا۔ فاصلہ کتنا رہ گیا تھا۔ صرف چند قدم چلنا تھا دونوں بڑھ کر رہ گئے۔

فریقین کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں ہی مڈ بھیڑ ہوتے ہی صاف و شفاف تلواریں آفتاب کی شعاعوں میں جگمگاتی بڑھیں اور انسانوں کی طرف جھکیں ان کے جھکتے ہی کھٹ کھٹ کی آوازیں آنے لگیں۔

عیسائیوں نے نہایت جوش سے مسلمانوں پر اور مسلمانوں نے نہایت جوش سے عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ دونوں فریق کی تلواریں اٹھیں اور ڈھالوں پر جا کر رکیں۔

چونکہ فریقین پیدل لڑ رہے تھے اس لئے پہلا حملہ کرتے ہی کچھ پیچھے ہٹے اور پھر بڑھ کر حملہ آور ہوئے۔ اب تلواریں ڈھالوں سے اچٹ کر سر و سینہ میں تیرنے لگیں سر کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ دھڑ گر گر کر تڑپنے لگے خون زمین پر بہنے لگا۔

چونکہ اس وقت عیسائی اور مسلمان دونوں میں سے کوئی بھی زرہ بکتر نہ پہنے ہوئے

قلعہ کے اندر تھے گرجہ کے احاطہ کے باہر پچاس ساٹھ ہزار لڑنے والے سپاہی اور اتنے ہی اہل شہر تھے۔ انہیں ہر طرح کا اطمینان تھا ہر وقت مدد آنے کی توقع تھی مسلمانوں کو نہ مدد پہنچ سکتی تھی۔ نہ ان کی تعداد زیادہ تھی۔ ہاں انہیں خدا پر اعتماد تھا اور اسی کے بھروسہ پر جانبازی کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

وہ عیسائیوں کے قریب جا کر رکے۔ خالدؓ نے کہا۔ "عیسائیو! موت تمہارے سر پر آگئی ہے زندگی چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال دو۔"

مرسیوس نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا۔ "ہتھیار ڈال دیں......؟ تمہارے سامنے......؟ ہم تم پر رحم کر سکتے ہیں اگر تم تلواریں ہمیں دے دو اور چپ چاپ گرفتار ہو جاؤ۔

خالدؓ۔ یہ گرجہ ہے عیسائیوں کا معبد گاہ۔ ہمارے دل میں اس کا احترام ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ یہاں خونریزی کی جائے۔ اس لئے......"

مرسیوس نے قہقہہ لگا کر کہا۔ اس لئے ہم تمہیں چھوڑ دیں۔ جانے دیں یہی مقصد ہے نہ آپ کا۔

خالدؓ نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "نہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے۔"

مرسیوس نے۔ اور کیا چاہتے ہو تم۔

خالدؓ۔ ہم قلعہ کے اندر قلعہ سے جانے کے لئے نہیں آئے ہیں۔

مرسیوس نے تعجب کی نظروں سے خالد کو دیکھ کر کہا۔ گویا تم خود آئے تھے۔

خالدؓ۔ ہمیں خدا لایا تھا۔

مرسیوس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "خدا لایا تھا......یہ نہیں کہتے کہ ہم گرفتار کر کے لائے تھے۔

خالدؓ۔ ہم ہر بات کو خدا کی طرف سے سمجھتے ہیں۔

مرسیوس نے۔ خیر...... اچھا اب تم کیا چاہتے ہو۔

خالدؓ۔ تم قلعہ ہمارے حوالہ کر دو۔

مرسیوس کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے کہا۔ قلعہ کے اندر محصور ہو۔ عیسائیوں میں گھرے ہوئے ہو۔ لیکن باتیں ایسی کر رہے ہو جیسے ہم تمہارے بس میں آگئے ہیں۔

خالدؓ۔ اگر ٹھنڈے دل سے تم سوچو تو ضرور اس نتیجہ پر پہنچ جاؤ گے کہ جنگ کر کے جان گنوا کر قلعہ حوالہ کرنا پڑے گا۔

مرسیوس نے غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔ "یہ خیال ہے؟ اچھا تو سنو تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ جانے دیا جائے گا۔ ہم تو کیا لیکن تم اپنی موت کا انتظار کرو۔

اب وہ اپنے لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ دلیرو! تم نے سن لیا کہ یہ شوریدہ سر مسلمان کیا چاہتے ہیں؟ وہی جو گرجہ کے اندر تم سے مقدس باپ نے کہا تھا۔ یعنی قلعہ پر قبضہ اور قلعہ پر قبضہ کر کے تمہیں مسلمان بنانا۔ اگر تم مسلمان نہ ہونا چاہو تو موت کے گھاٹ اتار دینا۔ تمہاری عورتوں کو اپنی لونڈیاں اور بیویاں بنانا۔ تمہارے بچوں کو اپنے غلام اور خدمت گار بنا کر ان سے خدمت لینا۔ کیا تم گوارا کر لو گے کہ عیسائیت مٹ جائے۔ گرجہ گرا دیئے جائیں۔ عیسائی مسلمان بن جائیں تمہاری عورتیں ان کے حرم میں داخل ہو جائیں۔

مرسیوس نے۔ خودداری اسی کو کہتے ہیں۔ اچھا تو بڑھو اور ان وحشی مسلمانوں کو دکھا دو کہ تم بہادر ہو۔ بہادروں کی اولاد ہو۔ حملہ کرو اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔

عیسائیوں میں جوش و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ وہ غصہ سے سرخ ہو گئے۔ ان کے جسموں میں فرط جوش سے خون کھولنے لگا وہ شور کرتے ہوئے بڑھے۔

ان کے پیچھے پادری کھڑے تھے۔ انہوں نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں مانگنا شروع کر دیں۔

عیسائیوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں نے بھی بڑھنا شروع کیا۔ فاصلہ کتنا رہ گیا تھا۔ صرف چند قدم چلنا تھا دونوں بڑھ کر رہ گئے۔

فریقین کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں ہی مڈ بھیڑ ہوتے ہی صاف و شفاف تلواریں آفتاب کی شعاعوں میں جگمگاتی بڑھیں اور انسانوں کی طرف جھکیں ان کے جھکتے ہی کھٹ کھٹ کی آوازیں آنے لگیں۔

عیسائیوں نے نہایت جوش سے مسلمانوں پر اور مسلمانوں نے نہایت جوش سے عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ دونوں فریق کی تلواریں اٹھیں اور ڈھالوں پر جا کر رکیں۔

چونکہ فریقین پیدل لڑ رہے تھے اس لئے پہلا حملہ کرتے ہی کچھ پیچھے ہٹے اور پھر بڑھ کر حملہ آور ہوئے۔ اب تلواریں ڈھالوں سے اچٹ کر سر و سینہ میں تیرنے لگیں سر کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ دھڑ گر گر کر تڑپنے لگے خون زمین پر بہنے لگا۔

چونکہ اس وقت عیسائی اور مسلمان دونوں میں سے کوئی بھی زرہ بکتر نہ پہنے ہوئے

معلوم ہوتا تھا جیسے انہوں نے گوشت کے خشک پارچے لپیٹ رکھے ہوں۔ وہ بھی دوڑ دوڑ کر جھپٹ کر حملے کر رہے تھے ان کی تلوار سورتوں کے فیصلے کر رہی تھی وہ سب سے اگلی صف میں بڑھے ہوئے لڑ رہے تھے۔

ان میں کسی قدر یوقنا بھی اس جوش و خروش سے لڑ رہے تھے جس سے خالدؓ لڑ رہے تھے وہ بھی جس طرف حملہ کرتے تھے بغیر ایک دو کو قتل کئے نہ لوٹتے تھے۔

عیسائیوں کو سخت تعجب تھا کہ یوقنا بھی ایک وقت عیسائی تھے لیکن کبھی اس جوش و خروش سے نہیں لڑ رہے تھے جس سے آج لڑ رہے تھے ان کو سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مسلمان ہونے سے کیا بات ان میں بڑھ گئی تھی جو اس قدر جوش اور ایسی دلیری پیدا ہو گئی تھی۔ انہیں کیا خبر تھی کہ جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا اس کا ہو جاتا ہے اور جس کا خدا ہو جاتا ہے اس کی وہ خود حفاظت اور مدد کرتا ہے جس کی خدا مدد کرے اس کی طاقت اور ہمت کا کیا ٹھکانا باقی رہتا ہے مسلمانوں کی بہادری کا یہی راز تھا۔

یوقنا مسلمان ہو گئے تھے۔ خدا کو یاد کرنے لگے تھے۔ خدا نے ان میں بھی وہی جوش و قوت پیدا کر دیے تھے جو مسلمانوں میں تھے۔

عاصمؓ بڑے جوش سے لڑ رہے تھے وہ بھی جلدی جلدی تلواریں چلا چلا کر عیسائیوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے لیکن واسس عجب شان سے لڑ رہے تھے۔ ایک تہ بند باندھے ننگے پاؤں نیزہ ہاتھ میں لئے جنگ کر رہے تھے وہ جھپٹ کر جس عیسائی کا سینہ تاک کر حملہ کرتے تھے ان کا نیزہ اس کی پسلیاں توڑ کر اس کی پشت کے پار نکل جاتی تھی اور عیسائی خوفناک چیخ مار کر نیزہ کے اوپر جھک جاتا تھا وہ جلدی سے نیزہ کھینچ لیتے تھے زخمی زمین پر گر کر تڑپنے لگتا تھا۔

انہوں نے بیسیوں عیسائی بہادروں کو مار ڈالا تھا ان کا رعب عیسائیوں پر اس قدر چھا گیا تھا کہ جب وہ کسی کی طرف نیزہ لے کر جھپٹتے تھے تو عیسائی جلدی سے گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتے تھے یا ادھر ادھر بھاگ جاتے تھے۔

چونکہ لاشیں ہر طرف اور کثرت سے پڑی تھیں نیز خون بھی پانی کی طرح بہ رہا تھا۔ اس لئے لڑنے والے ٹھوکریں کھا کھا کر اور پھسل کر گر جاتے تھے اب ان گرنے والوں میں مسلمان ہوں یا عیسائی پھر انہیں اٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا کوئی نہ کوئی انہیں قتل ہی کر ڈالتا تھا۔

ضرارؓ نے مرنوس کو دیکھا وہ اس کی طرف جھپٹے۔ مرنوس کی بھی ان پر نظر پڑ گئی۔

وہ کانپ گیا۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔ بچاؤ بچاؤ مجھے اس شیطان سے بچاؤ۔ ضرارؓ نے اس کی آواز سن لی۔ انہوں نے کہا۔ دوزخ کے کیڑے یہاں تو تو اپنے حمایتیوں کو بلاتا ہے جب قیامت کے روز جب تجھے آگ میں پھینکا جائے گا کسے بچانے کے لئے بلائے گا۔

ضرارؓ یہ کہتے جاتے تھے اور اس کی طرف بڑھتے جاتے تھے۔ اتفاق سے کئی عیسائی ان کے اور مرنوس کے درمیان میں آگئے اور ضرار نے نیزہ مار مار کر ان میں سے دو آدمیوں کو مار ڈالا۔

مرنوس پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہو گئی تھی کہ وہ بے اختیار وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بھاگتے ہی تمام عیسائیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ بھی بھاگ پڑے مسلمانوں نے ان کا پیچھا کرنا شروع کیا اور وہ انہیں قتل کرتے احاطہ کے دروازہ تک ان کے پیچھے لگے چلے گئے تھے۔

جب عیسائی احاطہ سے باہر نکل گئے تب یہ لوگ لوٹے اور ایک جگہ جمع ہونے لگے۔ عاصم کی کوششوں اور مسلمانوں کی جرات سے اس طرح بیت سلوریہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

مسلمانوں کی حیرت

جس روز اور جس وقت یہ واقعہ جو ہم نے اس سے پہلے باب میں بیان کیا قلعہ کے بیچ میں احاطہ کے اندر ہو رہا تھا۔ اس وقت عیاضؓ حملہ کی تیاری کر رہے تھے چونکہ گزشتہ روز وہ دیکھ چکے تھے کہ مسلمان سارے دن لڑتے رہے اور انہیں کھانا نہ مل سکا اس لئے انہوں نے آج صبح کی نماز پڑھتے ہی یہ حکم دے دیا تھا کہ مسلمان بہت جلد کھانا تیار کر کے کھالیں اور چار چھ گھڑی دن چڑھے محاصرہ کرنے کے لئے میدان کی طرف چلیں۔

چنانچہ مسلمان کھانا تیار کر رہے تھے تمام لشکر گاہ میں آگ جل رہی تھی۔ دھوئیں کے غٹ بل کھا کھا کر آسمان کی طرف اٹھتے اور کچھ دور چل کر ہوا میں غائب ہوتے جاتے تھے۔

ہر مسلمان جلد جلد کھانا تیار کرنے کی فکر کر رہا تھا۔ کوئی آگ دھونک رہا تھا۔ کوئی چمڑہ کے ٹکڑوں پر آٹا گوندھ رہا تھا۔ کوئی ہانڈی دیکھ رہا تھا۔ کوئی نمک چکھ رہا تھا اور کوئی روٹی پکا رہا تھا غرض جہاں سے اور جہاں تک نظر جاتی تھی۔ ہر مسلمان کام کرتا نظر آتا تھا۔

ایک فرد بھی بیکار نہ بیٹھا تھا۔

ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو معزز اور امیر تھے اور ان کے پاس ایک ایک دو دو غلام تھے اور غلام آٹا گوندھ رہا تھا تو آقا ہانڈی دیکھ رہا تھا یا آگ جلا رہا تھا یا اگر کوئی غلام لکڑیاں لا رہا تھا یا آگ جلا رہا تھا تو آقا آٹا گوندھ رہا تھا یا روٹی پکا رہا تھا۔

مسلمان غلام یا نوکر ذلیل یا حقیر نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنا بھائی جانتے تھے جتنا کام ان سے کراتے تھے اتنا خود بھی کرتے تھے۔ جیسا خود پہنتے تھے ایسا ہی ان کو بھی پہناتے تھے۔ جس سواری پر خود سوار ہوتے تھے ویسے ہی غلاموں کے واسطے ہوتی تھی۔ جیسا خود کھاتے تھے ویسا ہی غلاموں کو کھلاتے تھے غرض کسی بات میں بھی غلام اور آقا کی تفریق نہ ہونے دیتے تھے انھیں اپنا ہی جیسا سمجھتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا عہد خلافت تھا۔ آپ خدا اور خدا کے رسول صلعم کے احکام پر خود بھی چلتے تھے اور تمام مسلمانوں کو بھی چلاتے تھے۔ ناممکن تھا کہ کوئی مسلمان حدود اللہ سے باہر نکل جائے آپ ہر کام قول سے نہیں عمل سے ثابت کیا کرتے تھے۔

بیت المقدس عیسائیوں کا دائمی قبلہ اور مسلمانوں کا پہلا قبلہ ہے۔ جب تک خدا کا کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نہیں ہوا تھا اس وقت تک بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاتی تھی۔

جب مسلمانوں نے بیت المقدس پر حملہ کیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا تو وہاں کے پادریوں نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ اپنے خلیفہ کو بلا لیں اگر وہ وہی ہیں جن کا ذکر ہماری کتابوں میں ہے تو ہم بغیر لڑے بھڑے قلعہ تمھارے سپرد کر دیں گے چنانچہ فوراً امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کو اس کی اطلاع کی گئی۔ آپ اپنے غلام کو ساتھ لے کر بغیر کسی لشکر کے چل پڑے۔

ایک اونٹ تھا اس پر ایک طرف جو کا ستو اور دوسری طرف کھجوریں تھیں ایک پیالہ کاٹھ کا تھا۔ یہ زادراہ تھی مسلمانوں کے اس خلیفہ کا جس سے دنیا ڈرتی تھی۔

چونکہ اونٹ صرف ایک ہی تھا اور آپ کے ساتھ آپ کا غلام بھی تھا اس لئے آپ جتنی دور خود سوار ہو کر چلتے اور غلام پیدل چلتا رہتا اتنی ہی دور غلام کو سوار کراتے اور خود پیدل چلتے اور جو خود کھاتے وہی غلام کو کھلاتے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ جب بیت المقدس میں داخلہ کا وقت آیا تو غلام کی باری سوار ہو کر چلنے کی آ گئی۔ غلام نے عرض کیا کہ عیسائی قلعہ کی فصیل کے اوپر سے دیکھ رہے ہوں گے۔

مناسب یہ ہے کہ آپ ہی سوار ہو کر چلیں۔ آپ نے فرمایا۔ "آج میں عیسائیوں کو اپنی شان دکھانے کے لئے تیری حق تلفی کر کے خود سوار ہو کر چلوں اور خدا کو اپنے اس فعل سے ناخوش کر دوں۔ اگر خدا نے قیامت کے روز اس بات کی بازپرس کی تو کیا جواب دوں گا۔"

غلام چپ ہو گیا۔ وہ برابر بیٹھا رہا اور آپ اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے آگے چلتے رہے۔

جو لوگ اپنے ملازموں پر سختیاں کرتے ہیں انھیں ذلیل اور حقیر جانتے ہیں ان کی حق تلفیاں کرتے ہیں وہ سوچیں اور خیال کریں کہ اس طرح وہ خدا اور خدا کے رسول صلعم کی ناخوشی مول لیتے ہیں قیامت کے روز خدا کو کیا جواب دیں گے اور کس منہ سے رسول صلعم کے حضور میں شفاعت کے لئے جاویں گے۔

ہم اصل مقصد سے دور ہٹ گئے۔ بیان یہ کرنا تھا کہ مسلمان کھانا تیار کر رہے تھے اور ہر شخص کام میں مصروف تھا۔ عیاضؓ جو سپہ سالار تھے وہ آٹا گوندھ رہے تھے اور غلام آگ دھونک رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں کھانا تیار ہو گیا سب نے حسب دستور دس دس بیس بیس آدمیوں کی ٹولیوں میں ایک ہی جگہ بیٹھ بیٹھ کر کھایا۔

کھانا کھاتے ہی سب سے پہلے عیاض مسلح ہو کر سوار ہوئے اور اسی میدان کی طرف چلے جس میں کل جنگ ہوتی رہی تھی۔

انھیں اس طرف جاتے ہوئے دیکھ کر تمام مسلمان جلد جلد مسلح ہو ہو کر ان کے پاس پہنچ پہنچ کر صف بستہ ہونے لگے۔ بہت جلد تمام مسلمان وہاں پہنچ گئے اور صفیں قائم کر کر کے کھڑے ہو گئے۔

ابھی مسلمانوں نے پیش قدمی شروع نہیں کی تھی کہ ان کی پشت پر غبار اڑتا نظر آیا۔ سب اس طرف دیکھنے لگے۔

غبار بڑھتا آ رہا تھا۔ سب کو یہ خیال ہوا کہ شاید اس طرف سے کسی عیسائی بادشاہ کا لشکر راس العین والوں کی مدد کے لئے آ رہا ہے چنانچہ انھوں نے اپنا رخ اسی طرف کر لیا اور آنے والوں کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

ابھی مسلمان دیکھ ہی رہے تھے کہ قلعہ کی فصیل کے اوپر شور و غل بلند ہوا اور اس قدر بڑھا کہ تمام میدان گونج اٹھا۔

مسلمان سمجھ گئے کہ یقیناً آنے والا لشکر عیسائیوں ہی کا ہے اور راس العین والے اسے دیکھ کر خوشی کے نعرے لگا رہے ہیں۔

غبار بڑھتے بڑھتے قریب آگیا اور جب سوار نظر آئے تو وہ عیسائی ہی معلوم ہوئے۔ ان کا لباس ان کا طرز دور ہی سے بتا رہا تھا کہ وہ عیسائی ہیں ایک سوار لشکر سے آگے بڑھا ہوا آرہا تھا وہ سوار مسلمانوں کی صفوں کے سامنے آکر رکا اور اس نے بلند آواز سے کہا۔

السلام علیکم۔

تمام مسلمانوں کو اس کے اس طرح سلام کرنے سے بڑا تعجب ہوا چنانچہ اگلی صف والوں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ اس نے پھر کہا۔ سپہ سالار کو اطلاع کر دیجئے کہ ان کے حکم کے بموجب شہزادہ یرغون آرہے ہیں۔

مسلمانوں کو یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ فوراً عیاضؓ معہ چند معزز عربوں کے یرغون کے استقبال کے لئے بڑھے اور اس سوار کو ساتھ لے کر آنے والے لشکر کی طرف چلے۔ جب اس کے قریب پہنچے تو انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

یرغون کے تمام لشکر نے بھی اس نعرہ کی تکرار کی۔

یرغون آگے بڑھ کر آیا۔ اسے خیال ہوا کہ شاید مسلمانوں کے سپہ سالار نے معمولی مسلمانوں کو اس کے استقبال کے لئے بھیجا ہے اس نے سلام کر کے کہا۔ "میں مسلمانوں اور ان کے سپہ سالار کا مشکور ہوں کہ انہوں نے آپ کو میرے استقبال کے لئے روانہ کر کے میری عزت افزائی فرمائی۔

عیاضؓ سمجھ گئے کہ وہ انہیں پہچانا نہیں۔ وہ پہچانتا بھی کیسے۔ اس نے پہلے کبھی انہیں نہ دیکھا تھا۔ چنانچہ ایک مسلمان نے کہا شہزادہ یہ (عیاض کی طرف اشارہ کر کے) ہمارے سپہ سالار ہیں جو آپ کے استقبال کے لئے آئے ہیں۔

یرغون سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کا سپہ سالار بڑے کروفر سے رہتا ہو گا۔ ریشمیں کپڑے پہنتا ہو گا۔ چاندی کا زرہ بکتر ہو گا اور سامان بھی بڑھیا ہی ہو گا۔ مگر اب جب انہیں سادہ اور معمولی عام مسلمانوں کے لباس میں دیکھا تو کمال متحیر ہوا اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

چند ثانیہ کے بعد جب حیرت دور ہوئی تو بڑھا اور جھک کر سلام کر کے کہا۔ معاف کرنا میں آپ کو پہچان نہ سکا اور اس وقت اس لئے میں نے دیکھا۔ آپ کے اور عام مسلمانوں کے لباس میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

عیاض نے مسکرا کر کہا۔ کس وجہ سے فرق ہوتا' میں مسلمانوں کا افسر نہیں خادم ہوں۔ ایک خادم کو کیا حق ہے کہ وہ اپنا لباس اوروں سے ممیز رکھے۔ اسلام رواداری سکھاتا ہے سارے مسلمانوں کو بھائی سمجھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ کیا ایک بھائی کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ خود تو اچھے کپڑے پہنے اچھا کھائے۔ آرام سے رہے اور اس کے بھائی اس جیسے نہ رہیں۔ اسلام اسے برا جانتا ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ اپنے نفس کو دھوکہ دے کر اسلام کی توہین کرتا ہے۔

یرغون:۔ آپ نے میرے استقبال کی کیوں تکلیف گوارا کی۔

عیاضؓ:۔ اس لئے کہ تم مسلمان ہو کر ہمارے بھائی بن گئے ہو۔ ایک بھائی کا فرض ہے کہ وہ آنے والے بھائی کا استقبال کرے۔

یرغون:۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے اخلاق کی خبریں سن سن کر میں اسلام کی طرف جھک رہا تھا عیسائیوں میں مسلمانوں کے سے اخلاق کا ہزارواں حصہ بھی باقی نہیں ہے۔ ان میں سے ہر شخص فرعون بے سامان بنا ہوا ہے۔

عیاض:۔ وہ ان کا اخلاق ہے اور یہ ہمارا۔ ہمارے نبی صلعم کا جو اخلاق تھا ہم اس کی پابندی کرتے ہیں۔ کہیے آپ کو راستہ میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔

یرغون:۔ بالکل نہیں۔

عیاضؓ:۔ میں تمام مسلمانوں کی طرف سے آپ کی سرفروشانہ کارگزاریوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

یرغون:۔ مگر میں نے جو کچھ کیا ہے وہ اپنا فرض سمجھتے ہوئے کیا ہے اور اس لئے میں شکریہ کا مستحق نہیں ہوں۔

عیاضؓ:۔ یہ ٹھیک ہے خدا آپ کو اس کا نیک اجر دے گا۔ آئیے۔

یرغون:۔ چلئے۔

یہ سب چلے ان کے پیچھے یرغون کا لشکر چلا۔ یرغون نے راستہ میں اخلاط کے بادشاہ ورسوئی کے آنے اور لڑنے۔ لڑ کر شکست کھانے کا تمام واقعہ سنا دیا۔

عیاض نہایت خوش ہوئے اسلامی لشکر کے قریب پہنچ کر انہوں نے یرغون کو لشکر گاہ میں جا کر قیام کرنے کا حکم دیا۔ وہ چلا گیا۔ اس کا لشکر بھی چلا گیا۔

اب عیاض نے قلعہ کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ عیسائی اب تک شور و غل مچا رہے تھے لیکن یہ تعجب کی بات تھی کہ کل کی طرح آج وہ تیروں اور پتھروں کی بارش نہ کر

رہے تھے۔ عیاضؓ اور سارے مسلمان اس بات سے حیران ہو رہے تھے۔

جب وہ پھاٹک کے قریب پہنچے تو انہوں نے پھاٹک کھلتے دیکھا۔ وہ سمجھے کہ شاید عیسائی آج قلعہ سے باہر نکل کر میدان میں مقابلہ کرنا چاہتے ہیں وہ رک گئے۔ ان کے رکتے ہی تمام لشکر رک گیا۔

لیکن پھاٹک کھلتے ہی دروازہ میں ایک عرب کھڑا نظر آیا۔ جو پست قد تھا جب مسلمانوں نے غور سے دیکھا تو پہچان لیا وہ وامسؓ تھے۔

یہ دیکھ کر مسلمانوں کو اور بھی حیرت ہوئی اور وہ حیران ہو کر کھڑے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

ایک اور جنگ

جب مرسیوس ہیجہ سلوریہ میں شکست کھا کر بھاگ گیا تو مسلمان ایک جگہ جمع ہوئے۔ حضرت خالدؓ نے سو مجاہدین کو گرجے کے احاطہ میں اس لئے چھوڑ دیا کہ کوئی شخص وہاں سے بھاگ کر نکلنے نہ پائے اور جو کوئی بھاگنے کی کوشش کرے اسے مار ڈالا جائے اور خود بقیہ تمام لشکر لے کر احاطہ سے باہر نکلے۔

مرسیوس اور اس کے ساتھ اور عیسائیوں کو بدحواس ہو کر بھاگتے سے عام عیسائیوں نے سمجھ لیا تھا کہ کوئی آفت نازل ہو گئی ہے اس لئے وہ پریشان ہو رہے تھے لیکن یہ انہیں معلوم نہ ہوا تھا کہ کیا مصیبت آگئی ہے۔

جس وقت مسلمان تلواریں سونتے ہوئے گرجہ کے احاطہ میں سے نکل کر قلعہ میں پھیلنے لگے اس وقت انہیں معلوم ہوا کہ کیا آفت نازل ہوئی ہے اور کس مصیبت نے انہیں گھیر لیا ہے۔

وہ مسلمانوں کو اس حیثیت میں دیکھ کر نہایت بدحواس اور خوف زدہ ہو گئے۔ انہوں نے گلے پھاڑ پھاڑ کر شور مچانا اور بھاگنا شروع کر دیا۔

تمام قلعہ میں افراتفری اور ابتری پھیل گئی۔ ہر مرد مسلمانوں کی طرف اس طرح دیکھ کر جیسے وہ موت کا فرشتہ ہوں ان سے ڈرتا ہوا بے تحاشا بھاگا جا رہا تھا۔ مشہور ہے کہ خوف کے وقت جوتے ڈھیلے ہو جاتے ہیں ان کے بھی جوتے ڈھیلے ہو گئے تھے اور وہ بھاگتے بھاگتے گر پڑتے تھے اور جلدی سے پھر اٹھ کر بھاگنے لگتے تھے۔

ہر شخص کے چہرہ پر خوف و ہراس سے زردی چھائی ہوئی تھی قیامت تو قیامت ہے وہاں تو جو کچھ بھی ہو تھوڑا ہے۔ لیکن یہاں دنیا ہی میں راس العین کے قلعہ کے اندر نفسا نفسی ہو گئی تھی۔

ہر آدمی اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ رہا تھا۔ اس وقت اسے نہ بیوی کا خیال رہا تھا نہ بیٹوں کا نہ بیٹیوں کا۔ نہ بھائی کا نہ بہن کا۔ نہ ماں کا۔ نہ باپ کا۔ صرف اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی اور وہ جان بچانے کے لئے دوڑ رہا تھا۔

البتہ عورتیں چھوٹے بچوں کو گود میں اٹھائے۔ بڑوں کا ہاتھ پکڑے گھبرائی ہوئی۔ سہمی ہوئی نظروں سے مسلمانوں کو دیکھتیں بھاگی چلی جا رہی تھیں۔ وہ بھی ٹھوکریں کھا رہی تھیں۔ جھکتی تھیں گر پڑتی تھیں اور پھر اٹھ کر بھاگنے لگتی تھیں۔

جوان عورتیں اور نوعمر لڑکیاں بھی ہرنیوں کی طرح تیزی سے دوڑ رہی تھیں۔

ضعیف بڈھے بھی گرتے پڑتے بھاگتے جا رہے تھے غرض تمام قلعہ کے اندر عجب طوفان بپا تھا۔ ہر فرد پر ہراس طاری تھا اور ہر اک کو جان کی پڑی ہوئی تھی۔

عورتیں بچوں کو پکار رہی تھیں۔ بچے والدین کو آواز دے رہے تھے۔ مرد چلا رہے تھے۔ کوئی رو رہا تھا۔ کوئی امان امان پکار رہا تھا۔ ان آوازوں سے تمام قلعہ گونج رہا تھا۔

مسلمان بڑھے چلے جا رہے تھے۔ وہ نہ عورتوں کو کچھ کہتے تھے نہ بچوں کو نہ بڈھوں کو۔ نہ بیماروں کو بلکہ انہیں تسلی اور دلاسا دے رہے تھے۔ لیکن ان کا کچھ ایسا خوف طاری تھا کہ سب گھبرائے اور سہمے ہوئے تھے سب کے چہرے زرد ہو رہے تھے۔

یہ سب لوگ دوڑ دوڑ کر فصیل کے اوپر چڑھتے جاتے تھے اور وہاں چڑھ چڑھ کر شور و غل مچا رہے تھے یہی وہ شور کی آواز تھی جو مسلمانوں نے اس وقت سنی تھی۔ جب کہ وہ برغون کے لشکر کو آتا ہوا دیکھ رہے تھے۔

مرسیوس قلعہ کی فصیل کے اوپر بھاگ کر پہنچا تھا اور چونکہ زیادہ تر اس کا لشکر فصیل کے اوپر ہی تھا۔ اس لئے وہ وہاں سے پچیس تیس ہزار لشکر لے کر نیچے اترا اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑھا۔

گرجے کے اندر سے آنے والے مسلمان قلعہ کے مشرقی دروازہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس دروازہ کا نام اصطافون تھا۔ وہ اس پر قبضہ کر کے اسے کھولنا چاہتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ اسلامی لشکر اس دروازہ کے سامنے ہی ہو گا۔

چنانچہ وہ بڑھتے بڑھتے اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں مرسیوس کے لئے ایک عالیشان خیمہ

نصب کیا گیا تھا دروازہ اس جگہ سے قریب ہی تھا۔

یہاں پہنچ کر وہ رک گئے اور صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

مرسیوس ان کے پیچھے لگا چلا آرہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا کثیر لشکر تھا۔

وامسؓ اپنے ساتھ بیس مجاہد کو لے کر دروازہ کی طرف چلا اور تیزی سے وہاں پہنچ کر پہرہ والوں یعنی دروازہ کے محافظوں سے لڑنے لگے۔

اس دروازہ کی حفاظت کے لئے دو سو سپاہی ہر وقت موجود رہتے تھے وہ مسلمانوں کو دیکھتے ہی لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔

چونکہ وامسؓ جلد سے جلد دروازہ کھولنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے ایک لمحہ ضائع نہیں کیا اور فوراً ان پر حملہ کر دیا۔

جنگ شروع ہو گئی۔ یہ جنگ دروازہ کے عین سامنے ہونے لگی عیسائی مسلمانوں کو گنتی کے بیس آدمی سمجھ کر ان پر ٹوٹ پڑے۔

چونکہ وہ دو سو تھے اس لئے ان کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے خیال کر لیا تھا کہ وہ ان مسلمانوں کو بہت جلد ٹھکانے لگا دیں گے۔ اسی لئے انہوں نے نہایت شدت سے حملہ کیا اور حملہ کرتے ہی یہ سمجھ لیا کہ پہلے ہی حملہ میں وہ ان کا خاتمہ کر دیں گے۔

لیکن جب مسلمانوں نے ان کے حملہ کا جواب اس سختی سے دیا۔ جس سختی سے انہوں نے حملہ کیا تھا وہ حیران رہ گئے مگر فوراً ہی حیرت دور کر کے پھر حملہ آور ہوئے۔

اب وامسؓ نے آگے بڑھ کر اس زور سے حملہ کیا کہ عیسائی کئی قدم پیچھے ہٹ گئے اور ان کے کئی سپاہی مارے گئے۔

عیسائیوں کو بڑا غصہ آیا۔ صرف ایک شخص نے ان پر حملہ کر کے انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا اور ان کے کئی آدمیوں کو مار ڈالا۔

وہ غیرت و جوش میں آگے بڑھے اور بڑے شد و مد سے حملہ آور ہوئے۔

وامسؓ نہایت پھرتی سے ادھر ادھر جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے جو ان کی تلوار کی زد میں آجاتا تھا وہی قتل ہو کر لمبا لیٹ جاتا تھا جس طرف وہ دوڑ کر جاتے تھے ایک دو قتل کر کے واپس لوٹتے تھے۔

صرف وامسؓ ہی نہیں۔ بلکہ ہر مسلمان جوش و خروش سے لڑ رہا تھا تلواریں جلد جلد اٹھ اٹھ کر سروتن کے فیصلے کر رہی تھیں سر کٹ کٹ کر اچھل رہے تھے خون کے پرنالے

ہو رہے تھے۔

عیسائی بھی نہایت جوش و قوت سے لڑ رہے تھے۔ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے مگر مسلمانوں پر گویا ان کے حملوں کا اثر ہی نہ ہوتا تھا اب تک ان میں سے ایک بھی نہ مرا تھا اور عیسائی بیسیوں ڈھیر ہو گئے تھے۔

یہ دیکھ کر عیسائیوں کے اوپر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی اور وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے ادھر ادھر کترا کترا کر چھپ کر بھاگنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں دروازہ خالی ہو گیا۔ صرف دروازہ کے سامنے لاشیں پڑی رہ گئیں۔

وامسؓ نے جلدی سے تلوار صاف کر کے میان میں ڈالی اور دروازہ کھولنے کے لئے بڑھے۔ دو تین اور مسلمان بھی ان کے پاس آگئے سب نے مل کر لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں نکال نکال کر پھینکیں اور زنجیریں کھول کر اپنی پوری قوت سے پٹوں کو کھینچا۔

بڑی مشکل سے دروازہ کھلا۔ دروازہ کھلتے ہی وامسؓ آگے بڑھ کر محراب کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کو دیکھنے لگے۔

اس طرح لڑ بھڑ کر وامسؓ دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو کر وہاں جا کھڑے ہوئے اور مسلمان انہیں وہاں کھڑا ہوا دیکھ کر حیران رہ گئے۔

چونکہ مسلمان حیرت سے کھڑے ہوئے انہیں دیکھ رہے تھے اور حیرت کی وجہ سے اب تک آگے نہ بڑھے تھے اس لئے وامسؓ نے اپنی عبا کا دامن پھاڑ کر رومال بنایا اور اس رومال کے ذریعہ سے مسلمانوں کو جلدی سے آگے بڑھ آنے کا اشارہ کیا۔

اس اشارہ کے ہوتے ہی عیاضؓ جلدی سے بڑھے ان کے پیچھے تمام لشکر بڑھا اور وہ تیزی سے دروازہ کی طرف چلے۔

چونکہ فاصلہ زیادہ نہ تھا اس لئے بہت جلد وہاں پہنچ گئے۔ سب سے پہلے عیاضؓ نے وامسؓ کو سلام کیا۔ وامسؓ نے سلام کا جواب دے کر کہا جلدی قلعہ کے اندر چلئے۔ بڑی خونریز جنگ ہو رہی ہے۔

اس وقت بات کرنے کا موقع بھی نہ تھا۔ وامسؓ ایک طرف ہٹ کر واپس لڑنے لگے اور اسلامی لشکر دروازہ کے اندر داخل ہو کر اندرون قلعہ کی جانب پیش قدمی کرنے لگا۔



بتیسواں باب
عظیم فتح

حضرت خالدؓ اور تمام وہ مسلمان جو بیت سلوریہ میں سے آئے تھے اس جگہ آکر صف بستہ ہو گئے تھے جہاں مرسیوس کے لئے ایک عالی شان خیمہ پہلے ہی سے نصب کیا گیا تھا۔ مرسیوس بھی لاتعداد لشکر لے کر آگیا تھا اور اس نے بھی صفیں مرتب کر لی تھیں اور صفیں مرتب کرتے ہی حملہ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

عیسائی جوش میں تھے ہی انہوں نے فوراً ہی نہایت سختی سے حملہ کر دیا مسلمان گویا مدافعت کے لئے تیار ہی تھے۔ وہ بھی ڈٹ گئے اور انہوں نے بڑے صبر و استقلال سے عیسائیوں کا حملہ روکا۔

جو عیسائی اس وقت لڑنے کے لئے آئے وہ بالکل تازہ دم تھے اور یہ مسلمان بیت سلوریہ میں لڑ چکے تھے پھر وہ پچیس تیس ہزار تھے یہ ایک ہزار ہی تھے مگر وہ نہ قلت و کثرت کی پرواہ کیا کرتے تھے نہ خستگی اور تکان کی۔

ان کا قول تھا کہ انہوں نے اپنی زندگیوں کو خدا کے نام پر وقف کر دیا ہے اور اس لئے ہر وقت اور ہر حالت میں دین اسلام پر کٹ مرنے کے لئے موجود اور مستعد رہتے تھے۔

اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ زندگی خدا کی دی ہوئی ہے وہ جب چاہے لے لے۔ جس نے زندگی جیسی چیز عطا کی ہے اس کی راہ میں جان دینا کیا بڑی بات ہے۔

وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ جس نے زندگی دی ہے اس نے موت کا وقت بھی مقرر کر دیا ہے اپنے وقت پر موت آئے گی اور ضرور آئے گی۔ کسی طریقہ سے نہ رکے گی۔ پھر جان بچانے کی کوشش کرنے سے کیا حاصل۔

چنانچہ انہوں نے بغیر کوئی پس و پیش کئے خود بھی حملہ کر دیا۔ ادھر عیسائی بڑے جوش و خروش سے لڑنے لگے۔

نہایت خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ عیسائیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے میدان جنگ دور تک پھیل گیا۔

کچھ دیر تک تو صفیں قائم رہیں لیکن جب جنگ کا زیادہ زور ہوا تو صفیں ٹوٹ کر چھوٹے چھوٹے گروہ میں منتقل ہو گئیں اور یہ گروہ مسلمانوں کے بن گئے۔

عیسائیوں نے ہر گروہ کو نرغہ میں لے کر انہیں قتل کرنے کے لئے ان پر تلواروں کی بارشیں شروع کر دیں۔

مسلمان سر جھکائے نظریں نیچے کئے بڑے صبر اور بڑے استقلال سے لڑ رہے تھے۔ ان کی تلواریں بڑی تیزی اور پھرتی سے اٹھ اٹھ کر عیسائیوں کی طرف جھک رہی تھیں۔

عیسائی بھی ان کے حملوں کو روک روک کر خود بھی حملے کر رہے تھے۔ ہر طرف تلواروں کے اٹھنے اور جھکنے سے عجب خوفناک منظر نظر آ رہا تھا۔

ایک تو فصیل کے اوپر چڑھے ہوئے عیسائی شور کر رہے تھے دوسرے جو لوگ لڑ رہے تھے وہ چلا رہے تھے۔ تیسرے زخمی چیخ رہے تھے۔ ان مختلف آوازوں سے تمام قلعہ گونج رہا تھا۔

عورتیں فصیل کے اوپر چڑھی ہوئیں امید و بیم بھری معصومانہ نگاہوں سے لڑائی کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ عام شہری مرد بھی ان کے دوش بدوش کھڑے چیخ چیخ کر لڑنے والوں کی ہمتیں بڑھا رہے تھے۔

جنگ نہایت زور شور سے ہو رہی تھی۔ سر کٹ کٹ کر گیندوں کی طرح اچھل اچھل کر گر رہے تھے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔

ہر عیسائی غیظ و غضب کی نگاہوں سے مسلمانوں کو دیکھ دیکھ کر اور پوری قوت سے تلوار اٹھا اٹھا کر حملے کر رہے تھے۔

ہر مسلمان ڈھال پر حملے روک روک کر خود بھی حملے کر رہا تھا مسلمان بھی شہید ہو رہے تھے اور عیسائی بھی مارے جا رہے تھے۔ لیکن مسلمان کبھی کبھی اور ایک ایک دو دو شہید ہوتا تھا اور عیسائیوں میں گویا مرنے کی بیماری پھیل گئی تھی اور وہ جلدی جلدی کٹ کٹ کر گر رہے تھے اور گر گر کر مر رہے تھے۔

ہر مسلمان شیر کی طرح نڈر ہو کر حملہ کر رہا تھا اور ہر حملہ میں ایک نہ ایک عیسائی کو مار ڈالتا تھا جب سو پچاس عیسائی مارے جاتے تھے تب ایک دو مسلمان بھی شہید ہو جاتے تھے۔

ضرار نیزہ لئے بڑی پھرتی اور تیزی سے داہنے بائیں آگے پیچھے نیزہ چلا رہے تھے۔ وہ نیزہ تاک تاک کر پیشانی پر۔ آنکھ پر۔ سینہ پر مارتے تھے اور جس جگہ ان کا نیزہ پڑتا تھا اسے توڑ کر پار ہو جاتا تھا۔

اب تک ان کا ایک وار بھی خالی نہیں گیا تھا۔ اور انہوں نے بہت سے عیسائیوں کو مار ڈالا تھا اور باوجود بھاگ دوڑ کے ان کے حملوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔

خالدؓ بھی شمشیر خار اشگاف لئے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے وہ جس طرف حملہ کرتے تھے اس طرف کائی سی پھٹ جاتی تھی۔ عیسائی دب جاتے تھے۔ مگر وہ لپک کر کم سے کم عیسائی کو ضرور مار ڈالتے تھے وہ دیکھ دیکھ کر عیسائیوں کے غول پر حملہ کرتے تھے۔ ان کے نرغہ میں گھس جاتے تھے اور دو چار آدمیوں کو قتل کر کے ان کا غول توڑ کر نکل آتے تھے۔

سعیدؓ اور یوقنا دونوں ایک دوسرے سے پشت ملائے اپنے سامنے والے عیسائیوں سے لڑ رہے تھے جب ان پر عیسائی یورش کرتے تو وہ ان کے حملوں کو روکتے اور ان میں سے دو چار کو قتل کر انہیں پیچھے ہٹا دیتے اور جب ذرا ذرا چھدری سی ہو جاتی تو وہ لپک لپک کر حملے کرتے اور ایک ایک دو دو کو قتل کر کے پھر آکر پشت ملا کر کھڑے ہو جاتے۔

عامرؓ بھی کمال جوش سے لڑ رہے تھے وہ بھی جس کے اوپر جھپٹ کر جاتے جس پر حملہ کرتے اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتے اور جب ایک کو مار ڈالتے تو دوسرے کی طرف جھپٹتے اور اسے بھی ختم کر کے تیسرے پر دوڑتے۔

غرض اسی طرح تمام مسلمان بڑی دلیری اور جوش سے لڑ رہے تھے۔ اگرچہ انہوں نے ہزاروں عیسائیوں کو اب تک مار ڈالا تھا۔ لیکن ان کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ مرنے والوں کو مرنے سے ان میں کوئی کمی ہی نہ آتی تھی۔ جب وہ مر جاتے تھے تو تین اور آجاتے تھے اور اس طرح ان کی تعداد گھٹتی ہی نہ تھی۔

مرہوس بھی بڑے جوش و خروش سے لڑ رہا تھا اور عیسائیوں کو شہ دے دے کر لڑا رہا تھا۔

اس کے للکارنے کی وجہ سے عیسائی بھی جوش و غیرت میں آ آ کر بڑھ بڑھ کر حملے کرتے تھے۔ مگر جب مسلمان ان پر ٹوٹتے تھے تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ مگر پھر بڑھتے تھے اور پھر حملہ کرتے تھے۔

اس وقت عام خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ موت جلد جلد کٹ کٹ کر گرنے والوں کی روحیں کھینچ رہی تھی۔

چونکہ اس جنگ نے طول کھینچا۔ اس لئے مسلمانوں کے کچھ قویٰ جواب دینے لگے اور ان کے حملوں میں کمی واقعہ ہونے لگی۔

عیسائیوں نے یہ بات سمجھ لی۔ اب ان کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے چاروں طرف سے سمٹ کر ان پر یورش کی۔

مسلمانوں نے مقدور بھر ان کے حملے روکے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی طاقت جواب دینے لگی تھی اور اب وہ صرف مدافعت کرنے لگے تھے۔

عیسائیوں نے جوش میں آکر شور و غل کر کر کے ان پر شدت سے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے بڑی مشکل سے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس حملہ کو روکا اور خود بھی ایک حملہ جوش میں آکر کیا اور کچھ دور تک مار کاٹ کر عیسائیوں کو ہٹا دیا۔

لیکن ان کا یہ حملہ ایک عارضی جوش اور عارضی قوت کے تحت میں ہوا۔ اس حملہ سے ان کی رہی سہی طاقت بھی ختم ہو گئی اور انہیں یقین ہو گیا کہ ان سب کی شہادت کا وقت آپہنچا۔

وہ چاہتے تھے کہ ایک دوسرے کو مبارک باد دے کر رخصت ہو لیں اور حوض کوثر پر ملنے کا اقرار کر لیں۔ لیکن دشمنوں کے حملوں نے اس بات کا بھی موقع نہ آنے دیا۔

مگر اس قدر تھک جانے اور ناطاقت ہو جانے پر بھی وہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے مرنے پر تیار نہ تھے وہ اب بھی لڑ رہے تھے اور خدا کی مدد کا انتظار کر رہے تھے۔

دفعتہً انہوں نے اللہ اکبر کے پر شور نعرہ کی آواز سنی۔ اس صدائے تکبیر نے ان کی قوتوں کو بڑھا دیا انہوں نے بھی اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگایا وہ سمجھ گئے کہ خدا نے ان کی مدد کے لئے مسلمانوں کو بھیج دیا۔ انہوں نے نگاہیں اٹھا کر یہ بھی نہ دیکھا کہ کتنے آدمی ان کی مدد کے لئے آئے ہیں۔ انہوں نے نعرہ لگاتے ہی نہایت جوش سے حملہ کر دیا اور بے دریغ عیسائیوں کو قتل کرنے لگے۔

عیسائی ان پیہم نعروں کی آوازیں سن کر چونک پڑے انہوں نے جب نگاہیں اٹھا کر دروازہ کی طرف دیکھا تو انہیں اس طرف سے مسلمانوں کا لشکر گھوڑوں پر سوار ہوتا ہوا نظر آیا۔

وہ اس لشکر کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ ان کے چہرے فق پڑ گئے۔ وہ خوب دیکھ چکے تھے کہ صبح سے اس وقت تک صرف ایک ہزار مسلمان ان کا نہ صرف مقابلہ کرتے رہے تھے۔ بلکہ ان کی کافی تعداد قتل کر چکے تھے اور ناطاقت ہو جانے پر بھی بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ اور اب ہزاروں مسلمان بڑھے چلے آرہے تھے ان کے دل ڈوب گئے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ چہرے زرد پڑ گئے آنکھوں سے بے پناہ خوف ظاہر ہونے لگا۔

یہ آنے والا لشکر عیاضؓ کا تھا۔ انہوں نے آتے ہی تلواریں نکالیں اور عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے۔

جس طرح کسان اپنی کھیتی کو کاٹا کرتا ہے اسی طرح انہوں نے آتے ہی انسانی کھیتی کو کاٹنا شروع کیا۔

وہ ہر طرف پھیل گئے اور انہوں نے عیسائیوں میں شمشیر زنی شروع کر دی۔

خوفزدہ عیسائی ان کا مقابلہ کرنے کے لئے بالکل بھی تیار نہ تھے وہ حملہ ہوتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

ان کے بھاگتے ہی مسلمان ان کے پیچھے دوڑے اور جہاں بھی وہ جا کر چھپے وہیں جا جا کر انہیں قتل کرنے لگے۔

اس طرح تمام قلعہ میں عیسائی آگے آگے اور مسلمان ان کے پیچھے پیچھے پھیل گئے قلعہ کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ پر جنگ شروع ہو گئی۔ جو لشکر اس وقت تک فصیل کے اوپر کھڑا تھا وہ بھی نیچے اتر آیا اور لڑائی میں مشغول ہو گیا۔

چونکہ اب سارے قلعہ میں جنگ کی آگ بھڑک اٹھی تھی اور ہر جگہ شور و غل ہونے لگا تھا۔ اس لئے سارا قلعہ شور محشر کی آواز سے گونج رہا تھا۔

بیچاری عورتیں خوفزدہ صورت بنائے سہمی ہوئی نگاہوں سے اور بڈھے پھٹی پھٹی نظروں سے لڑائی کا خوفناک منظر دیکھ رہے تھے۔ بچے الگ ڈرے ہوئے ماؤں کے سینہ سے چمٹے ہوئے تھے۔

اس وقت جنگ نہایت زور سے شروع ہو گئی تھی۔ ہر طرف تلواریں ہی تلواریں چمکتی نظر آ رہی تھیں۔ مسلمان جوش و غضب میں بھرے ہوئے جگہ جگہ قتل کرتے پھر رہے تھے وہ عیسائیوں کو گھیرے اور لکڑی کی طرح کاٹ کاٹ کر ڈالتے چلے جا رہے تھے۔ جہاں کہاں لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ خون کے پرنالے بہ رہے تھے زخمی پڑے سسک رہے تھے۔

عیسائی ڈرے ہوئے چھپتے پھر رہے تھے۔ ان میں سامنے آکر لڑنے کا حوصلہ باقی نہ رہا تھا۔ مگر جس جگہ بھی وہ جا کر چھپتے تھے مسلمان وہیں قضا کے فرشتہ کی طرح پہنچ جاتے تھے اور انہیں قتل کر ڈالتے تھے۔

قلعہ کے ہر محلے اور ہر گھر میں صدائے دار و گیر بلند ہو رہی تھی اور ہر جگہ قتل عام ہو رہا تھا۔

مگر قتل لڑنے والے عیسائیوں کو کیا جا رہا تھا۔ جن کے پاس ہتھیار نہیں تھے انہیں کچھ نہیں کہا جاتا تھا۔

ضرار اس وقت نیزہ لئے دوڑے پھر رہے تھے اور ہر اس عیسائی کو مار ڈالتے تھے جو ان کے سامنے آ جاتا تھا۔

انہوں نے مرسیوس کو دیکھا کہ وہ ابھی تک عیسائیوں کو لڑائی پر برانگیختہ کر رہا تھا وہ اس کی طرف لپکے۔ اس اور اس کے ساتھیوں نے بھی انہیں دیکھ لیا۔ کئی عیسائی ان کے اوپر ٹوٹ پڑے لیکن انہوں نے پینترے بدل بدل کر اس زور شور سے اور ایسی پھرتی سے حملے کئے کہ ان پر کسی عیسائی کی بھی تلوار نہ پڑی اور انہوں نے کئی سپاہیوں کو مار ڈالا۔

یہ کیفیت دیکھ کر عیسائی پیچھے ہٹ گئے اور ضرار مرسیوس تک پہنچ گئے۔

مرسیوس نے انہیں دیکھتے ہی آنکھیں بند کر لیں۔ ضرار نے اپنی پوری قوت سے نیزہ مارا۔ نیزہ اس کے سینہ پر پڑا اور پسلیاں توڑ کر پشت کی طرف باہر نکل گیا۔

اس نے زبردست اور ہولناک چیخ ماری اور مردہ ہو کر گرا۔ ضرار نے جلدی سے نیزہ کھینچا اور دوسرے عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔

عیسائی ایک دم بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب چونکہ ان کا والی مارا گیا تھا اس لئے انہوں نے ہتھیار پھینک دئے اور "امان" "امان" چلانے لگے۔

ان کی دیکھا دیکھی تمام عیسائیوں نے ہتھیار ڈال دئے اور ہر طرف امان کی آواز بلند ہونے لگی۔

جب لڑنے والوں نے ہتھیار پھینک دئے تو مسلمانوں نے بھی تلواریں روک لیں اور انہیں گرفتار کرنا شروع کر دیا۔

اسلام کے پروانے

جب مسلمانوں نے سب کو گرفتار کر لیا اور گرفتار شدگان کو شمار کیا تو وہ بیس ہزار تھے۔ یہ سب وہ لوگ تھے جو لڑتے رہے تھے اور جنہوں نے ہتھیار ڈال دئے تھے۔ عام شہریوں میں سے ایک کو بھی گرفتار نہیں کیا گیا۔

اور جب مقتولین کا شمار کیا تو قلعہ اور گرجہ کے اندر انیس ہزار سپاہی مارے گئے مسلمان بھی دو سو کے قریب شہید ہوئے۔

عیسائی سپاہیوں کی زیادہ تعداد اس وقت جبکہ جنگ زور شور سے ہو رہی تھی۔ دوسرے دروازوں سے اطراف ملک میں بھاگ گئی۔

مسلمانوں نے سب سے پہلے شہیدوں کو ایک جگہ جمع کر کے نماز جنازہ پڑھی اور قلعہ سے باہر انہیں دفن کرا دیا۔ ساتھ ہی انہوں نے عیسائی قیدیوں سے عیسائی مردوں کو اٹھوایا اور قلعہ سے ذرا فاصلہ پر گڑھے کھدوا کر دفن کرا دیا۔

ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر شاہی خزانہ اور بادشاہ کی تمام چیزوں پر تصرف کرنا شروع کر دیا۔

خالدؓ اور ضرارؓ کچھ مجاہدین کو ساتھ لے کر جیسے ہی ... میں داخل ہوئے گرجے کا بڑا پادری معہ دیگر پادریوں کی پلٹن کے عمارت کے سامنے کھڑا تھا۔ تمام پادری حد درجہ پریشان اور خوفزدہ تھے۔ ان کے پیچھے حسین تین کنواری تھیں جو سہمی ہوئی نگاہوں سے مسلمانوں کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کے نازک لبوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ چہرے غم و فکر میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اس وقت خالدؓ وہاں پہنچے۔ پادری بڑھ کر ان کے پاس آیا۔ وہ دو زانو کھڑا ہو گیا اور موٹے موٹے آنسوؤں کے قطرے بہا کر عاجزی کے لہجہ میں بولا۔ "حضور! ہم مذہبی لوگوں کو معاف کر دیجئے۔"

خالدؓ نے کہا۔ "معزز پادری معافی مانگنے کا یہ طریقہ نہایت خراب ہے آپ کو جو کچھ کہنا ہو وہ اٹھ کر اطمینان سے کہیے۔"

پادری جبہ کے دامن سے آنسو پونچھتا ہوا اٹھا اور اٹھ کر ہچکیاں لینے لگا۔

ٹھیک اس وقت ارسالوس آ گیا۔ اس نے آتے ہی خالدؓ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "معزز عرب! میں ملک شہراض مرحوم کا بھائی ہوں میرا نام ارسالوس ہے۔ یہ مقدس پادری میرے اس بیان کی تصدیق کر دیں گے۔"

پادری نے بغیر خالدؓ کے استفسار کے خود ہی کہنا شروع کر دیا۔

جی ہاں۔ یہ شہنشاہ شہراض آنجہانی کے بھائی ہیں۔ انہوں نے تخت و تاج کو لات مار کر مذہبی زندگی اختیار کر لی تھی۔ یہ نہایت نیک اور بڑے دانشمند ہیں۔

خالدؓ نے ارسالوس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آپ کے چہرے سے شان امارت ظاہر ہے۔ آپ کو اپنا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں۔ فرمائیے کیا ارشاد ہے۔"

ارسالوس:۔ میں وہ شخص ہوں جو شروع سے جنگ کرنے کے خلاف تھا۔ سب سے پہلے میں نے شہراض کو منع کیا کہ وہ ہرگز عربوں سے نہ لڑے۔ لیکن انہوں نے نہ مانا اور اپنی جان گنوائی اور اپنے ساتھ ہی جزیرہ کی خود مختاری اور شان و عظمت کو بھی تباہ کر دیا۔ اس کے بعد میں نے مرینوس کو سمجھایا اور اسے صلح کرنے کی ترغیب دی لیکن بجائے اس کے کہ وہ میری بات کا جواب زبان سے دیتا اس نے میری کوڑے سے خبر لی اور یہ کہہ دیا کہ اگر آئندہ میں اس کے سامنے آؤں گا تو وہ مجھے قتل کرا دے گا۔ میں یہ واقعات کچھ اس لئے بیان نہیں کر رہا ہوں کہ میں آپ سے ڈر گیا ہوں۔ آپ کی قوم کی طرح میں بھی کسی سے ڈرنا نہیں جانتا ہوں آزاد خیال ہوں اور یہی میرا مسلک ہے۔

پادری نے پھر کہا۔ حضور! یہ تمام باتیں سچ کہہ رہے ہیں۔"

خالدؓ:۔ میں آپ کے ان خیالات کی قدر کرتا ہوں۔

ارسالوس:۔ جب جنگ شروع ہو گئی تو میں سمجھ گیا کہ عیسائیوں کی حکومت کا خاتمہ ہونے والا ہے اور راس العین میں ایسا غدر نمودار ہو گا جس کی نظیر مشکل ہی سے ملے گی اس لئے میں موقع پا کر گرجے میں آ چھپا۔

خالدؓ:۔ لیکن جس غدر کا آپ نے خیال کیا تھا۔؟......؟

ارسالوس نے قطع کلام کر کے کہا۔ "وہ نہیں ہوا اور یہ مسلمانوں کی انتہائی شرافت کا ثبوت ہے۔"

خالدؓ:۔ آپ اب ہم سے کیا چاہتے ہیں۔

ارسالوس:۔ کیا آپ مجھے اور میرے متعلقین کو معاف کر کے ہمیں یہاں سے چلے جانے کی اجازت دے دیں گے۔

خالدؓ:۔ مگر میں معمولی سپاہی ہوں مجھے یہ اختیار نہیں ہے لیکن میں آپ کے لئے اپنے سالار اعظم سے اجازت دلا دوں گا۔

ارسالوس:۔ آپ کو اطمینان ہے کہ وہ اجازت دے دیں گے۔

خالدؓ:۔ وہ نہایت نیک اور حلیم المزاج ہیں یقیناً اجازت دے دیں گے۔

ارسالوس:۔ آپ کی اس عنایت کا شکریہ۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ میں مسلمانوں کی شرافت اور انسانیت کا پہلے سے قائل ہوں۔ دراصل میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا اور اس لئے آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ مجھے مسلمان کر لیں گے۔

خالدؓ:۔ نہایت خوشی کی بات ہے آپ ہمارے بھائی بننا چاہتے ہیں ہم بڑی خوشی سے آپ کو اپنا بھائی بنا کر وہ تمام حقوق آپ کو دے دیں گے جو ایک مسلمان کو حاصل ہیں۔ لیکن یہ اچھا ہو گا کہ آپ سالار اعظم کے سامنے چل کر مسلمان ہوں۔

ارسالوس:۔ بہت اچھا۔

اب خالدؓ نے پادری سے مخاطب ہو کر کہا۔ آپ معافی چاہتے ہیں۔

پادری:۔ جی ہاں۔

ارسالوس:۔ لیکن حضرت یہ وہ ذات شریف ہے جو شرباض اور اس کے بعد مرسیوس کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتے رہے ہیں۔ مسلمان قیدیوں کو ذبح یا قربان کرنے کا مشورہ دینے والے بھی یہی تھے۔

پادری زرد پڑ گیا۔ وہ انتہائی خوف بھری نگاہوں سے خالدؓ کو دیکھنے لگا۔ خالدؓ نے کہا۔ افسوس یہ پادری لوگ بھی کس قدر سنگدل اور شقی القلب ہوتے ہیں لیکن ہم کیا کریں ہمارے لئے حکم ہے کہ ہم کسی پادری کو کچھ نہ کہیں ......

(پادری سے مخاطب ہو کر) اور اس لئے معزز پادری آپ کے لئے اجازت ہے کہ آپ اپنی مذہبی جماعت کو لے کر جہاں جانا چاہیں شوق سے چلے جائیں۔ لیکن اپنے ساتھ گرجہ کے اندر سے کوئی چیز نہیں لے جاسکتے۔

پادری یہ سن کر بہت خوش ہوا اس نے کہا۔ "خدا آپ کو اور آپ کی قوم کو عزت و دولت دے۔ لیکن حضور! کیا ہم اپنے پہننے کے کپڑے بھی نہیں لے جاسکتے۔"

خالدؓ:۔ کپڑے لے جاسکتے ہو لیکن تلاشی دینے کے بعد۔"

پادری:۔ بہت اچھا اور یہ کسبیں۔

خالدؓ:۔ اگر یہ تمہارے ساتھ جانا چاہیں تو یہ بھی جاسکتی ہیں۔

پادری:۔ آپ کا ہزار ہزار شکریہ۔

پادری واپس لوٹا۔ اور اپنے گروہ کو لے کر گرجہ میں گیا اور تھوڑی دیر کے بعد باہر آیا۔ اس وقت ان میں سے ہر ایک پادری اور نن کے ہاتھ میں گٹھڑیاں تھیں۔ خالدؓ نے ان گٹھڑیوں کو کھول کھول کر دیکھا اور یہ اطمینان کر کے کہ وہ صرف کپڑے ہی کپڑے ہیں۔ انہیں لے جانے کی اجازت دے دی۔

جب پادری چلنے لگا۔ تو ضرار نے کہا۔ "کیا میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ ہم جس جگہ پہنچ جاتے ہیں خدا وہ جگہ فتح کرا دیتا ہے۔

پادری:۔ جی ہاں کہا تھا۔ خدا نے آپ کو فتح دی اور یہ فتح مسلمانوں کو مبارک ہو۔

پادری تمام پادریوں اور ننوں کو لے کر چلا گیا اور خالدؓ گرجہ کی عمارت کے اندر داخل ہوئے انہوں نے جنت کی تمام چیزوں اور دوسری چاندی سونے کی اشیاء پر قبضہ کر لیا اور

وہاں سے نکل کر واپس لوٹے۔ ارسالوس ابھی تک کھڑا تھا۔ خالدؓ نے کہا۔ کیا آپ میرے ساتھ چل رہے ہیں۔

ارسالوس:۔ اگر آپ ذرا توقف کریں تو میں اپنے متعلقین کو لے آؤں۔

خالدؓ:۔ لے آیئے۔

ارسالوس چلا گیا اور خالدؓ مع اپنے تمام ساتھیوں اور مال غنیمت کے چل کر گرجہ کے احاطہ سے باہر آکھڑے ہوئے۔

تھوڑی دیر میں ارسالوس بھی آگیا۔ اس کے ساتھ اس کی نوجوان بیوی اور تین بچے تھے۔ ارسالوس نے کہا۔ "چلئے"

عیاض ایک کھلے ہوئے میدان میں کمبل بچھائے بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے مال غنیمت کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور اس ڈھیر سے ذرا ہٹ کر قیدیوں کی قطار کھڑی تھی۔

یہ لوگ بھی ان کے پاس جا بیٹھے اور خالدؓ نے ارسالوس کی تمام داستان سنا دی۔ عیاض سن کر بہت خوش ہوئے انہوں نے انہیں سب کو مسلمان کر لیا۔

اب ارسالوس نے عیسائیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "عیسائی نوجوانو! تمہیں معلوم ہے کہ میں عیسائی تھا لیکن ایک عرصہ سے میرے دل میں اسلام کی محبت اور صداقت گھر کرتی چلی جا رہی تھی۔ آج میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ کسی خوف کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ اپنی خوشی سے۔ میرے دوستو سنو! اسلام کی تعلیم ہے کہ خدا ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے نہ اس کے کوئی بیٹا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اس کی ذات ان باتوں سے پاک ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ خدا کے جب بیوی ہی نہیں تو بیٹا کہاں سے آیا۔ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بتانا خدا پر الزام لگانا ہے اور خدا پر الزام لگانے والے سخت گنہگار ہیں۔ قیامت کے روز وہ کس طرح نہ بخشے جائیں گے۔ اس کے متعلق ہر مذہب وملت کی کتابوں میں لکھا ہے عیسائیوں میں دستور ہے کہ ہر چھوٹا آدمی گرجا میں جا کر بتوں کو سجدہ کرتے ہیں ہے یہ بھی بری بات ہے سجدہ سوا خدا کے اور کسی کو جائز نہیں ہے پھر یہ بات ہے۔ کہ ہر عیسائی جو ذرا بھی دولت و امارت رکھتا ہے چھوٹے آدمیوں کو نفرت و حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے اسلام میں یہ بات نہیں ہے۔ ان میں مساوات ہے۔ چھوٹے بڑے کی تحقیق نہیں ہے۔ امیر غریب سب ایک سمجھے جاتے ہیں۔ سلام کا طریقہ سب کے لئے ایک ہے اس لئے اسلام سچا مذہب ہے۔ خدا ایسے ہی مذہب کو پسند کرتا ہے۔ میں بھی مسلمان ہو گیا ہوں۔ تم بھی مسلمان ہو کر مسلمانوں کے بھائی بن جاؤ۔"

اس کی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ تقریباً ۸۰ ہزار عیسائی مسلمان ہو گئے ان کے مسلمان ہوتے ہی انہیں رہا کر دیا گیا۔ جو باقی رہ گئے۔ وہ جزیہ دے کر رہا ہو گئے۔

ان تمام کارروائیوں کے بعد عیاض نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ علیحدہ کر دیا۔ اور وہ دربار خلافت میں بھیجنے کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ باقی تمام سامان مجاہدین اسلام میں اور یرقون کے ساتھیوں میں حصہ رسد تقسیم کر دیا گیا۔

اب عیاض نے تمام لشکر کو قلعہ سے باہر خیمہ زن ہونے کا حکم دیا اور عورتوں کو شاہی محل میں لا کر ٹھہرایا اور ان کے لواحقین کو ایسے کمرے دیئے گئے جس سے جب وہ چاہیں اپنی خاتونوں سے بات چیت کر سکیں۔ عیاضؓ خود بھی قلعہ کے اندر ہی رہ گئے۔

اس طرح شرواص کو جو تمام جزیرہ کا شہنشاہ تھا اور جس کے بہت سے بادشاہ باجگزار تھے دو لاکھ کا عظیم الشان لشکر ہوتے ہوئے آٹھ ہزار مسلمانوں نے شکست دے کر مار ڈالا اور اس کے دارالسلطنت راس العین پر قبضہ کر لیا۔

عرصہ کی جنگ و پیکار کے بعد مسلمانوں کو ذرا آرام اور اطمینان سے بیٹھنا نصیب ہوا۔

دو چار روز کے بعد قلعہ کفرتوثا سے بھی قیدی اور مال غنیمت منگا لیا گیا۔ ان قیدیوں میں سے بھی کچھ مسلمان ہو گئے کچھ جزیہ دے کر رہا ہو گئے۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ نکال کر بقیہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا اور یہ پانچواں حصہ اور پہلا نکالا ہوا حصہ عبداللہ بن جعفر طیار کے ہمراہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔

شاہ کا مان تمنا

جب راس العین فتح ہو گیا اور مسلمانوں کو اطمینان سے بیٹھنا ہوا۔ تو انہوں نے خاموشی سے تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ مسجدوں کی بنیادیں ڈالیں۔ عیسائی مزدور لگائے۔ کام شروع کیا عصر کے وقت کام بند کر دیا جاتا اور دو چار مسلمان مزدوروں کو پاس بٹھا کر قرآن شریف پڑھتے انہیں مطلب سمجھاتے۔ تقریریں بیان کرتے۔ ایک عرصہ تک ایسا ہی کیا جاتا رہا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ قریب قریب سارے مزدور مسلمان ہو گئے۔ ان کی دیکھا دیکھی ان کے لواحقین۔ دوست اور پڑوسی بھی مسلمان ہو گئے۔ بلکہ راس العین کے گرد و نواح کے باشندے بھی آ آ کر مسلمان ہونے لگے۔ بہت تھوڑے سے عرصہ میں کافی تعداد مسلمان ہو گئے۔

طاریون ابھی تک مسلمان نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس کے دل پر اسلام کا نقش بیٹھتا جاتا تھا۔

وہ پریوتہ اور طاہرہ کے پاس رہتی تھی۔ طاہرہ سے اسے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ ایک لمحہ کو بھی اس سے علیحدہ ہونا گوارا نہ کرتی تھی۔

عربوں کی زندگی خانہ بدوشانہ تھی۔ لیکن اس خانہ بدوشی میں شادی کا لطف تھا وہ محلوں میں شہزادیوں کو بھی نصیب نہ ہوتا تھا۔ طاریون کو ان کی معاشرت بہت زیادہ پسند تھی۔ ایک اور بات بھی تھی جس نے اسے اسلام کی طرف راغب کر دیا تھا اور وہ مسلمانوں کا اخلاق تھا۔ ہر عورت ہر عیسائی خاتون اس کے پاس آتی کھنچی کھنچی اور ایسے حسن اخلاق سے اس کے ساتھ پیش آتی کہ اس کا دل اسلام اور مسلمانوں کی طرف کھنچا چلا جاتا۔

اس کے علاوہ طاہرہ عیسائیوں کی زبان سے کچھ واقف ہو گئی تھی اور وہ قرآن شریف جب پڑھتی تو طاریون کو پاس بٹھا لیتی اور جو کچھ پڑھتی اس کا مطلب اسے سمجھاتی جاتی۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ طاریون بغیر کچھ کہنے سننے کے خود ہی مسلمان ہو گئی اس کے مسلمان ہونے سے تمام مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔

چونکہ عیاض اور تمام اسلامی لشکر کے سرداروں کو یرقون کی طاریون کے ساتھ محبت کا حال معلوم تھا۔ اس لئے اس کے مسلمان ہونے کے بعد عورتوں کے ذریعہ سے اس کا استمزاج لیا گیا۔

اور چونکہ عورتوں کو معلوم تھا کہ طاریون طاہرہ سے زیادہ مانوس ہے۔ اس کی بات مانتی ہے اس لئے طاہرہ کو ہی اس بات پر مقرر کیا گیا کہ وہ طاریون کی مرضی دریافت کرے اور اگر اس کی منشا یرقون کے ساتھ عقد کرنے کی نہ ہو تو اسے کہہ سن کر آمادہ کرے۔

ایک روز جب طاہرہ اور طاریون دونوں قرآن شریف کی تلاوت سے فارغ ہو کر برآمدہ میں بیٹھی تھیں۔ تو طاہرہ نے طاریون سے کہا۔ آپ کو معلوم ہے کہ یرقون نے کس قدر مسلمانوں کی مدد کی ہے۔

طاریون نے کہا۔ ہاں مجھے معلوم ہے کفرتوثا کا قلعہ انہوں نے ہی فتح کیا ہے۔

طاہرہ۔ مسلمان ان کے بہت زیادہ مشکور ہیں۔

طاریون۔ انہوں نے کام ہی ایسا کیا ہے۔

طاہرہ۔ لیکن ان کی ایک آرزو ہے۔

طاریون نے طاہرہ کے حسین چہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کیا؟

طاہرہ نے کہا۔ اس آرزو کا پورا کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔

طاریون نے حیرت سے اس گل اندام کو دیکھ کر تعجب کے لہجہ میں کہا۔ "میرے اختیار میں۔؟"

طاہرہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "جی ہاں۔"

طاریون: وہ کیا؟

طاہرہ: اگر تم اس کے کرنے کا اقرار کرو تو عرض کروں۔

طاریون: میں تمہاری بات کو رد کر ہی نہیں سکتی۔

طاہرہ: وہ تم سے عقد کرنا چاہتا ہے۔

طاریون نے سنجیدگی سے کہا۔ سنو طاہرہ۔ میں اس سے کبھی شادی نہ کرتی۔ اس نے مجھے دھوکہ سے گرفتار کیا۔ میری توہین کی۔ مگر اب وہ بھی مسلمان ہو گیا ہے اور میں بھی۔ اس نے مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔ مسلمان ان کے ممنون ہیں۔ میں نے مسلمانوں کے ساتھ کوئی بھی احسان نہیں کیا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سپہ سالار کا بھی یہی منشا ہے تم بھی یہی چاہتے ہو۔ اس لئے میں منظور کر لوں۔ مگر۔

طاہرہ نے کہا۔ یہ صرف میرا اور سپہ سالار ہی کا منشا نہیں ہے بلکہ تمام مسلمانوں اور ساری مسلم خواتین کی آرزو ہے۔

طاریون: کہہ تو رہی ہوں مگر ایک شرط ہے۔

طاہرہ نے اس کے پھول سے رخساروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا وہ کیا شرط ہے۔

طاریون: میں اس روز شادی کروں گی جب تمہاری شادی ہو۔

طاہرہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ ایک آواز آئی۔ آپ کی یہ شرط تو نہایت مناسب ہے۔

دونوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ سامنے سے پروینہ ہنستی ہوئی آ رہی تھی۔ وہ آکر دونوں کے پاس بیٹھ گئی اس نے ادھر دیکھا صرف دیکھتے ہوئے کہا۔ بولو طاہرہ! تمہیں یہ شرط منظور ہے۔

طاہرہ نے شرمیلی نظروں سے پروینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اس شرط پر کہ تم بھی اسی روز اپنی شادی کرنا منظور کر لو۔

پروینہ نے شوخی سے کہا۔ میں کس کے ساتھ کر لوں۔ مجھے کوئی پوچھتا ہی نہیں۔

طاریون نے ہنس کر کہا۔ "ٹھیک ہے۔ اور یہ حارث کو چھپ چھپ کر کون دیکھا کرتا ہے۔"

پروینہ نے بیساختگی کے انداز میں کہا......تم؟...... یہ کہتے ہی وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

طاہرہ نے کہا۔ یہ بڑی سنگ دل ہیں۔ وہ تو ان پر جان دیتے ہیں اور یہ ان کی طرف نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتیں۔

پروینہ کے نازک لبوں پر تبسم کھیل رہا تھا۔ رخسارے دمک رہے تھے۔ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس نے کہا کہ اگر ہمیں تو نے دن موت اور آپ ...... آپ خنجر ہیں بیچارے منذر پر رات دن جادو حسن کے خنجر چلاتی رہتی ہیں۔

طاہرہ یوں بھی شرمیلی تھی۔ اب وہ اور بھی شرما گئی۔ بڑھتی ہوئی شرم کی وجہ سے اس کے گلابی عارض پسینہ سے بھیگ گئے اور وہ ایسے ہی دلفریب نظر آنے لگے جیسے گلاب کا سرخ و سفید پھول شبنم سے دھل کر دل آویز ہو جاتا ہے۔

طاریون نے کہا۔ "میں ان سے یہی تو کہہ رہی تھی۔"

پروینہ: مگر یہ ایسی بے رحم ہیں کہ ہرگز بھی نہ مانیں گی۔

طاہرہ نے اپنی شرمیلی نظریں اٹھا کر شوخ پروینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اچھا تم ہی رحم دل بن جاؤ۔

پروینہ نے شوخی سے کہا۔ کیا میں منذر سے عقد کرنے پر تیار ہو جاؤں ...... (جس کی وہ مجھے کیوں تیوری لگے۔

طاہرہ پھر شرما گئی۔ طاریون بھی ہنسنے لگی۔ طاریون نے کہا۔ بات تو تم نے ٹھیک کہی ہے۔ طاہرہ جواب دو شرما کیوں گئیں۔"

طاہرہ کی نظریں شرم سے جھکی جاتی تھیں۔ اس نے شرمیلے لہجہ میں کہا۔ میں ان سے کب کہہ رہی ہوں۔

پروینہ نے شوخ نظروں سے دیکھ کر کہا۔ اور کیا مطلب تھا تمہارا۔

طاہرہ: تم بھائی جان سے عقد کرنے پر تیار ہو جاؤ۔

پروینہ: چاہے وہ مجھ سے بات کرنا بھی گوارا نہ کرتے ہوں۔

آواز آئی۔ "یہ بے جا الزام ہے۔"

سب نے سر اٹھا کر دیکھا۔ قریب ہی حارث کھڑا تھا۔

پروینہ اسے دیکھ کر طاہرہ سے زیادہ شرما گئی۔ اس نے شرم سے سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔ یہ کہاں سے آگئے اس وقت۔

طاریون اور طاہرہ دونوں مسکرانے لگے۔ حارث جھک کر ان کے پاس بیٹھ گئے۔ طاریون نے کہا۔ بھائی جان! انہیں یہ شکایت ہے کہ تم ان سے باتیں بھی نہیں کرتے ہو۔

حارث نے سوکھا سا منہ بنا کر کہا۔ بات تو جب کرتا۔ جب یہ مخاطب ہوتیں ان کا تو یہ حال ہے کہ میں کمرہ میں آیا اور یہ شوخ ہرنی کی طرح زقند لگا کر بھاگیں۔

طاریون نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہیں تو یہ بالکل ہی ایسی۔"

پریونہ سر جھکائے زیر لب مسکرا رہی تھی۔ طاہرہ نے معصوم نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ لو اب تو بھائی جان تم سے باتیں کر رہے ہیں۔ اچھی طرح باتیں کر لو نہ۔"

پریونہ نے شرم آفریں نگاہیں اٹھا کر کہا۔ یہ یہاں آہی کیوں گئے۔"

حارث نے اس کے شرمیلے چہرہ پر نظریں جما کر کہا۔ غلطی ہو گئی جاتا ہوں۔

حارث اٹھنے لگے۔ طاریون نے کہا۔ ابھی نہ جایئے بیٹھئے۔"

پریونہ نے ہنس کر کہا۔ "شاید آپ کو ان سے اپنے عقد کے متعلق کچھ مشورہ لینا ہے۔"

طاریون نے سنجیدگی سے کہا۔ ابھی تو تمہارے عقد کے متعلق ہی طے کرنا ہے۔

حارث:۔ طے ہی کیا کرنا ہوگا۔ جب یہ آمادہ ہوں اسی وقت ہو جائے۔

طاریون:۔ سن لیا تم نے پریونہ۔ تمہیں شکایت تھی کہ یہ تم سے بات بھی نہیں کرتے۔

طاہرہ نے بھولے پن سے کہا۔ اب کس کی خطا ہے۔"؟

طاریون نے ہنس کر کہا۔ "پریونہ کی۔"

پریونہ سر جھکائے ہنس رہی تھی۔ طاریون نے مسکرا کر کہا۔ اب ہنس کیا رہی ہو جواب دو نہ۔"

پریونہ نے شرمیلے لہجہ میں کہا۔ جواب ہی کیا دوں۔"

طاہرہ نے معصومانہ انداز میں کہا۔ بس تو منظور ہے۔"

پریونہ نے شوخی سے کہا۔ "زبردستی بھی۔

طاریون:۔ جب خوشی سے نہ مانو گی تو زبردستی ہی کرنی پڑے گی۔

پریونہ:۔ اور تم۔

طاریون:۔ میں نے تو پہلے ہی کہدیا ہے۔"

پریونہ:۔ کیا؟

طاریون:۔ جس روز طاہرہ کا عقد ہو اسی روز......

پریونہ:۔ اسی روز تمہارا بھی۔

طاریون:۔ ہاں۔

پریونہ:۔ بس تو یہی شرط میری ہے۔

حارث:۔ میں خود طاہرہ کی شادی کی فکر میں ہوں۔

طاریون:۔ کس کے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہیں آپ اس کی۔

پریونہ:۔ اپنے منذر دوست کے ساتھ۔

طاریون:۔ ہم سب بھی یہی چاہتی ہیں۔

حارث:۔ میں عرصہ سے اسی فکر میں ہوں۔

طاریون:۔ بس تو انتظام کیجئے۔

حارث:۔ انتظام ہی کیا کرنا ہے۔ آج پنجشنبہ ہے۔ انشاء اللہ آئندہ جمعہ کو عقد ہو جائے گا۔

اب یہ سب اٹھ کر کمرہ میں چلے گئے اور وہاں جا کر کاموں میں مصروف ہو گئے۔

حارث نے طاریون کی رضامندی کی خبر عیاض" اور عیاض نے ریغون سے کر دی۔

ریغون اس نوید روح پرور کو سن کر کمال خوش ہوا۔ جمعہ کا روز عقد کے لئے مقرر کر دیا گیا۔

قریب قریب سارے مسلمانوں کو اطلاع ہو گئی کہ ریغون کی طاریون کے ساتھ حارث کی پریونہ کے ساتھ اور منذر کی طاہرہ کے ساتھ شادیاں ہونے والی ہیں۔ عام مسلمانوں کو اس خبر کے سننے سے خوشی ہوئی۔

دن گزرتے رہے اور آخر جمعہ کا دن بھی آہی گیا۔ اگرچہ ریغون شہزادہ تھا۔ جس قدر چاہتا خرچ کر دیتا۔ خوب دھوم دھام کرتا۔ حارث اور منذر بھی معمولی آدمی نہ تھے۔ دولتمند تھے۔ فوجی سردار تھے۔ وہ بھی خوب خرچ کر سکتے تھے۔ لیکن اسلام نے فضول اخراجات کی ممانعت کی ہے۔ خدا نے بیجا صرف کرنے والوں کو شیطان کا بھائی بتایا ہے اس لئے انہوں نے ایک حبہ بھی بیجا یا اور فضول کاموں میں صرف نہیں کیا۔

جمعہ کے روز نہایت سادہ طریقہ پر تینوں کے عقد ہو گئے۔ اور عصر کے وقت ادا ہوئے اور مغرب کی نماز پڑھ کر رخصتی ہو گئی۔

عشاء کی نماز پڑھ کر جب منذر اپنے کمرہ میں گیا تو اس نے حورش طاہرہ کو دیکھی

سر جھکائے اور آنچل سے منہ چھپائے بیٹھے دیکھا۔ وہ بڑھ کر اس کے سامنے جا بیٹھا۔

آج اس کے کمرہ میں ایک شمع روشن تھی۔ جس کی روشنی کمرہ بھر میں پھیلی ہوئی تھی۔

طاہرہ اسے اپنے سامنے بیٹھا دیکھ کر اور بھی شرما گئی اور اس نے شرما کر اور بھی اپنا سر جھکا لیا۔

منذر نے کہا۔ حور وش طاہرہ! اب یہ شرم کیوں ہے۔"

طاہرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور بیٹھی رہی۔

منذر نے پھر کہا۔ کیا مجھ سے خفا ہو طاہرہ؟

طاہرہ اب بھی چپ رہی۔ منذر نے پھر کہا۔ شاید اس بات پر خفگی ہے کہ میں نے اس روز جس روز تم اغلاط سے آئی تھیں اپنی حماقت سے تمہیں ڈرا دیا تھا۔ واقعی اس وقت مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔ معاف کر دو۔ مجھے طاہرہ۔"

یہ کہتے ہی وہ اور ذرا طاہرہ کی طرف کھسکا۔ طاہرہ نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا مہربانی کر کے ذرا وہیں تشریف رکھئے۔

منذر۔ اچھا تو تم خفا تو نہیں ہو۔

طاہرہ۔ خفا..............

منذر۔ ہاں بولو۔

طاہرہ۔ نہیں۔

منذر۔ خدا کا شکر ہے۔

یہ کہتے ہی وہ اور بڑھا اور اب اس نے طاہرہ کے چہرہ سے گھونگٹ الٹ دیا گھونگٹ الٹتے ہی طاہرہ کا چودھویں رات کو شرمانے والا چہرہ نظر آیا۔ آج اس کے رخساروں پر غضب کی سرخی اور تازگی تھی۔ ہوشربا آنکھیں جادو نگاری کر رہی تھیں۔ منذر اس کی سحر آفریں صورت اور جادو بھری نگاہیں دیکھ کر محو بخود ہو کر اسے دیکھتا...... نہیں تکتا رہ گیا۔

———